"سیّدنا ناصر" نمبر

ماہنامہ
خالد
ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سیدنا ناصر نمبر

ماھنامہ خالد ربوہ

شہادت ہجرت ۱۳۶۲ ہش ✤ اپریل مئی ۱۹۸۳ء ✤ جلد ۳۰ ✤ شمارہ ۶،۷

ایڈیٹر : مرزا محمد الدین ناز

نائب ایڈیٹر : منیر احمد جاوید

معاون : مبشر احمد ایاز

✤
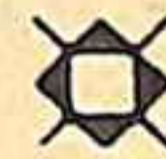
قیمت سالانہ : ۱۸ روپے

قیمت پرچہ ہذا : بارہ روپے صرف

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۸۳۰

✤
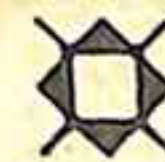
پبلشر : مبارک احمد خالد

مقام اشاعت : دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

پرنٹر : سید عبدالحئی

مطبع : ضیاء الاسلام پریس ربوہ

✤

فہرست مضامین

سیدنا ناصر نمبر

اداریہ

وُہ دِل جو مثلِ بحرِ ناپیدا کنار تھا

—— وُہ دِل جو محبت و پیار کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہُوا سمندر تھا۔
—— جس کا بطن اپنوں اور غیروں سے حُسنِ سلوک کے بے شمار یواقیت و جواہر سے مملوء تھا۔
—— جس کی فیاضی اور عطا سے ہر دامن تر تھا۔
—— وہ وسیع تھا! عمیق تھا! گنجینۂ گوہر تھا۔
—— جس کا منبع آسمان سے اُترنے والا چشمۂ صافی تھا جو تشنگیٔ عالم کو بُجھانے کے لئے عین وقت پر پھُوٹا۔
—— اور جس کا منتہا وہ بے شمار عروق تھیں جن کے ذریعہ آبِ حیات کی روانی ارضِ قلوب کی سرسبزی و شادابی اور کشتِ انسانیت کی آبیاری کا باعث بنی۔
—— اِس سمندر کو ..... تلخیٔ حالات کی سنگلاخ چٹانوں نے مثلِ جزیرہ محدود کرنے کی کوشش کی۔ لیکن صبر و استقامت کا کمال کہ انہی چٹانوں میں سے ایسے سوتے پھُوٹے جو زخم کی کھیتی کو کشتِ زعفران میں تبدیل کرتے رہے۔
—— تقسیم ہند و پاک کا دَور ہے۔ خون کا بحرِ تلاطم خیز ہر طرف سے اُمڈا چلا آرہا ہے۔ لیکن اُس کی حُسنِ تدبیر کی موجوں نے خون کے دھاروں کے رُخ بدل دیئے۔ اور آناً فاناً ہزاروں نہتے، ستم رسیدہ اور خوں چکیدہ افراد کا سیلِ رواں ایسے مضبوط آہنی کناروں میں سمو گیا جو اُن کو خونی لہروں کے امتزاج سے صاف رکھ سکے۔
—— پھر ۱۹۴۸ء میں مثلِ بادشاہِ فتح و ظفر اپنی فرقانی لہروں سے اغیار کی موجوں میں ایسا تحیّر کُن اضطراب پیدا کیا کہ وہ اُس کی حسین وجمیل سرحدوں سے ٹکرا ٹکرا کر دم توڑ گئیں۔
—— ۱۹۵۳ء میں ایک مُلک گیر تحریک کی خوفناک لہروں کا ریلا آیا اور حلقہ تنگ ہوتے ہوتے چاہِ یوسف کی شکل اختیار کر گیا لیکن اس نے اپنے عزم اور عنفوانی موجوں سے اُن کی جمعیت کو توڑ دیا۔

—— ۱۹۶۵ء میں اس سمندر کی وسعت عالمگیر ہو گئی۔ محبت و پیار کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں کئی موجیں اپنی ذات میں بحیرہ بن گئیں اور اس سے ایک عالم مستفیض ہونے لگا۔

—— فضل عمر فاؤنڈیشن، وقفِ عارضی، نصرت جہاں سکیم، صد سالہ جوبلی منصوبہ۔ الغرض بے شمار چشمے اس بحرِ ناپیدا کنار کے استفاضۂ روحانیہ میں وسعت پیدا کرتے چلے گئے۔

پھر ہر ایک بحیرہ میں بے شمار روشنی کے مینار اس کے حُسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔

ہال —— نوجوان نسل اور بیمار ارواح کو نورِ ہدایت سے ہمکنار کرنے والے ضیاء پاش مینار۔

—— کئی ادوار آئے۔ مختلف زہریلی موجیں اس سمندر پر اپنے اثرات کا دائرہ وسیع کرنے کی سعی کرتیں لیکن یہ پیکرِ عزم و استقلال ہمیشہ اپنی تریاقی لہروں سے نہ صرف اس کا سدِّ باب کرتا رہا بلکہ عملِ کشید کے ذریعہ ان کو مثلِ سیماب بنا دیتا۔ جتنے گرداب و بھنور اُٹھے اُس کی سرحدوں سے ٹکرا کر امن کے ہالوں میں تبدیل ہوئے۔

—— ۱۹۷۴ء کا دور ہے۔ مخالفت کا طوفان بلاخیز موجزن ہے۔ حوتِ اکثریت آتشِ شکم جور و ستم کو شعلہ زن کر رہی ہے۔ کئی ہیرے حطب بن چکے ہیں ...... لیکن آسمانی تاثیرات اور اس بحر کی عالی حوصلگی نے تقدیر کی کایا پلٹ دی۔ طوفانِ رستخیز کا عفریت ٹلنے لگا۔ اور ہیجانِ امواج نے کئی اور ہیرے پیدا کر دیئے اور اوساخ و ادران کی لہروں میں کنول کے پھول لہرانے لگے۔

—— اب وہ اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ اور اس کا فیضان پھر ابرِ رحمت بن کر مُردہ عالم میں روئیدگی و زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لئے طاہر و مطہر قطراتِ محبت ٹپکا رہا ہے اور ایک اور بحرِ تموّج میں حلول کر رہا ہے ——!
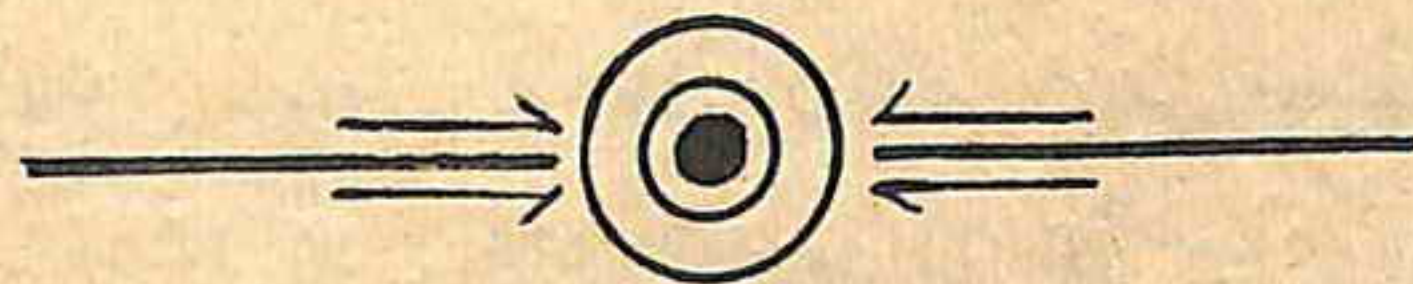
وہ مسیح وقت کا پیارا محبت کا امام
جس کے دل میں موجزن تھا اک سمندر پیار کا

سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے بارے میں

الٰہی بشارات

۱۔ ہزاروں سال قبل طالمود میں خبر دی گئی۔

"مسیح کی وفات ہوگی اور پھر آپ کی بادشاہت آپ کے بیٹے اور پھر پوتے کو منتقل ہوگی۔"

(طالمود جوزف بارکلے باب پنجم ص ۳۷ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء)

۲۔ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا۔

(ا) "اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ ۔ یَنْزِلُ مَنْزِلُ الْمُبَارَکِ ساقیا آمدن عید مبارک بادت"

(بدر و الحکم ۳۱ راکتوبر ۱۹۰۷ء)

ترجمہ:۔ ہم تجھے ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ وہ مبارک احمد کی شبیہ ہوگا۔ اے ساقی عید کا آنا تجھے مبارک ہو۔

(ب) اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَۃً لَّکَ ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا۔

(بدر ۵ راپریل ۱۹۰۶ء الحکم ۱۰ راپریل ۱۹۰۶ء)

۳۔ حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

"مجھے بھی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مَیں تجھے ایسا لڑکا دوں گا جو دین کا ناصر ہوگا۔ اور اسلام کی خدمت پر کمربستہ ہوگا۔"

(الفضل ۸ راپریل ۱۹۱۵ء ص ۵)

● حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پہلی بیعت عام کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا:۔

"اے جانیوالے ہم تیری نیک یادوں کو زندہ رکھیں گے۔ ان تمام نیک کاموں کو پوری وفا کے ساتھ پوری ہمت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہوئے چلاتے رہیں گے۔ اپنے خون کا آخری قطرہ تک ان کاموں میں حسن کے رنگ بھرنے کے لیے استعمال کرینگے جو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر تُو نے جاری کئے ..... ہم تجھ سے یہ عہد کرتے ہیں۔ یعنی تیری یاد سے یہ عہد کرتے ہیں۔"

(الفضل ۲۲ رجون ۱۹۸۲ء)

انہوں نے وہ کہا ہے

جو میں کہلوانا چاہتا ہوں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک اہم رؤیا

* * *

چار اور پانچ جون کی درمیانی رات کو دیکھا:

میں نے دیکھا کہ میرے سامنے کوئی شخص بیٹھا ہے۔ اور میں نے کوئی فقرہ کہا ہے جس میں جماعتِ احمدیہ پر کچھ تنقید ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس دوسرے شخص نے اس تنقید کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ اور یہ سمجھا ہے کہ اس تنقید کو سُنکر دشمن اور دوست دلیر ہو جائیں گے اور جماعت کا درجہ گرائیں گے۔ اس کے بعد میرے دو لڑکوں نے بھی اُسی قسم کا کوئی فقرہ کہا ہے۔ اور ان دو لڑکوں میں سے ایک مرزا ناصر احمد معلوم ہوتے ہیں۔ میرے لڑکوں کا فقرہ سُن کے اس شخص کے چہرہ پر ایسے آثار ظاہر ہوتے کہ گویا وہ کہتا ہے۔ دیکھئے جو میں سمجھتا تھا ویسا ہی ہوا۔ اس پر میں نے کہا کہ تم ان لڑکوں کی بات نہیں سمجھے۔ انہوں نے تو وہ کہا ہے جو میں کہلوانا چاہتا تھا۔ ان کے فقرے سے یہ مُراد ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے تقویٰ اور اخلاق کا مقام اونچا کرنا چاہیے۔ اور ہم اب اسکے لیے کوشش کرینگے۔ پھر میں نے کہا کہ اگر اسی طرح جماعت کے دُوسرے مخلصین میں بھی احساس پیدا ہو جاتے جو میری غرض تھی۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں جماعت نہایت بلند رُوحانی معیار پر پہنچ جائیگی۔ اور اسی طرف توجہ دلانا میرا مقصود تھا۔ پھر میری آنکھ کھُل گئی۔

(الفضل ۱۴ جون ۱۹۵۴ء)

چودھویں صدی میں

چودھویں صدی نے کیا پایا؟

اور

چودھویں صدی میں اسلام کو کیا ملا؟

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے پہلے روز مورخہ ۷ نبوت ۱۳۵۹ہش (۷ نومبر ۱۹۸۰ء) کو جو افتتاحی خطاب فرمایا تھا اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

خطاب شروع کرنے سے قبل حضور نے بورڈ اور یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے احمدی طلبہ کو اپنے دستِ مبارک سے تمغات عطا فرمائے۔ اس سلسلہ میں حضور نے فرمایا:۔

”تمغے اور انعام اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے نتیجہ میں اُن بچوں نے لئے ہیں جو بہت اچھے اللہ تعالیٰ نے ذہن دیئے اُن کو اور توفیق دی کہ اس کے مطابق یہ پڑھائی بھی کریں اور آگے بھی نکلیں۔ جو بچیوں کے ہیں انعام اس کا طریقہ میں نے یہ رکھا ہے کہ یہاں سندات دیدیں اُن کے بزرگوں کو اور کل لجنہ اماء اللہ کے اجلاس میں میں پلیٹ پہ رکھ کے ان کو دیدوں گا تمغہ ان کو اور وہ پھر خود منصورہ بیگم (نور اللہ مرقدہا) سے کہیں گی کہ وہ انہیں اُن کے گلے میں پہنا دیں اور اس طرح اُن کی خوشی پوری ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

ہم اللہ کے فضل سے چودھویں صدی کو الوداع کہہ رہے ہیں اور پندرھویں صدی کا استقبال کر رہے ہیں۔
ں؟ کوئی جواب ہونا چاہیئے، کوئی غرض اور مقصد ہونا چاہیئے کہ کیوں ہم چودھویں صدی کو الوداع کہنے
لیئے اس قدر ووکل (VOCAL) ہیں، بول رہے ہیں اس کے متعلق، پروگرام بنا رہے ہیں؟ اور اسی طرح
ھویں صدی کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں کس غرض سے کر رہے ہیں ہم؟ جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق
ہم پر فرض تھا کہ ہم ایسا کرتے۔

اس وقت جو گفتگو میں آپ سے کروں گا اگر اس کا کوئی عنوان رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ

چودھویں صدی میں، چودھویں صدی نے کیا پایا؟

اور

چودھویں صدی میں اسلام کو کیا ملا؟

چودھویں صدی جو ہے اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک بڑا تکلیف دہ، بڑا بھیانک اور ایک بڑا ہی عظیم، بڑی
ں والا۔

زمانے پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو قصہ یوں ہے کہ چودھویں صدی شروع ہونے سے معاً قبل عیسائیت بڑے
وں پر تھی اور ان کے دماغ بلاوجہ بہت اونچے ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں ایک پادری عماد الدین تھے جو
ی پہلے نہیں تھے۔ ایک بہت بڑے مسلمان عالم تھے، وہ پادری ہو گئے، عیسائی ہو گئے اور وہ پادری بنے اور
ں نے ایک مضمون لکھا جو ہندوستان سے باہر کسی جگہ کسی جلسے میں پڑھنا تھا انہوں نے، نہیں جا سکے لیکن وہاں
یا اور ہمارے پاس یہاں موجود ہے وہ لائبریری میں۔ یہ تیرھویں صدی کے آخر کی بات ہے۔ اس میں انہوں نے
ہندوستان میں اس تیزی کے ساتھ عیسائیت بڑھ رہی ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ اگر ہندوستان
ہنے والے کسی باشندے کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مرنے سے پہلے کسی مسلمان کا مُنہ تو دیکھ لے کہ وہ کیسا ہوتا
اُس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ یعنی سارے ہندوستان میں ایک بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ یہ ان کے اندازے
اندازے اس وجہ سے تھے کہ عیسائی حکومتیں بڑی طاقتور تھیں، بڑی مالدار تھیں اور ان کے ساتھ چمٹا ہوا چرچ
وہ بھی مالدار تھا اور ایکٹو (ACTIVE) تھا اور ایک صاحب اقتدار حکومت کی زیر سرپرستی وہ کام کر رہا تھا۔
ڑے دینے کے لئے اُن کے پاس ذرائع موجود تھے۔ دُودھ بانٹنے کے لیئے، گندم تقسیم کرنے کے لیئے، طالبعلموں
ائف دینے کے لیئے سامان تھے اور ہر طرف برٹش ایمپائر (BRITISH EMPIRE) کا نام تھا اور پادری کے
ں خداوند یسوع مسیح کا جھنڈا تھا اور وہ اسے بڑے جوش و خروش سے لہرا رہے تھے۔ اسی زمانہ میں اس حد تک پہنچے

کہ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جب مکہ پر خداوند یسوع مسیح کا جھنڈا لہرائے گا یا اس قسم کے کوئی الفاظ تھے۔ اور جھوٹی خوشیوں سے معمور، فخر سے گردنیں تانے ہوئے، بڑے جوش کے ساتھ وہ بڑھتے ہوئے چودھویں صدی میں جب داخل ہوئے تو ان کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو خدا تعالیٰ کے ایک زبردست جلالی جرنیل تھے اُن کا ایک شاگرد، روحانی فرزند کھڑا تھا، جس نے کہا بس، آگے نہیں بڑھنا۔ (نعرے) یہ دیکھا یہ دیکھا چودھویں صدی نے اپنی ابتداء میں۔

پھر چودھویں صدی نے جہاں ذلتیں دیکھیں اسلام کی، جہاں تنزل دیکھا اسلام کا، (ٹھیک ہے ہماری غلطیاں تھیں، کوتاہیاں تھیں وہ بھی ہم نے دیکھنا تھا) وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی تیرہ ۱۳۰۰ سو سالہ پہلے کی عظیم پیشگوئیاں پوری ہوتے دیکھیں۔ ایک نہیں، دو نہیں بلکہ یہ زمانہ ان عظمتوں سے بھرپور دیکھا۔ اس زمانہ میں ضعف بھی ہوا اور اس صدی نے اسلام کا ضعف بھی دیکھا۔ اس صدی نے اسلام کی عظمت اور جلال بھی دیکھا اس صدی نے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر آیت: ۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حقیقی سورج تھے اس عالمین کا (یہ ہمارا سورج تو اس کے مقابلے میں کچھ چیز نہیں ہے) ان کے اوپر غفلتوں کا اور عدم شناخت کا پردہ بھی دیکھا اور اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کے نشان بھی دیکھے (نعرے)۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (التکویر آیت: ۳) اس صدی نے اُن کو جن کے ذمے یہ سمجھا جاتا تھا کہ دین کو زندہ رکھنا ہے اور سنتِ نبوی کو قائم رکھنا ہے اُن کو اس طرح آسمانِ رفعتِ اسلام سے گرتے دیکھا جس طرح بعض راتوں میں آپ تارے ٹوٹتے دیکھتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں اسلام کے علمِ کلام میں وہ رفعت اور بلندی اور عظمت پیدا ہوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں کہ مثلاً کیتھولسزم (CATHOLICISM) کیتھولک جو فرقہ ہے، یہ عیسائیوں میں سب سے مضبوط، سب سے امیر، سب سے پھیلا ہوا، سب سے منظم، سب سے طاقتور، بڑا سمجھتا ہے کہ ہم بڑے شاندار ہیں اُن کو یہ کہنا پڑا، یہ ہدایت دینی پڑی کہ نہ کسی احمدی سے تم نے بات کرنی ہے، نہ ان سے کوئی رسالہ لے کے پڑھنا ہے (نعرے)۔ جہاں، جہاں بلندی سے گرتے پایا، وہاں ایک طفلِ احمدیت کو رفعتیں حاصل کرتے ہوئے دیکھا۔

ہمارا ایک بچہ مشرقی افریقہ میں تھا۔ سات آٹھ سال کی عمر میں (اب تو اُس کی عمر زیادہ ہے، زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی زندگی میں برکت ڈالے) بچپن سے ہی اسے شوق تھا تبلیغ کا اور اتوار کو وہ چھوٹے چھوٹے رسالے لے کے سڑک کی پیومنٹ (PAVEMENT) پہ کھڑا ہو جاتا اور جس شخص کے متعلق اندازہ لگاتا کہ یہ پڑھنا لکھنا جانتا ہے اُس کے ہاتھ میں کوئی رسالہ دے دیتا۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ ایک بڑے اچھے لباس میں ایک افریقن پاس سے گزر رہا ہے اُس نے اس کے ہاتھ میں رسالہ دیا۔ اُس نے بڑی خوشی سے اُس کو لیا اور چلتے ہوئے اس کو کھول کے پڑھنا بھی شروع کیا۔ چند قدم آگے جانے کے بعد واپس آیا اور کہا یہ لو پکڑو اپنا رسالہ۔ اُس نے کہا کیوں، کیا ہو گیا ہے

اسے ؟ ابھی تو آپ نے بڑے شوق سے لیا تھا۔ اُس نے کہا تم احمدی ہو ؟ اس نے کہا ہاں میں احمدی ہوں۔ کہنے لگا ہمارے پریسٹ (PRIEST) نے ہمیں کہا ہے کہ کسی احمدی سے کوئی کتاب لے کے نہیں پڑھنی (نعرے)۔

اسی زمانہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر آیت : ۱۱) دیکھے۔ جو پہلی صدیاں تھیں چودھویں صدی سے پہلے، وہ جہالت کی صدیاں تھیں کچھ ابھر رہا تھا علم، لیکن اس طرح نہیں جو چودھویں صدی میں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد یورپ کو علمی میدان میں بڑا دھکا لگا۔ کیونکہ سپین کے مسلمان علمی میدان میں ان کے قائد اور استاد تھے اور اس کے نتیجہ میں ایک زمانہ آیا جب ایک طرف مسلمان علم سے غافل ہو گیا اور دوسری طرف عیسائیوں کے وہ سرچشمے منبع جہاں سے وہ علم سیکھتے تھے وہ خشک ہو گئے یعنی انہوں نے خود قتل کر دیا، بھگا دیا، مار دیا، گھر سے بے گھر کر دیا۔ وہ درسگاہیں نہیں رہیں جہاں سے وہ جا کے اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے۔ لیکن یہ پیشگوئی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔

یہ پیشگوئی دو پہلو رکھتی ہے۔ عام طور پر ایک پہلو پہ زور دیا جاتا رہا ہے۔ وہ بڑا اہم ہے ایک نقطۂ نگاہ سے۔ لیکن دوسرا بھی کم اہم نہیں۔ ایک یہ ہے کہ اِس زمانہ میں جو اسلام کی اصطلاح میں آخری زمانہ ہے، اس زمانہ میں کثرت سے طباعت کا، مطبع خانوں کا انتظام ہو جائے گا اور جہاں پہلے خال خال کہیں کوئی کتاب ملتی تھی بڑی کثرت سے کتابیں لوگوں کو ملنے لگ جائیں گی ـــــ دوسرا پہلو یہ ہے کہ (بلکہ مجھے کہنا چاہیئے یہ ہیں) دوسرا پہلو یہ ہے کہ لوگ جو علم کی طرف توجہ چھوڑ بیٹھیں گے، چودھویں صدی میں پھر علم کی طرف انسان توجہ کرنے لگے گا۔ اور یہ اس لئے پیشگوئی تھی کہ اصل علم تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کی طرف لے جانے والا ہے۔ تو یہ سارا انتظام اِس لئے کیا جا رہا تھا۔ تاکہ جب مہدی علیہ السلام خالص اسلام دُنیا کے سامنے رکھنے کے قابل ہو جائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں تو ایسے سامان بھی موجود ہوں جو دُنیا کے ہر کونے میں آپ کے کلام کو پہنچا سکیں۔ اور تیسرا پہلو اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ تحقیق کے میدان میں انسان کی کاوش پھر شدت اختیار کرے گی یعنی تحقیق شروع ہو جائے گی۔ اب دیکھو پچھلے زمانے سے شروع ہو گئی تھی تھوڑی تھوڑی لیکن وہ اپنے عروج کو پہنچی ہے چودھویں صدی میں۔ اور مطبع خانہ بھی یعنی چھاپنے کا جو علم ہے وہ بھی اپنے عروج کو اب پہنچا چودھویں صدی میں۔ مثلاً کمپیوٹر (COMPUTER) کے ذریعے کمپوز (COMPOSE) کرنا ابھی ہمارے نائیجیریا میں انہوں نے ایک قریباً پندرہ ہزار پونڈ کا کمپیوٹر ایسا لیا ہے جو کمپوز کرتا ہے انگریزی کے حروف کو اور عربی اور اُردو بھی اُس پر ہو سکتی ہے۔ اگر آپ وہ بھی حصے منگوا لیں تو اتنا آسان ہے، اتنی خوبصورت وہ لکھائی ہے۔ تو کمپیوٹر تو ہے ہی پوسٹ سیکنڈ ورلڈ وار (POST SECOND WORLD WAR) یعنی دوسری جنگ عظیم

کے بعد کی یہ ایجاد ہے۔ تو جس کا مطلب ہے کہ چودھویں صدی جب اپنے قریباً تیسرے کوارٹر میں داخل ہو چکی تھی یعنی پچاس اور پچھتر سال کے اندر پچھترویں سال، پچاسویں اور پچھترویں سال میں یہ ایجادیں ہوئیں۔ اسی طرح عظیم پیشگوئی ہے بہت عظیم۔ یعنی چودہ سو سال پہلے یا اس وقت یعنی چودھویں صدی کے شروع کی بات کریں تو تیرہ سو سال پہلے حال یہ تھا کہ مدینہ میں مسلمان قرآن کے عاشق، اُن کو قرآن کریم نہیں ملتا تھا لکھا ہوا۔ بڑی مشکل پڑی ہوئی تھی۔ اس واسطے جب اُنہوں نے چھیڑ چھاڑ کی اور غیر ملکوں کے ساتھ ہوئی تو بعض قیدیوں کو اس شرط کے اوپر چھوڑنے کا جلدی وعدہ دیدیا گیا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دیں گے۔ اتنی اہمیت دی گئی ہے۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ (القلم آیت ۲)۔ اور جگہ بھی ہیں۔ یہاں بھی ہے یہ۔ لیکن ہاتھ سے لکھنا اتنا پیار پیدا کر دیا کہ ہمارے ہندوستان کے بادشاہ بعض ایسے گزرے ہیں کہ جو بادشاہت کے ساتھ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے بڑے خوبصورت خط کے ساتھ۔ اور پیسہ تھا اُن کے پاس سنہری سونے کی۔ نہ وہ سُرخا ہے، نہ سیاہی ہے۔ بس وہ کیا کہیں اس کو، سونیائی ہے۔ (حاضرین میں سے کسی نے کہا 'روشنائی'، تو اس پر حضور نے فرمایا روشنائی تو چاندی بن گئی نا۔ سونیائی ہو گا پھر وہ) بہر حال وہ بڑا پیار تھا ان کو۔ اُن کے ہاتھ کے میرے پاس بھی پڑے ہیں کچھ۔ یعنی اُن کے تو نہیں شاید لیکن اسی قسم کے لوگوں کے قرآن کریم اور ہاتھ سے لکھ رہے ہیں۔ چار سال میں ایک نسخہ لکھا گیا وہ دن۔ اور اب چونکہ قرآن کریم کی اشاعت کا زمانہ تھا اب یہ حال ہے کہ امریکہ میں جب ہم نے انگریزی کا ترجمہ قرآن کریم کا شائع کرنا چاہا تو جس فرم کے ساتھ (بڑی اچھی فرم ہے وہ) اس کے ساتھ ساری باتیں، سب باتیں طے ہو گئیں۔ تو میرا خیال ہے کہ انہوں نے دو ہفتے یا تین ہفتے میں بیس ہزار قرآن کریم نسخے انگریزی کے ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیئے۔ یعنی اتنا ترقی کر گیا۔ اور جو خدا تعالیٰ نے میرے دماغ میں ڈالا تھا کہ ملینز (MILLIONS) میں (ملین کہتے ہیں دس لاکھ کا ایک یونٹ بنتا ہے نا ملین) کہ ان ملینز (IN MILLIONS) قرآن کریم کے تراجم دُنیا میں پھیلائے جائیں۔ اُس وقت سوچتے تھے کہ کس طرح چھپیں گے اتنے۔ اور اب اس تجربے نے بتا دیا کہ انسان چودھویں صدی میں اس مقام تک وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی کے مطابق پہنچ چکا ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس قسم کی خدمت بجا لائے، بجا لاسکے۔

بیسیوں پیشگوئیاں ہیں بڑی عظمتوں والی۔ کہا گیا تھا کہ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر آیت:۶) وحشی قوموں کو متمدن بنایا جائے گا چودھویں صدی میں۔ وہ وحشی قومیں افریقہ کی، دیکھنے میں اُن پہ اس وقت ظلم ہو رہا تھا۔ یہ امریکن اُن کو غلام بنا کے لے گئے۔ اور وہ غلام جو ہیں آج وہ متمدن ہو کے، سب سے زیادہ عزت والے مقام پہ واشنگٹن کا میئر ہے امریکہ میں اور وہ آجکل کلرڈ (COLOURED) کو، بیلانگ (BELONG) کرتا ہے یعنی افریقہ سے جو آئے ہوئے تھے غلام، اُن کی نسل سے ہے۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وحشیوں کو

متمدن بنا دیا جائے گا۔ ان وحشی، اگر وہ اس وقت وحشی رہتے تو ان کو اسلام سکھانا زیادہ مشکل ہوتا بجائے اس کے کہ وہ متمدن ہیں اور سمجھدار ہیں اور پڑھے لکھے ہیں اور دل رکھتے ہیں اور ہمت والے ہیں اور ان کو اسلام سکھانا۔ اب یہ حال ہے وہاں کئی ہزار احمدی ہو چکا ہے جو دھوبن صدی میں۔ اور سینکڑوں عورتیں وہاں کی بُرقع پہن کے نقاب اوڑھ کے سارے کام کر رہی ہیں۔ کام میں ہرج نہیں ہونے دیا۔ اُن کو سمجھایا تھا کہ کام میں ہرج نہیں ہوتا۔ بُرقع نہیں کام میں حارج۔ ۱۹۷۶ء میں مَیں گیا تو ایک بڑی سادہ سی، آپ سمجھیں پتہ نہیں کہاں سے آگئی ہے۔ اسی طرح وہ لگتے ہیں سادہ لوگ۔ احمدیت نے اُور بھی سادہ کر دیا۔ کہنے لگی کہ مَیں فلاں تاریخ کو پریذیڈنٹ کو مل کے، اُن کے ہاتھ میں قرآن کریم کا ترجمہ دے کے آئی ہوں۔

اتنا پیار اُن کو ہو گیا ہے قرآن کریم سے کہ جو ایک، دو، تین سال پُرانے خاندان ہیں احمدیت میں، وہ جو پانچ جلدوں کی اتنی موٹی ہماری تفسیر ہے انگریزی کی، وہ ساری کی ساری انہوں نے پڑھی ہوئی، یاد رکھی ہوئی ہے۔ بعض دفعہ رات کو کوئی آیت سمجھ نہ آئے تو مبلغ کو فون کر دیتے ہیں کہ اس آیت کی یہ تفسیر کی گئی ہے مجھے سمجھ نہیں آ رہی بتاؤ مجھے۔ وہ مبلغ کو بھی ہر چیز ہر وقت تو یاد نہیں نا رہتی۔ اس کو مشکل پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ سمجھاتا ہے۔ بعض دفعہ دو دو گھنٹے۔ وہاں ٹیلیفون کا سسٹم یہ ہے کہ جتنا مرضی آپ فون کر لیں آپ کو کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ صرف بل وصول کر لیتے ہیں۔ تو کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ دو گھنٹے کا بل دیدیں گے، دین سیکھتے جائیں گے۔

تو وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ معمولی اعلان نہیں تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کا کلام لے کر آئے اُس نے یہ پیشگوئی کی تھی آخری زمانہ کے لیئے۔ سارے ہمارے جو مفسر ہیں وہ کہتے ہیں یہ ساری باتیں آخری زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ سمندر پھاڑے جائیں گے۔ یعنی آجکل کی متمدن دُنیا نے جو عجیب و غریب ایجادات کی ہیں ان سب کا ذکر قرآن کریم نے یہ کہہ کے کیا کہ یہ اسلام کی خاطر ہو گا۔ یہ آخری زمانہ میں برکاتِ اسلام پھیلانے کے لیئے ساری چیزیں ہوں گی۔

ایسی سواریاں نکل آئیں گی، ایک حدیث میں یہ بھی ہے جس کے پیٹ میں روشنی ہو گی۔ کسی زمانہ میں پادری مذاق بھی اُڑاتا رہا اور آج اسلام اُن کا مذاق اُڑاتا ہے خاموشی کے ساتھ۔ ہوائی جہاز، پیٹ میں روشنی۔ ریل، پیٹ میں روشنی۔ وہ سمجھے تھے کوئی گدھا ایسا بن جائے گا جس کے پیٹ میں روشنی ہو گی اور اُن کو بھی بیچ میں بٹھا دیا جائیگا پیٹ کے۔ اب ہوائی جہاز، موٹر، موٹر کے اندر بھی سوئچ (SWITCH) لگا ہؤا ہوتا ہے، ضرورت پڑے آپ روشنی کر لیتے ہیں اندر۔ لیکن ہوائی جہاز کے اندر تو اتنی روشنی ہوتی ہے دن چڑھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ریل کا حال ہے۔ ہمارے مُلک کی نہیں پتہ نہیں یہاں تو فیوز ہو جاتے ہوں گے وہاں بھی۔ لیکن امریکہ وغیرہ کانٹینینٹ (CONTINENT) وغیرہ اتنی روشنی ہوتی ہے آپ آرام سے پڑھ سکتے ہیں۔ تو یہ ساری پیشگوئیاں یہی تھیں نا کہ یہ

کہتا ہوں یہ پیشگوئی یہ بتا رہی تھی کہ مہدی کے زمانہ میں اسلام کے متعلق جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے جب وہ ریل میں سفر کر رہا ہوگا اُس کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ وہاں بھی وہ اسلام کے متعلق، نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی سوانح کے متعلق کتب آسانی سے پڑھ سکے گا۔ ورنہ تو مسافر کا وقت ضائع ہوتا ہے نا۔ دریاؤں کے پھاڑنے کی اور یہ زمین و آسمان کے متعلق پیشین گوئیاں ہیں ــــــ اس چودھویں صدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو ہر آن محسوس کیا۔ (نعرے)

پھر چودھویں صدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اس طرح ظاہر کیا کہ آپؐ کی پیشین گوئی کے مطابق مقررہ دن اور رات میں چاند اور سورج کو گرہن لگا نہ ایک دفعہ بلکہ دو دفعہ یکے بعد دیگرے۔ پہلے ایک سال میں ایک خطۂ ارض اور دوسرے سال میں دوسرے خطۂ ارض پر۔ حضرت مسیح موعود (..... ناقل) اس پیشگوئی کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"صحیح دار قطنی میں یہ ایک حدیث ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ لَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَنْکَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَّمَضَانَ وَ تَنْکَسِفُ الشَّمْسُ فِی النِّصْفِ مِنْہُ۔[1] یعنی ہمارے مہدی کے لئے (بڑا ہی پیارا یہ فقرہ ہے ساڈا مہدی۔ ہمارے مہدی کے لیے) دو نشان ہیں اور جب سے کہ زمین و آسمان خدا نے پیدا کیا یہ دو نشان کسی اور مامور اور رسول کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مہدی معہود کے زمانہ میں رمضان کے مہینے میں چاند کا گرہن اس کی اوّل رات میں ہوگا یعنی تیرھویں تاریخ میں اور سورج کا گرہن اس کے دنوں میں سے بیچ کے دنوں میں ہوگا یعنی اسی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیس ۲۸ تاریخ کو اور ایسا واقعہ ابتدائے دُنیا سے کسی رسول یا نبی کے وقت میں کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ صرف مہدی معہود کے وقت اس کا ہونا مقدّر ہے۔ اب تمام انگریزی اور اُردو اخبار اور جملہ ماہرینِ ہیئت اس بات کے گواہ ہیں کہ میرے زمانہ میں ہی جس کو عرصہ قریباً بارہ ۱۲ سال کا گزر چکا ہے اسی صفت کا چاند اور سورج کا گرہن رمضان کے مہینہ میں وقوع میں آیا۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۴)

اور اس کی تاریخیں یہ ہیں۔ پہلی بار چاند کا گرہن ۲۱ر مارچ ۱۸۹۴ء اور سورج کا گرہن ۶ر اپریل ۱۸۹۴ء اسی رمضان میں اور دوسری بار امریکہ میں دیکھا گیا۔ چاند کا گرہن ۱۱ر مارچ ۱۸۹۵ء اور سورج کا گرہن ۲۶ر مارچ ۱۸۹۵ء یعنی

---

[1] سُنن الدار قطنی جلد اوّل صفحہ ۱۸۸

دو دفعہ رمضان کے مہینہ میں، دونوں دفعہ رمضان کے مہینہ میں یکے بعد دیگرے دو سالوں میں انہی تاریخوں میں بار بار یہ نشان ظاہر ہوا اور "اٰیَتَیْنِ" دو نشان کر کے جو بتایا گیا تھا وہ ظاہر ہوا۔ اور حضرت مسیح موعود (۔۔۔۔۔۔۔ ناقل) نے فرمایا ہے کہ یہ جو فقرہ ہے نا کہ "لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اس کے معنی یہ حضرت مسیح موعود (۔۔۔۔۔ ناقل) نے کئے ہیں کہ کوئی ایسا مامور یا کوئی ایسا مصلح ہونے کا دعویٰ کرنے والا نہیں تاریخ میں ملتا ہمیں کہ جس نے یہ کہا ہو کہ میری سچائی کے ثبوت میں یہ نشان ظاہر ہوا۔ کوئی تاریخ نہیں کرتی۔ اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ تاریخ میں یہ بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ میری سچائی کے لئے یہ نشان ظاہر ہوگا۔ کہیں انسانی تاریخ کے اندر یہ نہیں آدم سے لے کے آج تک کہ اسے بطور نشان کے کسی مامور کی صداقت کے نشان کے طور پر تاریخ نے پیش کیا ہو۔ ایک یونیک (UNIQUE)، ایک ایسا لاثانی نشان ہے اور ایسا زبردست کہ جس کی مثال نہ انسانی تاریخ میں ہے، نہ انسانی عقل ایسی تجویز کر سکتی ہے، نہ انسانی ہاتھ اور انسان کی سائنس ایسا کر دکھا سکتی ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ وہ چاند اور سورج پر جا کے حکومت کرے۔ حضرت مسیح موعود (۔۔۔۔۔ ناقل) کی صداقت کے لئے آپ کے زمانہ میں یہ نشان ظاہر ہوئے اور اس سے ثابت ہوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم انسان تھے (نعرے)، جنہوں نے، جنہوں نے قریباً تیرہ سو سال پہلے ایسی پیشگوئی کی۔ اور عظیم تھا وہ انسان، محمدؐ کا محبوب جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام بھیجا ایک کو اُمتِ محمدیہ میں سے، جس کی خاطر خدا تعالیٰ نے چاند اور سورج کو گرہن لگا کے بہت سی باتیں انسان کو سکھائیں اگر وہ سمجھنے کی طاقت رکھتا ہو۔ (نعرے)

جہاں چودھویں صدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کے ثبوت کے لئے چاند اور سورج کو گرہن ہوتے ہوتے دیکھا، وہاں چودھویں صدی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو دلوں میں گاڑنے کے لئے مہدی کو اپنے اندر پایا (نعرے)۔ محمدؐ کے محبوب مہدی آگئے۔ یہ چودھویں صدی نے نشان دیکھا۔ یہ عظیم عظمتوں والی ہے یہ صدی اس لحاظ سے۔ (ایک دوست نے "چودھویں صدی زندہ باد" کا نعرہ لگایا تو اس پر حضور نے فرمایا)۔ یہ چودھویں صدی واقعہ میں زندہ ہے اس معنی میں کہ جس زندگی کی بنیاد اس صدی میں رکھی گئی ہے وہ حیات، وہ زندگی قیامت تک قائم رہے گی (نعرے)۔

ہمیں چودھویں صدی نے مہدی دیا۔

ہمیں چودھویں صدی نے مہدی کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کے نتیجے میں ایک زندہ خدا کے ساتھ ایک زندہ رشتہ عطا کیا۔ (نعرے)

ہمیں چودھویں صدی میں محمدؐ کے محبوب مہدی نے محمدؐ کی محبت عطا کی (نعرے)۔ اور یہ محبت

ہمارے دلوں میں کچھ اس طرح گاڑ دی ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت ہمارے دلوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اس محبت کو نکال کے باہر نہیں پھینک سکتی (نعرے)۔

ہمیں، ہمیں، ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب مہدی نے وہ قرآن پھر دوبارہ دیا جو دوسروں نے کپڑوں میں لپیٹ کے طاق پر رکھا ہوا تھا (نعرے)۔ اور ہمیں یہ علم عطا کیا کہ ہر آنے والی نسل نئے مسائل لے کر دُنیا میں پیدا ہوتی ہے اور دُنیا میں ایک ہی کتاب ہے قرآن عظیم، جو ہر آنے والی نسل کے ہر تازہ مسائل کو حل کرنے کی طاقت رکھتی ہے (نعرے)۔

ہمیں مہدی علیہ السلام نے اسلام کے لیئے ایک زندہ جوش عطا کیا کہ ہم اس کی خاطر اور خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دُنیا میں پھیلانے کے لیئے دُنیا کے کونے کونے میں جائیں اور نوعِ انسانی کے دل محبت اور پیار کے ساتھ اور اللہ کے نور اور محمدؐ کے حسن کے ساتھ جیتیں اور اُنہیں ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کی کوشش کریں (نعرے)۔

اور بڑا ہی، بڑا ہی عظیم ہے ہمارا اللہ جو کائنات کی ہر شے کا نور اور ہر شے کی زندگی کا سرچشمہ، بڑا پیار کرنے والا، بڑا خیال رکھنے والا، معاف کرنے والا، رفعتیں عطا کرنے والا، تکالیف دور کرنے والا، دُعاؤں کو سننے والا، رحمت کے سامان پیدا کرنے والا، جو انہونی چیز ہے اُسے بنا دینے والا، جو وعدے ہیں وہ ہماری زندگیوں میں پورے کرنے والا ہے۔

اور بڑا ہی عظیم ہے اور بڑا ہی عظیم ہے انسانوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جس کے لیئے، جس کے طفیل اس کائنات کو پیدا کیا، جس کی رُوحانی قوت، جس کی قوتِ قدسیہ ہر جگہ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے ہمیں جس کی قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں ہمیں وہ ملا جسے ہم نے محمدؐ کے قدموں میں بیٹھے پایا مہدی علیہ السلام (نعرے)۔ (اس موقعہ پر حضور نے سات بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد کیا اور حاضرین بھی حضور کی اقتداء میں یہ ورد کرتے رہے۔ ناقل)

چودھویں صدی نے، چودھویں صدی نے ہمیں خدا ملا دیا۔
چودھویں صدی نے ہم پر محمدؐ کا حسن واضح کر دیا۔
چودھویں صدی نے قرآن کی عظمتیں واضح کر دیں۔
چودھویں صدی نے مہدی ہمیں دے دیا۔

وہ ساری کمزوریاں تیری اے چودھویں صدی! جو ہمیں نظر آتی ہیں، آج ہم نے معاف کیں تجھے۔ اور تیری عظمتوں کو ہماری نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے آمین۔ اب دُعا کریں گے ؛

ذرّۂ خاک کہاں مہرِ فلک تاب کہاں

یادِ محبوب کا پھر قلب میں کوندا لپکا سامنے آنکھوں کے وہ چاند سا چہرہ آیا
متبسّم وہ نگاہیں ہوئیں تقدیس فشاں
جاگ اُٹھے سوئے ہوئے اسکی محبت کے نشاں
جس کی فُرقت کا تھا دل کو نہ تصوّر نہ گماں

دین کو عظمت پارینہ دلانے والے میری سوچوں میں نئی جوت جگانے والے
میرے ہر خواب کو تعبیر بنایا تُونے
ذرّۂ خاک کو اکسیر بنایا تُونے
تجھکو ڈھونڈوں تو کہاں اب تجھے پاؤں تو کہاں

تیری صُورت تھی نگاہوں میں اُترنے والی بن کے خُوشبو مرے سانسوں میں بکھرنے والی
دیکھ کر تجھ کو فرشتے کا گماں ہوتا تھا
تیری قربت میں عجب دل کا سماں ہوتا تھا
بھُول جاتا تھا میں احساسِ غمِ سود و زیاں

تیرے سینے میں تھا گنجینۂ اسرارِ خُدا تیری ہر بات ہوتا تھا اک انداز نیا
رہبری ناز کرے۔ راہنما ایسا تھا
تیرا اندازِ سفر، موجِ صبا جیسا تھا

شعلۂ گُل کی طرح تھا ترا اندازِ بیاں

تو شناور تھا بپھرتے ہوئے طوفانوں کا   تو مسیحا تھا بھٹکتے ہوئے انسانوں کا
ہار مانی نہ کبھی تو نے کسی مشکل سے
تا دمِ مرگ نہ مغلوب ہوا باطل سے
تیری جرأت تھی مثالی تیری ہمت تھی جواں

دل میں آتی تھیں بہاریں ترے پیغام کے ساتھ   پھول سے کھلتے تھے ہونٹوں پہ ترے نام کے ساتھ
تو بلاتا تھا تو میں رقص کناں آتا تھا
اپنی خوش بختی پہ اِٹھلاتا تھا اِتراتا تھا
ذرّۂ خاک کہاں مہرِ فلک تاب کہاں

تجھ سے ملتی تھی مرے دل کو عجب تاب و تواں   تو بنا دیتا تھا کمزور ارادوں کو جواں
تیری ہمت پہ میں لڑ جاتا تھا طوفانوں سے
میں اُلجھتا رہا فرعونوں سے ہامانوں سے
تجھ سے نسبت تھی جو فرزندِ مسیحائے زماں

تو تو کہتا تھا نہ چھوڑوں گا کبھی ساتھ ترا   میرے ہاتھوں سے نہ چھوٹے گا کبھی ہاتھ ترا
یک بیک پھیر لیں کیوں تو نے نگاہیں پیارے
دیکھ تو اشک مرے اور مری آہیں پیارے
خوں رُلاتا ہے مجھے تجھ سے بچھڑنے کا سماں

میں تو کچھ بھی نہ تھا سب تیرا کرم تھا آقا   تیری قربت سے ہی ثاقب کا بھرم تھا آقا
جیتے جی دل سے نہ جائے گی محبت تیری
میرا سرمایۂ جاں یادیں ہیں چاہت تیری
تو ہے تابندہ و پائندہ صداقت کا نشاں

تجھ کو ڈھونڈوں تو کہاں اب تجھے پاؤں تو کہاں

(ثاقب زیروی)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے پیار کی چند یادیں

محترم محمود احمد صاحب
صدر مجلس
خدام الاحمدیہ مرکزیہ
ربوہ

قبل خلافت مَیں نے حضرت میاں ناصر احمد صاحب کو بہت شفیق رنگ میں پایا۔ جب آپ کالج میں پرنسپل تھے تو ہم انہیں ملنے جاتے اور آپ کے مشرقی پاکستان کے دورہ کرنے کے بعد سے تعلقات مزید بڑھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ گھر ملنے گئے تو اندر لے گئے اور خود اپنے ہاتھ سے کئی چیزیں دیں اور کہتے کہ جب جی چاہے آجایا کرو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تم لوگوں کا ہر طرح خیال رکھوں۔

ان دنوں آپ جمعرات کو بعد نماز عصر مسجد مبارک میں درس دیتے تھے اور اپنی کار میں گزرتے۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ایک مرتبہ مَیں گولبازار میں جہاں قریشی افضل صاحب کی دکان ہے کھڑا تھا۔ آپ مسجد مبارک جا رہے تھے۔ کار روکی۔ سر پہ ہاتھ پھیرا۔ (جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے ساتھ لقمان بھی تھے۔ یہ اندازاً ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء کی بات ہے) بعد میں کہا کہ مسجد چلو۔ مَیں نے کہا کہ ابھی تک تو اُردو ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ کہنے لگے سمجھنے کی بات تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جتنا وقت اللہ کے گھر میں رہو گے اتنا تو ثواب ہوگا۔

ان دنوں آپ کے کالج کے مکان میں کبوتر بھی تھے۔ ایک دفعہ کسی طالب علم نے جامعہ کی گراؤنڈ میں بھی بندوق چلائی۔ ایک دو دن بعد ہم انہیں ملنے گئے تو ہنس کر کہنے لگے کسی نے میرے کبوتر مارے، تم لوگوں کو بھی دیا ہے یا نہیں۔ مَیں نے کہا نہیں تو تھوڑا سالن لے آئے کہ شام کو کھا لینا۔ یہ بہت معمولی بات ہے مگر جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ تو جس کے ساتھ ہو وہی جانتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں اس وقت چھوٹا تھا۔ گھر سے پہلی مرتبہ باہر نکلا۔ اس قسم کے واقعات نے ہمارے دل کو لبھانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔

جب آپ مشرقی پاکستان گئے تو صدر، صدر انجمن اور حضرت مصلح موعود کے بڑے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے ہر جگہ شایانِ شان استقبال ہوا۔ کئی دفعہ اس کا ذکر ہوا خصوصاً بنگال کے ناریل کے بارے میں کہ رات کو مجھے اس کا پانی پلایا گیا۔ بہت مزیدار ہے۔ اللہ میاں کا بنایا ہوا لذیذ Distilled water

جہاں تک مسلمانوں سے ہمدردی اور پیار کا سوال اور آپ کے جذبہ کا تعلق ہے تو وہ بے نظیر تھا۔ ایک موقعہ پر کسی کے سوال پر آپ نے نصیحت فرمائی کہ کوئی احمدی ایسا کام نہ کرے جس سے امت مسلمہ کو کوئی تکلیف ہو۔ میں نے ایک مرتبہ کہا کہ فلاں فلاں جگہ احمدیوں کو بہت تکلیف ہے۔ خدا تعالیٰ بدلہ لے۔ آپ چونک گئے اور کہنے لگے ایسی باتیں کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہم تو اس نبیؐ کے غلام ہیں جن کو رحمۃٌ للعالمین کہا گیا ہے۔ آخر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں۔ ان کے لئے تو دردِ دل سے دعا کرنا فرض ہے۔

ایک دفعہ اسلام آباد میں فرمایا جب تم لوگ کسی کو تبلیغ کرو تو قرآن اور آنحضرتؐ کی باتیں بتایا کرو۔ اگر ان دونوں سے عشق اور محبت نہ ہو تو کیا تبلیغ کرو گے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں دو ہی چیزیں غالب رہیں، عشقِ قرآن اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک مرتبہ حضور کے ساتھ حضور کی زمین پر گئے تو ایک امرود توڑ کر مجھے دیا جو میں کھا گیا۔ حضورؒ نے دیکھا اور دوسرا توڑ کر دیا۔ میں کھانے لگا تو فرمانے لگے۔ نہ کھاؤ یہ اپنی بیوی کے لئے محفوظ رکھو۔ زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے معمولی معمولی باتیں بہت بڑا نتیجہ پیدا کرتی ہیں انہیں نظر انداز کرنا نہیں چاہیئے۔

محنت کے بارے میں بتایا کہ اب تو بوڑھا ہو چکا ہوں۔ جوانی کی بات اَور ہے۔ لیکن اگر دوپہر کو ایک گھنٹہ آرام کے لئے مل جائے تو رات بارہ بجے تک تازہ دم ہو کر کام کر سکتا ہوں اور کوئی تھکان محسوس نہیں ہوتی۔ آکسفورڈ کے دوران میں نے ۱۸ گھنٹے بھی مطالعہ کیا مگر تھکان نہیں ہوئی۔ آج بھی میرا ذہن تو نہیں تھکتا لیکن جسم بعض دفعہ تھکتا ہے۔ پھر فرمانے لگے جماعت کے نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف اور حدیث کا اور کتب حضرت مسیح موعودؑ کا۔ نیز فرمایا کہ میں تو اب بھی رات کو سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا مطالعہ کرتا ہوں۔ کتاب پڑھنے کی کئی صورتیں ہیں ایک دفعہ تو یونہی پڑھ لینا چاہیئے۔ ان میں سے کچھ یاد رہے گا کچھ دماغ سے اوجھل ہو جائے گا۔ دوسری بار زیادہ یاد رہے گا اور تیسری بار اگر محنت سے پڑھا جائے اور ساتھ نوٹ لئے جائیں تو یہ یاد رہتا ہے اور نوٹ بھی کام آجاتے ہیں۔

کئی مرتبہ یہ فرمایا کہ اگر کسی بات کا علم نہ ہو تو صاف صاف کہنا چاہیئے۔ اندازاً یا ٹکا لگا کر بات نہیں کرنا چاہیئے۔ انسان اگلے کو مطمئن نہیں کر سکتا اور اپنے دل کو خوامخواہ الجھاتا ہے۔ پھر فرمایا ہر بات کا جواب قرآن شریف میں موجود ہے اس لئے سب سے پہلے قرآن پاک کی طرف رجوع کیا جائے۔ قرآن شریف کو بار بار پڑھا جائے۔ یاد رکھنے کے لحاظ سے، مفہوم کے لحاظ سے، مضمون کے لحاظ سے، پھر روابط کے لحاظ سے بھی، جس نقطۂ نظر سے کوئی پڑھے وہ اپنے فہم و تقویٰ کے معیار کے مطابق کچھ نہ کچھ حاصل کرتا ہے قرآنی علوم کے خزائن تو پاک دلوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ دل ٹھیک نہ ہو تو اس پاکیزہ کلام کو کس طرح دل میں اتارا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سیدہ منصورہ بیگم نور اللہ مرقدہا نے مجھے کچھ چیزیں دیں۔ مجھے صحیح طرح یاد نہیں کہ

پیسٹری، کیک یا مٹھائی کا پورا ڈبہ تھا اور کسی نے نہیں کھولا تھا۔حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ مجھے بھی تو چکھنے دو۔ بعد میں فرمانے لگے کہ اصل میں تو تعلق ہوتا ہے۔ مَیں تو میٹھا وغیرہ کم کھاتا ہوں ڈبہ میں سے مٹھائی صرف اس لئے چکھی ہے کہ مَیں اپنے گھر کے بچوں کے ساتھ جس طرح کا سلوک کرتا ہوں وہی تم لوگوں سے کرتا ہوں تاکہ تمہیں احساس نہ ہو کہ تم گھر سے دور ہو اور والدین کی شفقت کی کمی شدت سے محسوس نہ ہو۔

میرے صدر مجلس خدام الاحمدیہ بننے کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضور کچھ نئے کپڑے لائے۔ سویٹر، شلوار اور قمیص کے کپڑے تھے۔ مَیں نے کہا یہ کپڑے تو مَیں بازار سے خرید سکتا ہوں۔ ہنس پڑے اور کہنے لگے مَیں سمجھ گیا۔ جلدی اندر گئے اور ایک قمیص شلوار اور سویٹر استعمال شدہ لے آئے۔ جلسہ پر میرے والد مرحوم تشریف لائے تو انہوں نے قمیص لے لی۔ مکرم مولوی محمد صاحب امیر بنگلہ دیش نے سویٹر لے لیا۔ اور شلوار میرے پاس رہی۔ مگر بعد میں کسی نے اس پر قبضہ جما لیا اور واپس نہیں کی۔ ایک دفعہ مَیں بیوی کو ساتھ لے کر ملنے گیا تو مجھے باہر بٹھائے رکھا اور حضور اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بیوی و بچی سے ملے۔ یہ حضور کے گھر کی بات ہے۔ حضرت سیدہ منصورہ بیگم کہنے لگیں کہ محمود کو بلا لیں۔ فرمانے لگے اس کے سامنے محمود کی بیوی کھل کر باتیں نہیں کرے گی۔ اگر کوئی بات ہو گی تو سامنے نہیں کرے گی۔ میری بیوی بہت خوش ہوئی کہ دیکھو حضور ہماری بھی سنتے ہیں۔

اب کچھ باتیں عام ہمدردی کی۔ ایک مرتبہ مَیں نے کہا کہ ہمارے لوگ بہت تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ احمدی طلباء کو بہت تکلیف ہے۔ مَیں نے غصہ میں کوئی بات کہی تو میری طرف گھور کے دیکھا اور فرمایا کہ قرآن شریف میں کیا آیا ہے۔ ہمارے نبیؐ تو رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ ہمیں تو حضور پُر نورؐ کے نمونہ کو اپنانا ہے اور حضرت اقدس کی تعلیم کو کہ

گالیاں سُن کے دعا دو
پا کے دکھ آرام دو۔

یہ چند یادیں جو ذاتی نوعیت کی ہیں عرض کی ہیں۔ اجتماعی طور پر حضور کے بارے میں یہ کہنا ہوں کہ ایک زبردست طوفان میں آپ نے جماعت کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ عرصہ تک یہ حالت برقرار رہی۔ اپنے جسم کو ہر طوفان اور خطرہ میں ڈالا مگر جماعت کو محفوظ رکھا۔ بہت درد اور چوٹیں اور دکھ اپنے سینہ میں لئے۔ مگر اظہار نہ فرمایا۔ سخت اضطراب اور مصائب کے ایام میں بھی جس خندہ پیشانی سے آپ پیش آتے رہے اس کا نمونہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی موجودہ نسل اسے بخوبی جانتی ہے۔ آپ کتنے صبر، استقلال، استقامت اور حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے وہ ہر احمدی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ و ہر آن آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور آپ کو اپنے درجاتِ قرب میں بڑھاتا چلا جائے۔ آمین۔

—— ⁂ ——

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی

غیر مطبوعہ تحریر

یہ مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے دورۂ یورپ ۱۹۶۷ء کیلئے تحریر فرمایا تھا جو بوجوہ وہاں پر پڑھا نہ جا سکا تھا، لیکن یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس تحریر میں مذکورہ چیلنجز، حضور رحمہ اللہ نے اسی دورۂ یورپ میں کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں عیسائی پادری حضرات کے ایک وفد کو دیئے تھے۔

آپ نے عیسائی علماء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان چیلنجز کا انگریزی ترجمہ پیش کر کے فرمایا کہ یہ دعوت اب بھی کھلی ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر عیسائیت کی سچائی اور اسلام کی صداقت کا فیصلہ کرنے کے لیے عیسائی حضرات اس دعوت کو قبول کریں۔ (الفضل ۲ راگست ۱۹۶۷ء)

اس کے بعد حضور رحمہ اللہ نے ۱۱ راگست ۱۹۶۷ء کو مسجد فضل لندن میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ چیلنج پھر دہرائے اور فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائی مبلّغین کو جو چیلنج دیا تھا کہ وہ تورات اور انجیل کی تعلیمات کو قرآن کریم کی تعلیم کے مقابلہ پر پیش کریں۔ قرآنِ کریم کی ایک چھوٹی سی سورۃ، سورت فاتحہ ہی ایک ایسی جامع اور مکمل تعلیم پیش کرتی ہے جس کے مقابل پر ان کی کتب کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حضور نے فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور میں اِس بات کا آج بھی اعادہ کرتا ہوں کہ رومن کیتھولک اور عیسائیوں کے دوسرے فرقوں کے سربراہ اس چیلنج کو قبول کریں اور اسلام اور عیسائیت کی سچائی کا فیصلہ کر لیں"۔ (الفضل ۲۲ راگست ۱۹۶۷ء)

یاد رہے کہ اس سے بھی پہلے یہ چیلنج حضور رحمہ اللہ نے جنوری ۱۹۶۷ء میں جماعت احمدیہ کے ہونے والے جلسہ سالانہ پر عیسائی دُنیا کو دیا تھا۔

میں ایک مسلمان ہوں اور اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرزندِ جلیل جو مسیح موعود اور مہدی معہود ہو کر دُنیا میں دینی اور دُنیوی بیماریوں کے علاج کیلئے مبعوث ہوا ہے اس کی جماعت کا تیسرا خلیفہ اور امام ہوں۔ میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اسلام بڑا ہی پیارا مذہب ہے اسلام ہمیں امن بخش اور صلح کا یہ اصول سکھاتا ہے کہ دنیا میں جسقدر نبی اور رسول گذرے ہیں وہ سچے ہیں اور اس طرح وہ مذہب بھی جو ان کے ذریعہ پھیلے اور مستحکم ہوئے اور ایک حصۂ دُنیا پر محیط ہو گئے اور ایک عمر پا گئے ان مذاہب میں سے کوئی مذہب بھی اپنی اصلیت کی رُو سے جھوٹا نہیں اور نہ اُن نبیوں میں سے کوئی نبی جھوٹا ہے کیونکہ ابتداء ہی سے اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ وہ ایسے نبی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آتا بلکہ دلیری سے اپنی طرف سے افتراء کرتا ہے کبھی سرسبز اور کامیاب ہونے نہیں دیتا۔ ایسے مفتری پر اللہ کا غضب بھڑکتا ہے اور وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے اور اس کا تمام کاروبار درہم برہم کر دیتا ہے اور اس کی جماعت منتشر کر دی جاتی ہے پس جنکو اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور استحکام اور عظمت اور قبولیت عطا کی وہ یقیناً اس کے سچے نبی تھے، ان سچوں کو کاذب قرار دینا اور ان کو بُرے ناموں سے یاد کرنا اور ان پر افتراء باندھنا ان لوگوں کا کام ہے جو انتہائی فتنہ انگیز اور امن اور آشتی کے دشمن ہوتے ہیں۔ پس اسلام ہمیں نہایت ہی پیاری تعلیم دیتا ہے کہ ہم کسی نبی کو بھی بُرے الفاظ سے یاد نہ کریں۔ خواہ وہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوا یا دنیا کے کسی اور ملک یا کسی اور قوم میں اس نے جنم لیا۔ ہمیں اگر کسی مذہب پر اعتراض ہے تو وہ اس کے موجودہ دستور العمل پر اور اس کی محرّف مبدّل شکل پر۔ جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے ہے۔ کیونکہ اسلام سے قبل جسقدر مذاہب گذرے ہیں وہ اپنی اصلی شکل میں قائم نہیں رہے انسانی ہاتھ نے ان میں ہزاروں تبدیلیاں کر دی ہیں۔ اپنی اصلی حالت میں بھی وہ ایک خاص قوم کی اور ایک خاص زمانہ کی معاشرتی اور اخلاقی اور رُوحانی ضروریات کو پورا کرتے تھے، لیکن اس میں شک نہیں کہ جہانتک ان انبیاء کی ذات کا سوال ہے جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں میں عزت پائی اور صدہا برس سے ان کی قبولیت چلی آتی ہے ان انبیاء کے لیے ایک مسلمان کے دل میں بے حد عزت اور احترام کے جذبات ہیں کیونکہ وہ اس پختہ یقین پر قائم کیا گیا ہے کہ ایسے تمام مذاہب اپنی اصلیت کی رُو سے جھُوٹے نہیں ہو سکتے۔ یہ بات سنۃ اللہ کے خلاف ہے۔

لیکن اس صداقت کے باوجود ہم علی وجہ البصیرت اس یقین اور معرفت پر بھی قائم ہیں کہ سب موجودہ مذاہب میں سے صرف اسلام ہی اس وقت اپنی اصلی شکل میں قائم ہے۔ قرآنی شریعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا تھا کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون کہ ہمنے ہی اس ابدی شریعت کو

نوع انسان کی عزت اور شرف کو کمال تک پہنچانے کے لیئے نازل کیا ہے اور ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ دُنیا جانتی ہے کہ لاکھوں انسانوں نے اس کلام پاک کو زبانی یاد کرکے اور کروڑوں نسخوں میں اس کی اشاعت کے ذریعہ اس کی لفظی حفاظت کا سامان کیا گیا اور اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر صدی میں ہزاروں ایسے مقربانِ الٰہی اسلام میں پیدا ہوتے رہے ہیں جو اپنے رب سے ایک پختہ تعلق رکھتے تھے اور اسی سے شریعت کے رموز اور روحانیت کے اسرار سیکھتے اور قرآنی علوم معلمِ حقیقی سے حاصل کرتے رہے اور اپنے زمانہ کی اخلاقی اور مذہبی الجھنوں کو سلجھاتے رہے اور اس طرح اسلامی شریعت کی معنوی حفاظت کی جاتی رہی۔ خود ہمارے زمانہ میں امتِ محمدیہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور افاضۂ روحانی کے طفیل آپ کا ایک خادم امتی نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوا اور اس نے اپنی تقریر اور تحریر سے ثابت کیا کہ دینِ اسلام ہی اپنی تعلیم اور اپنے عقائد کی رُو سے ایک سچا اور کامل دین ہے اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دینِ اسلام ہی زندہ برکات اور روشن آسمانی تائیدات کی رو سے ایک زندہ مذہب ہے اور اس کی روشنی اور رُوحانی تاثیر اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ دوسرے تمام مذاہب ایک وقت تک زندہ رہ کر اور ایک وقت تک اپنی اپنی قوم کو زندگی عطا کرنے کے بعد مُردہ ہو چکے ہیں اور اب حقیقی زندگی کے آثار ان میں پائے نہیں جاتے۔ ان مذاہب کے بانی اور نبی خدا تعالیٰ کے مقرب، اس کے پیارے اور برگزیدہ تھے مگر جس طرح ایک وقت تک زندہ رہ کر وہ وفات پا گئے اسی طرح وہ مذاہب بھی جو اپنی قوم کے لیئے وہ لائے تھے ایک زمانہ کے بعد مردہ ہو گئے اور اب وہ غرض اور مقصد پورا کرنے کے قابل نہیں رہے جس غرض اور جس مقصد کے لیئے ایک مذہب اور ایک شریعت دُنیا کی طرف نازل کی جاتی ہے۔

پس ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب اور محمد رسول اللہ صلعم ایک زندہ نبی ہیں جن کی رُوحانی تاثیریں آج بھی دُنیا میں اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں اور جن سے محبت رکھنے اور جن کے نمونہ پر چلنے کی وجہ سے انسان اپنے رب کا چہرہ اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے یعنی وہ اپنے ربّ کی صفات کے جلوے اپنی زندگی میں دیکھنے لگتا ہے اور یہ بصیرت ہمیں اس وجہ سے حاصل ہوئی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مذہب کی سچائی ثابت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دو طور پر تمام دوسرے مذاہب پر غالب ہو۔ اوّل یہ کہ ایک سچا اور زندہ مذہب اپنے عقائد اور اپنی تعلیم اور اپنے احکام کی رُو سے ایسا جامع اور اکمل اور اتم اور نقص سے دُور ہو کہ اس سے بڑھ کر عقل تجویز نہ کر سکے اور اس کمال میں وہ ہر ایک مذہب پر غالب ہو اور کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور نہ ان خوبیوں میں وہ اس کے برابر ہو۔ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے

کہ دین اسلام ایسا ہی کامل اور مکمل مذہب ہے جیسا کہ فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ آیت ۴) یعنی آج میں نے تمہارے لیے اپنا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا اور اے بنی نوع انسان میں نے پسند کیا کہ اسلام تمہارا مذہب ہو۔ پس یہاں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن شریف نے ہی کامل تعلیم عطا کی ہے اور قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا کہ جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی۔ یہ قرآن کریم جو ابدی شریعت کا حامل ہے۔ یہ اسی کا حق تھا کہ وہ ایسا دعویٰ کرے۔ قرآن کریم کے سوا کسی اور آسمانی کتاب نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ آپ سے یہ بات مخفی نہیں کہ نہ توراۃ نے ایسا دعویٰ کیا ہے نہ انجیل نے۔ توراۃ میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے کہ

"میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سُنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا، لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"[1]

اس سے عیاں ہے کہ اگر آئندہ زمانہ کی ضرورتوں کی رو سے توراۃ کا سننا اور اس پر عمل کرنا کافی ہوتا تو کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہتی اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور مواخذہ سے نجات پانا اس کلام کے سننے پر موقوف نہ ہوتا جو اس پر نازل ہوتا۔ ایسا ہی انجیل نے کسی مقام پر دعویٰ نہیں کیا کہ انجیل کی تعلیم کامل اور جامع ہے۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ ہوتا بھی تو وہ بڑی آسانی سے ردّ کیا جا سکتا۔ مگر انجیل نے تو کھلا کھلا اقرار کیا ہے کہ اور بہت سی باتیں قابل بیان تھیں مگر تم برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب فارقلیط یعنی تسلی دینے والا آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کرے گا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تورات کو ناقص تسلیم کر کے آنیوالے نبی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیم کے نامکمل ہونے کا اعلان کیا اور وجہ یہ بتائی کہ ابھی کامل تعلیم بیان کرنے کا وقت نہیں۔ کیونکہ ذہنی اخلاقی اور رُوحانی ارتقاء کے لحاظ سے انسان ابھی اپنے کمال کو نہ پہنچا تھا اور اس طرح ایک کامل عبد اور ایک کامل شریعت کے ظہور اور نزول کا اعلان کیا۔ لیکن قرآن کریم نے توریت اور انجیل کی طرح کسی دوسرے بعد میں آنے والے کی ضرورت نہیں بتائی بلکہ دنیا میں یہ اعلان کیا کہ اس کی تعلیم ہر لحاظ سے کامل اور انسان کی سب فطری طاقتوں اور طبعی حالتوں کی صحیح تربیت اور نشوونما کرنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ پس اسلام کی صداقت کے ثبوت کے لیے یہ ایک ناقابل تردید

[1] (استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۰)

دلیل ہے کہ وہ اپنی تعلیم اور شریعت کی رُو سے ہر دوسرے مذہب پر غالب ہے اور کامل تعلیم اور کامل شریعت کی رو سے مذاہب عالم میں سے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہ صرف ایک بلا دلیل دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس دعویٰ کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام نے مذاہب عالم کو مختلف دعوتہائے فیصلہ بھی دیئے اور انکو بلایا کہ امن اور صلح کی فضا میں وہ اپنی تعلیم کا اسلامی تعلیم سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں مگر کسی مذہب نے فیصلہ کے ان طریقوں میں سے کسی کو قبول کرنے کی اپنے میں ہمت اور جرأت نہ پائی۔ اس وقت میں صرف ایک دعوتِ فیصلہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ :-

عیسائیوں میں سے ایک صاحب نے یہ سوال کیا تھا کہ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی مانتے ہیں اور توریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف نازل شدہ ایک شریعت تسلیم کرتے ہیں تو پھر قرآن کے آنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے جواب میں بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی تھے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ توریت اپنی اصلی شکل میں خدائے توانا کی طرف سے نازل ہوئی۔ مگر اس میں بھی شک نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا اور شریعتِ موسوی کا پانی خشک ہو گیا اور اب وہ انسان کی اخلاقی اور رُوحانی صلاحیتوں کی آبیاری نہیں کر سکتی۔ صرف اسلام ہی ہے جس کا روحانی سمندر اب بھی دلائل حقہ اور معرفت کے صحیح اصولوں اور آسمانی تائیدات کے پانی سے لبریز ہے اور مذہب کی ضرورت کو پورا کرنیوالا ہے۔ توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی وہ تو قرآن کریم کی پہلی سورۃ سورۂ فاتحہ کا جو صرف سات آیات پر مشتمل ہے معارفِ روحانی میں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ آپؑ نے فرمایا :-

"سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کریں گی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورت کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورۂ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترکیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورۃ میں صدہا حقائق اور معارف دینیہ اور رُوحانی حکمتیں درج ہیں ان کو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی اور یہ بات لاف وگزاف نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ ہم کیا کریں اور کیونکر فیصلہ ہو، پادری صاحبان ہماری کوئی بات بھی نہیں مانتے۔ بھلا اگر وہ اپنی توریت یا انجیل کو معارف اور حقائق کے بیان کرنے اور خواص کلام الوہیت ظاہر کرنے میں کامل سمجھتے ہیں تو ہم

بطور انعام پانسو روپیہ نقد ان کو دینے کے لیے طیار ہیں اگر وہ اپنی کل ضخیم کتابوں میں سے جو نشتر کے قریب ہوں گی وہ حقائق اور معارف شریعت اور مرتب اور منتظم در حکمت وجواہر معرفت وخواص کلام الوہیت دکھلا سکیں جو سورۃ فاتحہ میں سے ہم پیش کریں اور اگر یہ روپیہ تھوڑا ہو تو جس قدر ہمارے لیے ممکن ہوگا ہم ان کی درخواست پر بڑھا دیں گے اور ہم صفائی فیصلہ کے لیے پہلے سورۃ فاتحہ کی ایک تفسیر طیار کر کے اور چھاپ کر پیش کرینگے اور اس میں وہ تمام حقائق ومعارف وخواص کلام الوہیت بہ تفصیل بیان کریں گے جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہیں اور پادری صاحبوں کا یہ فرض ہوگا کہ توریت اور انجیل اور اپنی تمام کتابوں میں سے سورۃ فاتحہ کے مقابل پر حقائق اور معارف اور خواص کلام الوہیت جس سے مراد فوق العادۃ عجائبات ہیں جن کا بشری کلام میں پایا جانا ممکن نہیں پیش کر کے دکھلائیں اور اگر وہ ایسا مقابلہ کریں اور تین منصف غیر قوموں میں سے کہہ دیں کہ وہ لطائف اور معارف اور خواص کلام الوہیت جو سورۃ فاتحہ میں ثابت ہوئے ہیں وہ ان کی پیش کردہ عبارتوں میں بھی ثابت ہیں تو ہم پانسو روپیہ جو پہلے سے ان کے لیے ان کی اطمینان کی جگہ پر جمع کرایا جائیگا دے دیں گے۔"

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب صفحہ ۴۱، ۴۲)

یہ دعوت اب بھی کھلی ہے۔ ہمیں بے حد خوشی ہوگی اگر عیسائیت کی سچائی اور اسلام کی صداقت کا فیصلہ کرنے کے لیے جناب پوپ .... یا سوئٹزرلینڈ کے تین سب سے بڑے عہدہ دار مشن اس دعوت کو قبول کریں اگر یہ دعوت قبول کی گئی تو دنیا خود فیصلہ کریگی کہ اسلام اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے کہ انسانی فطرت اور انسانی عقل اور انسانی روح کی تسلی کے لیے جن حقائق اور دینی معارف اور رُوحانی حکمتوں کی ضرورت ہے وہ صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کا اپنے رب سے پختہ اور سچا تعلق پیدا کر دیتا ہے اور انسان اپنے رب کو اور اس کی قدرتوں اور رحمتوں کا اپنے وجود میں مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنے پوپ یا اپنے ملک کے سربراہانِ مذہب کو اس دعوت فیصلہ کے قبول کرنے پر تیار کریں۔ پھر ہماری طرف سے چار ماہ کے اندر سورۃ فاتحہ کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب شائع کر دی جائیگی جس میں جو مضمون بھی بیان ہوگا وہ عربی الفاظ کے لغوی معنی کی تائید ساتھ رکھتا ہوگا۔ قرآن کریم کی کسی دوسری آیت کے متضاد نہ ہوگا اور جو مضمون سورۃ فاتحہ کی طرف منسوب ہوگا وہ اپنی طرف سے بیان نہ ہوگا۔ بلکہ سورۃ فاتحہ کے الفاظ

اور الفاظ کی بندش سے وہی مضمون ثابت ہوگا اور قرآنی آیات اس کی تائید میں ہوں گی۔ اس کے مقابلہ میں جو مضمون لکھا جائے وہ بھی توریت اور انجیل کی آیات سے مستنبط ہونا چاہیئے اپنی طرف سے کوئی بات ان کی طرف منسوب نہ کرنی چاہیئے اس پر ہم تنقید کریں گے اور پھر یہ منصفین کے سپرد کیا جائیگا جو بتراضئ فریقین مقرر کیا جائیگا۔

دوسری قسم کی فتح جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اور جو اس سچائی پر کامل طور پر مہر لگاتی ہے اس کی زندہ برکات اور معجزات ہیں جس سے دوسرے مذاہب بکلّی محروم ہیں یہ زندہ برکات ایسے کامل نشان ہیں کہ انکے ذریعہ سے نہ صرف اسلام دوسرے مذاہب پر فتح پاتا ہے بلکہ اپنی کامل روشنی دکھلا کر دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب کسی مذہب میں پہلی دلیل کے ساتھ دوسری دلیل بھی جمع ہو جائے تو انسان کمال یقین اور اعلیٰ نور کے مینار تک پہنچ جاتا ہے اور ان دونوں دلیلوں کے اجتماع سے سچے مذہب کی روشنی اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے اور طالب حق کے دل کو یقین کے پانی سے سیراب کر دیتی ہے اور منکروں پر اتمام حجت ہو جاتا ہے اور اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسکی زندہ برکات اور آسمانی تائیدات قیامت تک قائم ہیں اور وہ اپنی زندگی کے ثبوت کے لیے صرف پرانے قصوں اور تاریخی واقعات پر ہی انحصار نہیں رکھتا۔ بلکہ تازہ بتازہ نشان دنیا کو دکھاتا ہے اس دلیل کے ثبوت کے لیے بانئ سلسلہ علیہ السلام نے لاکھوں نشانات دنیا کے سامنے پیش کئے جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں میں صرف ایک بات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب بانئ سلسلہ علیہ السلام نے غلبۂ اسلام کے لیے بہت دعائیں کیں اور اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے آسمانی نشان اور آیات اپنے رب سے طلب کیں تو اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو اور بہت سے نشان دیئے وہاں پانچ عالمگیر تباہیوں کی بھی اطلاع دی۔ دو عالمگیر تباہیاں تو دو عالمگیر جنگوں کی شکل میں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اور قصۂ ماضی اور تاریخی صداقتیں بن چکی ہیں۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیسری عالمگیر تباہی بھی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے یہ عالمگیر تباہی نہایت تباہ کن نتائج کی حامل ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تباہی قیامت کا نمونہ ہوگی اس قدر اموات ہونگی کہ ان کی مثال دُنیا کی تاریخ میں نہ مل سکیگی وہ آبادیاں جن کی فلک بوس عمارتیں اور جن کی گہما گہمی آج نظر کو خیرہ کرتی ہے ویران کر دیجائیگی۔ زمین انسانی خون سے سُرخ ہو جائیگی۔ اس تباہی میں پرند و چرند بھی انسان کے شریک ہونگے۔ علاقے پر علاقے ایسے ہو جائینگے جہاں زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہیں گے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ اس تیسری عالمگیر تباہی کی ہولناکیوں کی بڑی تفصیل سے خبر دی گئی ہے اور اس عالمگیر تباہی کے ساتھ غلبۂ اسلام کا بڑا گہرا تعلق بتایا گیا ہے یہ عظیم خبر قبولیت دعا کا جو اسلام کی فتح کے لیے کی گئی تھی ایک عظیم نشان

ہے اور حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"خدا نے اب ارادہ کیا ہے کہ اسلام جس نے دشمنوں کے ہاتھ سے بہت صدمات اُٹھائے ہیں وہ اب ازسرِنو تازہ کیا جائے اور خدا کے نزدیک جو اس کی عزت ہے وہ آسمانی نشانوں کے ذریعے ظاہر کی جائے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار روئے زمین دعا کرنے کے لیے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک طرف صرف میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لیے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کرے گا مگر نہ اس لیے کہ سب سے میں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لیے کہ مَیں اُس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں اور جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اُس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴)

پس حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام اکیلے اپنے ربّ کے حضور جھکے اور آپ کو قبولیتِ دُعا کا یہ نشان عطا ہوا۔ اگر عیسائیت یہ سمجھتی ہے کہ وہ صداقت پر قائم ہے اور اسلام ایک جھوٹا مذہب ہے تو انہیں چاہیئے کہ اپنے دینِ مسیحیت اور بنی نوع کی خیر خواہی کے لیے حضرت پوپ اپنے تمام عظیم رفقاء کے ساتھ دُعا میں آپ کے مقابلہ کے لیے اکٹھے ہوں اور خداوند یسوع مسیح سے التجاء کریں کہ وہ بنی نوع انسان سے ہلاکت کے اس پیالہ کو ٹالدے۔ امید ہے کہ پوپ کے متبعین نہیں اس فیصلہ کے لیے آمادہ کریں گے۔ ہم دعویٰ سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر پوپ اور سارے سربراہان عیسائیت مل کر بھی یہ دعا کریں تو ان کی یہ دُعا قبول نہ ہو گی۔ اب یہ پیالہ ٹلنے والا نہیں اور صداقتِ اسلام کے ثبوت کے لیے بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے دعا کے بعد خدا تعالیٰ سے خبر پاکر جس تیسری عالمگیر تباہی کی خبر دی ہے دُنیا اُس سے بچ نہیں سکتی۔ ہاں بچنے کا ایک طریق بتایا گیا ہے اگر دُنیا اُس راہ کو اختیار کرے تو اس ہولناک تباہی سے بچ سکتی ہے اور وہ راہ اسلام کی بتائی ہوئی سیدھی راہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا ہے کیونکہ دُنیا نے تثلیث اور کفارہ کی راہوں کو اختیار کر کے اپنے ربّ غفور کی ناقدری کی ہے۔ تباہی کی آگ شعلہ زن ہے۔ اُٹھو اور توبہ کے آنسوؤں سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرو۔

اُٹھو اور اپنے ربّ سے سچا تعلق پیدا کر کے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحمت کے ٹھنڈے سایہ میں آکر اس آگ کی تپش سے حفاظت چاہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ دے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں

سیرت

جس نے دیکھا آپ کو خود کہہ اُٹھا بے اختیار
میرا کیا مُنہ ہے کروں تعریف میں اُس کی بیاں

ناصرِ دینِ محمّدؐ ، نصُرتِ دیں کا امین
پَرتوِ رُخ سے نمایاں جلوۂ حُسنِ ازل

آنکھ محوِ جلوۂ آثارِ دَورِ خُسروی
دَور میں اُس کے گورنر گیمبیا کا لے گیا

عمر بھر کوشش رہی اُس کی کہ اُس کے ہاتھ سے
کِس طرح ، کیسے کروں اس کے محاسن کا بیاں

وہ محبّت ہی محبّت تھا ، محبّت کی قسم
ناصرِ دینِ محمّدؐ کی خلافت سے عیاں

"دیکھ سکتا ہی نہ تھا وہ ضعفِ دینِ مصطفیٰؐ"
افتتاحِ مسجد ڈنمارک اس کے ہاتھ سے

آپ نے بنیاد رکھی مسجدِ اسپین کی
"یہ وہ آئینہ ہے جس میں دیکھ لیں رُوئے نگار"

وہ تو خود" دیں کے لیے ہے جائے عزّ و افتخار"
نافلہ موعود کا ہو اس پہ رحمت بے شمار

ہر نفس سے حُسن و آئینِ صداقت آشکار
آپ کے دورِ خلافت میں ہوا یہ آشکار

برکتیں رختِ مسیحائے زماں سے بے شمار
"کشتیٔ اسلام ہو جائے ہر اک طوفاں سے پار"

دامنِ الفاظ تنگ اور حُسن اُس کا بے شمار
اک مجسّم رحم کا پیکر تھا وہ عالی وقار

رفعتِ اظہارِ انوارِ نبوّت بار بار
تشنہ روحوں کو پلایا شربتِ انوارِ یار

بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ براہِ حصولِ افتخار
بن گیا ہسپانیہ اسلام کا پختہ حِصار

مُلک میں اسلام کی تبلیغ ہوگی کس طرح
قل ھو اللہ احد کے نُور کی تاثیر دیکھ

کر دیا تحریکِ وقفِ عارضی نے آشکار
ضال ہو جاتے ہیں انعمت علیہم میں شمار

انذار

اہلِ یورپ کو بُلایا اپنے خالق کی طرف
اہلِ مغرب پر کیا انذار اُس نے باربار

اہلِ مغرب کو کیا آگاہ باصد انتباہ
خالقِ کُل سے کریں زندہ تعلق استوار

دامن شیطان ہے یا گوشۂ رحمان ہے
راستے دو ہی کھلے ہیں ایک کرلو اختیار

پیار سے۔ انذار سے۔ ترغیب سے۔ تنبیہہ سے
ابتدا تا انتہا آغاز تا انجام کار

آپ نے پہنچا دیا پیغامِ حق از ہر طریق
ہیں گواہ اخبار، ٹی وی، ریڈیو، لاسلک، تار

واقفِ احوالِ آئندہ کیا ظلمت کدہ
کر دیا اتمامِ حجت بند ہے راہ فرار

وفات

آخرش نوجوُن کو کچھ وقت ایسا آگیا
کونسی تھی آنکھ نہ روتی ہو جو زار و قطار

یہ وجودِ پاک ہم کو چھوڑ کر رخصت ہوا
بس کہ ناممکن تھا بھیگی آستینوں کا شمار

تیسرا تو لے گیا میرا خدا، لیکن ہمیں
مل گیا پھر قدرتِ ثانی کا چوتھا تاجدار

"کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار"

سید امین احمد
۵ مارچ ۱۹۸۳ء

سیّدی ابّا رحؒ

محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سے میرے چار قسم کے تعلقات تھے اوّل یہ کہ وہ آقا تھے اور میں مُرید، دوسرے یہ کہ وہ باپ تھے اور میں بیٹا، تیسرے یہ کہ وہ اُستاد تھے اور میں ایک طالب علم اور چوتھا دوستی کا رشتہ تھا۔ میں ایک حقیر اور کمزور انسان کسی بھی رشتہ کو اچھی طرح نبھا نہ سکا، لیکن آپ نے ہر رشتہ کو انتہائی خوبصورتی اور کمال سے نبھایا نہ صرف میرے لیے بلکہ ایک دُنیا گواہ ہے کہ آپ بہترین آقا تھے اور خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت عمدہ طریق سے نبھاتے ہوئے رخصت ہوئے۔ بہترین باپ تھے اور بہترین دوست تھے اور بہترین اُستاد تھے۔ بہت کچھ سکھلا کر اپنے مولائے حقیقی کے پاس جا پہنچے۔

آج جب بھی حضور کی یاد آتی ہے، ذہن میں ایک فلم سی چلتی ہے۔ آپ کی یادوں کی، آپ کے احسانات کی، آپ کی زندگی کی۔ ایک متبسم چہرہ، باوقار شخصیت، خدائی نور اور صفات سے متصف، عشقِ محمدؐ میں غرق، مہدی کے مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں، خلافت کا جانثار، ملت کا فدائی۔ اپنوں اور غیروں کے لیے حُسن ہی حُسن اور احسان ہی احسان۔ میں اس فلم کی پوری عکاسی تو نہیں کر سکتا، لیکن جھلکیاں دکھا سکتا ہوں اور وہ بھی صرف چند ......!

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر بچے کی اپنی استعداد ہوتی ہے اور اسے اس کی استعداد کے مطابق پورا حق ملنا چاہیے اور یہی آپ کا ہمیشہ عمل رہا۔ میں جب اسکول میں پڑھتا تھا، تو اس وقت مجھے

میری ڈائری پر روزانہ ایک حدیث اور اس کا ترجمہ لکھ کر دیتے

مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ جو کتاب بھی ملتی پڑھتا تھا۔ حضورؒ میرے اس شوق کے پیشِ نظر جب بھی باہر جاتے میرے لیے بہت سی کتب لے کر آتے اور جب کبھی میں ہمراہ ہوتا خود کسی دوکان پر لے جاتے اور کُتب خرید کر واتے۔ ایک دفعہ ہم فیروز سنز لاہور گئے۔ مَیں نے بہت ساری کتابوں کا انتخاب کیا۔ فرمانے لگے: "اتنی تو میرے پاس رقم نہیں، آدھی کتب لے لو، آدھی پھر سہی"۔ مَیں حضورؒ کا جواب سُنکر کچھ بُجھ سا گیا۔ آپؒ نے میرا چہرہ دیکھا اور اس پر چھائی ہوئی اُداسی دیکھی تو فوراً دوکاندار سے کہنے لگے کہ آدھی کتب ابھی پیک کر دیں اور اسے اپنا پتہ لکھوایا کہ آدھی اس پر وی پی کر دیں۔ تربیتِ اولاد سے متعلق ہمیشہ آپکا یہی نظریہ رہا کہ بچوّں کی جائز ضروریات پوری کرو اور ناجائز ضرورتوں کو پیار سے سمجھا کر رد کر دو اور اگر پیار سے نہ مانیں تو مناسب سختی بھی کرو۔

اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود بچوّں کو وقت ضرور دیتے، ہماری پڑھائی کا پوچھتے ہمیں دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے اور اپنی گفتگو میں اُٹھتے بیٹھتے پُرانے واقعات سُناتے، جو سبق آموز بھی ہوتے اور ایمان افروز بھی۔ اسی کوشش میں لگے رہتے کہ احمدیت جو سچے اور حقیقی اسلام کی تصویر ہے، ہمارے اَنگ اَنگ میں رچ جائے۔ نمازوں کا اہتمام فرماتے۔ بعض اوقات تو وضو بھی اپنے سامنے ہی کرواتے تاکہ دیکھ سکیں کہ بچے وضو ٹھیک طرح کرتے ہیں یا نہیں۔

غالباً مَیں پانچویں کا طالب علم تھا، آپؒ نے مجھے ایک ڈائری دی اور فرمایا۔ مَیں ہر روز اس پر ایک حدیث لکھ کر دیا کروں گا۔ برس ہا برس آپؒ کا یہ معمول رہا کہ ڈائری میں ایک حدیث لکھ کر دیتے۔ ساتھ اسکا ترجمہ اور چند منٹ مختصر تفسیر فرماتے اور اگلے دن اس کے بارے میں پُوچھتے۔ تربیت کرنے کا یہ بھی ایک انداز تھا کہ اجتماعات میں اپنے ساتھ رکھتے۔ آپ انصار اللہ کے صدر تھے اور اجتماع کے دنوں میں رات بارہ بارہ بجے تک مقامِ اجتماع میں مصروف رہتے تھے اور صبح سویرے پھر وہاں پہنچ جاتے۔ بہت چھوٹی عمر سے ہی مجھے ساتھ لے کر جاتے۔ صرف اس لیے کہ خدا اور رسولؐ کی باتیں کانوں میں پڑتی رہیں۔ اجتماعات میں دلچسپی پیدا ہو جائے۔ اگر کبھی دیکھتے کہ مَیں تھک گیا ہوں، تو مجھے اس طرح حوصلہ دیتے کہ پہلے پُوچھتے تھک تو نہیں گئے اور پھر خود ہی فرماتے یہ تو مجاہد بیٹا ہے، بالکل نہیں تھکتا۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ اِس جہاد میں کسی احمدی بچہّ کی لُغت میں تھکان کا لفظ نہیں آنا چاہیے۔

صُبح بہت پیار سے جگاتے تھے۔ پہلے مجھے دباتے اور جب دباتے دباتے آنکھ کھل رہی ہوتی تو ان اُدھ کھُلی آنکھوں سے ہمیشہ حضورؒ کا مسکراتا چہرہ دیکھا اور میرے کان حضورؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنتے ۔

"اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی"

بے انتہا مصروفیات
کے باوجود بچوں کو ضرور
کچھ نہ کچھ وقت دیتے

آپؒ نے ہمیں سب سے پہلے قرآن مجید ختم کروایا۔ پھر اس کا ترجمہ سکھایا۔ ساتھ ساتھ نماز، روزہ اور دیگر ارکانِ اسلام

تمہیں شرم نہیں آتی ۔ اُستاد کی بات نہیں مانتے !!

سے آشنا کروایا۔ چھوٹی عمر سے ہی خلافت سے وابستگی کا سبق دیا۔ مجھے یاد ہے آپ روزانہ مغرب کی نماز مسجد مبارک میں پڑھتے اور پھر حضرت مصلح موعود کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے اور عشاء تک حضورؓ کے ہمراہ رہتے۔ ہم بھی ساتھ ہی ہوتے تھے۔ ایکدن میں چند منٹ کے بعد کمرے سے باہر آ گیا۔ آپ جب باہر آئے تو مجھ سے فرمانے لگے تم جلدی کیوں اُٹھ گئے تھے۔ ابا حضورؓ کے پاس زیادہ سے زیادہ دیر بیٹھا کرو۔

ہمیشہ ہم سے حضرت مصلح موعود کے نام دعائیہ خطوط لکھواتے

جتنا وقت خلیفہ وقت کے ساتھ میسّر ہو بسر کرنا چاہیے۔ ہمیشہ ہم سے حضور کی خدمت میں دُعا کے لیے خطوط لکھواتے اور ذہنوں میں اس عقیدہ کے راسخ کرنے میں لگے رہتے کہ تمام برکات خلافت سے ہی وابستہ ہیں۔

یہ بھی آپ کی تربیت کا ایک انداز تھا کہ جب دیکھتے کہ کسی بچہ نے اچھی حرکت کی ہے اور کسی نیک کام کی طرف راغب ہوا ہے یا کسی انداز میں جماعت کی خدمت کی کوشش کر رہا ہے تو بہت خوش ہوتے۔ اپنی خوشی کا کھُل کر اظہار فرماتے کہ بچے کو یہ احساس پیدا ہو کہ اگر ہم اچھے کام کریں گے تو ہمارا باپ خوش ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور آپ کے خلفاء کے ارشادات پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ کتب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا تو اکثر گھر میں دَرس دیتے تھے۔ میں نے جب میٹرک کا امتحان پاس کیا تو پانچ چھ ماہ کی چھٹیاں تھیں۔ فرمانے لگے ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور اس عرصے میں حضرت مصلح موعود کے تمام خطبات اور تقاریر جو چھپ چکے ہیں پڑھ لو، چنانچہ آپ نے باقاعدہ ان چھٹیوں میں مجھے یہ ساری چیزیں پڑھوائیں۔

لیکن اتنے پیار کے باوجود جہاں سختی کرنی ہوتی وہاں سختی بھی کرتے تھے کبھی کم اور کبھی زیادہ۔ ایک دفعہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں آل پاکستان مباحثہ تھا اور میں نے قائدِ حزبِ اختلاف کی حیثیت سے تقریر کرنی تھی۔ یہ خلافت ثالثہ کے ابتدائی دنوں کی بات تھی۔ حضرت قاضی محمد اسلم ٹی آئی کالج ربوہ کے پرنسپل تھے۔ عین مباحثہ والے دن میرا قاضی صاحب سے کوئی اختلاف ہو گیا اور جوانی کے جوش میں میں نے فیصلہ کیا کہ میں عین وقت پر کالج سے کھسک آؤنگا اور تقریر نہیں کروں۔ چنانچہ میں مباحثہ سے کچھ دیر قبل گھر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں حضورؒ کمرے میں تشریف لا رہے ہیں اور غصہ سے آپؒ کا چہرہ سُرخ ہے۔ فرمانے لگے کہ قاضی صاحب

جوانی کے جوش میں میں نے فیصلہ کر لیا !!

کا فون آیا ہے کہ تم ناراض ہو کر آ گئے ہو۔ مباحثہ کا وقت قریب ہے۔ اگر تم نے تقریر نہ کی تو کالج کی بہت بدنامی ہوگی کیونکہ

ایک لڑکے کو سزا دی۔ اس کے بعد اداس ہو گئے

عین وقت پر کسی کا قائدِ حزبِ اختلاف کی حیثیت سے تقریر کرنا مشکل ہے۔ میں نے حضورؒ کی بات سنی اور خاموش رہا۔ آپؒ نے مجھے ڈانٹا اور فرمانے لگے: "تمہیں شرم نہیں آتی کہ اُستاد کی بات نہیں مانتے اور قاضی صاحب تو میرے بھی اُستاد ہیں۔ ابھی جاؤ، تقریر کرو اور میں تمہیں گھر میں اس وقت گھسنے دوں گا، جب قاضی صاحب سے یہ لکھوا کر لاؤ گے کہ تم نے ان سے معافی مانگ لی ہے اور کسی قسم کی بدمزگی یا حکم عدولی نہیں کی" یہی حالت دوسرے بچوں کے ساتھ تھی۔ اکثر پیار سے تربیت فرماتے، لیکن جہاں سختی کرنا پڑتی وہاں سختی بھی کرتے۔ بحیثیت پرنسپل ٹی آئی کالج بہت رعب و دبدبہ تھا، لیکن اس رعب اور دبدبہ کے باوجود آپ کو شاگردوں کے ساتھ اور شاگردوں کو آپ کے ساتھ بہت پیار تھا، اس لیے کہ اُنہیں پتہ تھا کہ یہ سختی بھی ہماری بھلائی کے لیے

میں نے پھر کبھی
اس لڑکے کو
سیٹی بجاتے نہیں سنا

ہے، ہمارے پیار کی وجہ سے ہے۔ کسی نفرت کے باعث نہیں۔ ایک دفعہ ایک لڑکے کو بدنی سزا دی۔ میں چھوٹا تھا، مجھے وجہ تو یاد نہیں کہ کیوں مارا تھا، لیکن اتنا یاد ہے کہ آپ نے اُسے بہت مارا پھر اسکے جانے کے بعد اداس ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ساتھ لیا اور ہوسٹل میں اس لڑکے کے کمرے میں چلے گئے۔ وہ کپڑا اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھ کر وہ ایکدم کھڑا ہو گیا۔ آپؒ نے اُسے پیار سے گلے لگایا، سمجھایا، پھر اپنے ہمراہ ٹی آئی کالج کی ٹک شاپ پر لے گئے۔ اسے دودھ پلوایا اور بڑی محبت کا اظہار فرماتے رہے۔ آپ کا یہ انداز اور سختی میں محبت و شفقت کا پہلو ایک جیتی جاگتی تصویر کی طرح میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

پیار میں ہی تنبیہہ کا ایک اور واقعہ ہے۔ میں دو، تین لڑکوں کے ساتھ باٹنی ڈیپارٹمنٹ کے سامنے برآمدے میں کھڑا تھا۔ ہمارا ایک ساتھی سیٹی بجا رہا تھا۔ اس کی حضورؒ کی طرف پیٹھ تھی۔ اتنے میں میری نظر پڑی تو دیکھا کہ حضورؒ اپنی کوٹھی سے نکل کر کالج کی طرف آ رہے تھے۔ جو لڑکا سیٹی بجا رہا تھا، اس کی حضورؒ کی طرف پیٹھ تھی، ہم اسے حضورؒ کی آمد کا نہ بتا سکے اور خود فوراً ستونوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ حضورؒ اس لڑکے کے قریب آکر کھڑے ہوئے کان میں کچھ کہا اور چلے گئے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ "میاں صاحب نے تمہیں کیا کہا تھا" کہنے لگا صرف اتنا کہا "اچھے لڑکے سیٹیاں نہیں بجاتے"۔ اس واقعے کا اس پر اتنا اثر تھا کہ میں نے اُسے کبھی آئندہ سیٹی بجاتے نہیں دیکھا۔

آپ کی شفقتوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اپنے ہوں کہ غیر سبھی سے پیار اور شفقت و احسان فرماتے اور یہ سب کچھ پوشیدہ طور پر کرتے۔ اُردو کے مشہور شاعر احسان دانش اپنی کتاب میں قیامِ پاکستان کے شروع زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں جب بھی کسی غریب لڑکے کی مرزا ناصر احمد کے پاس سفارش کرتا، آپ اُسے داخل کرتے اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرواتے۔

عزم و ہمت کی ایسی چٹان جس سے بڑے بڑے طوفان ٹکراتے رہے

آپؒ کو جماعت کی بہت غیرت تھی۔ مہدیٔ دوراںؑ کی جماعت کی عزت آپؒ کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی۔ جماعت کے متعلق کوئی نامناسب بات برداشت نہ کرتے اور اگر کہیں دیکھتے کہ کوئی بات کسی نے ایسی کہی ہے جو جماعت یا اس کے کسی شعبہ سے متعلق ہے اور مناسب نہیں، تو فوراً ٹوکتے۔ ہم ایک دفعہ نئے نئے لاہور سے آئے ایکدن حضرت مصلح موعودؓ کو مل کر گھر جا رہے تھے

یہ دنیا کے تمام مالوں سے بہتر اور اعلیٰ ہے

جب گول بازار سے گزرے (اُسوقت گول بازار خاص ڈیویلپ نہ تھا) مَیں نے پُوچھا: "ابّا، یہ یہاں کی مال ہے؟" (مال روڈ لاہور غالباً ذہن میں تھی) خدا جانتا ہے اس میں کوئی تضحیک کا پہلو نہ تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح لاہور میں مال روڈ مرکزی بازار ہے اسی طرح یہ یہاں کا مرکزی بازار ہے۔ لیکن آپ نے اسے محسوس کیا اور اتنی سی بات بھی برداشت نہ کر سکے۔ فوراً کہنے لگے۔ "نہیں یہ دُنیا کی ساری مالوں سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔"

اسی طرح ایک دفعہ ایک سربراہِ مملکت سے جماعت کو تکلیف پہنچی اور اس کے بعد اُنھوں نے حضورؒ کو ملاقات کے لیے بُلایا۔ حضورؒ چلے گئے۔ دورانِ ملاقات چائے و دیگر لوازمات آئے، تو حضورؒ نے کھانے پینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

ایک سربراہِ مملکت سے کہا "میری غیرت کا تقاضہ ہے کہ میں آپ سے کچھ نہ کھاؤں"

* "مَیں جو آپ کے پاس آیا ہوں، وہ میرے منصب اور فرائض کا تقاضا تھا۔ آپ نے ایک سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مجھے بُلایا اور مَیں آگیا۔ جہانتک کھانے پینے کا تعلق ہے۔ جو تکلیف آپ سے جماعت کو پہنچی ہے، میری غیرت کا تقاضہ ہے کہ یہ مَیں نہ کروں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت، خدائے رحمٰن سے عشق اور اس کے آستانے پر اپنے پورے وجود کو ہر لحظہ و ہر آن جھکائے رکھنا اُنکی زندگی کا خاص طرّہ تھا۔ اللہ کے بندے تھے اور بندگی کے تمام حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ فرائض کیساتھ ساتھ نوافل پر اور ذکرِ الٰہی پر بھی اتنا زور تھا کہ دیکھنے والا نوافل کو بھی فرائض ہی سمجھے۔ اپنے فارغ اوقات میں نہایت خاموشی سے خدا کا ذکر کرتے رہتے، لیکن اس عبادت میں کوئی تصنع یا دکھاوے کا پہلو نہ ہوتا۔ میری جب شادی ہوئی تو ایک روز میری بیگم پُوچھنے لگیں کہ حضورؒ تہجد بھی پڑھتے ہیں؟ مَیں خاموش ہوگیا۔ ایک دفعہ مَیں پاکستان سے باہر تھا اور وہ حضورؒ کے ساتھ والے کمرے

میری بیگم بتاتی ہیں۔ رات آنکھ کھلی تو دیکھا ......

میں رہائش پذیر تھیں۔ کہتی ہیں کہ رات آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضورؒ خاموشی سے اُٹھے ہیں، تہجد کی نماز ادا کر رہے ہیں۔ مَیں جب واپس پاکستان آیا تو اُنہوں نے یہ واقعہ مجھے بتلایا۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ آپ کو جواب مل گیا۔ کہنے لگیں ہاں۔ مَیں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو کبھی بھی اپنی گفتگو میں اپنی عبادات کا ذکر تک نہیں کرتا۔

آپؒ کا خدا سے زندہ تعلق تھا۔ خدا آپؒ سے بولتا اور ہمکلام ہوتا اور آپؒ کی دُعاؤں کو سُنتا تھا۔ منصبِ خلافت سنبھالتے ہی آپؒ نے اپنے خدا سے قبولیتِ دُعا کا نشان مانگا اور دُنیا گواہ ہے کہ خدا نے آپؒ کے تعلق باللہ اور قبولیتِ دُعا کے نشان سے اس طرح نوازا کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

میرا لاہور میں امتحان تھا۔ پہلا امتحان تھا۔ صرف دو مضامین تھے۔ ایک اناٹومی اور دُوسرا فزیالوجی میں۔ مَیں رات کو پڑھ رہا تھا۔ صُبح فزیالوجی کا پرچہ تھا۔ رات ۱۱ بجے کے قریب مَیں نے محسوس کیا کہ اس پرچے کے لیے میری بالکل تیاری نہیں ہے یہ نہیں دیتا اور اگلا پرچہ اناٹومی کا دے دیتا ہوں۔ فزیالوجی کا

فرید! میرا تمہارا
ایسا تعلق ہے کہ
رات خدا نے مجھے
بتلا دیا۔

پرچہ سپلیمنٹری میں دیدونگا۔ اور اپنے دل میں یہ فیصلہ کر کے مَیں نے کتاب بند کی اور سو گیا۔ صُبح سویرے کوئی سات بجے کے قریب دروازہ کھٹکا۔ دروازہ کھولا تو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کا آدمی تھا اُنھوں نے حضورؒ کا خط دیا۔ جب کھول کر پڑھا، تو اس میں لکھا تھا: "فرید میرا تمہارا ایسا تعلق ہے کہ رات خدا نے مجھے بتلا دیا کہ تم صُبح کا پرچہ نہیں دے رہے۔ صبح کا پرچہ ضرور دو خواہ فیل ہو جاؤ۔" خدا کی شان دیکھئے۔ مَیں نے پرچے دیئے۔ نتیجہ نکلا تو مَیں فزیالوجی میں پاس تھا اور اناٹومی میں فیل۔

مَیں مرزا ناصر احمد کے
متعلق حلفاً کہہ سکتا ہوں
کہ یہ خدا کا بندہ ہے

آپؒ کی شخصیت کو خدا تعالےٰ نے ظاہری حُسن سے بھی بہت نوازا تھا۔ خلافت کے بعد تو اس حُسن کے جلوے کو خدا نے اور بھی دوبالا کر دیا اور آپؒ کا چہرہ اس بات کا غماز ہو گیا کہ اس شخص کا خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق ہے۔ مُجھ سے اکثر لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نے اتنا حسین اور نورانی چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ ۱۹۸۰ئہ میں غانا کے دورے کے دوران ہم ایک شہر سے دُوسرے شہر جا رہے تھے ایک جگہ عیسائی دوستوں کا مجمع استقبال کے لیے کھڑا تھا۔ جب حضورؒ کی کار قریب سے گزری تو ایک آدمی نے حضورؒ کو دیکھتے ہی پرجوش نعرے لگانے شروع کر دیئے اور نعرہ لگاتا ہوا کار کے ساتھ ساتھ بھاگا۔ مَیں نے وہاب آدم (مشنری انچارج غانا) سے پُوچھا

صاحبِ خنداں جبیں ، خنداں لباں رُخصت ہوا

وہ تروتازہ شگفتہ خنداں ، روشن ، دلرُبا
بُھول جاؤں مَیں جسے ایسا تو وہ چہرہ نہ تھا

اتنا روشن چاند پہلے ڈوبتے دیکھا نہ تھا

بن گئی تقدیر ساز اس کی دُعائے مستجاب

برطانیہ میں کشتی رانی - دورِ طالب علمی کا ایک منظر

آج پھر یاد آگیا اِک صاحبِ روئے جمیل
احمدِ موعود کے پیارے مبارک کا مثیل

آکسفورڈ (برطانیہ) دورِ طالب علمی میں حلال گوشت کی فراہمی کے لیے
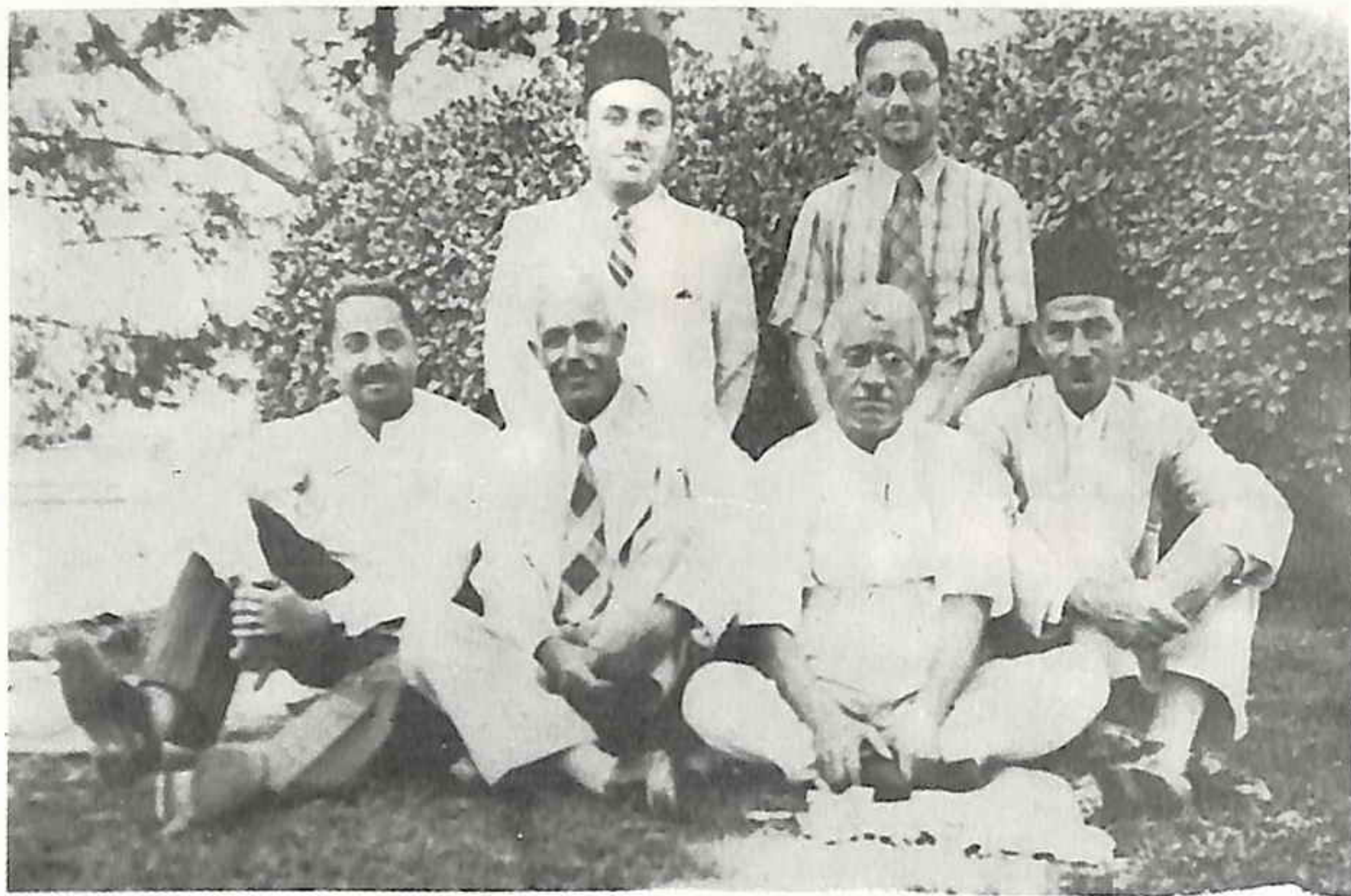
دورانِ طالب علمی قاہرہ (مصر) میں
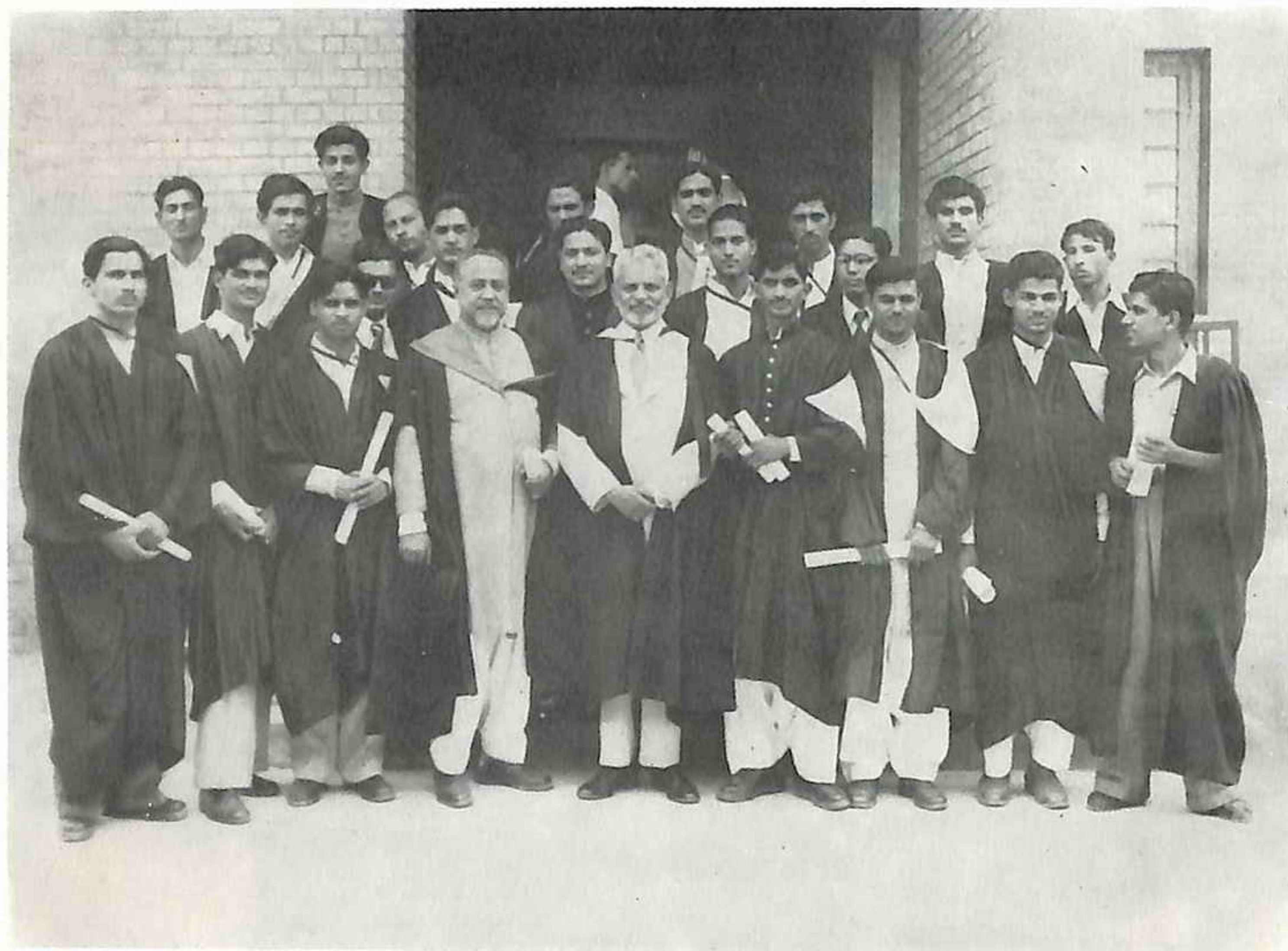
وہ چاند تھا گویا ہالے میں

تعلیم الاسلام کالج
ربوہ کا سنگِ بنیاد
رکھنے کا ایک
منظر

جب بھی آئے گا کوئی شعلہ بیاں
تُو میری جان یاد آئے گا
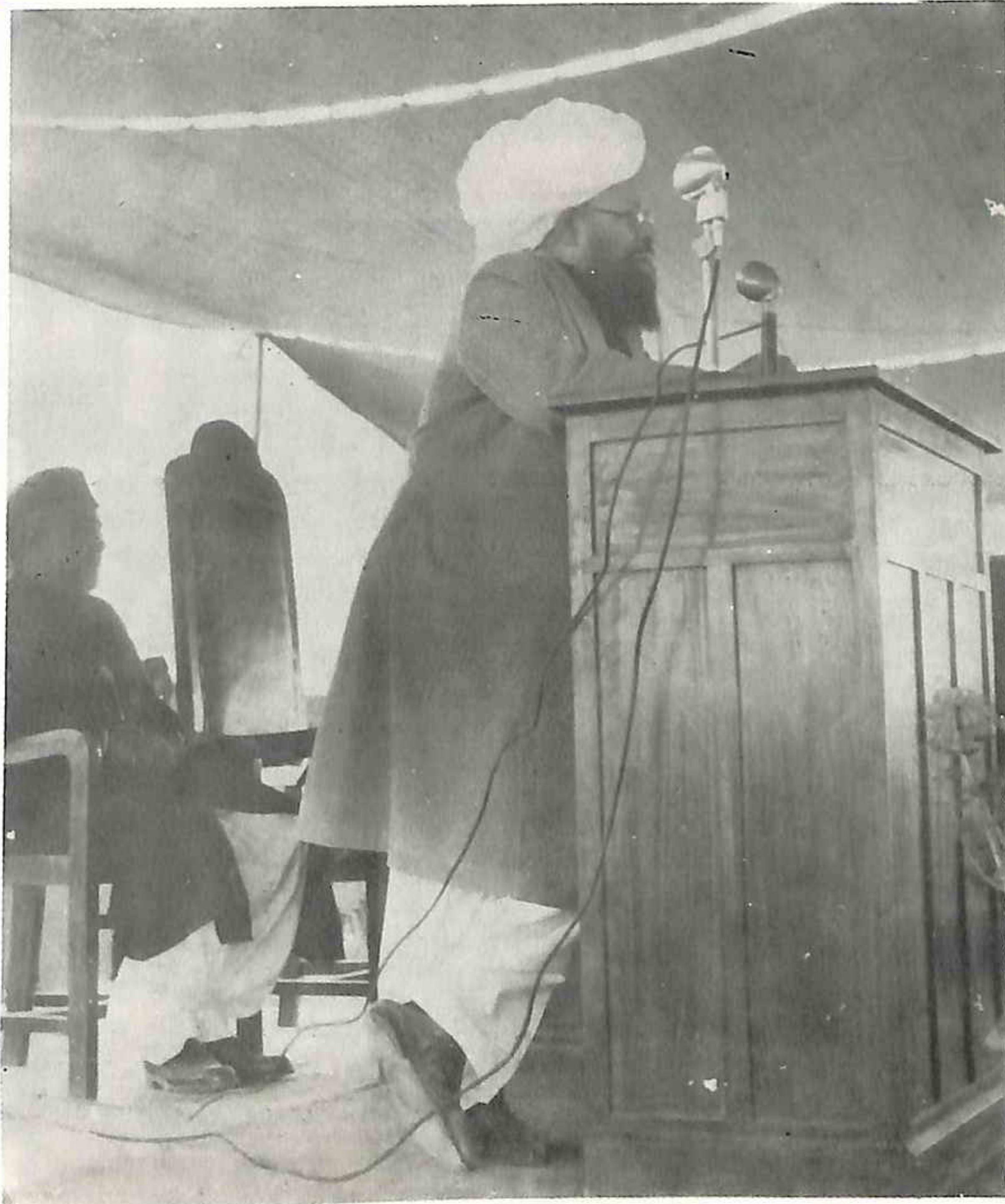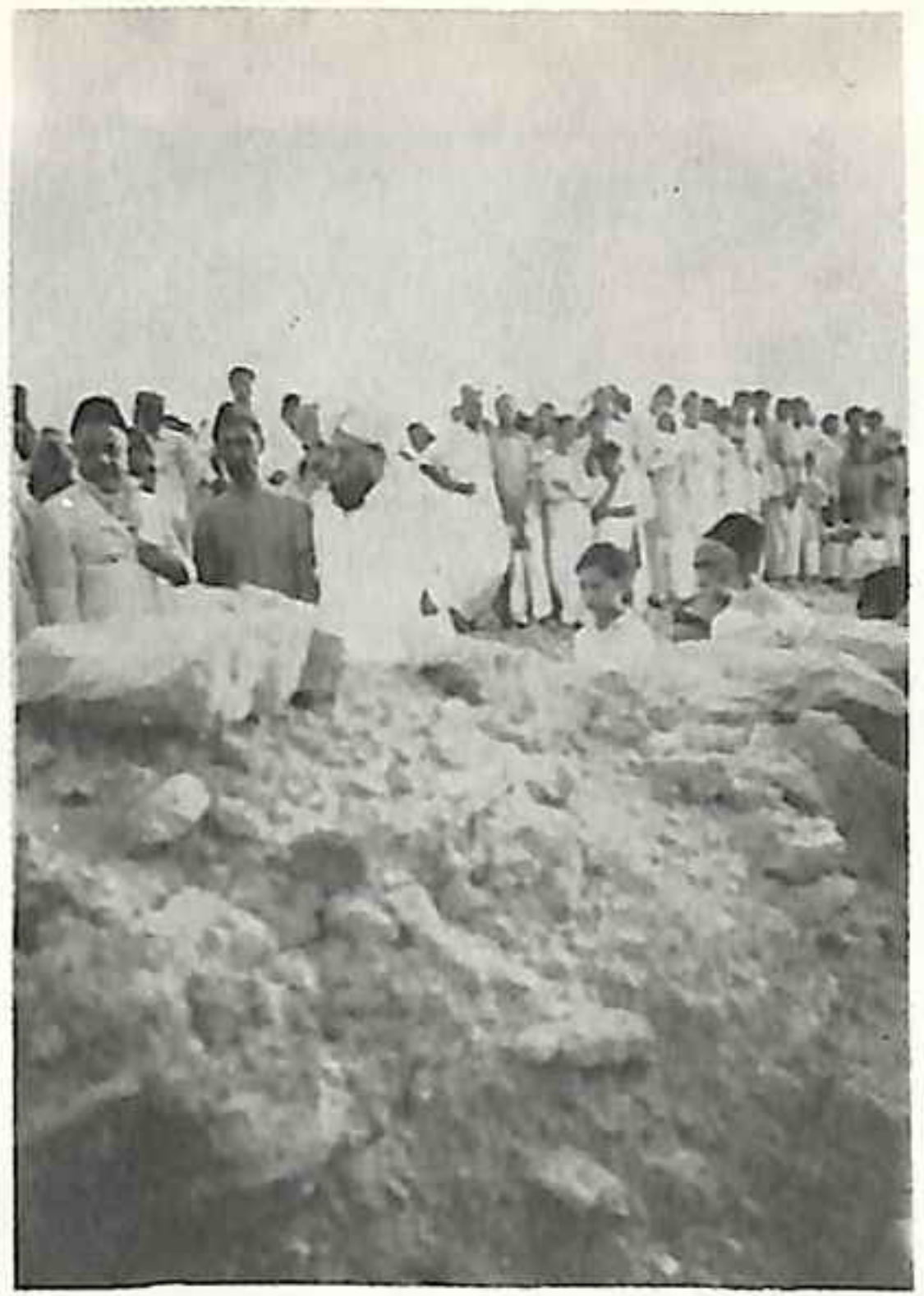
عظیم باپ
اور عظیم بیٹا

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بحیثیت پرنسپل ڈگریوں کی تقسیم

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بحیثیت پرنسپل خطاب

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اساتذہ کے ساتھ
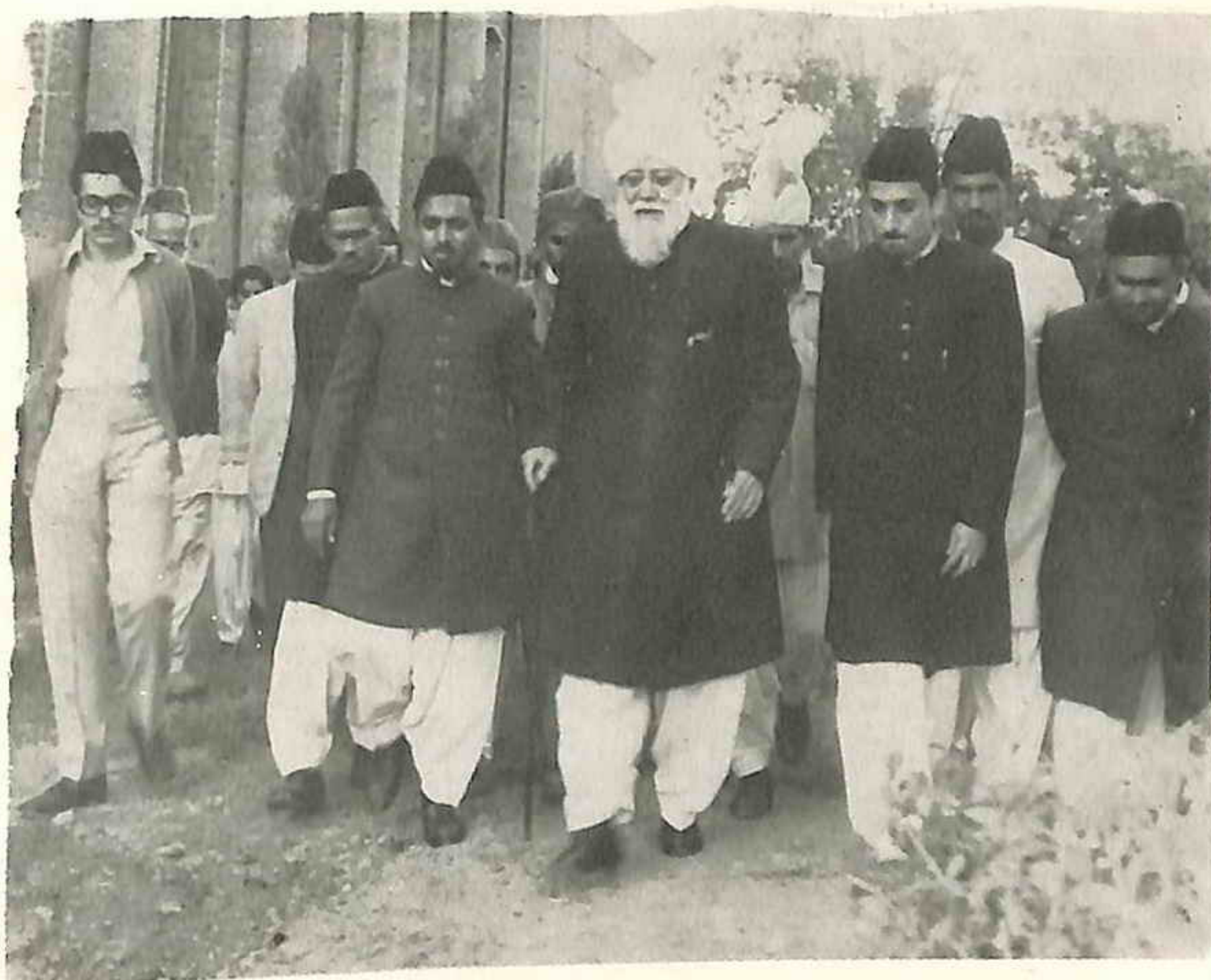
ع وہ جدھر گذرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

سُنو! اس کو داڑھی منڈوانے کو نہ کہنا

یہ اتنے جوش سے کیا نعرے لگا رہا ہے۔ کہنے لگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں یسوع کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس شخص کا خدا سے زندہ تعلق ہے۔

آپؒ کے ایک جرمن عیسائی دوست Mr Joachim مجھ سے کہنے لگے، مجھے مسائل کا تو علم نہیں، لیکن مَیں مرزا ناصر احمد صاحب کے متعلق حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ یہ خدا کا بندہ ہے اس کا خدا سے زندہ تعلق ہے۔ خدا اس کی سُنتا ہے اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مَیں نے پُوچھا۔ آپ نے تو حضورؒ کی قبولیتِ دُعا کا کوئی واقعہ نہیں سُنا اور نہ دیکھا۔ آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہنے لگا۔ ان کا چہرہ بتاتا ہے۔ اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ ایک عاشقِ حقیقی تھے۔ آنحضرتؐ کی سیرت کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے آپؒ کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔ آنحضورؐ کے چھوٹے چھوٹے احکامات پر بھی عمل کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے اور دُوسروں کو تلقین فرماتے رہتے تھے۔ آں حضرتؐ پر درود بھیجنے کا بہت خیال ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ کام کرتے ہوئے درود بھیجا کرو۔ اس کے لیے کونسا خاص وقت چاہیئے یہ تو ہر وقت بھیجا جا سکتا ہے جب کھانے کی میز پر بیٹھتے، تو جبتک پانی نہ آ جاتا کھانا نہ شروع کرتے کہ آنحضورؐ کا حکم ہے جبتک پانی سامنے نہ ہو کھانا نہ شروع کرو۔

ایک دفعہ ایک زمین پر باغ لگوانا تھا۔ آپؒ نے باغ لگوانے کی ذمہ داری میرے سپُرد کی۔ مجھے زراعت کے کام سے بالکل آشنائی نہ تھی۔ مَیں نے ایک دوست سے جو اس علاقہ میں زراعت خصوصًا باغات کے ماہر سمجھے جاتے تھے مشورہ لیا۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک ایکڑ میں جتنے درخت لگتے ہیں اس سے زیادہ لگوائیں اور پھر دو سال بعد جتنی ضرورت ہے رکھ لیں گے باقی کاٹ دینگے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی اسی طرح باغ لگوا رہے ہیں۔ مَیں نے ان کی تجویز حضورؒ کو پیش کی۔ فرمانے لگے نہیں بالکل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلدار درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہی تھا کہ آپ جب دیکھتے کسی دوست یا عزیز نے آنحضورؐ کی سنّت پر عمل کیا ہے تو بہت خوش ہوتے۔ ۱۹۷۹ء میں مَیں نے داڑھی رکھی تو ابھی میں حضورؒ کے پاس نہیں گیا تھا کہ کسی نے جا کر حضورؒ سے ذکر کر دیا۔ حضورؒ یہ سُنکر بہت خوش ہوئے اور تین بار فرمایا۔ الحمد للہ، الحمد للہ الحمد للہ اور پھر میری بیگم سے فرمانے لگے۔ "سُنو اس کو داڑھی منڈوانے کو نہ کہنا"۔

فلپائن

کے ایئر لائنز پر

سفر کرنے سے انکار

کر دیا

اُمتِ مُسلمہ کے لیے آپ کے دل میں انتہائی درد تھا۔ دنیا میں کسی بھی مسلمان کے ساتھ زیادتی ہوتی آپؒ کا دل بے چین ہو جاتا

میں کوئی ایسی بات نہیں کر سکتا جو اُمّتِ مسلمہ میں تفرقہ کا باعث بنے

اور کثرت سے مُسلمانوں کے لیے دُعائیں فرماتے۔ عرب اسرائیل جنگ کے دوران باقاعدگی سے خبریں سُنتے۔ پریشان کن خبروں سے بے قرار ہو کر خدائے ذوالجلال کے آستانے پر جھک جاتے اور دُوسروں کو بھی عربوں کے لیے دُعا کرنے کی تلقین فرماتے۔ مُسلمانوں کے لیے اتنی غیرت تھی کہ ایک دفعہ بیرونِ پاکستان جانے کا پروگرام بننے لگا کسی نے تجویز کیا کہ فلپائن ایئرلائن پر سفر کریں۔ یہ سستی بھی رہے گی اور اچھی بھی۔ فرمانے لگے ہرگز نہیں۔ مَیں اس مُلک کی ایئرلائن پر سفر نہیں کروں گا، جہاں پر مُسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا ہے۔

۱۹۷۳ء کے دوران جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ صدرِ مملکت یا وزیرِ اعظم کے حلف میں ایسے الفاظ ہونے چاہئیں جن سے احمدیوں کے لیے اِن عہدوں پر منتخب ہونا ممکن نہ رہے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی حضور! ہم ایسی قرار داد اس اسمبلی میں پیش کروا دیتے ہیں کہ شیعہ، سنّی، دیوبندی، بریلوی اختلافات بھی سامنے آجائیں اور ایک نہ ختم ہونے والی بحث چھڑ جائے۔ اس پر آپؒ نے بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا:
"یہ نہیں ہو سکتا۔ مَیں کوئی ایسی بات نہیں کرسکتا جو اُمّتِ مسلمہ میں تفرقہ کا باعث بنے۔"

آپؒ حافظِ قرآن تھے۔ دل کی گہرائیوں سے قرآن پاک سے محبت رکھتے اور اس یقینِ محکم پر قائم تھے کہ قرآن مجید ایک مکمل کتاب ہے۔ اس میں دُنیا کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے اور یہ زندگی کے ہر پہلو کی راہنمائی کا اصول بتلاتی ہے۔ اپنی خلافت کے دوران قرآن مجید کے تراجم اور اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ فرماتے رہے۔ اور یہ کام اپنی نگرانی میں ہی مکمل فرماتے تھے۔ جب قرآن مجید کا کوئی ترجمہ یا کوئی ایڈیشن تیار ہو کر حضورؒ کی خدمت میں پیش ہوتا تو آپؒ کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ فرماتے تھے میری خواہش ہے کہ دُنیا کے ہر مرد و زن کے ہاتھ میں اس عظیم کتاب کا نسخہ دیدوں۔ سیر پر یا سفر پر جاتے ہوئے کوئی نظارہ دیکھتے تو فوراً کسی آیتِ قرآنی کی تفسیر سے اس مشاہدہ کو واضح کرتے۔ بڑی شدّت سے آپؒ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ جماعت کا ہر فرد قرآن مجید ناظرہ، باترجمہ اور باتفسیر جاننے والا ہو۔ خدام الاحمدیہ کی طرف سے جب بھی تعلیم القرآن کے سلسلہ میں کوئی رپورٹ جاتی تو بہت خوش ہوتے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی فرماتے کہ ابھی بہت کوشش کرو۔

> ہمارا کام کوشش کرنا ہے۔ آخری سانس تک کوشش!!

زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے۔ مایوسی کو گناہ سمجھتے تھے اور کبھی نہ مایوس ہونے کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب ہماری امّی کی طبیعت بہت بگڑ گئی اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر رہی تھیں تو آپؒ نے ڈاکٹروں کی طرف دیکھا اور شاید ڈاکٹروں کے چہروں پر مایوسی کی لہر کو محسوس کیا فوراً انہیں مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے اور آخری سانس تک کوشش کرنا ہے۔ اگر ہم مایوس ہو جائیں اور آخری سانس تک کوشش نہ کریں، تو ہم دہریہ ہونگے۔ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں۔ کبھی کوئی مایوسی

میرے غموں کا سلسلہ ۷۳ سال پر پھیلا ہوا ہے تو گویا ہوا خدا کے انعامات بھی بے شمار ہیں

کی بات کرتا تو آپ کو غصہ بہت چڑھتا۔ فرماتے کوششوں اور دعاؤں کو انتہا تک پہنچا دو نتیجہ تو خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے اسی پر چھوڑ دو اور جو وہ کرے اس پر راضی ہو جاؤ۔

جس کی چیز تھی

وہ اپنے پاس لے گیا

خدا تعالیٰ نے آپؒ کو بے انتہا حوصلہ اور عزم عطا فرمایا تھا جو حوصلہ اتنا تھا کہ دیکھنے والے کو لگتا کہ جیسے آپ کی شخصیت کوئی آہنی شخصیت ہے۔ آپؒ عزم وہمت کی ایک ایسی چٹان تھے، جس سے بڑے بڑے طوفان ٹکراتے رہے لیکن چٹان کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور اپنا ہی رُخ موڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء کا پُرآشوب زمانہ ہو کہ ۱۹۵۳ء کی دُکھ بھری داستان۔ اندرونی فتنے ہوں کہ ۱۹۷۴ء کے الم انگیز واقعات۔ اپنوں کے نشتر ہوں کہ غیروں کی زیادتیاں ہر شے کو نہایت بلند حوصلگی سے برداشت کیا۔ ماتھے پر کوئی شکن نہ ابھری ہونٹوں پر کبھی کوئی شکوہ یا بددعا نہ آئی، بلکہ اس نورانی چہرے پر ہر وقت مسکراہٹوں کا ہی بسیرا رہا۔ تین دسمبر ۱۹۸۱ء کی شام میری امی کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ وہ نظارہ شاید مرتے دم تک مجھے نہ بھولے۔ آپؒ امی کے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے اور دُعاؤں میں انتہائی مشغول تھے کہ ڈاکٹروں نے یہ اعلان کیا کہ خدا کی تقدیر ہم سب کی مہربان اور نہایت مشفق ماں کو اپنے پاس لے گئی ہے۔ آپ بڑے عزم سے اُٹھے اور فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

جس کی چیز تھی وہ اپنے پاس لے گیا

چہرہ کرب کی کیفیات سے بھرپور تھا لیکن عمل وہ تھا جو آنے والی نسلوں کے لیے صبر وہمت کی ایک عظیم الشان تاریخ لکھ رہا تھا۔

☆

اپنی آخری بیماری میں ایک دن فرمانے لگے کہ میں نے ہمیشہ ہر غم کو اپنی مسکراہٹوں میں چھپائے رکھا اور دیکھنے والے یہ سمجھتے رہے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف یا غم نہیں پہنچا، لیکن اگر کوئی میرا دل چیر کر دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا کہ میں نے کتنے غم اُٹھائے ہیں اور ان غموں کا سلسلہ ۷۳ سال پر محیط ہے، لیکن خدا تعالیٰ نے جو اپنے انعامات بارش کے قطروں کی طرح ہمیشہ مجھ پر نازل فرمائے ہیں، ان کا سلسلہ بھی ۷۳ سالوں پر پھیلا ہوا ہے اور یہ بھی وہی شخص دیکھ سکتا ہے جو میرا دل چیر کر دیکھے۔ ہاں! آپ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ میں نے تو ہمیشہ آپؒ کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور انتہائی مشکل اور صبر آزما لمحہ بھی آپؒ کی مسکراہٹ کو آپؒ سے نہ چھین سکا۔ امی کی وفات کے چند گھنٹے بعد آپؒ کی نظر مجھ پر پڑی تو دیکھا کہ میں رو رہا ہوں۔ بڑے پیار سے قریب بلایا اور فرمایا رونا نہیں اس کی رضا پر راضی ہو جاؤ۔ تم اس وقت نہیں روئے جب تین سال کے تھے اور تمہارے سامنے مجھے گرفتار کر کے لے گئے تھے اور آج جب

تم اُسوقت نہیں روئے

جب تم تین سال کے تھے

احسان دانش نے اپنی کتاب میں حضور کی شفقتوں کا ذکر کیا ہے

ہوشمند ہو حوصلہ والی عمر میں ہو تو رو رہے ہو؟ گویا نہ خود روئے اور نہ رونے دیا۔ ایک دفعہ جماعت کے انتہائی پُرآشوب دور میں کسی نے کہا حضورؒ ہمیں یہ کرنا چاہیے، وہ کرنا چاہیے۔ فرمانے لگے: ہمیں صرف دُعا کرنی چاہیے۔ جس دن آپ نے اپنا انتقام خود لینے کی کوشش کی اس دن خدا نے آپ کی خاطر انتقام لینا چھوڑ دینا ہے۔ آپ بس دُعا کریں اور دیکھیں کہ خدا کا انتقام کیسا ہوتا ہے۔ میں آپؒ کے اس جواب سے اسوقت تو مطمئن نہ ہوا، لیکن بعد میں آنیوالے حالات نے بتلایا کہ آپؒ بالکل صحیح فرماتے تھے۔

اُس زمانے میں بھی جب بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ درخت اب جڑ سے اکھاڑ دیا جائیگا اور حوادث کی آندھی اس چراغ کو بجھا کر ہی دم لے گی۔ آپؒ عزم و ہمت کی ایک دیوار بنکر خدائی تائید اور نصرت کے ساتھ کھڑے رہے۔ ہر مردہ دلی کو زندہ دلی میں اور ہر غم کو خوشی میں اور ہر بُری گھڑی کو ساعتِ سعد میں بدل دیا۔ اور ہر اداس چہرے کو مسکرانے کا سبق دیتے ہوئے جماعتِ احمدیہ کی راہنمائی کرتے رہے۔ اپنے ہاتھوں میں اپنی کوششوں اور دُعاؤں کے چپّو لیے نصرتِ الٰہی پر کامل توکّل رکھتے ہوئے مہدیٔ دوراں کی اس کشتی کو ہر بھنور کی زد سے بچاتے ہوئے مسکراتے چہرے کے ساتھ کنارے تک لے گئے۔

خلافت سے پہلے حضرت مصلح موعود نے جو کام بھی آپ کے سپرد کیا اسے بڑی تندہی اور جانفشانی سے سرانجام دیا۔ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل ہوئے۔ ٹی آئی سکول کے ہیڈ ماسٹر بنے۔ ٹی آئی کالج کے بانی پرنسپل بنے اور سالہا سال اس پودے کی آبیاشی کرتے رہے۔ خدام الاحمدیہ کی صدارت، انصاراللہ کی صدارت، صدر انجمن احمدیہ کی صدارت اور افسر جلسہ سالانہ کے فرائض اتنی خوبی سے نبھائے کہ قیامت تک یادگار رہیں گے۔

منصب خلافت پر بیٹھے تو آپ کی خداداد صلاحیتوں کے کمالات اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔ خدائی نصرت کے نظاروں کی روشنی میں جماعتِ احمدیہ کے لیے اپنے سارے اوقات ہی قربان کر دیتے۔ دل و ذہن میں خدائی تائید کا ایک کرنٹ دوڑ گیا۔ محض خدا کے ہو کر رہ گئے اور اسی کے دامن کو پکڑ کر قیادت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی یہ بات سامنے نہ رکھی کہ دنیا یا دُنیا والے مجھے کیا کہتے ہیں۔ ایک روز نظام جماعت کی طرف سے ایک شخص پر ایکشن لیا گیا۔ میں نے اس سلسلے میں حضور کو ایک

> میں صرف خدا
> سے ڈرتا ہوں

خط لکھا۔ حضورؒ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ دوبارہ لکھا اور میری نادانی کہہ لیجئے کہ آخر میں میں نے یہ فقرہ لکھا کہ حضور اس ایکشن کا لوگوں پر بُرا اثر پڑے گا اور وہ باتیں بنائیں گے۔ مجھے جواب آیا کہ "جہانتک لوگوں کا تعلق ہے میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ نہ پہلے کبھی ڈرا ہوں۔ میں صرف خدا سے ڈرتا ہوں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ لوگ کیا کہتے ہیں یا آنیوالا مؤرخ میرے بارہ میں کیا لکھے گا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب اِس دُنیا سے رخصت ہو کر اپنے خدا کے دربار میں جاؤں، تو سُرخرو ہو سکوں کہ جو میں نے اِس دنیا میں کیا وہ دیانت داری کے ساتھ جماعتی مفاد میں

میرا خیال تھا حضورؒ رشتے داری کی وجہ سے میرا لحاظ کریں گے

کیا ہے؟

جماعتی امور کی انجام دہی کے لیے جو دوست مصروف ہوتے ان کی ہر طرح راہنمائی فرماتے اور ان کے لیے بہت دعائیں کرتے۔ اگر کبھی وہ مشکل میں ہوتے، تو حضورؒ کو ان کی ہر وقت فکر رہتی اور کوششوں اور دعاؤں کے ساتھ ان کی مدد کرتے رہتے۔ ایک دفعہ سید عبدالحی کسی جماعتی امر کی وجہ سے پریشانی میں حضورؒ کے پاس آئے۔ حضورؒ نے اگلے روز مجھے بلایا اور کہنے لگے۔ عبدالحی سے کہہ دو گھبرائے نہیں میں نے ساری رات اس کے لیے دُعا کی ہے اور میری زبان پر یہ آیا ہے:

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

آپ منصف مزاج تھے اور انصاف کے معاملہ میں کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ جہاں جماعتی ایکشن ضروری ہوتا وہاں ضرور لیتے تھے، خواہ غلطی کرنیوالا کوئی بھی۔ ایک دفعہ ہمارے دُور کے کوئی رشتہ دار تھے اور ذاتی طور پر حضور کے بہت قریب۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کسی غیر از جماعت گھرانے میں کردی۔ حضور نے رپورٹ ملنے پر فوری ایکشن لیا۔ بعد میں کسی نے ان صاحب سے پوچھا۔ آپ نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔ کہنے لگے۔ میرا خیال تھا حضور رشتہ داری کی وجہ سے میرا لحاظ کریں گے اور میرے پر یہ ایکشن نہیں لیں گے۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ یہ خدا کا بندہ ہے اور خدا نے دنیا میں اسے انصاف کو قائم کرنے اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بھجوایا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود اور آپکے ساتھیوں سے بہت عشق رکھتے تھے۔ اکثر اصحاب حضرت اقدس کے گھروں میں جاتے ان سے دُعا کے لیے عرض کرتے۔ جب کسی موسم کا خاص پھل آتا بطور خاص اُنہیں بھجواتے۔ مجھے یاد ہے حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہان پوری کو آم بہت پسند تھے۔ آموں کا سیزن شروع ہوتا تو سب سے پہلے آنیوالے آموں میں سے کچھ آم حضرت حافظ صاحب کو ضرور بھجوایا کرتے تھے۔

طبیعت بہت مہمان نواز تھی۔ گھر میں آنیوالے مہمان کی خوب خاطر مدارت کرتے تھے، لیکن سادگی کو آپنے ہمیشہ مدِّنظر رکھا۔ اگر کبھی کوئی بے وقت بھی آجاتا، تو اس کے لیے جو کچھ گھر میں موجود ہوتا لے آتے۔ اور فرماتے ہم لوگ تکلّف پسند ہرگز نہیں، جو بھی گھر میں موجود ہے حاضر ہے۔ مہمان کی آمد سے بالکل نہیں گھبراتے تھے۔ خواہ وہ کسی وقت بھی آجائیں۔ حضورؒ کے دورِ خلافت سے قبل ایک دفعہ حضرت ملک عمر علی صاحب مرحوم رات بارہ بجے کے قریب گھر آئے شاید کوئی ضروری جماعتی کام تھا حضورؒ نے پہلے تو ان سے پوچھا۔ ملک صاحب کھانا کھانا ہے۔ کہنے لگے میاں صاحب نہیں۔ پھر مجھے فرمایا کہ ملک صاحب کے لیے چائے وغیرہ کا انتظام کرو۔

> ٹھہرو رسید دیتے جاؤ
>
> نبی پاکؐ کا حکم ہے

احکاماتِ شریعت کی پابندی کا بہت خیال ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے امور میں بھی احکاماتِ شریعت کو قطعاً نظرانداز

ایک عیسائی نے حضور کو دیکھتے ہی پُر جوش نعرے لگانے شروع کر دیئے

نہ ہونے دیتے۔ ایک دفعہ میں نے حضورؒ سے کچھ رقم بطور قرض لی رقم جیب میں ڈال کر میں واپسی کے لیے مُڑا تو فرمایا: ٹھہرو، پہلے رسید دیتے جاؤ، کیونکہ خدا اور اس کے رسولؐ نے تحریر کرنے کا حکم دیا ہے۔

امی کی وفات پر ہم بہن بھائیوں کو اکٹھا کیا اور فرمانے لگے کہ مجھے تم لوگوں پر پورا اعتماد ہے، لیکن پھر بھی شریعت کی پابندی ضروری ہے؛ چنانچہ باقاعدہ وراثت کے قوانین کے مطابق جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کو تقسیم فرمایا۔ ایک رقم خزانہ میں پڑی ہوئی تھی آپ چاہتے تھے کہ اس سے وصیت کی ادائیگی ہو جاتے۔ ہم سے پوچھا۔ ہم بچوں نے عرض کی حضور بالکل ٹھیک ہے۔ آپ اس سے وصیت کی ادائیگی کر دیں۔ فرمانے لگے اچھا لیکن تم سب بچے مجھے تحریر دو کہ ہم اپنے ابا کو اس کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں،" کیونکہ میں تم لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ایسے اُمور تحریراً سرانجام دینے چاہئیں

اچھے دوست بناؤ اور

جب بنا لو تو نبھاؤ

آپؒ ایک باپ، استاد اور آقا ہی نہیں ایک بہترین دوست بھی تھے۔ آپؒ کے ذہن میں دوستی کا بہت اعلیٰ معیار تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اچھے دوست بناؤ اور جب دوست بنا لو تو دوستی نبھاؤ۔ دوستی کو بلاوجہ ختم کرنے سے آپؒ کو بہت کوفت ہوتی تھی۔ یہی وصف تھا جس کی وجہ سے اپنے زمانہ طالب علمی میں آپؒ نے جو دوست بنائے وہ آج بھی حضورؒ کو یاد کرتے ہیں اور اب بھی حضورؒ کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور حضورؒ نے بھی اپنی وفات تک اپنی دوستی کو خوب نبھایا۔

میرے ایک عزیز جماعت دوست تھے لاہور میں ان کی بہن کی شادی تھی جس میں مَیں نہ گیا۔ حضور کو پتا چلا تو بہت ناراض ہوتے فرمانے لگے۔ لاہور جاؤ، اس سے معذرت کرو۔ وہ تمہارا اچھا دوست ہے اور تمہیں دوستی کا حق ادا کرنا چاہیے۔

آپؒ کا یہ اصول تھا کہ ہر شخص کو اس کا حق ملنا چاہیے اور کسی ایک غلطی یا کمزوری کی بنا پر اس کو بقیہ حقوق سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ ایک دفعہ مَیں نے ایک غریب لڑکے کی حضورؒ کو سفارش کی کہ حضورؒ اس کا وظیفہ مقرر فرما دیں۔ سفارش کرتے وقت میرے مُنہ سے یہ فقرہ نکل گیا — لیکن حضورؒ اس میں ایک خرابی ہے۔ وہ یہ کہ یہ طالبعلم کمزور احمدی ہے۔ اعتراض اٹھاتا ہے اور ان اعتراضات میں حضورؒ کی ذات مبارک تک کو شامل کر لیتا ہے۔ حضورؒ نے مجھے نظر اٹھا کر دیکھا۔ فرمایا، پھر کیا ہوا۔ بچہ ذہین ہے، پڑھتا ہے اور اتنا غریب ہے کہ اپنا خرچہ نہ اُٹھا سکے۔ مَیں نے عرض کی حضورؒ یہ باتیں تو ہیں۔ فرمانے لگے پھر اس کا حق ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔

آپؒ کی زندگی میں ایک اور نمایاں چیز جو مَیں نے دیکھی وہ یہ کہ دُنیا سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے اور آپؒ روپے پیسے کو حقیقت میں ہاتھ کا میل سمجھتے تھے۔ خلافت سے پہلے بھی جب کبھی ربوہ سے باہر جاتے ہم بچے فرمائش کرتے اور وہ جائز ہوتی، فوراً پوری کر دیتے اور جب پیسے ختم ہو جاتے تو بڑے

پڑھنے والوں کی خدمت میں بس اتنی عرض ہے

آرام سے فرماتے اب کچھ نہ مانگنا، میرے پاس کوئی پیسہ نہیں رہا اور آپؒ کے چہرے پر پیسے ختم ہونے یا کم ہونے کا ملال یا صدمہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ یہی فرماتے کہ روپے پیسے سے محبت کبھی نہ کرنا۔ ہو تو جائز خرچ کرو نہ ہو تو مسکراتے ہوئے بغیر کسی ملال کے صبر کرو۔ میرا مشاہدہ ہے کہ میں نے آپؒ کے جسم پر اچھے سے اچھا لباس بھی دیکھا اور پیوند لگی ہوئی اچکن اور پرانی ٹوپی بھی لیکن آپ کو ہر حالت میں شاکر ہی دیکھا۔

آپؒ کی نظروں میں دُنیاوی عزتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ پرنسپل تھے۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خانصاحب ربوہ آتے ہوتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؒ ان دنوں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے صدر تھے۔ آپؒ نے ان کی دعوت کی۔ میں سکول میں پڑھا کرتا تھا۔ گھر میں سُنا کہ چوہدری صاحب تشریف لا رہے ہیں، اُن کی دعوت ہے، تو بہت خوش ہوا اور یہ خوشی کچھ ایکسائٹمنٹ میں بدل گئی۔ طبیعت پر ان کی دنیاوی شان کا بھی اثر تھا۔ حضورؒ نے میری کیفیت دیکھی تو بڑے پیار سے مجھے بُلایا۔ فرمانے لگے، فرید! میں جو چوہدری صاحب کی عزت کرتا ہوں اور اس دعوت کا اہتمام کر رہا ہوں، وہ ان کی دنیوی شوکت کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس لیے ہے کہ آپ حضرتِ اقدس کے ساتھی ہیں اور ایک نیک انسان ہیں۔ تقویٰ کی راہوں پر چلنے والے ہیں اور حضرتِ اقدس کے نشانوں میں سے ایک نشان ہیں۔

میں نے آپؒ کو سربراہانِ مملکت سے بھی ملتے دیکھا۔ آپؒ ان کی عزت کرتے، لیکن اس طرح نہیں جس طرح عام دنیادار لوگ کرتے ہیں، بلکہ آپؒ کا رویہ ہمیشہ ایسا پُر وقار ہوتا کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرتا کہ واقعی یہ "خدا کا خلیفہ" ہے جو دُنیا کے کسی مُلک کے سربراہ سے مِل رہا ہے اور ان کے ساتھ بھی جو آپؒ کی گفتگو ہوتی وہ سچی، کھری اور ایک خدا کے برگزیدہ والی گفتگو ہوتی۔ اس گفتگو کا اکثر حصہ انہیں توحید کا درس دینے پر صرف ہوتا بہت پیارے اور دل نشیں انداز میں آپؒ ان پر خدا، اس کے رسُول اور اس کے مہدی کی شان بیان فرماتے۔

میں آپؒ کی سیرت کے کس کس پہلو کو بیان کروں۔ یہ تو ایک پوری کتاب ہے۔ اس کتاب کے کس کس باب پر روشنی ڈالوں۔ باپ بیٹے کی حیثیت سے پرکھوں، آقا اور غلام کے رشتے سے سوچوں یا ایک دوست کی عظمت پر کچھ لکھوں۔ بس اتنا کہتا ہوں کہ آپؒ کا عمل آپؒ کی زندگی، آپؒ کی شخصیت ایک کلمہ کے گرد گھومی، ایک حقیقت کی بنیاد پر قائم ہوئی اور وہ کلمہ وہ حقیقت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے:۔

پس پڑھنے والوں کی خدمت میں اتنی عرض ہے کہ اپنی دُعاؤں میں، اپنی یادوں میں جہاں آپؒ کو سامنے رکھیں وہاں اُنہیں بھی نظر انداز نہ کریں جو آپؒ کی جسمانی اولاد ہیں اور جس طرح جانے والے نے اپنے سارے اوقات آپ کے لیے وقف کر دیئے آپ کے لیے اور صرف آپ کے لیے ہمیشہ خدائے بزرگ و برتر کے آستانے پر جھکا رہا، وہاں آپ بھی کبھی کبھی اپنی سربسجود پیشانیوں کی آہ وزاری میں ہمیں یاد کیا کریں۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋

پیار سب سے کسی سے بھی نفرت نہیں

❀❀❀❀❀❀

محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ

میرِ محفل کبھی تھا وہ جانِ جہاں
دیکھ کے جس کو ہر شخص خورسند تھا
نافلہ تھا مسیح کا وہ عالی گہر
اے کہ فضلِ عمر کا وہ فرزند تھا

ذات اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوئی
کام اس کا زمانے میں موجود ہے
جا کے مغرب میں پیغام حق کا دیا
آج واں کفر کی راہ مسدود ہے

زندگی کی چمک سے دمکتا ہوا
اس کے چہرے پہ کیسا عجب نور تھا
اس کی ہر بات اُمّید کی روشنی
یاسیت کے اندھیروں سے وہ دُور تھا

سلسلہ تھا حوادث کا جاری مگر
یاس کا لفظ بھی لب پہ آیا نہ تھا
موجزن درد کا دل میں دریا مگر
کرب کا اس کے چہرے پہ سایہ نہ تھا

مسکراتا رہا، آپ بھی وہ سدا
مسکرانے کی تلقین کرتا رہا
اس جماعت کو تسکین دیتا رہا
اس کی راہوں کی تعیین کرتا رہا

اس کی صورت حسیں، اس کی سیرت حسیں
وہ شگفتہ دہن، وہ کشادہ جبیں
درس اہلِ وفا کو یہی دے گیا
پیار سب سے کسی سے بھی نفرت نہیں

سات سَو سال کے بعد مسجد کی پھر
اس کے ہاتھوں سے رکھی گئی ہے بِنا
پھر تشنہ لباں اس نے اسپین میں
چشمۂ فیضِ حق پھر سے جاری ہوا

یاد تازہ تھی فضلِ عمر کی ابھی
اِک نیا وار تقدیر نے کر دیا
چوٹ تازہ ہوئی، زخم رِسنے لگے
اِک نیا درد دل میں میرے بھر دیا

چیز جس کی تھی واپس وہی لے گیا
کوئی شکووں کا حق بھی ہمارا نہیں
اپنے ربّ کی رضا پہ ہی راضی ہیں ہم
اس کی ناراضگی تو گوارا نہیں

آہ میرے بے حد پیارے بھائی جان

(مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب)

خاکسار زیر نظر مضمون میں صرف اس ذاتی تعلق کا اظہار کرے گا جو اس خاکسار کو پیارے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے تھا۔ حضرت بھائی جان رحمہ اللہ کا خاکسار سے اپنے بھائیوں میں سے سب سے زیادہ تعلق ۱۹۳۴ء سے ہوا تھا جب حضور کی شادی ہوئی اور میری پیاری آپا سیدہ منصورہ بیگم بیاہ کر آئیں پھر جب ۱۹۴۱ء میں خاکسار کی شادی آپا منصورہ بیگم کی چھوٹی بہن محمودہ بیگم سے ہوئی تو ہم دونوں کا محبت و پیار کا تعلق حضرت بھائی جان اور آپا منصورہ بیگم صاحبہ سے بہت بڑھ گیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بڑھتا ہی چلا گیا اور ماشاء اللہ بچے ہوئے تو ہمارا تعلق مزید بڑھتا چلا گیا۔ ہم اکثر چھٹی کے دن یا ویسے بھی ان کے پاس چلے جاتے اسی طرح وہ ہمارے گھر آجاتے تمام دن بہت خوشی اور پیار سے گزرتا وہ دونوں بڑے ہونے کی وجہ سے ہم سے اور ہمارے بچوں سے بہت پیار کرتے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بھائی جان اور آپا کا خلافت احمدیہ سے فدائیت کا تعلق تھا۔ جب حضرت بھائی جان تعلیم وغیرہ مکمل کر کے مرکز میں کام پر لگے تو اس کے بعد سے حضرت مصلح موعود اکثر بہت اہم جماعتی کام حضرت بھائی جان کے سپرد کرتے اور حضرت بھائی جان ان کاموں کو نہایت خوش اسلوبی سے بہت انہماک سے اور دن رات کی پرواہ کئے بغیر کرتے اکثر ان کاموں میں کئی کئی دن باہر رہتے مگر میری آپا کبھی بھی ان کے کاموں میں روک نہ بنتیں بلکہ ان کی ممد و معاون بنتیں اسی طرح پیارے بھائی جان ہماری آپا کا بے حد خیال رکھتے اور ان کا بہت ادب بھی کرتے۔ ان کا جوڑا ایک مثالی جوڑا تھا اور خاکسار حق الیقین سے کہہ سکتا ہے کہ میرے پیارے بھائی جان آنحضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق خیرکم خیرکم لاھلہ کے مصداق تھے۔ بھائی جان آپا کے جذبات کا بے حد خیال رکھتے اور ان کی یہ کیفیت آپا کی زندگی کے آخر دم تک رہی۔

حضرت مصلح موعود کی وفات کے وقت حضرت بھائی جان کی جو کیفیت تھی اس کا بیان کرنا ممکن نہیں اور پھر جب آپ خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہوئے تو اس کے بعد خاکسار نے نوٹ کیا کہ ان کی حالت بالکل بدل

گئی۔

خاکسار اور محمودہ بیگم کا جو بے تکلفی کا تعلق ان کے خلیفہ منتخب ہونے سے قبل اُن سے تھا وہ ہم دونوں کے دماغوں کو معلوم نہیں کن گوشوں میں چلا گیا اور ہمارے دماغ میں سب سے اوّل اب خلیفۂ وقت سے سے صرف فدائیت کا تعلق قائم ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم دونوں کے دماغوں میں ایسی کیفیت پیدا کی ہے کہ بچپن سے ہی خلیفۂ وقت کے ساتھ فدائیت کا تعلق ہوتا ہے ذاتی رشتہ داری اور بے تکلفی قطعی دُور ہو جاتی ہے۔ بھائی جان کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد خاکسار اور محمودہ بیگم کا تعلق بھائی جان اور آپا سے ویسے تو پہلے جیسا تھا مگر اب ان کے مقام کے لحاظ سے فدائیت کے ساتھ نہایت ادب و احترام بھی شامل ہو گیا۔ ہم روزانہ شام ملنے جاتے ادب سے سلام کرتے کھڑے ہو جاتے مگر بھائی جان بھی بہت پیار سے مخاطب ہوتے گویا کہ ان کا پیار ہم سے پہلے سے بھی بڑھ گیا مگر ہماری طرف سے ادب کا اظہار ہر حال میں قائم تھا۔ خلافت سے قبل جو بے تکلفی حضرت بھائی جان کو ہم سے تھی خلافت کے بعد حضرت بھائی جان اسی طرح ہم سے مذاق بھی فرما لیتے تھے۔ کئی دفعہ خاکسار کی کسی غلطی پر حضرت بھائی جان ناراض بھی ہو جاتے اور خاکسار کی حالت اس کی وجہ سے بہت خراب ہو جاتی دن کا چین رات کا سکون اُڑ جاتا اور خاکسار روزانہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے عاجزی سے معافی کا خواستگار ہوتا اور معافی کا خط لکھتا تو چند دن بعد خود ہاتھ سے خط لکھتے کہ میں تو صرف اس لیے ناراض ہوں کہ تمہاری اصلاح ہو اور آئندہ تم کوئی غلطی نہ کرو ان کے اس خط سے محبت و پیار کی جھلکیاں صاف واضح ہوتی تھیں۔ خاکسار جب مارچ ۱۹۸۰ء میں بیمار ہوا تو حضرت بھائی جان کو بے حد فکر تھا خاکسار کی بیماری لمبی ہوتی گئی اور اُدھر بھائی جان کا فکر خاکسار کے لیے بڑھتا گیا جب ۱۹۸۲ء جنوری میں خاکسار کو بیماری کا دوبارہ شدید حملہ ہوا تو حضرت بھائی جان بے حد فکر مند ہوئے عزیزم مبشر احمد سلمہ کو حضرت بھائی جان اور آپا منصورہ صاحبہ سے بے حد پیار تھا ان دونوں کو بھی عزیزم مبشر احمد صاحب سے بے حد پیار تھا۔ خاکسار کی بیماری میں عزیزم مبشر احمد صاحب بھائی جان کا بلڈ پریشر دیکھنے روزانہ شام کو جاتے تو ایک دن فرمانے لگے کہ تمہارے ابا زیادہ بیمار ہیں ان کو باہر علاج کے لیے کیوں نہیں بھجواتے۔ اسی طرح اپریل ۱۹۸۲ء میں خاکسار کی بچی عزیزہ امۃ الحئی صاحبہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو انگلستان سے حضور کی طبیعت پوچھنے کا فون کیا اور فون پر پہلی بات یہ کی کہ حضور کی طبیعت کیسی ہے تو حضور نے ناراضگی سے فرمایا کہ تم میری طبیعت پوچھتی ہو تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ابا زیادہ بیمار ہیں ان کو علاج کے لیے وہاں کیوں نہیں بلواتیں۔ پیارے بھائی جان حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو اس عاجز کی بیماری کا کتنا فکر تھا۔

حضرت بھائی جان کو خاکسار کے بچوں سے بھی بہت

پیار تھا اور وہ خاکسار کی بچی عزیزہ امتہ الحیٰ سلمہا کو ہمیشہ اپنی بیٹی کہتے تھے اور ہمیشہ فرماتے تھے کہ تم تو میری بیٹی ہو ہم نے تمہیں تمہارے ابا کو پرورش کے لیے دیا ہوا ہے۔

حضرت بھائی جان کے اصرار پر خاکسار پندرہ مئی ۱۹۸۲ء کو ربوہ سے انگلستان کے لیے روانہ ہوا اور ۱۹ مئی کو لندن پہنچا خاکسار کے ڈاکٹروں سے معائنہ کی APPOINTMENT پہلے ہی ہو چکی تھیں ابھی بس دن بھی نہ گذرے تھے کہ یہ انتہائی فکر کی اطلاع لندن پہنچی کہ حضرت بھائی جان کو شدید دل کا حملہ ہوا ہے خاکسار کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ربوہ سے روانگی کے وقت جب ہم یعنی خاکسار اور محمودہ بیگم حضرت بھائی جان کو ملنے گئے تو اس وقت ان کی صحت ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی تھی ہم سے باتیں کرتے رہے اور پھر اجازت لیکر رخصت ہونے لگے تو بہت پیار سے رخصت کیا محمودہ بیگم کو بالکل اس انداز میں رخصت کیا جس طرح ہماری پیاری آپا حضرت منصورہ بیگم صاحبہ رخصت کرتی تھیں۔

حضرت بھائی جان کی شدید بیماری نے میرے حواس ختم کر دیئے میں نے اسی وقت P.I.A دفتر فون کر کے کہا کہ میں اگر چند گھنٹے کا نوٹس دیکر واپسی پاکستان جانے کے لیے کہوں تو کیا ہمیں دو ٹکٹ واپسی کے مل جائیں گے انہوں نے کہا ضرور مل جائیں گے۔ میں نے اسلام آباد فون کیا اور عزیزم ڈاکٹر مبشر احمد صاحب سے کہا کہ میری اور محمودہ بیگم کی طبیعت بے حد بے چین ہے ہم واپس آ رہے ہیں یہ غالباً بیماری کا دوسرا دن تھا عزیزم مبشر احمد صاحب نے کہا کہ ابا کہتے تھے چچا ابا (خاکسار کے بچے حضرت بھائی جان کو چچا ابا) کی طبیعت بہتر ہو رہی ہے آپ اپنی تشخیص جاری رکھیں اور واپس نہ آئیں۔ اسی دن غالباً اسلام آباد سے لنڈن مشن ہاؤس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے بارہ میں جو طبی رپورٹ باہر کے مشنوں میں اطلاع کیلئے آئی اس میں یہ تھا کہ حضور کو پاکستان کے چوٹی کے ڈاکٹروں کے بورڈ نے دیکھا ہے اور علاج تجویز کیا ہے۔ لنڈن مشن ہاؤس نے خاکسار کو بھی فون پر اس کی اطلاع کی۔ کیونکہ ان کو ہدایت تھی کہ صبح آٹھ بجے اور شام چار بجے جب اسلام آباد سے حضور کی طبیعت کی رپورٹ بذریعہ فون آئے تو وہ سب سے پہلے اس عاجز کو اس کی اطلاع دیں اس کے علاوہ خاکسار نے عزیزم ڈاکٹر مبشر احمد کو پہلے دن سے تاکید کر دی تھی کہ وہ پاکستان ٹائم کے لحاظ سے رات ساڑھے گیارہ بجے جو لنڈن کا شام سات بجے کا وقت تھا حضور کی طبیعت کے بارہ میں فون کریں اور اگر ان کا فون نہ آئے گا تو میں خود سات بجے (لنڈن ٹائم) انکو اسلام آباد فون کرونگا۔ چنانچہ اس اطلاع پر کہ پاکستان کے چوٹی کے ڈاکٹروں نے حضور کا معائنہ کیا ہے۔ خاکسار کے دل کو دھکا لگا اور میں نے عزیزم مبشر احمد صاحب کو فون کیا اس وقت عزیزم فرید احمد سلمہا بھی موجود تھے اور فون پر ان کو کہا کہ یہ کیا ہے ہمارے پیارے امام کا مقام تو دنیا کے

بادشاہوں اور صدروں سے بھی بلند ہے اور آپ لوگ یہ اطلاع دیتے ہیں کہ پاکستان کے چوٹی کے ڈاکٹروں نے معائنہ کیا لہٰذا اب میں فوری انتظام کر رہا ہوں کہ انگلستان کا چوٹی کا دل کا ماہر اور امریکہ سے چوٹی کے دل کے ماہر اسلام آباد جا کر حضور کو دیکھیں۔ اس پر عزیزم مبشر احمد سلمہٗ اور عزیزم فرید احمد سلمہٗ نے فرمایا کہ آپ فوری انتظام کریں۔ اس وقت حضور سے پوچھنے کا موقعہ نہیں اس پر خاکسار نے اسی وقت کوشش شروع کر دیں اور انگلستان کے چوٹی کے ہسپتال سینٹ تھامس ہسپتال کے ماہر امراض قلب ڈاکٹر جینکن اور امریکہ کے ماہر امراض قلب ڈاکٹر شاہد احمد کو بھجوایا۔ یہ دس دن بے حد بے قراری سے گزرے ان دنوں حضور کی طبیعت کے بارہ میں رپورٹیں اچھی آرہی تھیں کہ اچانک ۹ جون بعد دوپہر (انگلستان کے وقت کے مطابق) یہ اطلاع آئی کہ حضور کی طبیعت یکدم شدید خراب ہو گئی ہے اس اطلاع نے حواس باطل کر دیئے خاکسار فون پر بیٹھ کر فون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر اسی طرح لندن وقت کے مطابق آٹھ بج گئے پھر تقریباً ساڑھے آٹھ بجے فون ملا اور یہ جانکاہ خبر ملی کہ میرے بے حد پیارے اور پیار کرنے والے بھائی جان اللہ کو پیارے ہو گئے خاکسار یہ سنکر بالکل NUT ہو گیا صرف منہ سے یہ نکلا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اور زور سے یہ الفاظ نکلے۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ۔ اسی وقت کوشش کی کہ اگلے دن صبح پاکستان کے لیے کسی ہوائی کمپنی کی سیٹ مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اگلے دن صبح برٹش ائیرویز کی سیٹیں مل گئیں اور خاکسار محمودہ بیگم اور عزیزہ امۃ الحیٰ صاحبہ صبح پاکستان کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسلام آباد اسی رات فون کر دیا تھا کہ ہم لوگ برٹش ائیرویز پر صبح پہنچ رہے ہیں لہٰذا ہوائی اڈے پر گاڑی کا انتظام ہو تا کہ فوری ربوہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ صبح ویگن وہاں ہوائی اڈے پر موجود تھی ہم اس میں بیٹھے ہمارے علاوہ اور بھی دس احمدی دوست اسی فلائٹ پر جنازہ میں شرکت کے لیے آئے تھے ان کو بھی ساتھ بٹھایا تا وہ بھی وقت پر جنازہ میں شامل ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم پونے دو بجے بخریت ربوہ پہنچ گئے اور ہم تینوں فوری قصر خلافت چلے گئے جہاں حضرت بھائی جان کا جسد مبارک تابوت میں رکھا ہوا تھا خاکسار کی حالت بہت خراب تھی کار سے اتارنے کے لیے عزیزوں نے سہارا دیا اور سہارا دیکر ہی اس کمرے میں لے گئے جہاں حضرت بھائی جان کا جسد مبارک تھا وہاں دیکھکر خاکسار کے وہ جذبات پیار اور محبت، فدائیت خاکسار کو حضرت بھائی جان سے تھا سب اُمڈ پڑے اور خاکسار حضرت بھائی جان کے چہرہ مبارک پر جھک کر پیار کرنے لگا اس وقت کی خاکسار کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی خاکسار اس حالت میں رہا کہ چند عزیزوں نے خاکسار کو سہارا دیکر اٹھایا اور ساتھ ہی ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پھر خاکسار جنازہ لیجانے تک وہیں بیٹھا رہا،

تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر چہرہ مبارک کو پیار کر لیتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کر رہا تھا کہ اُس نے اتنے پیار کرنیوالے بے حد پیارے وجود کا آخری دیدار بھی کروا دیا اس کو پیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر جنازہ میں شامل ہونے اور تدفین میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

کتنا پیارا وجود تھا کتنا پیار کرنیوالا وجود تھا مگر ہم اپنے سب سے پیارے آقا اپنے خالق اپنے مالک کی رضاء پر راضی ہیں۔ حضرت بھائی جان نے اس آخری بیماری میں اس عاجز اور عاجز کے بچوں کے متعلق کئی باتیں کیں جن سے ان کے اس پیار کا اظہار ہوتا ہے جو ان کو ہم سے تھا میری بڑی ہمشیرہ سیّدہ ناصرہ بیگم صاحبہ نے بتایا کہ بیماری کے دوران ایک دن مَیں حضرت بھائی جان کے پاس اکیلی بیٹھی تھی تو حضرت بھائی جان نے فرمایا کہ منور کے بچے مجھے بہت پیار کرتے ہیں اور مجھے بھی وہ بہت پیارے ہیں خصوصاً مبشر تو بہت ہی پیارا ہے۔

اسی طرح حضرت بھائی جان کی بچی خاکسار کی بھتیجی عزیزہ امتہ الشکور شکری نے بتایا کہ ابّا روز پوچھتے تھے کہ منور کا فون آیا (جیسا کہ خاکسار پہلے لکھ چکا ہے کہ خاکسار روزانہ رات ساڑھے گیارہ بجے (پاکستان ٹائم) فون کرتا تھا یا عزیزم مبشر فون کرتے تھے)

تو جب میں جواب دیتی کہ چچا میاں (بھائی جان کے بچے خاکسار کو چچا میاں کہتے ہیں) کا فون روزانہ آتا ہے تو ایسے لگتا کہ ان کے چہرے پر خوشی آجاتی۔ اسی طرح محترم برادرم شیخ مبارک احمد صاحب امام مسجد لندن نے خاکسار سے ذکر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے دو فدائی بھائی ہیں ایک منور اور دوسرا طاہر غرض حضرت بھائی جان اور سیدہ آپا منصورہ بیگم صاحبہ کے وجود میرے اور میرے بیوی بچوں کے لیے پیار ہی پیار تھے۔ والدین کے بعد ان جیسا پیار ہم نے کسی اور سے نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بے حد بلند فرمائے اور اپنے حبیب اور اپنے مسیح کے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ تو ہماری دعائیں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میرا ایمان ہے کہ پیارے اللہ نے اسی طرح کیا ہوگا۔

خاکسار حضرت بھائی جان کے مقام کے بارہ میں اپنی ایک خواب کا ذکر کرتا ہے جو خاکسار نے ان کی خلافت کے دو سال بعد غالباً دیکھی تھی۔ خاکسار نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا لمبا دالان ہے جس کے فرش کا نصف حصہ تین فٹ اونچائی پر ہے لمبائی کے رُخ اور خاکسار اس اونچے حصہ پر کھڑا ہے سامنے والی دیوار سفید بے داغ چمکتی سفیدی والی ہے کہ اتنے میں دائیں طرف سے دالان کے نچلے حصہ والے فرش پر حضرت مصلح الموعود (اللہ ان سے راضی ہو) اور ان کے پیچھے حضرت بھائی جان آرہے ہیں اور دونوں خاکسار کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی اس طرح کہ خاکسار کے دائیں ہاتھ کی طرف بھائی جان اور ان کے ساتھ خاکسار کے بائیں ہاتھ کی طرف حضرت

مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) ہیں کہ اتنے میں ایک
نور کی بے حد تیز روشنی بیم کی شکل میں ان دونوں پر
پڑتی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حد بلند
آواز آتی ہے جس میں حضرت مصلح الموعود (اللہ آپ
سے راضی ہو) کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
اشارہ حضرت بھائی جان کی طرف ہے۔ کہ "یہ تیری
آنکھ کا نور ہے اور میرے دل کا سرور ہے"

اس سے ہی حضرت بھائی جان کا مقام اللہ تعالیٰ
کی نظر میں ظاہر ہو جاتا ہے وہ تو اپنے بے حد پیار
کرنیوالے اب اللہ کو پیارے ہو گئے اللہ تعالیٰ مجھے
میرے بیوی بچوں کو صبر کی توفیق بھی اپنے فضل سے
عطا فرمائے اور ان کی خواہشات کے مطابق ان کے
اسوہ پر چل کر دین کے لیے زندگیاں گزارنے کی توفیق
فرمائے اور وہ ہمارا بے حد پیارا آقا ہم سے راضی
ہو اور جب ہمارا وقت آئے تو اپنی خاص صفتِ
غفاریت ستاریت کے تحت ہمارے گناہوں کو
معاف فرماتے ہوئے اپنے پیاروں کے قدموں میں
جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ اللھم آمین ؛

ناصرِ خوش بیاں نہیں ملتا

رونقِ گلستاں نہیں ملتا
ناصرِ خوش بیاں نہیں ملتا

بزم روشن تو ہے ستاروں کی
چاند ہی درمیاں نہیں ملتا

جس کی ہر سوچ مہربانی تھی
وہ میرا مہرباں نہیں ملتا

قابلِ فخر و افتخار گیا
نازشِ دودماں نہیں ملتا

اس کی شفقت ہے چار سُو پھیلی
اس کا سایہ کہاں نہیں ملتا

دین میں صاحب وقار تھا وہ
پیکرِ عزّ و شاں نہیں ملتا

وہ تو روحِ سفر تھا جانِ سفر
مونسِ ہمرہاں نہیں ملتا

پیکرِ عزم و استقامت تھا
وہ تو عابد دلِ محبّت تھا

(ایم عابد ربّانی ربوہ)

عقیدتوں کے دائرے

"اُن مسکراہٹوں کی یاد میں جنھوں نے ہمیں جینے کا حوصلہ دیا۔ اور ان حوصلوں نے ہمیں پرواز کی طاقت دی"

محترمہ صاحبزادی
امتہ الحلیم صاحبہ بیگم محترم صاحبزادہ
مرزا مجیب احمد صاحب

حضرت اماں جان کی گود کا پالا، حضرت اماں جان کی شفقت اور اعلیٰ تربیت کے سائے میں پلنے والا اور خدا کا پیارا، خدا کی راہ اور خدا کی رضا میں زندگی گذارنے والا۔ اُس شخصیت کا کردار اور اخلاق اللہ اللہ ـــــ میں ناچیز تو اُس کا بیان اور اظہار بھی کرنے سے قاصر ہوں۔ نہ زبان انصاف کر سکتی ہے نہ قلم۔ کہ جو کچھ وہ تھا ہم کہہ نہ سکیں گے۔

ہم اور ہمارے بعد آنیوالی نسلیں کیا اس عظیم ہستی کو کبھی بھی بھلا سکیں گی؟ ـــ نہیں کبھی نہیں ـــ خدایا! تو ہمیشہ اُنہیں اپنی رحمتوں کے سایہ میں رکھنا۔ اور اپنی رحمتوں سے اپنے پیارے سے ہمارے حضور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالےٰ کے درجات بلند سے بلند تر کرتے چلا جانا۔ آمین ثم آمین۔ خدایا، کس طرح اچانک ہی تُو نے ہمیں اُن سے جُدا کر دیا۔ یہ تیری رضا ہے، تیرا قانون ہے۔ ہم تیری رضا پر راضی ہیں، لیکن دل کیوں مسلسل بے یقینی کے عالم میں گرفتار ہیں۔ ایک سکتہ ہے ـــ ایک سناٹا ہے۔ کچھ ایسی ٹوٹ پھوٹ ہے من میں کہ خدایا اس کی برداشت کے لیے تو تیری خاص رحمتوں کی مرہم درکار ہے۔ ایک محاورہ ہے کہ نگاہیں ڈھونڈتی ہیں، لیکن یہاں تو ڈھونڈنے کا سوال ہی نہیں۔ اِدھر تو یہ

حال ہے کہ یہ پیارا وجود ہر دم نگاہوں کے سامنے ہے۔ چلتا پھرتا، پیارا سا وجود۔ وہی روشن اور مسکراتا چہرہ۔ وہی قدموں کی مانوس سی چاپ۔ ابھی ابھی دفتر تشریف لے گئے۔ اذان کی آواز آتی ہے اور اندر تشریف لاتے ہیں۔ نماز کی تیاری، نماز پر جانا۔ نہایت پُرسکون وجود، نہایت دھیما انداز۔ واپس آکر مسکرا مسکرا کر بات کرنا، سب کا حال پوچھنا۔ بچوں کو پیار، نہایت گہری، روشن اور جانچنے والی نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینا اور اُن نگاہوں سے ہمیں دیکھنا کہ کسی کو خاموش پانا یا بیمار دیکھنا، تو اپنی نگاہوں سے اس طرح کا حوصلہ دینا، اس طرح کی ڈھارس دینی کہ بیمار یا پریشان حال خود بخود مسکرانے لگ جاتے اور سکون اور اطمینان کی ایک برقی رَو تمام وجود میں دوڑ جاتی ۔۔۔ نہ کوئی سوال، نہ کوئی زبانی گفتگو۔ بس نظروں کے تصادم سے ہی ایک بیمار حال کو ایک پریشان حال کو مایوسی یا اُداسی کی حالت سے نکال کر دلی اطمینان اور مسرت کی فضاؤں میں پہنچا دینا۔ کیا understanding تھی۔ کیا روپ تھا، کیا حوصلہ دینے کا ملکہ تھا، کیا صبر کی تلقین تھی ۔۔۔ خاموش لب، لیکن بولتی آنکھیں۔ اسی خاموشی سے سب کچھ سمجھ لیا اور سب کچھ دے دیا ...... یہ وجود تو ہر دم آس پاس ہے، نگاہوں کے سامنے ہے۔ گویا کہ ہم اُن سے مخاطب ہیں اور وہ ہم سے مخاطب ہیں۔ وہ روشن وجود، وہ مسکراہٹیں ہمارے سامنے ہیں۔ کبھی دھیمی چاپ کی سرسراہٹ محسوس ہوتی ہے۔ کبھی اس عظیم ذمہ داری کے بوجھ کو کاندھوں پر اٹھاتے خاموشی سے اپنی کرسی پر کسی گہری سوچ میں محو نظر آتے ہیں۔ اس حالت میں اگر کوئی سامنے آگیا، تو یکدم مسکرا دیے۔ اپنی سوچ کو پس پشت ڈال کر آنیوالے کو اپنی مسکراہٹوں سے زندہ رہنا سکھا دیا۔ اپنے پیار سے اس کی جھولی بھر دی ۔۔۔ مَیں یہ سب کچھ اب بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں اور محسوس کرتی ہوں۔ اور جب کوئی اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ اب یہ وجود اس دُنیا میں نہیں یا، تھا کا لفظ آتا ہے، تو دل چونک جاتا ہے۔ ایک سناٹا سا، ایک سرد سی لہر تمام وجود پر چھا جاتی ہے اور وہی یقین اور بے یقینی کی جنگ مسلط ہو جاتی ہے۔

دل کی دُنیا میں کبھی ایسا بھی سناٹا نہ تھا
ہم ہی ساکت ہو گئے تھے وقت تو ٹھہرا نہ تھا

* * *

بچپن کے نقوش بہت گہرے ہوتے ہیں۔ بچہ جو پیار اور شفقت محسوس کرتا ہے وہ کبھی بھول نہیں پاتا۔ بچے کے لیے پیار محبت، بچے کی نفسیات کو سمجھنا، بچے کی جائز اور معصوم خواہشات کا احترام کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ بچے کے ذہن اور دل پر تمام زندگی کے لیے ایک گہرا نقش چھوڑ جاتا ہے۔ میری یادداشت کے خاکے ہزاروں واقعات سے بھرے ہیں؛ چونکہ کافی عرصہ تک یعنی اپنے دو چھوٹے بھائیوں سے پہلے مَیں گھر کا چھوٹا بچہ تھی، اس لیے ابّا کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ جہاں جاتے ساتھ ہوتی، جو خواہش کرتی پوری کرتے۔ بہت ڈرپوک اور حساس تھی۔ اس کا بہت خیال رکھتے اور بڑے بچوں کو ہدایت کرتے کہ اسکو ڈرانا نہیں۔ اکثر بیماری میں روٹھتی اور فاقہ کرتی۔ خود آکر اپنے ہاتھ سے دوا دیتے اور پیار سے کھانا کھلاتے۔ اکثر یہ ہوتا کہ ابّا کالج سے آئے اور مَیں نے کہا ابّا کچھ پیسے چاہییں۔ جیب میں ہاتھ ڈالا اور ۵، ۱۰ روپے نکالے اور مجھے دیتے اور ساتھ میں مسکرا کر کہا کہ اس سے پہلے تو جیب خالی تھی، یہ خدا نے تمہارے

لیے بھیجے ہیں۔ یہ تمہارے لیے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا۔ پیار اور شفقت اپنی جگہ تھی اور تربیت اپنی جگہ۔ صبح نماز کے وقت ہمیں خود پیار سے اٹھاتے۔ سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے۔ اُٹھو، اُٹھو، اُٹھو ــ اس پیار کے لمس اور اُٹھو کی تکرار سے ہم چوکس بھی ہو جاتے اور مسحور بھی۔ قرآن پڑھانا، دینی کتب کا درس دینا، آداب اور اخلاق کا سبق دینا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کی تربیت خود اپنے عمل سے اور اپنے اظہار سے کرنا۔ جب بچپن سے نکل کر شعور تک پہنچی، تو ابا کی مکمل شخصیت میرے سامنے تھی۔ مکمل اور عظیم۔ وہ اعلیٰ اخلاق اور وہ بھرپور سادگی کہ جس کی عظمتوں پر میرا پورا وجود سرنگوں ہو گیا۔ یہ ایک ایسا نقش ہے کہ جس نے مجھے اپنے میں جذب کر دیا۔ محو کر دیا۔ میں نے آج تک یہ خوبیاں نہ کسی میں دیکھیں نہ محسوس کیں۔ ابا کا خدا کی ذات پہ کامل توکل۔ دعا پہ ایمان اور خدا کی رضا پر راضی رہنے کی صفت۔ ابا کی خلافت سے وابستگی اور اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنا اور سمجھانا۔ صبر و حوصلہ، ہمت و استقامت۔ سچائی کا حسن، عورت کے حقوق کا تحفظ اور اس کا مقام بتانا اور کرنا۔ عجز و انکسار دھیما پن، عفو و درگذر۔ برابری اور مساوات۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کو سمجھنا اور اس پر خاموشی سے عمل کرنا۔ تمام نیکیوں پر عمل، تمام خوبیوں کے کام، لیکن خاموشی سے۔ انسان سے پیار اور شفقت کا عمل اور درس۔ جذبوں کی قدر اور عزت، خودداری، غیرت۔ کیا کیا بیان کیا جائے کیا کیا ہم نے نہیں دیکھا کیا کیا محسوس نہیں کیا۔ اک مکمل شخصیت، لیکن منکسر المزاج۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی یہ اظہار کہ "میں تو اک ناچیز بندہ ہوں خدا کا ــ" سب کرتے ہوتے بھی اظہارِ انکساری۔ عمل سے بھرپور۔ یہ مسکراتے ہوتے روشن چہرے کا مقدس وجود کیا نگاہوں سے دلوں سے دور جا سکتا ہے؟

ابا ہر ہر قدم پر خدا کی رضا پر راضی رہتے تھے۔ ہر کام پر خدا پر توکل کرتے تھے اور زندگی کے ہر موڑ پر دعاؤں کا سہارا لیتے تھے۔ تمام زندگی اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین کی ــ یہ ایک مضبوط سہارا ہے جسے پکڑا۔ اور تا دم آخر پکڑے رہے۔ یہ ایک ایسا کامل یقین اور ایمان تھا کہ کبھی کوئی گھبراہٹ۔ کوئی مایوسی یا خوف و ہراس طبیعت پر طاری نہ ہوا۔

بیماری کے آخری ایام میں فرمایا: کہ خدایا اگر یہ وقت آ گیا ہے تو میں تو تیری رضا پر پوری طرح راضی ہوں۔" اور یوں پرسکون انداز سے مسکراتے ہوئے چل دیئے کہ ہم لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کچھ سوچنے کی مہلت بھی نہ ملی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہو گیا ہے۔ خود بھی سدا مسکراتے رہے اور دوسروں کو بھی مسکراتے رہنے کا سبق دیتے رہے۔ یہ مسکراتے رہنے کی عادت کامل توکل کی بنا پر تھی جو خدا پر تھا۔ وہ کامل ایمان دعا کا تھا۔ وہ خدا پر راضی رہنے کی صفت تھی جو "ہمیشہ مسکراتے رہو" کا سبق دے رہی تھی۔ جب ہم دعاؤں پر یقین رکھتے ہوئے خدا پر توکل کرتے ہیں اور اس کی رضا پر راضی ہو جاتے ہیں۔ تو پھر رنج و ملال کیسا؟

ابا کا اس بارہ میں ٹھوس فلسفہ تھا۔ جو روح پرور ایمان تھا۔ وہ آپ کے وجود کو سدا مطمئن اور پُر بہار مسکراہٹوں کی فضاؤں میں رکھتا تھا۔ ایک ایسی مثال چھوڑ گئے۔ ہمارے لیے کہ خدایا ہم اس قابل بنیں اور اس عظیم مثال کے پیچھے چلنے والے ہوں۔ یہ مسکراتا ہوا چہرہ اور سدا مسکراتے رہو کا درس ہمیں زندگی کا احساس دلاتا رہتا تھا ــ کیا زندگی تھی ــ کیا شان تھی۔ وہ زندگی جو سدا زندہ رہے گی۔ زندگی کو خدا کی امانت سمجھتے ہوئے

اُس کا تحفہ سمجھتے ہوئے بھرپور طریق سے اس کی حفاظت کی. خدا کی راہوں میں زندگی گذارنے کے صحیح فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے ایسی زندگی گذاری کہ مکمل طور پر ایک زندہ وجود بن گئے. ابا کو دیکھ کر خود میں بھی زندگی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ کیا خوب تھی وہ زندگی. کیا خوب تھا وہ زندگی کا احساس کہ وجود تو اس دُنیا میں نہیں، پھر بھی زندہ نظر آتا ہے. محسوس ہوتا ہے اور سدا ساتھ رہے گا. یہی تو سدا زندہ رہنے کا جاودانی ثبوت ہے۔ ہمیں زندگی کا سبق دیتے ہوئے. مسکراتے رہنے کا درس دیتے ہوئے وہ خود چل دیئے اور ہمیں یُوں تنہا چھوڑ گئے کہ اب تو یہ حال ہے ؎

وہ گیا کیا ! اعتبارِ زندگی جاتا رہا
لُطفِ بزمِ ما، نکھارِ زندگی جاتا رہا

ابا کا خدا کی ذات پر توکل کچھ ایسا ٹھوس تھا، مضبوط تھا کہ دُنیا کی کوئی طاقت، کوئی آزمائش بھی اُسے ہلا نہ سکتی تھی۔۔۔۔ ۱۹۵۳ئہ میں جب بظاہر دنیا کے لحاظ سے جماعت پر ایک کڑا وقت آیا اور دُنیا دار لوگ سمجھنے لگے کہ یہ مٹھی بھر جماعت مقابلہ نہ کر سکے گی اور (خدا نہ کرے) ختم ہو جائے گی۔ ان دنوں کی بات ہے کہ ابا کے پاس لاہور میں ایک غیر احمدی (شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے بزرگ آئے اور ابا سے کہنے لگے کہ "میاں صاحب! آپ کے بعد ہماری باری آنے والی ہے"۔ تو ابا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "آپ فکر نہ کریں، نہ ہمارا بعد آئیگا نہ آپ کی باری"..... !!

ابا نے اپنی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معمول کو بھی صرف اور صرف سچائی کی راہوں سے منور کیا اور دینی اور مذہبی معاملات میں سچے اور کھرے رہے۔ خلافت سے گہری وابستگی اور خلیفہ وقت سے مخلصانہ پیار کی شدت اور اپنے پورے وجود کو۔ اپنی زندگی اور اپنے احساسات و جذبات کو خلیفہ وقت کے لیے وقف کر دینا اُن کے احکامات پر خوش دلی سے تابع ہونا۔ یہ ایسے اوصاف تھے جن کو عملاً کر دکھلایا اور آنے والوں کے لیے ایک بے نظیر مثال چھوڑ دی اور اپنی خلافت کے بعد ایسی تربیت کی کہ لوگوں کی خلافت سے وابستگی گہری ہوتی چلی گئی. وہ اس کے مفہوم کو صحیح طریق پر سمجھنے لگے اور عمل کرنے لگے۔ اپنے پیار اور شفقت سے ایسے لوگوں کا دل جیتا کہ تمام کے تمام دل حضور پر والہانہ نثار ہونے لگے۔

ابا کی تمام تر خوبیاں زندگی کے صفحات پر سچے موتیوں کی کڑیوں کی طرح پڑی ہیں، جس طرح ہر موتی دُوسرے سے پیوستہ ہے۔ اسی طرح ہر نیکی دُوسری نیکی سے جا ملی ہے۔ صبر و حوصلہ اور ہمت و استقامت نے ابا کو نڈر، بہادر اور شیر دل بنا دیا اور یہ اوصاف پھر توکلت علی اللہ سے جا ملے ہیں. کس قدر عظیم توکل ہے اور کس قدر گہرا یہ جذبہ توکل ہے کہ انسان، ایک کمزور انسان تمام تکالیف کو تمام آزمائشوں کو، تمام راستے کے پتھروں کو نظرانداز کرتا ہوا محض خدا پر توکل کرتے ہوئے اس بہادری کی شان سے ــــ اس استقامت سے آگے ہی آگے نکل جاتا ہے اور خدا کی رحمتوں کا وارث بن جاتا ہے۔ اپنی مثال قائم کر کے لوگوں کے لیے ڈھارس بن جاتا ہے۔ تقویت کا باعث بن جاتا ہے۔

محنت اور لگن کا یہ عالم تھا کہ جس کام کا بھی ارادہ کیا۔ خدا کا نام لے کر شروع کیا اور اپنی محنت اور لگن سے اور خدا کے فضلوں کے ساتھ اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

عورت کے حقوق اور اس کے مقام کا ہمیشہ تحفظ کیا. گھر اور گھر سے باہر سب کو یہ نصیحت کی کہ اپنی ماں کا مقام پہچانو،

اس کی عزت اور احترام کرو کہ یہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کرو اور شفقت کا برتاؤ کرو بہت سی پریشان حال اور دکھی عورتوں کے مسائل خود سنتے انہیں انکی پریشانیوں سے نکالتے اور انہیں ان کا صحیح مقام دلواتے، انصاف کرتے اور انصاف کرنے کا سبق دیتے۔ ان کی الجھتی ٹوٹتی زندگی گھریلو زندگی کی ڈور کو۔ اپنی حکمت عملی سے اپنی نصیحتوں اور شفقتوں سے سلجھاتے۔ مردوں کی زیادتیوں پر ان کو تنبیہہ کرتے اور صحیح راستہ دکھلاتے۔ ابا کی عجز و انکساری، دھیماپن اور مساوات کا سلوک اور عفو و درگذر کی عادت۔ یہ ایسی نمایاں خوبیاں تھیں جو بچپن سے میرے دل پر ایک میٹھی یاد کی طرح نقش ہیں۔ اور نہ مٹنے والا گہرا نقش چھوڑتی چلی گئیں۔ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے کو کچھ نہ سمجھا سوائے خدا کے عاجز بندے کے۔ سب کچھ کرتے ہوئے بھی کسی احسان کا نام نہیں۔ کالج کے زمانہ میں ہزاروں قسم کے لوگ آتے بچوں کے داخلہ کیلئے۔ ان میں سے بعض کیا بلکہ اکثر ایسے ہوتے جو بالکل جاہل اور گنوار قسم کے ہوتے۔ باوجود یہ کہ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ تھے، لیکن بظاہر تعلیم سے ناواقف۔ نہ پہننے کا ہوش، نہ بات چیت کا طریق ـــ لیکن

ابا ان سے بہت پیار سے ملتے۔ انہیں عزت اور احترام دیتے۔ اپنے گھر بھی لاتے، ان کے لیے کھانا تیار کرواتے اور خود ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلاتے اور پیار سے خوش دلی سے میزبانی کے فرائض ادا کرتے۔

جب حضرت صاحب (حضور خلیفہ ثانی) نے ابا کو کہا کہ اب ربوہ آؤ اور کالج بنانا شروع کرو، تو ابا فوراً ربوہ تشریف لے آتے اور خود اپنی نگرانی میں کھڑے ہو کر کالج بنوانا شروع کیا۔ شدید گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں خود کھڑے ہو کر بشاشت سے دعاؤں سے بہت پیار سے ایک ایک اینٹ چنوائی اور ساتھ ساتھ سبزے کو مدِنظر رکھتے ہوئے پودے اور درخت لگانے شروع کیے۔ یہ انہی دنوں کا واقعہ ہے، ایک شخص اِدھر سے گذرا ..... مسافر تھا۔ اُسے معلوم ہوا کہ یہاں کالج بن رہا ہے، تو وہ کالج کی طرف روانہ ہوا۔ اُس شخص کا بیان ہے: "میں جب کالج کی زیرِ تعمیر عمارت کے قریب آیا تو ایک شخص ملیشیا کی شلوار قمیض میں سر پر تولیہ رکھے ایک پودا لگا رہا تھا۔ مَیں نے سوچا یہ یہاں کا مالی ہے۔ مَیں قریب آیا اور سوال کیا میں یہاں کے پرنسپل سے مل سکتا ہوں۔؟ وہ شخص کھڑا ہوا اور مسکرانے لگا۔ اور مسکراتے ہوئے مجھ سے کہنے لگا کہ مَیں ہی یہاں کا پرنسپل ہوں، فرمایئے کیا کام ہے۔ مَیں حیران اور دنگ رہ گیا اور دل نے کہا کہ اگر یہاں کا پرنسپل اتنا عظیم ہے تو کالج بھی کتنا عظیم ہوگا اور ترقی کرے گا ــــ بہت ترقی کرے گا"

ابا نے اپنی زندگی کو عمدہ اصولوں پر چلایا اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کی۔ تعلیم کو فروغ دیا اور کھیلوں کو بھی فروغ دیا کہ یہ بھی ذہنی نشو و نما کی غذا ہے۔ طالب علم کو بتایا کہ پڑھائی کے وقت پڑھائی اور کھیل کے وقت کھیل ہے۔ ایک دفعہ دوپہر میں ابا کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ آرام کر رہے تھے اور مَیں سر دبا رہی تھی کہ یک دم لڑکوں کا ایک ہجوم خوشیوں سے نعرے لگاتا اور چھٹی کا مطالبہ کرتا ہمارے گھر میں داخل ہوا۔ وہ لوگ کچھ جیت کر آ رہے تھے۔ ابا خاموشی سے یہ تمام شور اور ان کا مطالبہ اندر لیٹے لیٹے سنتے رہے اور باہر نہ گئے۔ لڑکے تھک کر واپس چلے گئے۔ مَیں نے پوچھا ابا آپ باہر کیوں نہ گئے؟ فرمانے لگے میں باہر جاتا تو شاید ناراض ہوتا کیونکہ چھٹی تو نہیں

دے سکتا تھا۔ پہلے ہی بہت چھٹیاں لے چکے ہیں اور امتحانات سر پر ہیں، اس لیے باہر جا کر میں اُن کی حیثیت کی خوشی کو پامال نہ کرنا چاہتا تھا۔

ابا نے اپنی زندگی کو وقف کیا اور وقف کے تمام تقاضوں پر پورا اُترتے اور وقف کی رُوح کو پہچانتے ہوتے ایک واقفِ زندگی کے بلند مقام کا اپنے عمل سے اظہار کر دیا۔ دنیا میں رہتے ہوتے بھی دُنیا کے ہر امتحان پر پورا اُترے۔ دُنیاوی مصائب کو ہیچ سمجھا۔ نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ نہ دُنیا کی کوئی حرص نہ کوئی لین دین۔ نہ کسی بھی دُنیاوی تکلیف کا اظہار۔ ہر حال میں خوش اور مطمئن کہ زندگی جب خدا کی راہوں میں قربان کر دی، تو سوائے احساسِ سرور کے اور کچھ نہیں رہتا۔ اعلیٰ دنیاوی تعلیم کو حاصل کرتے ہوتے بھی ایک عاجز بندۂ خدا بنتے ہوتے اپنے آپ کو جماعت کے کاموں میں وقف کر دیا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام کیا اور نہایت خوش اسلوبی اور بشاشت سے۔ کوئی کیوں اور کیا کا سوال نہیں کیا۔ کوئی احسان نہیں جتایا۔ ہر حکم پر سر جھکانا اپنا شعار، ہر آواز پر لبیک۔ یہ ایک ایسی مثال ہے، ایک ایسا زندہ نمونہ ہے کہ ہر واقفِ زندگی کو چاہیے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اس نمونے پر اپنے آپ کو ڈھال لے۔

ایک واقفِ زندگی خواہ وہ کتنی ہی دُنیاوی تعلیم سے آراستہ ہو اگر وہ خلوص دل سے، دل کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کرتا ہے تو اُسے کبھی بھی کسی بھی کام سے عار نہیں ہونی چاہیے۔ خواہ اُسے ہاتھ میں جھاڑو پکڑا دی جائے یا کسی تعمیری کام کے لیے کاندھوں پر اینٹوں کا بوجھ لاد دیا جائے جب وقف کیا تو نبھاؤ۔ اپنی جنتوں کو سنوارنے کے لیے۔ خدا کی راہوں کے لیے وقف کیا ہے کسی بندے پر کیا احسان ؟!

ابا نے! میرے پیارے ابا نے! حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم کے صحیح معنوں کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے اس پر صحیح انداز سے عمل کیا۔ کہ تمام احکامِ خداوندی اور سُنّتِ رسولؐ ان دو احکام یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رُوح میں سمٹ آتے ہیں۔ اور پھر ان دو حقوق کو عمدہ طریق پر ادا کرنے والا دُنیا کی تمام خوبیوں اور نیکیوں کی معراج کو پا لیتا ہے۔ اس سے باہر کوئی نیکی نہیں رہتی، کوئی بیان نہیں رہتا۔ یہ ایک دائرہ کی صورت میں ہے جس سے باہر کچھ نہیں رہتا۔ اسی دائرے کے اندر رہ کر ابا نے اپنی زندگی گذاری اور خدا کی رحمتوں کے وارث بنے۔ ہم چاہیں بھی تو وہ کچھ بیان نہیں کر سکتے جو محسوس کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیکھا۔ جانے والا تو نہایت خاموشی سے یہ سب کچھ کر کے چلا گیا۔ اب ہم رہ گئے اور ہمارے دل، جہاں یادیں ہی یادیں ہیں۔ ہمارے دل ان خاموشی سے کی گئی نیکیوں کے گواہ ہیں۔

ابا نے احکامِ خداوندی جو حقوق اللہ کے تحت آتے ہیں، ان کی بجا آوری کچھ اس قدر خاموشی اور عاجزی سے کی کہ ان کے اپنے سایہ کو بھی پتہ نہ چلے۔ نیکیاں کیں، احسان کیے۔ حقوق العباد کے تمام احکام پر پورا اُترے۔ دائیں ہاتھ سے دیا، لیکن اس خاموشی کے ساتھ کہ بایاں ہاتھ بھی لاعلم رہا۔ نہ کوئی پرچار، نہ کوئی اشتہار۔ اپنی اندرونی خوبیوں کو اپنے شاندار اور زندہ عمل سے اُجاگر کیا اور سب کے لیے ایک روشن ستارہ بن گئے۔ انسانیت سے پیار کیا بغیر کسی غرض کے۔ سب کچھ کیا، لیکن لب خاموش رہے اور سر خدا کے حضور عاجزی سے جھکا رہا۔ جو کام بھی کیا خدا کی رضا کی خاطر کیا۔ جو حقوق بھی ادا کیے وہ خدا کا فرمان سمجھ کر۔ جب انسان خدا کی رضا پر چلتا ہے تو اس پر دُنیا کا کوئی رُعب اور ڈر نہیں رہتا۔ اور ابا دنیاداری اور

رُعبِ دُنیا سے بہت دُور تھے۔ صرف اور صرف رُوح میں خدا کی خوشنودی کی لگن تھی۔ یہ ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی صحیح اور مکمل تصویر...... اور اس کی بلندی یہ ہے کہ بھلائیوں کی بھلائی اور خوبیوں کی خوبی کہ تمام کائنات انسان کی بڑائی اس حسن و خوبی میں جذب ہو جاتی ہے۔ یہ اعلیٰ نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ کاش کہ ہم اسے دیکھیں اور پرکھیں۔ اور اسی نمونے پر اپنی زندگیاں ڈھالیں اور ان کی دعاؤں کے وارث بنیں۔ خدا ان کے ساتھ ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہو۔ جو لکھنا چاہتی تھی وہ لکھ نہ سکی۔ جو محسوس کرتی ہوں وہ بیان سے باہر ہے۔ دل کی کوئی زبان نہیں۔ ہر دل تڑپ رہا ہے بے چین ہے کہ اچانک ہی یہ سب کچھ کیا ہو گیا؟ ــــ اور جانے والا تو ؎

عجز کی راہوں پہ چل کر پا گیا اوجِ کمال
بن کے محبوبِ خدائے دو جہاں رخصت ہوا

٭ ٭ ٭

تیری ہر ایک ادا رستہ دکھائے گی ہمیں

پروفیسر چوہدری محمد علی مضطر سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ

اب اسی دُھن میں بھرے شہر کو جینا ہو گا
تجھ سے ملنے کا بھی کوئی تو قرینہ ہو گا

اشک در اشک تجھے ڈھونڈنے نکلیں گے لوگ
وصل کے شہر میں فرقت کا مہینہ ہو گا

ہجر کی رات ہے رو رو کے گذاریں گے اسے
ہر گلی کوچے میں اجلاسِ شبینہ ہو گا

صبح تقدیر جدھر چاہے گی لے جائے گی
ہم نہیں ہوں گے مقدّر کا سفینہ ہو گا

جم کے رہ جائیں گی عُشّاق کی نظریں اُس پر
تیرے کوچے میں جو امّید کا زینہ ہو گا

تیری ہر ایک ادا رستہ دکھائے گی ہمیں
تُو نہیں ہو گا ترا دیدۂ بینا ہو گا

تجھ سے ملنے کی فقط اُس کو اجازت ہو گی
جس کے اندر نہ اَنا ہو گی نہ کینہ ہو گا

جس کی پلکوں پہ سجے ہونگے وفا کے موتی
جس کے سینے میں محبّت کا خزینہ ہو گا

آنے والے کے گلے لگ کے بلکنے والے
جانے والے نے ترا چین تو چھینا ہوگا

خاکِ ربوہ اسے سینے سے لگا کر رکھنا
آبگینوں سے بھی نازک یہ دفینہ ہوگا

پھر وہی ذکر سرِ وادیٔ سینا ہوگا
وہی ساقی وہی بادہ وہی مینا ہوگا

شربتِ وصل میں شامل ہے جو زہرِ فرقت
ہے اگر عشق تو یہ زہر بھی پینا ہوگا

تیری کرنوں کو اب اے عہد کے سچے سورج
ہجر کی رات کا یہ چاک بھی سینا ہوگا

حُسن پھر اُترا ہے رُوحوں پہ سکینت بن کر
قافلہ پھر سے رواں سُوئے مدینہ ہوگا

یوں چڑھا ہے جو نئے عہد کا سُورج بن کر
خاتمِ یار کا یہ چوتھا نگینہ ہوگا

اُس کے دربار میں جاؤں گا خطائیں لیکر
میرے ہمراہ ندامت کا پسینہ ہوگا

کشتیٔ نوح میں بیٹھے تو ہو لیکن مضطرؔ
شرط یہ ہے یہیں مرنا یہیں جینا ہوگا

پیارے میاں صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ

عاجز کو محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ حضور پُر نور رحؒ پر کچھ لکھوں تو حتی الامکان کالج کے واقعات تک اپنے آپ کو محدود رکھوں۔ کوشش تو یہی کروں گا۔ لیکن اگر کہیں کالج سے ہٹ کر بات ہوئی ہے تو ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ جہاں تک ہو سکا اختصار سے کام لیا ہے۔ لیکن یادوں کے بادل ہیں کہ امڈ امڈ کر آرہے ہیں۔ بعض باتیں گفتنی ہیں اور بعض ناگفتنی تو نہیں لیکن ان کے بیان کے لئے نہ الفاظ ساتھ دیتے ہیں، نہ حالات۔ یقین رکھتا ہوں کہ حضور کے قرب میں رہنے والوں کے بھی بلا استثنا کچھ ایسے ہی جذبات ہوں گے۔ ایک اور کمی اور تشنگی کا شدت سے احساس ہے کہ حضرت سیدہ منصورہ بیگم کا ذکرِ خیر تفصیل سے نہیں ہو سکا۔ جب اس شفیق اور کریم وجود کے ذکر کا وقت آیا تو بیان اتنا لمبا ہو چکا تھا کہ تفصیل کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بہرحال لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

دو کم چالیس برس کا ایک طویل سفر ہے جو اب یوں لگتا ہے کہ چشم زدن میں تمام ہوا۔ رہے نام اللہ کا۔ قافلہ سالار مجسم نور، سرتاپا محبت، حسن و احسان کا پیکر شفقت و رحمت کا ایک میٹھا، خوشبودار اور ناپید اکنار ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جس کی لہروں میں سکون اور سکون میں طوفانوں کا سا جوش اور ولولہ جس کے حسن اور صداقت پر قدرت ثانیہ کی انمٹ مہر ثبت ہو چکی۔ اور

جو زلزلوں اور ابتلاؤں کی چکی میں پس کر بھی صحیح سلامت باہر آیا۔ جس کا ارادہ پہاڑوں کی طرح اٹل اور جس کا صبر و تحمّل ظلم کی ہر تلوار کو کند اور ستم کے ہر طوفان کا منہ موڑ دینے والا۔ جو عہد کی آواز تھا۔ جس کے قدم قدم پر نصرت الٰہی شامل حال رہی۔ جس کی دلآویز مسکراہٹ نے روتے ہنسا دیئے۔ مردوں کو زندہ کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کا تیسرا باب تھا۔ جس کی جانب روحانیوں کا یہ قافلہ اب بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ اس کے مناقب بیان بھی کئے جائیں تو کیسے؟ کتنے واقعات کتنی فتوحات، کتنی حسین یادیں ہیں جو قدم قدم دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات یہ داستان لکھوں بھی تو کیسے۔ ابرِ رحمت جب برستا ہے تو روڑی پر بھی برس جاتا ہے۔ رحمت اور محبت کا یہ بادل تو اوّل سے آخر تک کھل کر برسا اور متواتر برسا۔ اتنا برسا اتنا برسا کہ مجھ جیسے ناچیز ذرۂ حقیر کی تو خیر بساط ہی کیا تھی، کیا اپنے اور کیا بیگانے کیا چھوٹے اور کیا بڑے سب کے رگ و پے کو سیراب کر گیا۔

بلا ترتیب زمانوی و معنوی متفرق واقعات عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بات تو لامحالہ اپنے حوالے سے ہی ہوگی۔ لیکن ذکر اسی محبوب کا ہوگا جس کی فرقت نے جسم و جاں کو ہلا کے رکھ دیا اور جس کی جدائی پر قدرتِ ثانیہ کی چوتھی تجلّی زخمی دلوں پر سکینت بن کر اتری اور یوں لگا کہ جانے والا پھر لوٹ کر واپس آ گیا۔

۱۹۴۴ء کے اوائل کی بات ہے۔ عاجز نیا نیا احمدی ہوا تھا۔ نہ کوئی ذاتی خوبی تھی نہ اہلیت، نہ خاندانی خدمات نہ وجاہت؛ نہ کوئی سیاق نہ سباق۔ نہ جانے کیوں مجھ پر کچھ اس طرح سے نظرِ عنایت ہوئی کہ اپنے بیگانے سب حیران تھے۔ جس طرح خس و خاشاک سیلاب کی زد میں آ کر بہے چلے جاتے ہیں، حضور کے قریب آنے والوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ ظاہر ہے میرا اپنا حال بھی اوروں سے مختلف نہ تھا۔ دوسروں کی طرح مجھ نا اہل پر بھی جو اڑتیس سال موسلا دھار بارش ہوئی، اس کی کیفیت اور کمیت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یا تھوڑا بہت یہ عاجز۔ حضور کی محبوبیت کا تو یہ عالم تھا، میری طرح ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اسی پر حضور کی خاص نظر کرم ہے۔

مَیں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے کا امتحان دے کر قادیان دارالامان چلا آیا تھا۔ دارالضیافت میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مئی کا مہینہ تھا۔ ابھی تعلیم الاسلام کالج کا اجراء نہیں ہوا تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ کسی نے مسجد اقصیٰ میں ذکر کیا کہ ایک 'محمد علی بی۔ اے' کے لئے الفضل میں اعلان ہو رہا ہے کالج کے سلسلے میں۔ چنانچہ مَیں حسب ہدایت حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے صدر کالج کمیٹی مجوّزہ تعلیم الاسلام کالج قادیان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عاجز کو کالج میں بطور لیکچرار فلسفہ تقرری کا ایک دو سطری ارشاد لکھ کر تھما دیا۔ اور فرمایا کہ پرنسپل صاحب سے جا کر مل لوں۔ حضرت قمر الانبیاء کی دلنواز اور محبوب شخصیت سے ملاقات کا

مشرف عاجز کو پہلے سے حاصل ہو چکا تھا۔ حسب ارشاد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ حاضری بھی نرالی حاضری تھی۔ نہ دفتر کا تکلف، نہ رہائش گاہ پر حاضری۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ سیدھا مسجد مبارک کی چھت پر جا سلام کیا جہاں حضور تشریف فرما تھے۔ شلوار اور بغیر کاج کے قمیض نما کرتہ زیب تن تھا۔ سر پہ ٹوپی، خشخشی ریشِ مبارک، بالوں میں سنہرے رنگ کی جھلک۔ موٹی غلافی معصوم آنکھیں، کشادہ پیشانی مردانہ حسن کا بہترین نمونہ، وہی معصومیت اور سادگی اور بے تکلفی اور وقار اور ذہانت اور اسی نور کا چہرے پر اجالا جو مستقبل میں ایک عالم کو منور کرنے والا تھا میری حضور سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ دُور سے تو حضور کو خدام الاحمدیہ کے اجتماع پر بھی دیکھا تھا۔ قریب سے اب دیکھا اللہ اللہ یہ دیکھنا کیا تھا ایک روحانی تجربہ تھا۔ اور اس مسکراہٹ کو اب کون نہیں جانتا جو اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے، مسکرائے اور کچھ اس محبت سے ملے جیسے مدتوں کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں۔ فرمایا کہ تقرری ہو گئی۔ ابھی کالج تو نہیں کھلا لیکن داخلے کے لئے طلباء آنے شروع ہو جائیں گے۔ آپ کو ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ گیسٹ ہاؤس میں شفٹ کر جائیں۔ وہیں ہوسٹل کا انتظام ہو گا۔ صدر انجمن کا یہ گیسٹ ہاؤس حضرت مصلح موعود ......

... کی کوٹھی بیت الحمد کے بالمقابل دارالانوار جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ طلباء آنے شروع ہوئے۔ چارپائیاں بھی مل گئیں۔ کھانا چند دن تو لنگر سے آیا۔ پھر ہم خود پکانے لگے۔ حضرت اماں جانؓ ....

...حضور کی قیامگاہ النصرۃ جو دارالانوار کی اسی سڑک کے سرے پر واقع تھی پیدل مع خادمات تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ حضورؒ نے حضرت اماں جانؓ کی کنار عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ تقریباً عصر کے بعد روزانہ ہی ہوسٹل کے سامنے سے گزرا کرتی تھیں۔ ایک دن ہمت کرکے ہم سب راستے میں گیسٹ ہاؤس کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ مؤدبانہ سلام کرنے کی جرأت کی تو توقف فرمایا۔ ایک ایک کا نام پتہ دریافت فرمایا۔ بہتوں کو پہچان لیا۔ نیز پوچھا کہ کھانے کا کیا بندوبست ہے۔ ہم نے کہا کہ ابھی برتن وغیرہ نہیں خریدے گئے۔ بجٹ پاس ہونے پر مستقل انتظام ہو گا۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں دیگچے، دیگچیاں، پراتیں پلیٹیں، گلاس، گُکہ غرضیکہ کھانا پکانے اور کھانے کے تمام ضروری برتن آرہے ہیں۔ ہر برتن پر نصرت جہاں بیگم کے مبارک الفاظ کھدے ہوئے تھے۔ مدتوں ہم نے انہی مقدس اور بابرکت برتنوں میں کھانا کھایا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان دنوں ہوسٹل کے باورچی حضرت میاں غلام محمد صاحبؓ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ جب ہوسٹل کو اپنے برتن مل گئے تو ہم میں سے بعض نے چاہا کہ برتن واپس نہ کئے جائیں۔ حضور کو جب پتہ چلا کہ ہماری نیت بدل رہی ہے اور ان تبرکات پر قبضہ ہونے والا ہے تو بے اختیار ہنس پڑے اور ہماری اس نادانی پر نہ تو چہرے پر ملال آیا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی فہمائش فرمائی۔ برتن تو خیر واپس ہونے ہی تھے۔ ان تبرکات کے واپس کرنے میں ایک نئی لذت پیدا ہو گئی۔

عاجز عرض کرتا ہے کہ حضور کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی

حیا اور شرم تھی۔ اس قسم کی غفلتوں پر جن میں ارادۃً شرارت کا پہلو نہ ہو سرزنش کی بجائے اکثر ستاری اور چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ اور ہم لوگ دل ہی دل میں شرمندہ ہو کر رہ جاتے تھے۔ اس کا تجربہ خود بھی بار بار ہوا اور اگر کبھی ہم لوگ بھی اس طریق پر طلباء کی بعض معصوم شرارتوں پر چشم پوشی کرتے تو خوشنودی کا اظہار فرماتے لاہور کی بات ہے رات کو کسی وقت، ہوسٹل میس میں سے بھنا ہوا گوشت کچھ طلباء اڑا لیتے تھے۔ ہم نے نگرانی کی اور جب آدھی رات کے وقت گوشت ایک کمرے میں پہنچ گیا تو میں نے بھی عین وقت پر جا سلام کیا۔ گوشت جلدی میں چارپائی کے نیچے چھپا دیا گیا تھا جو داخل ہوتے وقت نظر آ رہا تھا۔ کمرہ بھی گوشت کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ عاجز ان طلباء کے درمیان تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ کر غیر متعلق باتیں کرتا رہا اور انہیں کچھ بھی نہ کہا۔ اس پر عاجز کی شکایت ہوئی کہ چور پکڑا لیکن چھوڑ دیا۔ حضور کو الف سُن کر بہت ہنسے اور فرمایا یہ لڑکے بہت اچھے ہیں۔ آج وہ سب بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت سے نہایت درجہ اخلاص کا تعلق رکھتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد گوشت خوری کی یہ شبینہ محفل ختم ہو گئی۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے حضور کو واقعی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دل کا بے حد حلیم بنایا تھا۔ کسی کو شرمندہ اور نادم ہوتے ہوئے دیکھ کر حضور کا دل پگھل جاتا تھا۔ معمولی فروگذاشتوں پر جو جرمانے ہوتے وہ معاف فرما دیا کرتے۔ اس پر حضور کے بعض رفقائے کار جزبز بھی ہوتے۔ اگرچہ حضور بعض قصوروں کا سختی سے نوٹس لیتے اور کسی دباؤ یا سفارش یا اپیل کی پرواہ نہ کرتے۔ طلباء درخواستیں لے کر جرمانے معاف کروانے پہنچ جاتے۔ حضور فرماتے کہ یہ جرمانہ تو آپ نے خود کروایا ہے۔ ہم نے تو نہیں کیا۔ اب طالب علم کھڑا ہے اور حضور اپنے کام میں منہمک ہیں۔ پھر متوجہ ہو کر فرماتے تم ابھی کھڑے ہو۔ طالب علم اور عذر کرتا۔ شرمندگی کا اظہار کرتا۔ آئندہ کے لئے وعدہ کرتا۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے۔ اور مسکرا کر فرماتے لاؤ نالائق آئندہ جرمانہ مت کروانا۔ اور وہ جرمانہ معاف کروا کر ہی نہیں شفقت سے دامن بھر کر واپس چلا جاتا۔

ابھی قادیان میں کالج شروع ہوئے دو چار ہی دن ہوئے تھے کہ رات کو شدید بارش ہوئی۔ صبح اُٹھے تو گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہم نے گیسٹ ہاؤس سے حضور کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ بارش ہو رہی ہے۔ ہوسٹل کالج سے فاصلے پر ہے۔ آج چھٹی کا اعلان کیا جائے۔ اس پر جو جواب آیا وہ کچھ اس طرح سے تھا: اچھا! اگر کل بھی بارش ہوئی۔ اور پرسوں بھی تو پھر! اس پر ہم لوگ بہت شرمندہ ہوئے کہ ایسی نامعقول درخواست بھیجی ہی کیوں۔ اور کالج جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ابھی دو چار منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ حضور بنفس نفیس خود ہوسٹل میں تشریف لے آئے۔ ہماری اپنی یہ حالت تھی کہ اپنی احمقانہ درخواست پر نادم تھے۔ ہم نے معذرت کرنی چاہی تو فرمایا کہ چلو بڑے کمرے میں چل کر بیٹھو۔ کمرہ چارپائیوں سے پُر تھا۔ ایک چارپائی پر حضور

تشریف فرما ہوئے۔ جب ہم نے معافی مانگی تو فرمایا کہ :۔ اب اس جرم کی سزا یہ ہے کہ ایک تو آج چھٹی۔ دوسرے اپنی نظم سنائیں۔ میں نے اپنی دانست میں اس عیب کو چھپایا ہوا تھا۔ میرے پاس اس محبت اور شفقت کا کیا جواب تھا۔ نظم بھی ہوئی۔ پھر کلائی پکڑنے کا دور بھی ہوا۔ خوشیاں بکھیر کر حضور واپس تشریف لے گئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ دولت مند اور قسمت کا دھنی سمجھ رہا تھا۔ محبت کی یہ دولت حضور نے ساری عمر بانٹی اور سب میں بانٹی۔ کالج کی ساری فضا اس محبت اور بے تکلفی کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ محبت نے تمام درمیانی دیواریں گرادی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود کیا طلباء اور کیا اساتذہ اور کیا دیگر کارکنان سبھی اپنے آپ کو ادب کے مقام پر کھڑا ہوا پاتے تھے۔ تو میائے جانے سے پہلے کالج پر تین دور آئے، قادیان، لاہور اور ربوہ۔ تینوں جگہ پر غیر از جماعت طلباء کی بہت بڑی تعداد زیر تعلیم رہی۔ اور اس محبت کا مزہ چکھ کر ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو گئی۔ ۱۹۵۳ء کے ہنگاموں میں حضور کی رہائش رتن باغ میں تھی۔ ان دنوں طلباء رضاکارانہ طور پر حضور کی کوٹھی پر پہرہ دیا کرتے تھے۔ اس میں غیر از جماعت طلباء بھی احمدی طلباء کی طرح یہ ڈیوٹی خوشی سے ادا کرتے۔ بلکہ غیر از جماعت کارکنان میں سے بھی پہرہ دیا کرتے۔ ان میں سے امیر دین صاحب کا نام اب تک یاد ہے جو بابا شادی کارکن کالج کے چچا زاد بھائی تھے ایک عجیب قسم کی محبت اور باہمی اعتماد کی فضا تھی جب حضرت مصلح موعودؓ پر ربوہ میں قاتلانہ حملہ ہوا تو خبر ملنے پر احمدی طلباء کے ساتھ ساتھ غیر از جماعت طلباء پر بھی سخت کرب اور اندوہ کی حالت طاری ہوئی اور وہ بھی ہماری طرح روتے ہوئے رتن باغ پہنچے۔ اور جب ۱۹۵۳ء کے ہنگاموں میں حضورؓ جیل سے رہا ہوئے تو ہماری طرح غیر از جماعت طلباء بھی فرطِ مسرت سے بے تابانہ دوڑتے ہوئے رتن باغ پہنچ گئے تھے۔ انہی دنوں جب چیف جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت میں حضرت مصلح موعود ...... کا بیان ہونا تھا تو راستے میں پہرے کی ڈیوٹیاں لگائی گئی تھیں غالباً خدام الاحمدیہ لاہور کی جانب سے۔ جس کی وجہ سے صرف خدام الاحمدیہ فضل عمر ہوسٹل کے اراکین ہی ڈیوٹی پر بلوائے گئے اور غیر احمدی طلباء کو اس ڈیوٹی کے لئے اطلاع نہ دی گئی۔ اس پر ان طلباء کی طرف سے احتجاج ہوا۔ مجھے پورا تو علم نہیں شاید معاملہ حضرت مصلح موعودؓ تک پہنچا۔ بہرحال ہوا یہ کہ ان طلباء کی بھی ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اگرچہ کالج میں حضور احمدی غیر احمدی کی تفریق نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور اگر کوئی تفریق تھی تو اتنی کہ غیر از جماعت طلباء سے اور بھی زیادہ شفقت کا سلوک کیا جاتا۔ لیکن ۱۹۵۳ء میں اس باہمی اعتماد کا اس رنگ میں اظہار کہ جماعت کے محترم ترین اور محبوب ترین وجود کی حفاظت غیر از جماعت نوجوان بھی کریں۔ ایک معجزہ تھا۔ اور ایک یہ معجزہ تو دراصل حضور کی دل موہ لینے والی شخصیت اور شفقت کا تھا جس کا اظہار قدم قدم پر ہوتا رہتا تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ محبت کی یہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی۔ حضورؓ کو بھی اپنے طلباء پر بھی ناز تھا اور بجا طور پر ناز تھا۔ بارہا کوشش ہوتی کہ کالج

میں فساد کروایا جائے۔ لاہور کے زمانے میں ایک طالب علم محض اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کالج میں داخل ہوا کہ کالج میں احمدی غیر احمدی کا سوال اٹھایا جائے۔ ہم لوگوں نے گذارش کی کہ یہ نوجوان نہ صرف ایک ایسے نیم سیاسی، نیم مذہبی گروہ کا سرگرم کارکن ہے جو دہشت انگیزی اور جھوٹ کو بھی جائز سمجھتی ہے بلکہ ان کے اندرونی حلقے کا رکن بھی بتایا جاتا ہے۔ اسے داخلہ نہ دیا جائے۔ داخلہ غالباً ایم۔ اے سیاسیات کا تھا۔ اس پر حضور رح نے اسے بلوایا۔ حضور رح نے اس سے فرمایا کہ آپ کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اس مقصد کے لئے اس کالج میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ میرے رفقائے کار نے مجھے روکا ہے کہ آپ کو داخلہ نہ دیا جائے لیکن میں آپ کو داخلہ بھی دیتا ہوں اور مراعات بھی دیتا ہوں اور کھلی چھٹی دیتا ہوں کہ جائز ذرائع سے جائز حد تک طلباء کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ لیکن ایک شرط ہے کہ کالج اور ہوسٹل کے قواعد کی کسی صورت میں بھی خلاف ورزی نہ ہو۔ وہ طالب علم ہمارے ہی کالج سے ایم۔ اے پاس کر کے گیا۔ اور نہ صرف یہ کہ طلباء بھی حضور رح کی توقعات پر پورا اترے اس عزیز کا بھی کافی حد تک ذہنی غسل ہو گیا اور وہ ۔۔ ج سے جاتے وقت بہت حد تک بدل چکے تھے۔ یہ صورت حال اپنے کالج کے طلباء تک ہی محدود نہ تھی۔ دوسرے کالجوں کے طلباء کو بھی نوجوانوں سے ہمدردی اور خیر سگالی کے ان جذبات کا احساس تھا جو حضور رح کے قلب مطہر میں موجزن تھے۔ ان جذبات کا وقتاً فوقتاً اظہار بھی ہوتا رہتا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کے سینیٹ ہال کا وہ واقعہ تو خاصا معروف ہے۔ اندر اجلاس ہو رہا تھا۔ باہر طلباء نعرے لگا رہے تھے۔ یونیورسٹی کے اکابرین اور میٹنگ کے دیگر ارکان بار بار باہر آن کر طلباء کو تسلّی دیتے اور خاموش رہنے کی تلقین کرتے۔ طلباء جواباً آوازے کستے اور واپس جانے کے لئے کہتے۔ انجام کار حضور رح خود باہر تشریف لائے۔ حضور نے طلباء کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مجھ پر اعتماد ہے تو خاموشی سے انتظار کیجئے اور اگر اعتماد نہیں تو کم از کم میرے یہاں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں واپس اپنے کالج چلا جاتا ہوں۔ طلباء نے بیک زبان نعرہ لگایا کہ ہمیں آپ پر اعتماد ہے اور خاموش ہو گئے۔ چنانچہ حضور واپس میٹنگ میں تشریف لے گئے اور محبت اور انصاف دونوں کے تقاضے پورا کرنے والا فیصلہ فرمایا جسے فریقین نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ حضور سالہا سال تک ایم اے سیاسیات اور غالباً اقتصادیات میں بھی امتحانات کے یونیورسٹی میں ممتحن، استاد، ممبر اکیڈیمک کونسل ممبر یونیورسٹی سینیٹ، رکن مجلس انتظامیہ یونیورسٹی سپورٹس رہے۔ حضور کی قوت فیصلہ و معاملہ فہمی تو ضرب المثل تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضور رح کو منصب خلافت پر فائز فرمایا تو چشم دنیا نے حضور کی شخصیت کے اس پہلو کو کھل کر ملاحظہ کیا۔ سینیٹ اور یونیورسٹی کے دیگر اجلاسوں میں حضور کو انتہائی عزت اور احترام کا مقام حاصل تھا۔ سینیٹ یونیورسٹی کی پارلیمنٹ سمجھی جاتی ہے۔ ایک اجلاس میں جس میں حضور شامل نہ تھے کوئی نامناسب فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس اجلاس کی کارروائی اگلے اجلاس میں برائے تصدیق پڑھی جا رہی تھی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کارروائی یعنی صحیح Minutes کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب اس مقام پر پہنچے جہاں اس فیصلے کا ذکر تھا

توحضورؒ نے تعجب سے فرمایا کہ یہ فیصلہ آپ نے کس طرح کر دیا اسی پر مسٹر لو کرامت وائس چانسلر صاحب نے فرمایا مرزا صاحب پھر کیا کرنا چاہیئے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ مَیں تو کہوں گا اسے کالعدم کر دیں۔ اس پر وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ایوان میں سے کسی ایک نے بھی اعتراض نہ کیا کہ حسبِ قواعد یہ نہیں ہو سکتا اور اپنی خاموشی سے اس نئے فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ نہ معلوم بعد میں اس فیصلے کا کیا حشر ہوا۔ ایک مرتبہ سینیٹ ہی میں پنجاب یونیورسٹی کے نئے کیمپس کا معاملہ پیش تھا۔ کروڑوں کا بجٹ تھا۔ سارے ایوان کا ماحول اس تجویز کے حق میں معلوم ہوتا تھا کہ یونیورسٹی کو نئے کیمپس میں شہر کے باہر لے جایا جائے۔ حضور نے فرمایا کہ مَیں اس کے خلاف ہوں۔ اگر یونیورسٹی کی نئی عمارت بنانی ہے تو اندرونِ ملک شہروں کے نخرخشوں سے پاک آکسفورڈ، کیمبرج اور علیگڑھ کے نمونے پر کسی مناسب جگہ پر بنائی جائے۔ بصورت دیگر اتنی رقم اینٹوں اور سیمنٹ پر خرچ کرنے کی بجائے انسانوں پر خرچ کی جائے۔ یعنی طلباء اور اساتذہ کو معقول وظائف دیئے جائیں اور ان کی ملک میں اور بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ یہاں تک کہ کالج اور یونیورسٹی ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طلباء اور اساتذہ سے بھر جائیں۔ لائبریریوں میں کتب اور معیاری رسائل کا انتظام کیا جائے اور لیبارٹریوں کو جدید تقاضوں کے مطابق آراستہ کیا جائے۔ حضورؒ کی اس تقریر کے بعد سارے ایوان کی رائے کچھ اس طرح بدلی کہ وائس چانسلر صاحب کو حضور سے عرض کرنی پڑی۔ انہوں نے وقفے کے دوران حضور کے سامنے لفظاً ہاتھ باندھ کر ادب سے عرض کیا کہ میاں صاحب خدا کے لئے تجویز کی مخالفت نہ فرمائیں۔ یہ صدر صاحب کا حکم ہے فیصلہ ہو چکا ہے۔ صرف قانونی طور پر سینیٹ کی منظوری لی جا رہی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میری رائے تو وہی ہے جو پہلے تھی۔ ہاں حکومت کے فیصلے کے خلاف مَیں نہیں بولوں گا۔

حضرت استاذی المکرم قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم جن کو حضورؒ کے استاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اور اس پر ان کو بجا طور پر فخر بھی تھا۔ اکثر اس واقعے کا ذکر فرمایا کرتے کہ جب حضورؒ یونیورسٹی کے ایک اجلاس میں پہلی مرتبہ شامل ہوئے۔ ابھی نوجوانی کا عالم تھا۔ یہ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے۔ علامہ تاجور نجیب آبادی جو دیال سنگھ کالج کے پروفیسر تھے محترم قاضی صاحب کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ حضور کی جانب بار بار دیکھتے اور متوجہ ہوتے حضور کمرے کے دوسری جانب تشریف فرما تھے۔ آخر علامہ صاحب نہ رہ سکے اور کہنے لگے قاضی صاحب! مَیں عرصے سے سوچ رہا ہوں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ قاضی صاحب نے بتایا کہ یہ ہمارے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کے فرزندِ اکبر ہیں۔ اور بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کے پوتے اور آکسفورڈ کے گریجویٹ اور حافظِ قرآن۔ اس پر علامہ صاحب بے اختیار ہو کر کہنے لگے۔ اچھا! مَیں بھی حیران تھا کہ یہ ہو کون سکتے ہیں؟ ماشاء اللہ ماشاء اللہ آخر کس کے بیٹے ہیں۔ کس کے پوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ کیوں نہ ہو۔

عاجز کو سفر اور حضر میں، ملک میں اور بیرونِ ملک حضور کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ یہی جذبات جن کا اظہار علامہ تاجور

نجیب آبادی نے فرمایا اس سے ملتا جلتا ردّ عمل راہ چلتوں اور اجنبیوں کی طرف سے جو حضورؒ کے پس منظر سے بھی ناواقف تھے بار بار دیکھنے میں آیا۔ ۱۹۶۷ء کے سفر میں حضور ہمبرگ کے سٹیشن پر گاڑی کے منتظر تھے تو ایک یورپین عرصے تک پہلے حضور کی طرف گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے عاجز سے پوچھا کہ یہ اتنے پُر سکون چہرے والے اور اتنی معصوم آنکھوں والے مقدس انسان کون ہیں؟ اور ایسا ہی واقعہ استنبول کے ہوائی اڈے پر ظہور پذیر ہوا جس کا ذکر رپورٹوں میں آ بھی چکا ہے۔ ملک خان محمد وٹو ایک بہت مشہور زمیندار پنڈی بھٹیاں اور حافظ آباد کے وسطی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضور شکار کے لئے تشریف لے گئے۔ سرِ راہے انہوں نے حضور کو دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔ آگے بڑھ کر ملے اور اصرار کیا کہ ان کے گاؤں میں قدم رنجہ فرمائیں وہاں حضور کا جانا تو نہ ہو سکا لیکن وٹو صاحب دل و جان سے حضور کے شیدا ہو گئے۔ جلسے پر ضرور آتے۔ ویسے بھی ملاقات کے لئے آتے۔ پھر اپنے دو بچے بھی یہیں داخل کروائے۔ بہت لسّان اور فصیح البیان تھے۔ قد کاٹھ بہت بڑا۔ اور بڑے بارسوخ روایتی قسم کے زمیندار۔

۱۹۵۳ء میں سنّتِ یوسفی کی پیروی میں حضور کچھ عرصہ جیل میں رہے تو عام قیدیوں اور بعض لمبی مدت کے قیدیوں نے ایسا محبت کا تعلق قائم کیا کہ جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ یہ لوگ حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے اور حضور اس محبت کے تعلق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان سے دلداری کا سلوک فرماتے۔ جب حضور جیل میں تھے تو عاجز ملاقات کے لئے جیل میں حاضر ہوا۔ حضورؒ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب .... ملاقات کے کمرے میں تشریف لائے تو سپرنٹنڈنٹ جیل احتراماً کھڑے ہو گئے۔ دونوں بزرگ کرسیوں پر تشریف فرما ہوئے تو یوں لگا جیسے دو حسین و جمیل خوشبودار خوش رنگ پھول کسی ویرانے میں کھل اٹھے ہوں۔ ایسے چہرے جیل کو نہ جانے کتنے سال کے بعد دیکھنا نصیب ہوئے تھے جو اپنی بے گناہی کے جرم میں پکڑے گئے ہوں۔ مَیں نے عرض کی کہ کوئی تکلیف تو نہیں۔ حضورؒ نے فرمایا کہ ہمیں تو خوشی ہے۔ تکلیف کس بات کی۔ فرمایا جیل کے قیدی بہت پیار سے پیش آتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام بھی ہمیں نہیں کرنے دیتے۔ نیز فرمایا ایک معمّر قیدی ہیں جو فسادات کے ضمن میں قیدی بن کر آئے تھے۔ وہ تہجّد باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ اور بلند آواز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں اور بددعائیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ہمیں تو ان کی گالیوں پر بھی غصے کی بجائے پیار آتا ہے کہ وہ گالیاں اس لئے دے رہے ہیں کہ انہیں ہمارے آقا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عشق ہے۔ نیز فرمایا اور تو اور فسادات میں گرفتار ہونے والے بعض غیر احمدی لیڈروں کی ضروریات بھی ہماری وجہ سے پوری ہو رہی ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان تھی کہ جب اندر کمرے میں ہر دو بزرگ عزت کے ساتھ کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ عین اس وقت ایک بہت بڑے لیڈر جو فسادات میں ماخوذ ہوئے تھے چلچلاتی دھوپ میں اسی کمرے کی سلاخ دار کھڑکی کے باہر ملاقات کر رہے تھے۔ ملاقاتی کمرے کے اندر

کھڑا تھا اور وہ صاحب باہر۔ میں نے یہ ملاقات ایک آدمی افسر کے ذریعہ کی تھی جو غیر از جماعت تھے اور عاجز کے کلاس فیلو۔ میں ساتھ کچھ پان لے گیا تھا کہ حضور کبھی کبھی پان سے شغف فرماتے تھے۔ اس خیال سے کہ میں جس کے ہمراہ آیا ہوں اس کی وجہ سے کوئی چھوٹی موٹی چیز اس طرح اندر لے جانے کی ممانعت نہیں ہوگی۔ میں نے پان حضور کی خدمت میں پیش کئے تو حضور نے فرمایا کہ یہ تو خلافِ قانون بات ہے اور پان لینے سے انکار فرما دیا۔

کالج لاہور میں ڈی اے وی کالج کی عمارت میں منتقل ہو چکا تھا۔ سڑک کے پار بائیں ہاتھ اسلامیہ ہائی سکول کی عمارت تھی جس میں اہلِ پیغام نے اپنا سکول جاری کیا تھا صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ان دنوں اسی سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سکول نے کسی تقریب پر حضورؒ کو بھی دعوت دی۔ غالباً یوم والدین یا اسی قسم کا کوئی سالانہ اجلاس تھا۔ حضور کالج سے نکل کر وہاں تشریف لے گئے۔ عاجز حضور کے ہمراہ تھا۔ صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر ایک بہت بڑا پنڈال تھا۔ حضور سکول میں داخل ہوئے تو تمام حاضرین جن کی تعداد کئی سو تھی احتراماً کھڑے ہو گئے اور حضورؒ سے بڑھ کر ملے اور مصافحہ سے مشرف ہوئے، سوائے ایک صاحب کے جو بدستور اپنی کرسی پر بیٹھے رہے۔ میں نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں مسکرا کر فرمایا آپ نہیں جانتے۔ یہ جناب عبد الرحمٰن صاحب مصری ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے طالب علمی کے زمانے میں بھی صورت حال اس سے مختلف نہ تھی۔ حضور کے ایک کالج فیلو نے (جو بدقسمتی سے اب جماعت سے تعلق توڑ چکے ہیں اور کسی زمانے میں حضور ان کے ہاں شکار کے سلسلے میں مہمان بھی ٹھہرا کرتے تھے) عاجز کو بتایا کہ ہم گورنمنٹ کالج میں پڑھا کرتے تھے اور جب حضور کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تو احتراماً اپنے سروں کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ اس سے ملتی جلتی ایک اور شہادت بھی حضور کے ایک اور کلاس فیلو کی طرف سے عاجز تک پہنچی ہے۔ جب قدرتِ ثانیہ کا تیسرا ظہور ہوا اور حضور نے خلعتِ خلافت زیب تن فرمائی تو انہی دنوں پروفیسر (ڈاکٹر) ناصر احمد خان پرواذی کا فیصل آباد کی ایک محفل میں جانا ہوا جہاں حضور کے ایک کلاس فیلو بھی تشریف فرما تھے جو غالباً نواب زادہ میاں حامد احمد خان کے اعزہ میں سے تھے اور غیر از جماعت تھے۔ ڈاکٹر پرواذی صاحب سے ملے تو کہنے لگے بھئی مبارک ہو۔ آپ کو نیا لیڈر بہت خوب ملا ہے۔ ہم اکٹھے پڑھتے تھے اور ہم انہیں کہا کرتے تھے کہ آپ کے داداجانؑ کا تو ہمیں پتہ نہیں لیکن اگر آپ نبوت کا دعویٰ کر دیں تو ہم آپ کو سچا تسلیم کر لیں گے عاجز عرض کرتا ہے کہ یہ محض ایک نوجوانوں والا مذاق نہیں تھا۔ حضور کے تقویٰ طہارت کا ایسا ہی اثر ملنے والوں پر ہوا کرتا تھا۔ حضور جب آکسفورڈ میں پڑھتے تھے تو ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد، حضرت صاحبزادہ مرزا ظفر احمد اور مرحوم حضرت صاحبزادہ مرزا سعید احمد اور دیگر صاحبزادگان بھی ولایت میں زیر تعلیم تھے۔ ٹارکی کے علاقے میں ایک خاندان کے مہمان یعنی بطور Paying Guest ٹھہرا کرتے تھے۔ خاتون خانہ جو بہت دیر تک زندہ رہیں اور ۱۹۷۰ء کے دورے کے زمانے میں ابھی بقید حیات تھیں بہت مادرانہ شفقت سے پیش آتیں۔ اس دورے کے دوران حضور ان کے مکان پر

تشریف لے گئے۔ مکان کھیتوں میں واقع تھا۔ وہ خاتون خانہ حضور کو "ناصر" کہہ کر پکارتی تھیں۔ کہنے لگیں ناصر آپ کو یاد ہے کہ آپ اس کمرے میں ٹہلا کرتے تھے اور قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا اور میں جواباً کہا کرتی تھی کہ 'Oh what a waste of time' کہ واہ۔ یہ تو محض وقت کا ضیاع ہوگا۔ کہنے لگیں آپ نے تو سچ مچ اسے سچ کر دکھایا۔ یہ خاتون اس بات کا ذکر اکثر کرتی رہتی تھیں۔ یہی ذکر عاجز کی موجودگی میں بھی ہوا۔

سچی بات تو یہی ہے کہ سچے لوگوں کی یہی علامت ہے۔ جتنا قریب سے دیکھیں اتنے ہی سچے اور سچے لگتے ہیں عاجز کو بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ عاجز حلفاً عرض کرتا ہے کہ عاجز نے اوّل دن سے حضور کو سفر حضر، جلوت خلوت، غرض کہ ہر حال میں سچا، شفیق، حلیم، صابر اور کریم پایا۔ بعد میں تو جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو قدرت ثانیہ کی خلعت پہنائی اور دکھی انسانیت کا دکھ حضور کا دکھ بن گیا تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن عاجز عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے بھی حضور کے گرد و پیش اور قرب میں رہنے والوں پر بھی ایسا ہی اثر ہوا کرتا تھا۔ چوہدری محمد بوٹا صاحب ایک غیراز جماعت طالب علم لاہور میں ہوا کرتے تھے۔ ذہین، محنتی اور کھلاڑی۔ آج کل IRRIGATION میں ریسرچ میں بہت بڑے افسر ہیں۔ انہوں نے لمبے عرصے کے بعد حضور کی خدمت میں لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہوں میرے دل میں آپ کے لئے بے حد احترام اور عقیدت ہے اور نہ ہی مجھے آج تک آپ جیسا عظیم انسان ملا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنا نام ناصر رکھ لوں چنانچہ آج وہ اسی نام سے موسوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور کو قدرتی رعب اور جلال سے نوازا ہوا تھا۔ باوجود اس قرب اور محبت کے بڑے سے بڑے حضور کا سامنا کرنے سے کتراتے۔ اس پر لطیفے بھی ہوا کرتے۔ رؤف خان صاحب حضور کے ایک ڈرائیور ہوا کرتے تھے۔ یوپی کے رہنے والے بہت حاضر جواب، بات کرنی خوب آتی تھی۔ ایک مرتبہ حضور مگھوں کے شکار کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے زمانے کی بات ہے۔ پارٹی پوزیشنیں سنبھال کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ ڈار پر کسی نے فائر کیا جس کی آواز ہوا کے رُخ کے باعث حضورؒ تک نہ پہنچ سکی۔ جب ڈار حضور کے اوپر سے گذری تو بہت بلند ہو چکی تھی۔ حضور نے بندوق اٹھائی نشانہ باندھا۔ پھر رک گئے لیکن عین اسی وقت ایک زخمی [illegible] حضور کے قریب آن گرا۔ اس پر حضور نے پوچھا کہ رؤف خان یہ کیسے گرا۔ رؤف خان نے فوراً جواب دیا "حضور رعب سے"۔ یہ تھا تو لطیفہ لیکن سچی بات یہی ہے کہ رعب اللہ تعالیٰ نے حضور کو اسی قسم کا دیا ہوا تھا۔ اور پھر مرعوب ہونا تو حضور جانتے ہی نہ تھے۔ جن دنوں تقسیم ملک سے پہلے آخری الیکشن ہو رہے تھے تو پتہ چلا کہ ایک گاؤں میں ووٹروں کو روک لیا گیا ہے اور اس حرکت کو سکھوں کی شہ پر کیا گیا ہے۔ حضور چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر سیدھے گاؤں سے مقابلے کے لئے تشریف لے گئے اور انتظام یہ کیا کہ حضورؒ کے جانے کے بعد اس کی اطلاع حضرت میاں

بشیر احمد صاحب سلمہ کی خدمت میں کی جائے۔ جانے سے پہلے نہ کی جائے۔

۴۸ - ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ والٹن لاہور میں یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور کا پاکستان بننے کے بعد پہلا کیمپ تھا۔ دو بٹالین تھی۔ یعنی آٹھ کمپنیاں۔ تمام پنجاب کے کالجوں سے اساتذہ اور طلباء شامل تھے۔ کیمپ کے حالات تسلی بخش نہیں تھے۔ اساتذہ اور طلباء کو فوجی رینک ملے ہوئے تھے اور فوجی قانون کے تحت آتے تھے۔ ایک افسران کو بسا اوقات فحش گالیاں انگریزی زبان میں دیا کرتا تھا۔ اگر ارادتاً نہیں تو عادتاً ضرور ایسا کرتا تھا۔ کیمپ میں کافی کھچاؤ ہر وقت رہتا تھا۔ کیمپ قریب الاختتام تھا۔ ایڈجوٹنٹ جنرل جو اُن دنوں جنرل رضا تھے معائنہ کرنے کے بعد تشریف لے جا چکے تھے۔ کمانڈر انچیف جو ان دنوں ایک انگریز تھے آنے والے تھے۔ اگلے روز نمائشی لڑائی وغیرہ کے بعد تقسیم انعامات ہونی تھی، جو کمانڈر انچیف صاحب نے کرنی تھی۔ نہ جانے کیسی گالی اس افسر نے دی کہ طلباء بے قابو ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ سٹرائیک کریں گے اور کمانڈر انچیف صاحب کی آمد اور تقسیم انعامات کے موقع پر اپنے اپنے خیموں میں بیٹھے رہیں گے۔ نہ صفائی کریں گے۔ نہ وردیاں پہنیں گے۔ عاجز اپنی پلٹن کا کمانڈر تھا۔ ہم نے حضورؒ کی خدمت میں اس صورت حال کی اطلاع دینے کے لئے ایک خاص آدمی بھجوایا لیکن وہ پیغام رساں کیمپ سے باہر جاتے وقت گرفتار ہو گیا اور کوارٹر گارڈ میں بھیج دیا گیا۔ ہمیں اس کا کوئی علم نہ تھا اور ہم حضورؒ کی طرف سے ارشاد کے منتظر رہے۔ جب رات ہو گئی تو ہم نے دیگر کالجوں کے اساتذہ سے رابطہ پیدا کیا خصوصاً راجہ ایس۔ ڈی احمد صاحب (پرنسپل وٹرنیری کالج اور اینیمل ہسبنڈری کے ڈائریکٹر رہے) برادرم رفیق عنایت صاحب جو بعد میں سی ایس پی کے سینئر افسر بھی رہے اور دیگر دوستوں سے ملے اور انہیں بتایا کہ سٹرائیک میں ہم شامل نہیں ہوں گے اور اگر سٹرائیک ختم نہ ہوئی تو ہماری پلٹن بہرحال ڈیوٹی پر جائے گی۔ کیونکہ سٹرائیک کو ویسے ہی ہم ناجائز سمجھتے ہیں اور ان کی خدمت میں اپیل کی کہ یہ پاکستان کا پہلا کیمپ ہے۔ انگریز کمانڈر انچیف کیا کہیں گے؟ بہرحال رات کے وقت بعض دوستوں کو ساتھ لے کر ایک ایک خیمے میں گئے۔ طلباء گانے گا رہے تھے۔ قوالیاں ہو رہی تھیں اور نعرے لگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا۔ ہماری اپیل پر لڑکے آمادہ ہو گئے اور پاکستان کے نام پر کچھ ایسی غیرت دکھائی کہ رات کا باقی وقت جاگ کر گذارا۔ اور صفائی اور خیموں کی تزئین میں لگ گئے۔ اگلے دن کمانڈر انچیف صاحب نے پہلے نمائشی جنگ دیکھی۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہوئی کہ ہمارے بہت سے طلباء کشمیر کے محاذ پر رضاکارانہ طور پر فرقان بٹالین میں خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ ان کو کمانڈر انچیف صاحب نے پہچان لیا۔ ان کی دلچسپی بڑھی تو انہوں نے پوچھا کہ سارے کیمپ میں ایسے مجاہدین کتنے ہیں؟ پتہ چلا کہ سوائے تعلیم الاسلام کالج لاہور کے طلباء کے کسی نے کشمیر کے جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ بہرحال تقسیم انعامات کی تقریب شروع ہونے والی تھی۔ طلباء اور اساتذہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ وزراء، جج صاحبان، وائس چانسلر صاحب، جنرل آفیسر کمانڈنگ لاہور گیریزن اور ان کے سینئر افسر، معززین شہر آ چکے تھے اور کمانڈر انچیف صاحب کے استقبال کے لئے اکٹھے

کھڑے تھے کہ پنڈال میں جہاں ہر دو بٹالین بیٹھی ہوئی تھیں اسی افسر نے پھر کوئی گالی دے دی۔ اس پر وہی پہلے سی Tension پیدا ہوگئی۔ عین اس وقت عاجز نے حضورؒ کی ولزلے کار کو آتے دیکھا تو بڑھ کر استقبال کیا اور وہیں روک کر سارے حالات اور موجودہ کیفیت عرض کی۔ حضور آگے تشریف لائے تو سب لوگ حضورؒ سے ملے۔ وہ آفیسر بھی تھے۔ حضورؒ نے انگریزی زبان میں ان سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا اور یہ کہ شکر ہے کہ سٹرائیک ٹل گئی۔ اس پر وہ آفیسر بولے کہ مجھے ان .... کی کیا پرواہ ہے! یہ فقرہ کافی بلند آواز سے انہوں نے کہا اور پھر اسے دوہرایا۔ تمام مہمان حضرات اور افسر یہ سن رہے تھے۔ پہلے تو حضورؒ بھی خاموش رہے اس انتظار میں کہ کوئی نہ کوئی مناسب آدمی ان کو ٹوکے گا۔ جب تیسری مرتبہ بھی انہوں نے یہ فقرہ دہرایا تو حضورؒ نے بڑے جلال سے بلند آواز سے فرمایا کہ آپ کو پرواہ نہیں لیکن ہمیں ان کی بڑی پرواہ ہے۔ یہ قوم کے بچے ہیں۔ ہم ان کو اس قسم کے اخلاق سیکھنے کے لئے یہاں نہیں بھیجتے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی اپنی تعلیم الاسلام کالج کی پلٹن کو کہو کہ واپس چلیں اور آئندہ سے یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور سے اپنا الحاق ختم کر دیا جائے۔ حضور یہ فرما کر واپس کار کی طرف جانے لگے تو وہاں موجود لوگ جو پہلے منجمد ہو کر رہ گئے تھے حرکت میں آ گئے اور کچھ نے حضور کا راستہ روک لیا۔ اور کچھ افسروں نے اس افسر کو ڈانٹا اور اس نے بڑی لجاجت سے حضور سے معافی مانگی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب حضور نے یہ کلمات کہے تو میرے ایک غیر از جماعت دوست نے (جنہیں کچھ ضرورت سے زیادہ گالیوں کا نشانہ بننا پڑا تھا اور جو بعد میں کمشنر سرگودھا بھی رہے) فرطِ جذبات میں خوشی سے بے قرار ہو کر میرا ہاتھ دبایا اور اتنے زور سے دبایا کہ کئی دن تک میرا ہاتھ درد کرتا رہا۔ ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہے جا رہے تھے کہ میاں صاحبؒ کو ایسے لوگوں کی کیا پرواہ ہے میاں صاحبؒ کو ایسے لوگوں کی کیا پرواہ ہے۔ میاں صاحبؒ کو ایسے لوگوں کی کیا پرواہ ہے۔ محکمہ تعلیم کے ایک بہت بڑے افسر نے دوسرے مہمانوں سے کہا کہ میاں صاحب نے سب کی عزت رکھ لی۔

اس واقعہ کا عجیب تر حصہ یہ ہے کہ کیمپ کے خاتمے پر جب بھی کوئی ٹرک روانہ ہوتا تو اس میں بیٹھنے والے "مرزا ناصر احمد زندہ باد" اور "پرنسپل ٹی۔ آئی۔ کالج زندہ باد" کے نعرے ضرور لگاتے۔ اور اسی انداز سے یہ کیمپ ختم ہوا۔

لاہور کے کالجوں کا عام طالب علم جانتا تھا کہ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کس بلند مرتبے اور کردار کے انسان ہیں۔ دوسرے کالجوں کے پرنسپلوں کی موجودگی میں شوخی کرنے والے حضورؒ کے سامنے ادب سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضورؒ خود بھی تمام طلباء کو بلا تخصیص کالج اپنا عزیز طالب علم جانتے تھے اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارا طالب علم طبعاً شریف ہوتا ہے خرابی اس کی HANDLING میں ہوتی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

ایک مرتبہ لاہور کے کالجوں نے سٹرائیک کی اور تعلیم الاسلام کالج کا گھیراؤ کر لیا کہ اسے بھی بند کیا جائے۔ حضور نے فرمایا کہ قطع نظر اس کے کہ ہم سٹرائیک کو ناجائز فعل سمجھتے ہیں اگر آپ اپنے دل سے پوچھ کر دیانتداری سے بتائیں کہ

اس طرح سٹرائیک کرنے سے کشمیر مل جائے گا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تعلیم الاسلام کالج ایک دن تو کیا اگر بالکل بھی بند کرنا پڑے تو بند کر دوں گا۔ اور چند منٹ اپنے دلآویز تبسم کے ساتھ ان سے گفتگو فرمائی۔ لڑکے قائل ہوئے اور پرنسپل تعلیم الاسلام کالج زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔

یونیورسٹی گراؤنڈز (اولڈ کیمپس) میں سالانہ کھیل ہو رہے تھے۔ حضور ایک کھیل کے نگران اور منصف تھے جس جگہ اس کھیل کے مقابلے منعقد ہوتے تھے وہیں گراؤنڈ میں بہت سے طلباء بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؒ نے ایک اور کالج کے پرنسپل صاحب سے جنہوں نے مارشل کا بلاّ لگایا ہوا تھا اور جن کی ڈیوٹی میں یہ بات شامل تھی کہ طلباء اور تماشائیوں کو گراؤنڈ کے اندر نہ آنے دیں۔ فرمایا کہ مہربانی فرما کر ان طلباء کو یہاں سے جانے کے لئے کہیں تاکہ پروگرام کے مطابق میں کھیل شروع کروا سکوں۔ انہوں نے جواب دیا میاں صاحب آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ یہ کس کالج کے طلباء ہیں میں نے انہیں کہہ کر اپنی بے عزتی کروانی ہے۔ حضور نے فرمایا یہ بات ہے تو میں خود انہیں اٹھا دیتا ہوں اور یہ میری بے عزتی نہیں کریں گے۔ اس پر حضورؒ ان نوجوانوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے درمیان میں جا کر بیٹھ گئے۔ پہلے ان سے چند ایک باتیں کیں اور پھر فرمایا کہ ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے ہیں یہاں مقابلے منعقد ہونے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ یہ جگہ خالی کر دی جائے۔ اس پر وہ طلباء چھلانگیں لگاتے ہوئے جنگلے کے عقب میں چلے گئے۔ اور جگہ خالی کر دی۔

یونیورسٹی کے کشتی رانی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ آخری دن تھا۔ اصل مقابلہ ہمارے اور اسلامیہ کالج کے درمیان تھا۔ اسلامیہ کالج اور انجمن حمایت اسلام کے ملحقہ اداروں کے طلباء کثرت سے دریا پر پہنچے ہوئے تھے۔ ہمارے بھی تقریباً سبھی طلباء موجود تھے۔ اسلامیہ کالج کے شائقین کے پاس لاوڈ سپیکر کا انتظام بھی تھا۔ دوڑ شروع ہونے والی تھی۔ کسی غیر طالب علم نے ہمارے خلاف ایک نازیبا نعرہ لگا دیا جس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر سنائی دے گئی۔ اچانک اسلامیہ کالج کی کشتی کنارے کی طرف تیزی سے آئی۔ سب لوگ یہی سمجھے کہ شاید فالتو چپو بھول گئے تھے جسے لینے آئے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ کشتی کنارے لگتے ہی اسلامیہ کالج کا کپتان عقاب کی طرح مجمع پر جھپٹا اور جس نے نعرہ لگایا تھا اسے پکڑ لیا اور لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ تعلیم الاسلام کالج کے خلاف اس قسم کا بیہودہ نعرہ لگایا گیا تو ہم دوڑ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ایسے موقعوں پر جب مسابقت کے جذبات برانگیختہ ہو کر عام قیود اور آداب کی پابندیاں ڈھیلی کر دیتی ہیں خصوصاً جس وقت افراد ہجوم کی شکل اختیار کر چکے ہوں اس قسم کا مظاہرہ یقیناً ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور بنفسِ نفیس اس موقع پر تشریف فرما تھے۔ جہاں اسلامیہ کالج کے طلباء قابل تحسین تھے جنہوں نے حضورؒ کی موجودگی کے احترام میں اور تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے ایسے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا وہاں یہ امر بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ اس واقعہ پر حضور کی شخصیت کی چھاپ بھی صاف دکھائی دے رہی ہے۔ یہ واقعہ صحیح معنوں میں اس احترام کا منہ بولتا ثبوت ہے جو حضور کی محبت اور شفقت کے نتیجے میں دوسرے کالجوں کے طلباء کے دلوں میں موجود تھا۔ مرحوم پروفیسر حمید احمد خان صاحب

(وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔ سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور و برادرِ خورد مولانا ظفر علی خاں صاحب) تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں کنووکیشن سے خطاب فرمانے کے لئے تشریف لائے تو عاجز نے یہ واقعہ ان کو سنایا۔ بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ئیں جا کر اسلامیہ کالج میں واقعہ بتاؤں گا کہ ہماری تاریخ میں ایک ایسا واقعہ بھی ہوا ہے جس میں ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

روئنگ ہی کا ایک اُور واقعہ ہے۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات کے بعد کی بات ہے۔ ابھی مارشل لاء ذرا نرم شکل میں نافذ تھا۔ وائی۔ ایم سی۔ اے میں روئنگ ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کا اجلاس ہوا۔ مکرم پروفیسر اشفاق علی خان صدر تھے۔ آرمی کی طرف سے خود جنرل محمد اعظم صاحب شامل ہوئے۔ عاجز بھی رکن تھا۔ زیرِ بحث معاملہ یہ تھا کہ ریلوے کی خواتین کی کشتی رانی کی ایک کلب کی طرف سے جو ایسوسی ایشن سے ملحق تھی یہ شکایت کی گئی تھی کہ کالجوں کے طلباء انہیں تنگ کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ تعداد میں ہمارے ہی کالج کے طلباء وہاں جاتے تھے کیونکہ ہمارے پاس کھیل کا کوئی اُور میدان نہیں تھا۔ جب کوائف سامنے آئے تو پتہ چلا کہ طلباء بہت بے ہودگیاں کرتے ہیں۔ اس پر جنرل صاحب بہت خفا ہوئے اور کہا کہ اگر ایسی غنڈہ گردی جاری رہی تو آرمی اپنا الحاق واپس لے لے گی۔ اس پر ایک بہت سخت قسم کا ریزولیوشن پاس ہوا اور تمام کالجوں کے پرنسپلوں کو تنبیہہ کی گئی کہ اب اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا تو وہ ذاتی طور پر ذمہ دار سمجھے جائیں گے اور سخت کارروائی کی جائے گی۔ جب ریزولیوشن پاس ہو گیا تو خواتین کی کلب کی نمائندہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ ریزولیوشن درست نہیں۔ سب نے یہی سمجھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافی نہیں لیکن انہوں نے کہا کہ اس میں ایک ترمیم ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس ریزولیوشن میں سے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کا نام نکال دیا جائے کیونکہ ہمیں اس کالج کے طلباء سے کوئی شکایت نہیں۔ چنانچہ اس کے مطابق ترمیم کی گئی اور اس ترمیم کے متعلق بعض اراکین نے حضورؒ کی تعریف میں بھی کلمات کہے کہ وہ خود دریا پر تشریف لے جاتے ہیں۔

حضور کی شخصیت کا اثر کم و بیش ہر طالب علم پر تھا۔ قندیل میں ایک مرتبہ ساملی سینے ٹوریم سے تپ دق کے ایک مریض کا خط شائع ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ایک دن سینکڑوں نوجوان طلباء فوجی وردی میں ملبوس ہمارا ہسپتال دیکھنے آئے اور ہمارے پاس سے یوں دامن بچا کر نکل گئے جیسے ہم انہیں تپ دق میں مبتلا کر دیں گے۔ ہم نے پوچھا یہ نوجوان کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ پنجاب یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور کے بھوربن کیمپ سے آئے ہیں اور لاہور اور دیگر شہروں کے کالجوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد کچھ اُور نوجوان آئے۔ وہ بھی باوردی تھے۔ وہ ہمارے پاس رکے اور ہماری طبیعت پوچھی۔ ہم نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کس کالج سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم الاسلام کالج لاہور سے۔ عاجز اس کیمپ میں شامل تھا اور یہ خط حرف بحرف صحیح ہے۔

کالج اور ہوسٹل کی تفصیلی نگرانی فرماتے۔ ہر قدم پر حضورؒ کی رہنمائی حاصل رہتی۔ جیسا کہ عرض کیا ہے کہ نرمی سختی دونوں کرتے لیکن صرف تربیت اور اصلاح کا پہلو

پیش نظر رہتا۔ سزا بھی دیتے مگر کراہت کے ساتھ۔ لیکن جہاں سزا ضروری ہوتی ضرور دیتے۔ قادیان میں ایک دفعہ کچھ طلباء کو بدنی سزا دینے کا فیصلہ ہوا۔ عاجز سے فرمایا کہ سزا کا نفاذ کیا جائے۔ حسبِ تعمیل ارشاد میں عاجز نے سزا دینی چاہی تو نہ جانے عاجز کے دل کی کیفیت کو کس طرح بھانپ لیا۔ فرمایا رک جائیں۔ سزا تمہیں نہیں ان کو دی جا رہی ہے۔ سزا دیتے تو شدت غم سے کتنا کتنا عرصہ گھر سے باہر تشریف نہ لاتے۔ اور جس خوش قسمت سے یہ بظاہر ناخوشگوار تعلق قائم ہو جاتا اس کا نصیبہ جاگ اٹھتا اور اس سے ایسی محبت کا تعلق قائم ہو جاتا جس کی لذت کا اندازہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اور اس میں اپنوں، بیگانوں کی تخصیص نہ ہوتی۔ بلکہ اپنوں کا زیادہ سختی سے محاسبہ فرماتے سزا کے بعد عنایات کی بارش شروع ہو جاتی اور اس دکھ کو کبھی نہ بھولتے جو سزا دے کر حضورؒ کو پہنچتا۔ لاہور میں ایک نہایت مخلص، ذہین، شریف اور محنتی طالب علم تھے۔ کلاس میں امتیازی پوزیشن لیتے۔ اعلیٰ درجے کے کشتی رانی اور کبڈی کے کھلاڑی تھے۔ رتن باغ سے اس عزیز کے لئے پکوان آیا کرتے۔ گرمیوں میں اسے پہاڑ پر بھجوایا۔ غرضیکہ بیٹوں کی طرح اس سے پیار کرتے اور اس عزیز کے مستقبل کے لئے قیاس آرائیاں فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی بات بڑی ہو گئی اور ایسی صورت پیدا ہوئی کہ سزا کا دیا جانا ناگزیر ہو گیا۔ عاجز نے حضور کو بہت کم، بہت ہی کم موقعوں پر سب کے سامنے روتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن اس دن جب حضور اس عزیز کے اخراج از کالج کے فارم پر دستخط فرما رہے تھے تو حضور کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر کالج ربوہ منتقل ہو گیا تو کبھی کبھی اس عزیز کی خیریت پوچھتے۔ پھر اچانک پتہ چلا کہ عزیز موصوف ایک معزز عہدے پر فائز ہو گئے ہیں تو بہت خوش ہوئے پھر ان کا بیٹا اسی کالج میں داخل ہوا۔ عاجز کو یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا اس لڑکے کو جانتے ہو کون ہے۔ اس کے والد کا نام لے کر فرمایا یہ ان کا لڑکا ہے۔ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

مسند خلافت راشدہ حقہ پر متمکن ہونے کے بعد علی الصبح جس طالب علم سے ملاقات فرمائی اور جسے بطور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اپنے پہلے خط سے نوازا وہ ایسا ہی طالب علم تھا۔ یعنی عزیز لطف الرحمٰن ابن برادرم مکرم چوہدری ثناء اللہ شبلی صاحب۔ عاجز کو فون پر ارشاد ہوا ان کے لئے خط انگریزی میں لکھا جائے۔ عزیز موصوف وہ ڈرافٹ محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب کی معیت میں آن کر عاجز سے لے گئے۔ عاجز نے ان کو اس عظیم عزت افزائی پر مبارک باد بھی دی۔ عاجز جانتا تھا کہ قرب کا ایسا اظہار کس لئے ہو رہا ہے۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری بھی دم بخود تھا کہ اس غم کی کیفیت میں بھی عزیز کو نوازا جا رہا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ہوسٹل میں تشریف لاتے اور آدھی آدھی رات تک بیمار طلباء کے سرہانے بیٹھ کر چمچے کے ساتھ اپنے دست مبارک سے خود دوائی پلایا کرتے اور تسلیاں دیا کرتے۔ اس لطف و عنایت کو دیکھ کر دوسرے طلباء کہا کرتے کہ ہمارا بھی بیمار پڑنے کو جی چاہتا ہے۔ غریب طلباء کی بہت دلداری فرماتے اور امداد اس رنگ میں فرماتے کہ ان

کی عزت نفس مجروح نہ ہوتی۔ جو طلباء مزدوری کر کے پڑھتے ان کی خاص قدر فرماتے اور اس محبت سے ان کا ذکر فرماتے کہ ایسے طلباء کا سر فخر سے بلند ہوجاتا۔ ذہین طلباء، کھلاڑیوں اور جسمانی طور پر کمزور طلباء کے لئے سویابین، دودھ اور ادویہ کا خاص اہتمام کیا جاتا۔

طلباء سے تعلق بے حد محبت اور تکریم کا ہوا کرتا۔ داخلے کے وقت جب انٹرویو فرماتے تو کھڑے ہو کر طالب علم سے ملتے اور کھڑے ہو کر مصافحہ کے بعد رخصت فرماتے۔ اس طرح حضور کو بار بار اٹھنا بیٹھنا پڑتا۔ ایک مرتبہ عاجز نے عرض کیا کہ اگر اس طرح نہ ہو تو کیا حرج ہے۔ فرمایا:۔ اکرموا اولادکم۔ طالب علم کو داخلے کے وقت ایک بار ملنے کے بعد اس کا نام اور کوائف ذہن میں محفوظ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ ہی اس قسم کا ارزانی فرمایا تھا۔ دُور سے کوئی طالب علم آرہا ہوتا تو رک جاتے اور پوچھتے بتاؤ کون آرہا ہے۔ مَیں عرض کرتا کہ خاکسار کی نظر کمزور ہے تو فرماتے اچھا قریب آجانے دو۔ پھر قریب آنے پر خفت سے بچانے کے لئے اس طالب علم کو اس کے نام سے بلاتے۔ وہ اس قرب پر باغ باغ ہو جاتا۔ آخر عاجز نے یہ طریق اختیار کیا کہ داخلے کے فارموں پر سے فوٹو دیکھ دیکھ کر نام یاد کر لیتا اور کبھی ایسا امتحان ہوتا تو رعایتی نمبر لے کر پاس ہو جاتا۔

مرحوم بشیر احمد جو بے حد ہونہار، نیک اور ذہین طالب علم تھا اور گکھڑ کا رہنے والا تھا نہایت ظالمانہ طور پر سرِ بازار قتل کر دیا گیا۔ حضور ان دنوں کراچی میں تشریف فرما تھے۔ جب بشیر کی وفات کی اطلاع حضور کی خدمت میں پہنچی۔ رات گئے تقریباً بارہ ایک بجے کا عمل ہوگا کہ حضور کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔ بشیر تو کئی ہیں۔ فرمایا مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔ کیا یہ وہی بشیر تو نہیں ہے جو ہر وقت مسکراتا رہتا تھا۔ افسوس کہ یہ وہی بشیر احمد تھا جس کی وفات پر آپؒ اس طرح بے چین ہو گئے تھے۔

طلباء کے اجتماعات میں خواہ وہ کھیل ہوں یا مباحثے، پکنک ہوں یا کوئی اور تقریب دلی نشاط سے شامل ہوتے اور حظ اٹھاتے۔ کشتی رانی کے میچوں میں تقریباً آدھ میل تک کشتی کے ساتھ ساتھ دوڑتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ دوسرے کالجوں کے طلباء ہم سے کہا کرتے کہ کاش ہمارے پرنسپل بھی کھیلوں میں اتنی دلچسپی لیں۔ ہوسٹل فنکشن میں حضور کی کارولزلے پر مزاحیہ نظمیں پڑھی جاتیں۔ بہت لطف اندوز ہوتے۔ ایک مرتبہ عاجز نے ایسی نظموں اور لطیفوں پر پابندی لگادی۔ حضورؒ کو علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اگر یہ پابندی نہ اٹھائی گئی تو ہم فنکشن میں شامل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ پابندی اٹھائی گئی۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان نے جو جماعت کے ایک نہایت مخلص اور معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؒ کی ولزلے کار پر ایک طنزیہ مضمون لکھا اور المنار کے انگریزی حصے میں چھپنے کے لئے دیا۔ وہ خود ایک بہت بڑی نئی کار میں کالج میں آیا کرتے تھے۔ اور ولزلے ایک چھوٹی سی پرانی کار تھی۔ محدود مجلس میں حدود کے اندر رہ کر ہلکا پھلکا مزاح ایک الگ بات ہے لیکن اس طرح عام اشاعت کے لئے ایسے مضمون کا المنار میں چھپنا ایک بالکل دوسری بات۔ چنانچہ عاجز نے مضمون

شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضورؒ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ یہ مضمون ضرور چھپنا چاہیئے۔ مَیں نے حتی الامکان مضمون کو نرم کر کے چھاپ دیا۔ جس وقت المنار کا یہ شمارہ تقسیم ہوا اس کے چند ہی گھنٹے بعد وہ طالب علم کانپتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ادھر یہ مضمون شائع ہوا اور ادھر میری اپنی کار کی ٹکّر ہو گئی اور وہ پاش پاش ہو گئی۔ مَیں وہ شمارہ دکھانے کے لئے ساتھ لے گیا تھا۔ شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔ مَیں اللہ کے ایک بندے کی کار پر استہزاء کا مرتکب ہوا تھا۔ مجھے اس کی سزا مل گئی۔

عاجز عرض کرتا ہے کہ مختلف رسالوں میں اس کار پر اتنی نظمیں لکھی گئیں کہ ایک مرتبہ فرمایا ساری نظمیں اکٹھی کرو تاکہ "دیوانِ کار" چھپوایا جا سکے اور اگر مَیں اسے حضرت مصلح موعود .... کی خدمت میں پیش کروں تو مجھے نئی کار مل جائے۔

ایک مرتبہ عاجز نے بھی پنجابی میں ایک نظم اس کار پر لکھی لیکن فنکشن کے موقع پر نظم نہ سنائی۔ فنکشن ختم ہوا۔ تو ارشاد فرمایا کہ سب بیٹھے رہیں۔ جب تک نظم نہیں سنائی جائے گی فنکشن ختم نہیں ہوگا۔ عاجز نے گذارش کی کہ بندہ از راہِ امتثالِ امر حاضر ہے۔ لیکن اتنی رعایت دی جائے کہ نظم کوئی اور صاحب پڑھ دیں۔ چنانچہ یہ گذارش قبول ہوئی اور عزیزم اکرم میر نے یہ نظم پڑھ کر سنائی۔ نظم تو بھول چکی ہے۔ ایک ادھورا بند کچھ اس طرح سے یاد ہے

جان توں وی پیار ہے نی سوہنیوں باپ دی
جدوں سوہنا وِچ بہہ وے توں وی سوہنی جاپدی
جوڑ جوڑ ہل جاوے جدوں کھنگدی
ساڈے سجناں دی کار اے کالے رنگ دی

حضور کی ایک خاص درویشانہ شان تھی اور آپ اسی میں مگن تھے۔ کبھی ظاہری تکلف اور ٹیپ ٹاپ کی طرف حضور کی طبیعت مائل نہیں ہوئی۔ عاجز نے ایک دفعہ المنار میں لکھا کہ اچکن مہنگا لباس ہے۔ حضور نے چند آنے گز کی اچکن ربوہ سے سلوائی۔ کالج اس زمانے میں لاہور میں تھا۔ سبز رنگ اور سفید دھاریوں والا کھدر نما کپڑا تھا۔ جب زیب تن فرمائی تو سج گئی۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ اس اچکن کی کچھ خوبی نہ تھی۔ اگر مجھ جیسا بھی اچکن پہنتا تو اچکن غریب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔ عاجز نے کئی مرتبہ دیکھا کہ اسی اچکن کو پیوند لگا ہوا ہے لیکن دیکھنے والے کا کپڑے کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی قیمتی کپڑا پہنا ہوا ہو۔ آپ بڑی بڑی تقریبوں میں شامل ہوتے۔ حضور کے داخل ہوتے ہی حاضرین مجلس کی توجہ آپ کی طرف ہو جاتی۔ شکار کے لئے تشریف لے جاتے۔ اکثر عاجز حضور کی خدمت میں ساتھ ہوتا۔ کھانے کا وقت آجاتا تو دیہات کی سادہ تنور کی روٹی۔ پسی ہوئی سرخ مرچ اور لسّی کے ساتھ اتنا مزہ لے کر تناول فرماتے کہ گویا اس سے لذیذ اور کوئی کھانا ہو نہیں سکتا۔

صفائی کا البتہ خاص خیال رہتا۔ ایک مرتبہ کشتیوں پر پانی کے بہاؤ کے رخ پر دریا کے رستے شکار کے لئے تشریف لے گئے۔ دریا اور نہر کے سنگم تک ارشاد فرمایا کہ پراٹھوں وغیرہ کے علاوہ کچھ گاجریں بھی رکھ لیں۔ چنانچہ خوب دھلوا کر گاجریں بھی رکھ لی گئیں۔ عاجز نے گاجریں نہ کھائیں تو

فرمایا اولیٹس ہو کر گاجر کیوں نہیں کھاتے ۔ کھاؤ ۔ عاجز نے عذر کیا تو بہت اصرار سے پوچھا کہ آخر وجہ کیا ہے ۔ عاجز نے عرض کیا کہ لاہور میں گندے پانی میں گاجریں کاشت کی جاتی ہیں ۔ صاف کرنے اور چھیلنے کے بعد بھی طبیعت مانتی نہیں ۔ اس پر خاموش ہو گئے ۔ ایک دفعہ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد فرمایا کہ چوہدری صاحب نے تو ہماری گاجریں بند کر دیں ۔ مہمان آتے تو ان کی تکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے ۔ ان کے لئے طرح طرح کے کھانے پکواتے خصوصاً پاستی کے سموسے اور بالائی کے لڈو نہ آئس کریم تو ویسے بھی حضور کی پسندیدہ ڈش تھی ۔ ایک مرتبہ ایک روسی سائنسدان جنہوں نے پہلا خلائی سیارچہ اڑایا تھا پاکستان سائنس کانگرس پر آئے ۔ ان کی دعوت کی گئی ۔ وہ بہت کم کھاتے تھے ۔ حضور نے اصرار سے بالائی کے لڈو چکھنے کے لئے فرمایا ۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا سا چکھا اور پھر ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا لڈو کھایا اور کھاتے رہے ۔ حضور کی مسرت اس وقت قابل دید تھی ۔ مباحثوں پر مہمان طلباء آتے تو ان کے قیام و طعام کے لئے خاص انتظام ہوتا ۔ جہاں تک عاجز کی یادداشت کام کرتی ہے کچھ عرصہ تو ناشتہ حضور کی رہائش گاہ پر ہوتا رہا ۔ ناصر باسکٹ بال پر آنے والے کھلاڑیوں کا خاص خیال رکھا جاتا ۔ باری باری کسی نہ کسی گروپ کو گھر سے خاص طریقے پر پکا ہوا شکار یا کوئی ایسی ہی ڈش منگوا کر کھلاتے اور خوش ہوتے ۔ حضرت قاضی محمد اسلم مرحوم کو خرگوش کے گوشت کا نام تک سننا گوارا نہ تھا ۔ ایک مرتبہ سردیوں کے موسم میں نخلہ میں یاد فرمایا ۔ عاجز بھی ہمراہ تھا ۔ رات کا کھانا ہوا ۔ نہایت لذیذ گوشت تھا ۔ ہم دونوں نے مزے لے لے کر کھایا ۔ آخر نہ رہ سکے ۔ پوچھا یہ کس جانور کا گوشت تھا ۔ فرمایا اس جانور کا جس کو آپ نہیں کھاتے یعنی خرگوش کا ۔ اس پر قاضی صاحب مرحوم اور عاجز حیران رہ گئے ۔

فرمایا کرتے کہ کبھی کبھی BEEF ضرور کھانا چاہیئے ۔ جب خدام الاحمدیہ کے اجتماع پر پہلی مرتبہ کھانا پکنا شروع ہوا تو فیصلہ ہوا کہ بڑا گوشت پکایا جائے ۔ بعض نے بہت احتجاج کیا ۔ جب کھانا تیار ہوا تو عاجز کو خاص طور پر بلوا کر کھانا کھلایا بلکہ شریکِ طعام ہونے کی سعادت بخشی ۔ فرمایا یہ گائے کا گوشت نہیں ہے ۔ نہایت لذیذ کھانا تھا ۔ خوب مزے لے لے کر کھایا ۔ جب کھا چکا تو پتہ چلا کہ "کٹے" کا گوشت تھا ۔ نگھ کی بریانی کھلا کر نہایت خوش ہوتے ۔ مغربی پاکستان کے کھلاڑی قومی اولمپک مقابلوں میں شمولیت کے لئے ڈھاکہ گئے ۔ ہر ایسوسی ایشن کی طرف سے ہر کھیل کے کھلاڑی مل ملا کر ہزاروں تک تعداد پہنچتی تھی ۔ عاجز کے دل میں خیال آیا ان سب کی دعوت جماعت احمدیہ مشرقی پاکستان کی طرف سے کسی بلند پایہ ہوٹل میں ہو تو یہ ایک عمدہ طریقہ کھلاڑیوں کی تکریم کا ہوگا ۔ اندازہ لگایا تو خرچ زیادہ معلوم ہوا ۔ اس پر عاجز خاموش ہو گیا ۔ واپس آکر عاجز نے اپنے اس عندیے کا ذکر کہیں حضورؒ کی خدمت میں کر دیا تو بہت افسوس کا اظہار کیا کہ فون پر یا تار کے ذریعے کیوں مشورہ نہ کیا ۔ عرصہ تک جب بھی یہ بات یاد آتی فرمایا کرتے یہ جائز خرچ تھا ۔ آپ نے کیوں ہمارے متعلق حسن ظنی سے کام نہ لیا ۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ یہ حضور کا طریق تھا کہ ایک پائی بھی ناجائز خرچ ہو تو ناپسند فرماتے تھے اور جہاں خرچ ضروری ہو بے دریغ

خرچ کرتے تھے اور جیب کی پرواہ نہیں فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حضورؒ سے سلوک بھی ایسا ہی تھا۔ کہیں نہ کہیں سے رقم آہی جاتی تھی۔ جب کالج ربوہ میں بن رہا تھا تو عاجز بھی ایک لمبے عرصے تک حضورؒ کے ساتھ ڈیوٹی پر رہا۔ ان دنوں مالی لحاظ سے جماعت بہت کٹھن حالات سے گذر رہی تھی ۱۹۵۳ء کے فسادات ابھی ختم ہی ہوئے تھے۔ ہوسٹل اور کالج کے لئے بہت محدود بجٹ منظور ہوا تھا۔ جس کوٹھی میں آجکل صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب تشریف رکھتے ہیں یہیں حضور کی رہائش تھی۔ نہ بجلی تھی نہ پانی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ صبح جاگیں تو جوتا پہننے سے پہلے سونٹے سے اسے ہلاتے تھے کہ کوئی بچھو نہ گھس آیا ہو۔ عاجز کو تو علم نہیں کہ حضور کس وقت سوتے تھے۔ علی الصبح تہجد کے وقت اُٹھتے کوٹھی کی بطخیں آبی بطخیں پہ چونچیں مار مار کر فجر کی نماز کے لئے بیدار کرتیں۔ فجر کی نماز کے بعد حضورؒ نہایت شیریں آواز میں ایک ربودگی کے عالم میں تلاوت فرماتے۔ لال دین صاحب بھی ساتھ تھے وہ بھی نہایت اچھی آواز میں تلاوت کرتے۔ ایک سماں بندھ جاتا۔ ناشتہ حضور کالج کیمپس میں جا کر کرتے یعنی صرف چائے کی ایک آدھ پیالی۔ کھانا لنگر سے آتا۔ عاجز تو کچھ عرصے کے بعد بدک گیا اور Hotel de Monde یعنی مہند کے تنور سے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ حضور سارا دن اس چلچلاتی دھوپ میں مزدوروں کے درمیان کھڑے ہو کر کام کی نگرانی فرماتے۔ دور دور تک کوئی درخت نہ تھا۔ جس کے سائے میں سستایا جا سکتا۔ وقفہ کے وقت نماز ظہر ہوتی اور کھانا۔ پھر حسابات ملاحظہ فرماتے۔ رقم ختم ہو جاتی اور ٹھیکیدار اور مزدور مطالبہ کرتے تو دعایا کے لئے مختلف دوستوں کو بھیجتے۔ مکرم غلام حیدر صاحب اور مکرم منشی محمد شریف صاحب بھی ڈیوٹی پر تھے۔ کبھی خود تشریف لے جاتے عاجز کو بھی بھیجتے۔ عاجز اکثر ہمراہ ہوتا۔ جہاں تک عاجز کا علم ہے کبھی ایسا موقع پیش نہیں آیا کہ عطیہ وقار اور تکریم کے ساتھ نہ ملا ہو۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ لاہور میں خان بہادر ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب مرحوم نے خالی چیک دستخط کر کے عاجز کے سامنے رکھ دیا کہ جتنی رقم چاہوں لکھ لوں لیکن حضور کی طرف سے ممانعت تھی کہ پانچ ہزار روپیہ سے زیادہ نہ لیں۔ اس زمانے میں پانچ ہزار بہت بڑی رقم تھی۔ مرحوم چوہدری مولا بخش صاحب ہریکے ٹرانسپورٹ اور مرحوم شیخ محمد شریف صاحب پرنس ٹرانسپورٹ سے بھی اسی سفر میں پانچ پانچ ہزار کے عطیہ جات لئے گئے تھے۔ عاجز کو سن سٹروک ہوا تو وہ مشہور و معروف چھتری جس کی خرید پر آڈیٹر صاحب نے اعتراض کیا تھا زیادہ تر عاجز ہی کے استعمال میں آئی۔

ان دنوں آندھیاں بہت آیا کرتی تھیں۔ ایک دن شام کو آندھی آئی اور پہاڑی سے باریک کنکر اڑنے لگے۔ چہرے پر یوں لگتے تھے جیسے گولی لگتی ہے۔ ایسے موقعوں پر چہرے کو چادر یا تولئے سے ڈھانپ لیا جاتا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کالج سے روانہ ہوئے تو ایک گڑھے میں جا گرے جو بائیالوجی لیبارٹری کے پاس زیر زمین پانی دریافت کرنے کے لئے کھودا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا چوٹ نہیں آئی۔ گڑھے کے اندر آندھی سے بہت بچاؤ ہو گیا۔ حضور نے قدرے وہیں توقف فرمایا۔ آندھی کی شدت کم ہوئی تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلے اور بمشکل گھر پہنچے۔ کاش مجھ نالائق

کا ہاتھ قیامت کے دن بھی اس مقدس ہاتھ میں ہو اور اللہ
تعالیٰ حشر کے درپیش گڑھوں سے محض اپنی ستاری سے
بخیریت و عافیت گزار دے۔ اس کی مغفرت سے یہی امید
ہے۔ گورنمنٹ کالج اور آکسفورڈ کے زمانے میں حضور نے
فٹ بال، ٹینس، سکواش ریکٹس سے شغف فرمایا۔ گھوڑ
سواری بھی فرمائی۔ کرکٹ بھی حضور کھیلتے تھے۔ ٹیبل ٹینس
سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ ہوسٹل کامن روم کے سالانہ مقابلوں
میں شرکت فرمایا کرتے۔ بیڈمنٹن اور غالباً Wrestling
کے حضور صدر رہے۔ سنٹرل زون باسکٹ بال کی سالہا
سال تک صدارت فرمائی۔ باسکٹ بال اور روئنگ کو تو حضور
نے بامِ عروج تک پہنچایا۔ جب پارٹیشن کے بعد پنجاب
ماؤنٹینئرنگ کلب اور یونیورسٹی ماؤنٹینئرنگ کلب کی تشکیل
دی گئی تو ہر دو کا دستور بناتے وقت حضور کی رہنمائی اور
مشورے شامل تھے۔ مرحوم ڈاکٹر بشیر وائس چانسلر خصوصاً
حضور کے مشوروں کا احترام فرماتے تھے۔ اس طرح عملاً
حضور ان ہر دو کلبوں کے فاؤنڈر ممبر بھی ہیں۔ اگرچہ براہِ راست
کوئی رابطہ نہ رہ سکا۔ حضور یوتھ ہاسٹلنگ اور ہائکنگ کی
خاص سرپرستی فرماتے رہے۔ تیراکی کی سرپرستی فرمائی تو ہم
نے پنجاب کے فائنل میں چیفس کالج کو واٹر پولو میں شکست دی
اور پنجاب کے چیمپئن قرار پائے۔ رائفل شوٹنگ کا بہت شوق
تھا۔ تیراندازی پر لٹریچر منگوایا اور اسلامی دور کے ایک عربی
Manual کا جو اسلامی افواج کے لئے تیراندازی کورس پر تھا
انگریزی ترجمہ منگوایا۔ عربی کا اصل متن غالباً اب ناپید
ہے۔ تیر اور کمان بھی باہر سے منگوائے۔ خود بھی Catapult
قسم کی کمان ایجاد کی اور تیر بھی۔ کبڈی کا بھی بے حد شوق

تھا۔ اگرچہ خود کھیلی نہیں۔ کالج میں ہوا بازی کی کلاسیں
شروع ہوئیں تو برادرم سید فضل احمد صاحب اور عاجز کو
سکندر آباد دکن ٹریننگ کے لئے بھجوایا۔ کالج کے پاس
تعلیمی مقاصد کے لئے دو جہاز تھے۔ ایک ابھی بند ڈبوں میں
پڑا تھا کہ ملک کی تقسیم ہو گئی۔ جماعت نے دو 5 - ما جہاز
بھی خریدے تھے۔ جو تقسیم ملک کے وقت بہت کام آئے۔ کسی
عہدے کے لئے کبھی خواہش نہیں کی۔ مختلف کھیلوں کی ایسوسی
ایشنیں خود مصر ہوتیں اور سرپرستی اور صدارت پیش کرتیں۔
ایک مرتبہ باسکٹ بال کے الیکشن ہونے لگے۔ عاجز کو بارہ ایک
بجے شب کے قریب یاد فرمایا اور فرمایا کہ کل میرے مقابلے
پر فلاں کالج کے پرنسپل کھڑے ہوں گے۔ عاجز نے عرض کیا
کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ فرمایا اگر ایسا ہوا تو میرا نام یا پیش نہ
کیا جائے اور اگر پیش ہو چکا ہو تو واپس لے لیا جائے۔ خدا
کا کرنا کیا ہوا کہ مقابلے پر وہی پرنسپل بطور امیدوار کھڑے
بھی ہوئے لیکن ان کے بعض ووٹروں کو ایسے ہنگامی حالات
پیش آئے کہ پرنسپل صاحب خود تشریف لے گئے۔ کلائی پکڑنے
کا شوق تھا۔ عاجز کے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں جو کلائی
پکڑنے میں حضورؒ کے مقابلے پر پورا اترا ہو۔ عاجز کی کلائی دو
انگلیوں سے چھڑا دیتے۔ شکار پر تشریف لے جاتے ہم سے
حماقتیں سرزد ہوتیں لیکن چشم پوشی فرماتے۔ ایک مرتبہ عاجز
نے تیتر کے شکار کے دوران چار نمبر کا کارتوس استعمال کر لیا۔
اور کچھ چھرّے ایک بچے کے گال میں جا لگے۔ اس کی ماں نے
شور مچایا۔ کچھ رقم دے دلا کر اسے خاموش کیا۔ عاجز کا اصرار
تھا کہ یہ چھرّے میری بندوق سے نہیں چلے۔ جب اگلے دن
اس بچّے کے گال سے دبا کر چھرّے نکالے گئے تو وہ چار نمبر ہی

کے تھے۔ ایک دفعہ بھی نہ فرمایا کہ عاجز کی غلطی تھی نہ کبھی دوبارہ اس کا ذکر فرمایا۔ شکار پر جاتے وقت تاکید فرماتے کہ بندوق چلانے کی کیا کیا احتیاطیں ہیں۔ واپسی پر بھی فرماتے بندوقیں چیک کر لیں۔ حضور نے ایک خود کار بارہ بور کی بندوق خریدی۔ اس میں پانچ کارتوس پڑتے تھے۔ عاجز کو بھی جیسے اللہ میاں نے چھت پھاڑ کر دی ہو اس کے ساتھ کی ایک بندوق دلا دی۔ بہت خوش ہوئے۔ اس کا نام پم پم رکھا ہوا تھا۔ حضور نے تو جلد ہی اور بندوق سولہ بور کی لے لی۔ ایک دفعہ شکار سے واپسی ہونے لگی۔ میں نے بندوق کو زمین کی طرف کر کے گھوڑا دبایا تو دھماکہ ہو گیا۔ اس پر حضور صرف مسکرا دیئے۔ لیکن اور دوست نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ اور مجھ پر فقرے کسنے شروع کر دیئے۔ اور ساتھ ہی اپنی ۲۲ رائفل کو چیک کرنے کے لئے اس کا آسمان کی طرف رخ کر کے چلا دیا تو پھر دھماکہ ہو گیا۔ حضور نے بس اتنا فرمایا احتیاط کا یہی فائدہ ہے۔ اور کچھ بھی تو نہ کہا۔ نہ اس وقت نہ بعد میں۔ اگرچہ مرتے تک دیگر اراکینِ قافلہ ہماری مرمت کرتے رہے۔ شکار کے بہت سے واقعات ہیں جو پھر کبھی بشرطِ زیست بیان ہوں گے۔ یہاں موقع نہیں۔

ادب کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلافِ رائے بھی ہوتا لیکن گستاخی کی نوبت نہ آتی۔ سوائے ایک مرتبہ کے جو سراسر میری شامت اعمال کے نتیجے میں سرزد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ یہ اس جلسہ سالانہ کی بات ہے جو ربوہ کی سرزمین پر پہلی بار منعقد ہوا تھا اور خیموں میں ہوا تھا۔ کالج تو لاہور میں تھا۔ جلسے سے کئی دن پہلے جب ہوسٹل کا قافلہ جلسے کے لئے روانہ ہونے لگا تو خیمے ہمراہ تھے۔ میں نے

بھی خیمے کا کرایہ ان کے سپرد کیا کہ ایک خیمہ میرے لئے اور غیر از جماعت خواتین کے لئے لیتے جائیں۔ اسی طرح ایک ایک خیمے کے لئے مکرم و محترم ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی اور مرحوم چوہدری فضل داد صاحب نے بھی پیشگی رقم ادا کی۔

میں ربوہ کے سٹیشن پر مغرب کے وقت پہنچا۔ میرے ہمراہ خواتین بھی تھیں۔ پلیٹ فارم تو کوئی تھا نہیں۔ ان کو وہیں ریلوے لائن کے پاس بٹھایا اور کالج کے خیموں کی تلاش میں نکلا۔ کہیں کہیں لالٹینیں اور موم بتیاں جل رہی تھیں۔ آخر کالج کے خیمے مل گئے لیکن پتہ چلا کہ ہمارے خیموں پر اور لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ خالی نہیں کر رہے۔ اس پر میرے دوسرے ساتھی بھی پریشان تھے کہ اتنے میں حضور تشریف لے آئے مجھے علم نہ تھا کہ اس سے پہلے بھی اس سلسلے میں اوروں کی حضور سے تکرار ہو چکی ہے۔ لاہور سے چلتے وقت نہ بعد میں ہم نے حضور کی خدمت میں نہ کوئی اطلاع کی تھی اور نہ ہی ان کی ذمہ داری تھی۔ عاجز نے اصرار سے عرض کیا کہ خیمہ خالی کروا کر دیں۔ حضور نے فرمایا کہ میں کس طرح خالی کروا سکتا ہوں۔ اس پر عاجز نے عرض کیا کہ آپ ہم پر رعب نہ ڈالیں۔ بیعت ہم نے حضرت صاحبؓ کی کی ہے۔ آپ کی نہیں۔" عاجز عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً مسکرایا ہوگا کہ کوئی بات نہیں۔ بیعت ان کی بھی کرو گے۔ چنانچہ عاجز چلا گیا اور خواتین کو کہیں نہ کہیں جگہ مل گئی۔ آدھی رات گزر چکی تھی کہ حضرت میر داؤد احمد صاحب مرحوم لالٹین لئے تلاش کرتے ہوئے ہم تک پہنچے اور فرمایا کہ حضور بہت پریشان ہیں کہ آپ کے ہمراہ تو خواتین بھی ہیں جن کا انہیں علم نہ تھا اور ان کے لئے ایک اور جگہ خیمہ خالی کروایا ہے وہاں چلے چلیں۔

عاجز ندامت سے عرق عرق ہو کر رہ گیا۔ صبح حضورؒ سے ملاقات ہوئی۔ عاجز نے معافی مانگنی چاہی تو اس کا موقع تک نہ دیا اور محبت سے سینے سے لگا لیا۔

حضور کی طبیعت میں بے حد شگفتگی تھی۔ ایک طرح کی حقیقی خوشی اور نشاط کی کیفیت ہر وقت چھائی رہتی تھی کیسی ہی غم کی گھٹا کیوں نہ چھائی ہوئی ہو۔ حالات کیسے ہی کرب انگیز کیوں نہ ہوں صبر و تحمل اور وقار کا دامن چھوٹنے نہ پاتا یقین اور ایمان اور سچائی کا سرور طاری رہتا۔ ہمیں اداس دیکھتے تو ہلکے پھلکے معصوم سے فقروں سے ہمارا دل بہلاتے۔ عاجز چائے عادتاً نہیں پیتا۔ دودھ کا عادی ہے۔ اس پر فرماتے چوہدری صاحب اب تک دودھ پیتے ہیں۔ ایک تو کر مقامی بولی بولنے والا۔ سوئینا اس کا نام تھا۔ اسے پیار سے فرماتے۔ سوئیں نا۔ یعنی سونا مت۔ ایک مرتبہ عاجز بار بار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ ہمیں ارائیوں نے بہت تنگ کیا ہے۔ عاجز نے ادب سے عرض کی کہ حضور ارائیں غریبوں نے کیا تنگ کرنا ہے۔ یہ کارنامہ تو مغلوں نے سرانجام دیا ہے۔ فرمانے لگے وہ کیسے۔ عرض کیا جب مغل مسلمان نہیں ہوئے تھے تو یورپ اور ایشیا ان کے سامنے تھر تھر کانپتے تھے۔ مسلمان ہوئے تو شوکت اور ہیبت میں کمی نہ آئی۔ بادشاہتیں سنبھال لیں۔ وہ دَور ختم ہوا تو اب آسمان کی بادشاہت کے وارث قرار پائے۔ ارائیں بیچارے کس باغ کی مولی ہیں۔ حضور مسکرائے اور کچھ اس طرح پیار سے دیکھا کہ سارے غم بھول گئے۔ مرحوم عبدالرحمٰن جنید صاحب حضور کے بچپن کے کلاس فیلو اور ساتھی تھے۔ دونوں میں بہت بے تکلفی تھی۔ کسی بات پر انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرت میاں صاحب (حضورؒ) کا ارشاد ہے۔ کہنے لگے اگر میں حضرت میاں صاحب کی ہر بات مانوں تو کالج کیسے چلے گا۔ حضور نے یہ بات سنی تو مسکرا دیئے۔ جنید صاحب کی وفات کے بعد ان کی بچی کا رخصتانہ ہوا تو قصرِ خلافت سے رخصت فرمایا۔ اسی طرح جس طرح ایک شفیق باپ اپنی بیٹی کو اپنے گھر سے رخصت کرتا ہے۔ عاجز کو کئی مرتبہ قصرِ خلافت میں یاد فرماتے اور ارشاد ہوتا کہ بیاض بھی ساتھ لاؤں۔ ایک مرتبہ طلب فرمایا۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگمؓ اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم بھی تشریف فرما تھیں کچھ غزل نما چیزیں سنیں۔ ایک شعر تھا:۔

سر جھکا کر جو غور سے دیکھا ٭ ہر نئی آرزو پرانی لگی۔

تو فرمایا کہ ہمیں تو۔ یہ غزل بھی بہت پرانی لگی۔ تنہائی والی نظم اکثر سنتے۔ لندن میں ایک شاعر ملاقات کے لئے آئے۔ عاجز کو ارشاد فرمایا کہ تنہائی سناؤ۔ جب سارے جہان کا بوجھ حضورؒ کے کندھوں پر آن پڑا تو ان عظیم مصروفیات کے باوجود پرانے خادم یاد رہتے اور اس الطافِ کریمانہ کی بارش اس عاجز پر تو اور بھی زوروں سے ہوئی اور ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی ستّاری سے عاجز کی پردہ پوشی فرمائے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے عاجز کو یاد فرمایا۔ تقریباً ایک گھنٹہ ارشادات سے نوازتے رہے۔ پھر عربی گھوڑے پر ایک انگریز کی تحریر پڑھنے کے لئے عنایت فرمائی۔ عاجز نے عذر کیا قریب کی نظر والے چشمے ساتھ نہیں لایا۔ تو اپنی عینک مرحمت فرمائی۔ میں خاموشی سے پڑھنے لگا تو مسکرا کر فرمایا بلند آواز سے پڑھو مجھے کیا پتہ آپ پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔ ایک مرتبہ یاد فرمایا۔ شام کا وقت تھا۔ حضورؒ قصرِ خلافت کے باغ میں تشریف فرما تھے اور ایک گھوڑے کو ہاتھ سے چارہ کھلا رہے تھے۔ عاجز

سے ارشاد ہوا۔ تم بھی چارہ کھلا کر دکھلاؤ۔ عاجز نے چارہ صحیح طریقے سے گھوڑے کے منہ میں دیا تو خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس جانور نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت پیار لیا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی پیارا ہے۔ پھر فرمانے لگے تم گھوڑ سواری تو جانتے ہو۔ حضورؒ کو علم تھا کہ بچپن میں عاجز کے بازو اور ٹانگ گھوڑی سے گر کر ٹوٹ گئے تھے۔ عاجز ڈر گیا کہ کہیں ابھی ارشاد نہ ہو کہ اس گھوڑے پر چڑھ کر دکھاؤ۔ عاجز کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا۔ ہاں ہاں کہہ دو کہ گھوڑے کی سواری کرنا بھول گیا ہوں۔ ایک مرتبہ یاد فرمایا۔ عاجز باغ ہی میں حاضر ہوا۔ قینچی سے ایک بڑا گلاب کا پھول توڑ کر عاجز کے بٹن ہول میں لگا کر فرمایا کہ اب جانے کی اجازت ہے یہ انداز حضورؒ کے پیار کا تھا۔ تین مرتبہ بیرون پاکستان ایک خادم کی حیثیت سے رفاقت کا شرف بخشا۔ کالج میں تھا تو بار بار پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرنے کا ارشاد فرما کر دلداری فرماتے۔ بے شمار حماقتیں سفر اور حضر میں سرزد ہوتیں۔ ہمیشہ عفو اور ستاری سے کام لیتے۔ پچھلے سال باسکٹ بال کے ٹورنامنٹ پر عاجز کی شکایت ہوئی تو سزا کو انعام بنا دیا۔ آدھی رات کے وقت عزیز محترم صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب ارشاد لے کر آئے کل سے آپ صبح سات بجے سے لے کر شام کے سات بجے تک پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کئے جاتے ہیں۔ عاجز کی رات نہ جانے کس طرح گذری۔ صبح حاضر ہوا اور بذریعہ فون عرض کی کہ غلام حاضر ہے تو ارشاد ہوا کہ جا سکتے ہیں۔ جا کر کام کریں۔

مکرم پروفیسر محبوب عالم خالد بھی حضور کے کلاس فیلو تھے۔ حضور انہیں تم کہہ کر پکارتے تو ہم لوگ رشک سے کہتے کہ کاش ہمیں بھی تم ہی کہہ کر مخاطب فرمائیں۔ ہمارے ایک رفیق کار تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ کسی کو دعوت پر نہیں بلاتے تھے۔ حضور ۱۹۶۷ء میں سفر یورپ پر تشریف لے گئے تو ربوہ سے کراچی بذریعہ ٹرین سفر فرمایا۔ ایک سٹیشن پر وہ دوست بھی استقبال کے لئے حاضر تھے ہنس کر فرمایا آپ آگے آجائیں۔ فکر نہ کریں میں آپ کو دعوت کی تکلیف نہیں دوں گا۔ اور وہ دوست اس اپنائیت کے اظہار پر نہال ہو گئے۔ لندن مشن ہاؤس کی بات ہے۔ سارے دن کی مصروفیت کے بعد رات کے وقت بھی دیر تک خدام کے درمیان تشریف فرما ہوتے۔ حضرت سیدہ منصورہ بیگمؓ نے فرمایا کہ دیر ہو گئی ہے۔ عرض کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور بارہ بج چکے ہیں۔ حضور نے فرمایا آپ کے بارہ بجے ہوں گے۔ غرض کہ جہاں تشریف فرما ہوتے خوشیاں اور مسرتیں ہی بانٹتے۔ اپنے غم اور ساری دنیا کے غم سمیٹ کر اپنے لئے جمع فرما لیتے۔ اپنے زخم اور دکھ صرف اللہ تعالیٰ کو دکھاتے۔ میں نے ایک مرتبہ لاہور جانے کی اجازت مانگی لیکن بیمار ہو گیا اور لاہور نہ گیا۔ عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا۔ اوہو۔ آج پتہ چلا کہ لاہور سے کیا مراد ہے۔ عاجز عرض کرتا ہے کہ عاجز کے پاس ایک بہت بڑا پلنگ تھا جس پر خاکسار لیٹا ہوا تھا۔ اسی کی طرف حضورؒ نے اشارہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اس پلنگ کا نام ہی لاہور مشہور ہو گیا۔ ایک مرتبہ گل خان مرحوم ایک ڈش کے اوپر خوبصورت سرپوش رکھ کر لائے۔ زور سے عاجز کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ چوہدری صاحب، چوہدری صاحب جلدی کریں ہم نے سمجھا کہ آئس کریم ہے۔ جلدی سے سرپوش اٹھایا تو نیچے

جس کا عجز و نیاز مسلک تھا
مُسکراتا رہا سدا شیوہ

دو معروف صحافیوں جناب م ش (انتہائی بائیں) اور جناب ثاقب زیروی کے ساتھ

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے

اُستاد محترم قاضی محمد اسلم صاحب کے ساتھ

وہ محبت کا اِک

زندہ شاہکار تھا

P.U.O.T.C DETT تعلیم الاسلام کالج ۱۹۵۲-۵۳ء
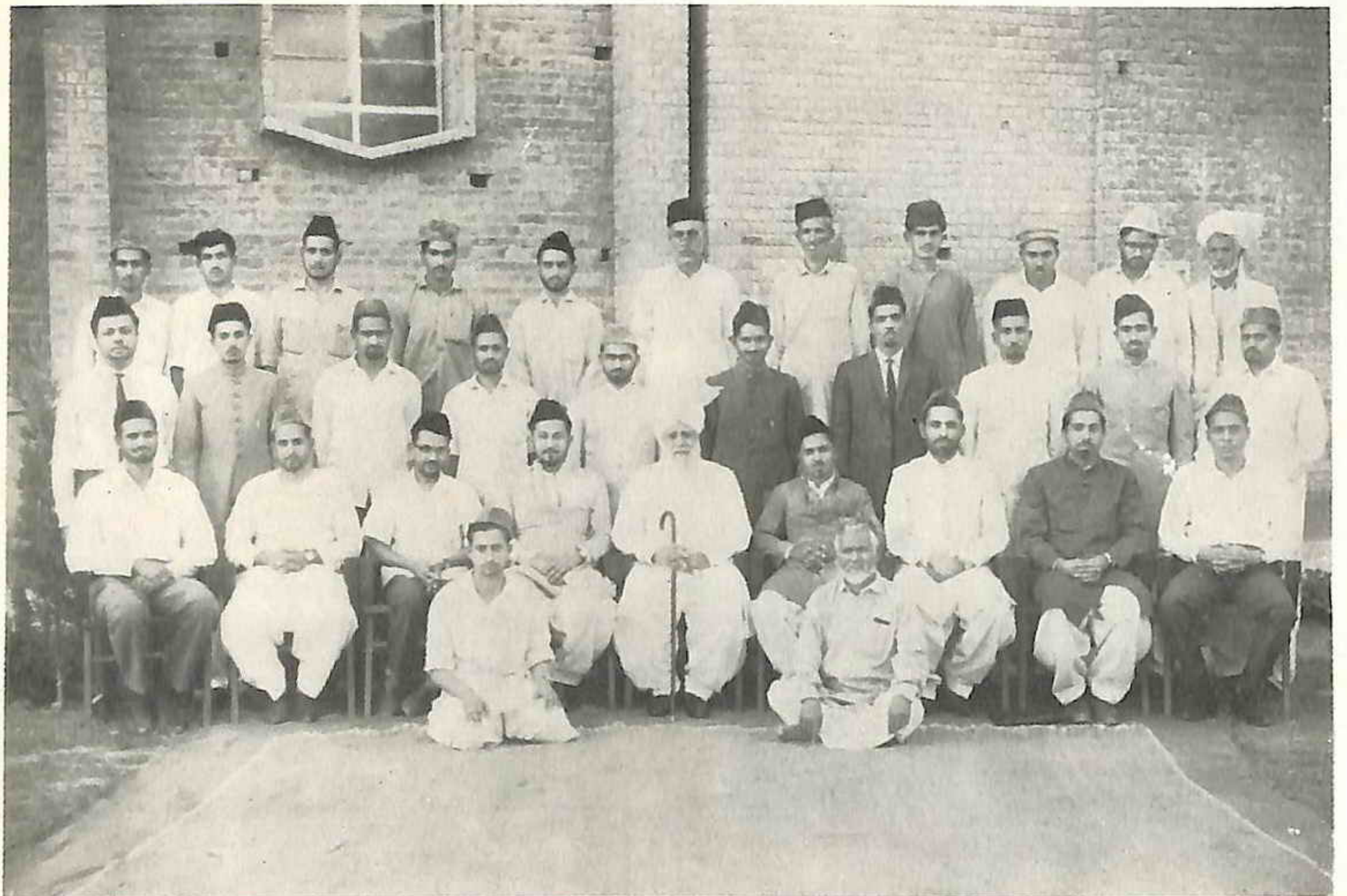
مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۶۸-۱۹۶۹ء و اراکین دفتر مجلس مرکزیہ
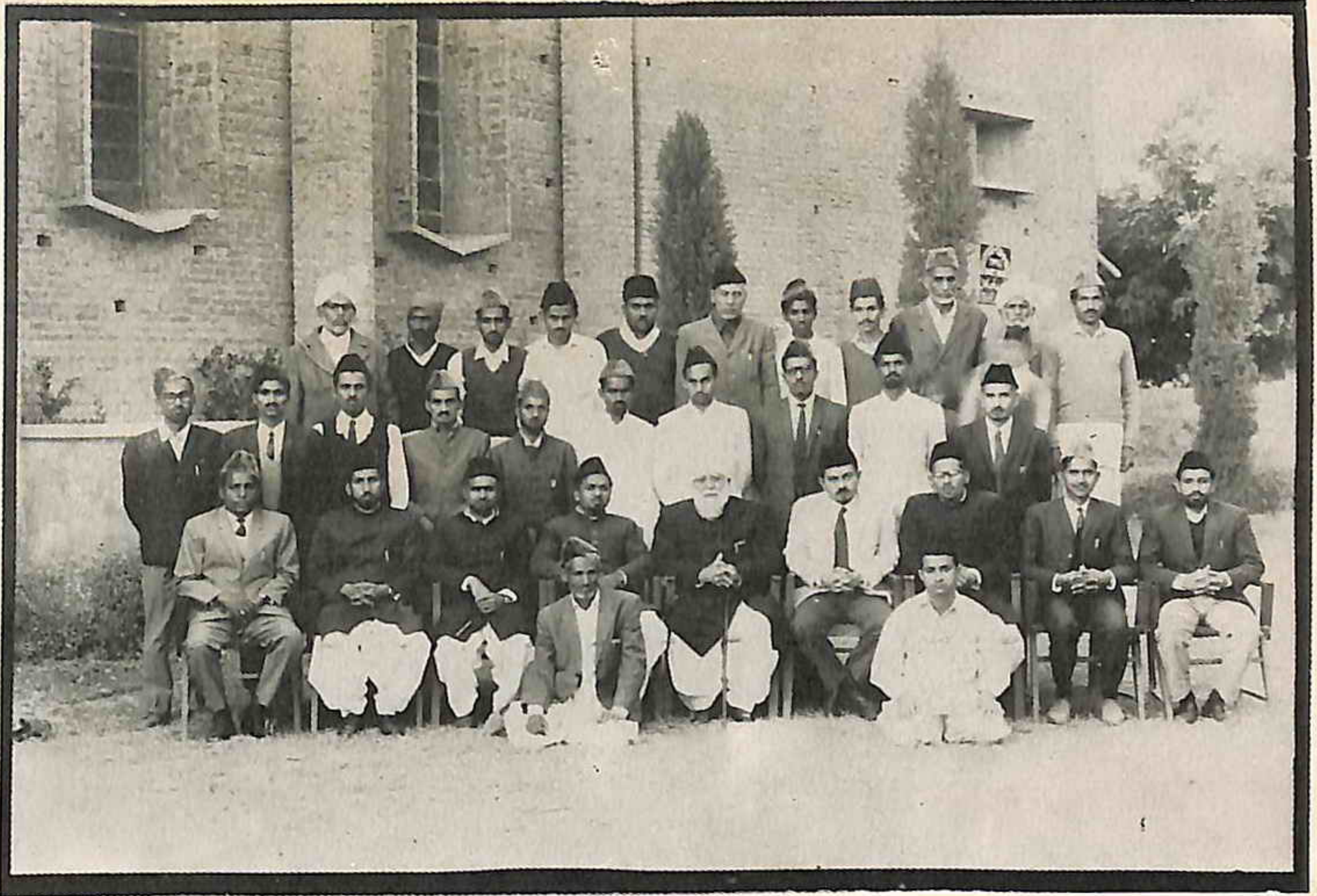
اراکین مجلسِ عاملہ خدام الاحمدیہ ۷۳-۱۹۷۲ کے ہمراہ
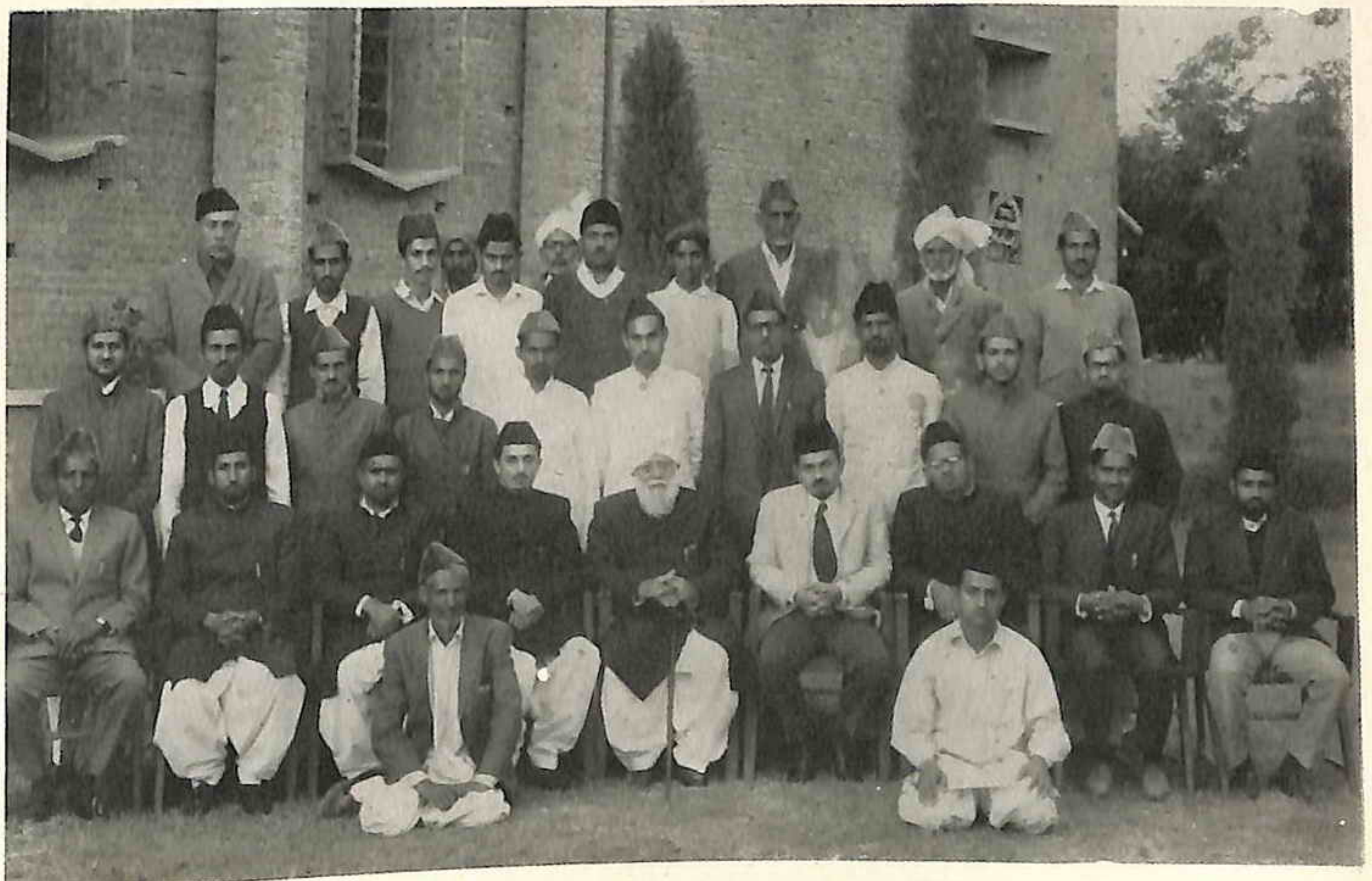
مجلسِ عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ و کارکنانِ دفتر خدام الاحمدیہ کے ہمراہ

روٹی کا سوکھا ہوا ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ عین اس وقت حضورؒ اور حضرت سیدہ منصورہ بیگمؒ دونوں کا مقدس جوڑا حضور کی کوٹھی اور عاجز کی رہائش گاہ کی درمیانی دیوار کے عقب میں سے یہ نظارہ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ حضرت سیدہ بیگم صاحبہؒ کی وفات کے بعد عاجز نے یہ واقعہ حضورؒ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں جب انہوں نے ایک گڑیا بطور دلہن اپنے دست مبارک سے بنا کر بھجوائی تھی۔ اللہ یہ کیسے وجود تھے۔ پاکیزہ، صاف شفاف، برکتیں بانٹنے والے، محسن، غمخوار، غم گسار۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر دنیا کی اصلاح اور دین کی اشاعت کا بوجھ ان پر نہ ڈالتی تو اور کس پر ڈالتی۔ کس کس نعمت اور احسان کا ذکر کروں۔ حضرت سیدہ مرحومہؒ عاجز کے لئے تو ماں سے بڑھ کر وجود تھیں۔ وفات ہوئی تو جنازے کے بعد برادرم مکرم ڈاکٹر سید سلطان محمود صاحب شاہد فرمانے لگے۔ چوہدری صاحب آپ کی والدہ تو آج فوت ہوئیں۔ ربوہ میں دو مواقع پر خواتین کے اجتماعات کے سامنے فرمایا کہ چوہدری صاحب میرے بیٹے ہیں۔ ایک مرتبہ افریقہ میں فرمایا۔ الحمدللہ کہ آج میرے چاروں بیٹے خیریت سے ہیں۔ یہ سب ذرہ نوازیاں تھیں اور ان کے احسان تھے ورنہ میں آلودہ اور حقیر اس الطافِ مادرانہ و پدرانہ کا کس طرح مورد ہو سکتا تھا۔ عجیب آسمانی وجود تھے دونوں۔ عاجز یقین سے کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے ان کو عظیم ترین اور ارفع ترین منصب کے لئے نہ چن لیا ہوتا۔ یہ مقدس جوڑا کسی اور زمانے میں پیدا ہوتا تو لوگ ان کی باہمی محبت کی داستانیں سنایا کرتے۔ جس طرح دل کے ساتھ نبض دھڑکتی ہے اسی طرح حضرت سیدہؒ نے حضورؒ کے ساتھ ساری زندگی اسی طرح گذاری۔ اگر گھر کے متعلق کوئی چھوٹی سی بات بھی ہوتی تو فرماتے کہ منصورہ بیگم سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ حضرت سیدہ موصوفہؒ حضورؒ کے لئے ایک کھانا ضرور اپنے دست مبارک سے تیار فرما کر پیش کرتیں۔ اگرچہ گھر میں حضرت بابا رحم دینؒ جیسے باورچی موجود تھے جو اپنے زمانے میں سارے برصغیر میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضورؒ ایک مرتبہ گرمی کی تعطیلات کے دوران بیمار ہو گئے۔ حضرت سیدہؒ ان دنوں ساتھ نہ تھیں۔ یہ بھی ایک طرح کا دل کا حملہ تھا۔ صاحبزادہ میاں انس احمد صاحب سلمہ، نے بھاگ کر عاجز کا دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا کہ ابا کو دل کا حملہ ہوا ہے۔ عاجز کی والدہ محترمہ کو یہی تکلیف تھی۔ کچھ ادویہ گھر پر موجود تھیں۔ حضور کی نبض بے حد تیز تھی اور بے چینی تھی۔ عاجز نے کورامین کے قطرے دیئے۔ پائینتی کو اونچا کیا۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی خدمت میں فون کیا۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب مرحوم آگئے۔ انہوں نے کورامین پھر دی۔

ان دنوں سیلاب آیا ہوا تھا اور ربوہ میں اشیائے خوردنی کی بھی قلت تھی کہ اچانک کچھ فوجی افسر غیر از جماعت سیلاب میں گذرتے ہوئے ربوہ پہنچ گئے۔ اور حضورؒ کی کوٹھی پر سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ حضورؒ نے فرمایا کہ مہمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست کریں۔ حضورؒ کو یہ فکر کہ حضرت سیدہؓ گھر پر نہیں ہیں مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ بابا جی نے صرف چنوں کی دال اور گوکلی اور آلوؤں کی مدد سے کئی کھانے تیار فرما دیئے اور اتنے لذیذ کہ مہمان تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مہمان تسلی بخش طور پر کھانا کھا چکے تو حضور کی تسلی ہوئی۔

حضرت سیدہؒ بے حد صفائی پسند تھیں۔ ایک دفعہ ہماری

ہائکنگ کلب آزاد کشمیر سے کاغان کے راستے ایبٹ آباد واپس پہنچی۔ اسی دن حضورؒ اور حضرت سیدہؒ ایبٹ آباد پہنچے۔ ابھی سامان نہیں پہنچا تھا۔ فرمایا کہ برتن ابھی پہنچے نہیں۔ اپنے ہائکنگ کے برتنوں میں ایک بڑا دیگچہ ہمیں عاریتاً دیتے جائیں چنانچہ ہم نے اپنی دانست میں اپنا بہترین دیگچہ خوب صاف کیا اور دے کر چلے گئے۔ ہم ربوہ پہنچے تو تقریباً ہمارے معاً بعد ایک نوکر وہ دیگچہ لے کر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ ساتھ حضرت سیدہ موصوفہؒ کا تحریری ارشاد تھا کہ دیگچے کا شکریہ۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اس دیگچے کو عجائب گھر میں رکھوا دیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ حضور کے دولت کدے پر عاجز ڈرائنگ روم کے ساتھ والے بڑے کمرے میں کواڑ کے پاس بیٹھا حضورؒ کی صاحبزادیوں میں سے ایک کو غالباً صاحبزادی سیدہ امۃ الشکور بیگم سلمہا کو پڑھا رہا تھا۔ کواڑ کے دوسری جانب گیلری میں صاحبزادی صاحبہ موصوفہ تشریف فرما تھیں۔ عاجز ہاتھ ہلا ہلا کر لیکچر دے رہا تھا اور عاجز کا ہاتھ کواڑ کے باہر سے نظر آتا تھا۔ اچانک میرا ہاتھ کسی نے پکڑ لیا۔ میری چیخ نکل گئی۔ اس پر حضورؒ اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم بلند آواز سے ہنس پڑے۔ میرا ہاتھ دراصل حضورؒ نے مذاقاً پکڑ لیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ جس طرح اِس دنیا میں ان کے مبارک قدموں میں جگہ عنایت کی اُس دنیا میں حشر بھی انہی کے قدموں میں ہو۔

کالج اور یونیورسٹی کے پس منظر میں تو حضور کی مقبولیت اور محبوبیت کا اندازہ تو ہم سب کو تھا لیکن خدام الاحمدیہ کے اجتماعات کی شوریٰ کے موقع پر اور کبھی کبھی دیگر مواقع پر یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ ایک طبقہ ایسا ہے جن کو خدا واسطے کا حضورؒ سے بیر ہے۔ حضورؒ کی مظلومیت کا کچھ علم خاکسار کو ہوا جب ایک نہایت غلیظ گالیوں سے بھرا ہوا خط کسی نے مجھے لکھا جسے میں برداشت نہ کر سکا۔ اور وہ خط حضور کی خدمت میں پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے ہوسٹل، باسکٹ بال اور دیگر فرائض سے فارغ فرمایا جائے۔ حضورؒ مجھے رہائش گاہ پر لے گئے۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ والی سٹڈی میں بٹھایا۔ اندر تشریف لے گئے اور ایک بستہ لا کر میرے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھو۔ میں نے پہلا خط ہی تھوڑا سا پڑھا تھا کہ تاب نہ لا سکا۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دماغ چکرا گیا اور سوچا کہ یہ حسین و جمیل مسکراتا ہوا شگفتہ خوشبودار پھول اندر سے کتنا مظلوم ہے حضور کے وقار اور صبر کی عظمت کی ہیبت دل پر طاری ہوئی معافی مانگی تو فرمایا کہ اپنی ڈیوٹی پر دلیری سے جمے رہنا ہی اصل بہادری ہے۔ حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ کتنا ہی کیچڑ اچھلے، اپنے فرضِ منصبی پر دلیری سے قائم رہیں۔ پھر تو یہ معمول ہو گیا۔ کہ ڈاک کھولتے تو کوئی نہ کوئی ایسا ہی خط تھما دیتے یہاں تک کہ عاجز فریاد کر اُٹھا۔

یہ تفصیل کہاں تک بیان کروں۔ پہلے ہی اندازے سے تجاوز کر چکا ہوں۔ یہ سطور صرف حافظے کی مدد سے لکھی ہیں۔ جہاں حضور کی طرف الفاظ منسوب کئے ہیں وہ بھی حافظے سے لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور کا اہل بنائے اور سب فروگذاشتیں معاف فرمائے اور ہم سب کو خلافت حقہ راشدہ کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی توفیق دے اور انجام بخیر فرمائے۔ آمین۔

———— ⁂ ————

رفتید ولے نہ از دلِ ما

چند منتشر یادیں

محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ

مَیں قادیان کا رہنے والا نہیں۔ غالباً چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا جب پہلی دفعہ قادیان جلسہ سالانہ پر گیا۔ میرا تأثر یہ ہے کہ اُس زمانہ میں آج سے پچاس پچپن سال پہلے ہمارے والدین تربیت کے لئے یہ ضروری خیال کرتے تھے کہ بچّوں کو نیک اور صالح بزرگوں سے متعارف کرایا جائے۔ دُور سے ہی کوئی بزرگ آتے دکھائی دیتے تو میرے دادا چوہدری علی بخش صاحب اشارہ کر کے کہتے وہ فلاں ہیں جماعت میں ان کا بڑا مقام ہے۔ اسی غائبانہ تعارف سے "ہمارے حضرت صاحب کے بڑے بیٹے میاں ناصر احمد صاحب" کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھا۔ پاس جا کر کھڑا ہونے یا بات کرنے کی جرأت تھی نہ سوال کی۔ ان کی ظاہری شکل وصورت تقوٰی و طہارت کی نشان دہی کرتی تھی۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایک مذہبی جماعت کے سربراہ کے فرزندِ ارجمند ہونے کے باوجود عام پیروں کی اولاد سے مختلف نظر آئے۔ از حد خوش شکل، خوش لباس، رواجِ زمانہ کے خلاف خوبصورت داڑھی، چال میں میانہ روی، گفتار میں متانت اور وقار۔ غرض مردانہ اوصاف کا حسین وجمیل امتزاج تھے اور یہی نقش میرے قلب پر آج تک ثبت ہے۔

غالباً ۱۹۴۴ء کا ذکر ہے مَیں نئی دہلی میں ملازم تھا اور خدام الاحمدیہ کی مجلسِ عاملہ کا ممبر۔ آپ کی بیگم سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ بیمار ہوئیں آپ ان کو لے کر بغرض علاج دہلی تشریف لائے اور نئی دہلی میں اِنڈین لیجیسلیٹو اسمبلی کے ممبران کے رہائشی کوارٹرز میں قیام فرما ہوئے۔ کبھی کبھی خدام الاحمدیہ کی مجلسِ عاملہ کو یاد فرما لیا کرتے۔ بچپن کے دُھندلے نقوش ان ملاقاتوں میں کچھ روشن ہونے لگے۔ صاحبزادہ صاحب اپنی خاندانی وجاہت کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر تھے مَیں دیہاتی گنوار۔ مگر مَیں نے محسوس کیا کہ بظاہر اس معاشرتی بُعد المشرقین کے باوجود ہمارے درمیان فاصلہ کم تھا۔ عام لوگوں کے ساتھ مِلنا جُلنا اُٹھنا بیٹھنا ان کو پسند تھا اور طبقاتی فرق بالکل ناپید۔

۱۹۴۵ء میں زندگی وقف کر کے مَیں قادیان آگیا

اِس دوران چند ماہ کے لئے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مجلسِ عاملہ میں مہتمم وقارِ عمل رہا۔ مجھے ایک اجتماعی وقارِ عمل کرانے کا موقع ملا جس میں انہوں نے بھرپور حصّہ لیا۔ سارا وقت ٹوکریاں اُٹھاتے ساتھ رہے اور مرکزی روایات سے ناواقف مہتمم وقارِ عمل کو ناتجربہ کار ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ ان کا قد وقامت میری نظر میں اَور بلند ہوگیا۔

غالباً ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۳ء کا ذکر ہے آپ تعلیم الاسلام کالج لاہور کے پرنسپل تھے مَیں لنڈن میں امام مسجد۔ ان کی طرف سے مجھے ایک خط ملا جس میں بعض اشیاء بھجوانے کے لئے کہا تھا جن کی قیمت میرے ایک سال کے الاؤنس سے بھی زیادہ تھی۔ مَیں نے خط لکھا کہ اگر مَیں ایک سال محض ہوا پر گذارہ کروں تو بھی تعمیلِ ارشاد نہیں کر سکتا۔ میرے ایک ساتھی نے ایسا خط لکھنے سے منع کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو اِس طرح نہ لکھیں مگر مجھے مشورہ دینے والے بھی میری طرح تہی دست تھے۔ بیم و رجا کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ مَیں نے ردِّ عمل کا انتظار کیا۔ نہ صرف جواب آیا بلکہ جواب حوصلہ افزا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ دفتری کلرک کی غلطی نے یہ تأثر پیدا کیا ہے کہ شائد مَیں نے بِل ادا کرنا ہے حالانکہ ایسا نہیں حقیقت صرف اِتنی تھی کہ ایک ایسی فرم کو کالج کی طرف سے بعض اشیاء کی فراہمی کیلئے لکھا گیا ہے جس سے پہلے بھی سامان آتا ہے۔ کلرک کو یہ کہا گیا تھا کہ آپ کو لکھ دے کہ فرم کو کہہ کر جلدی بھجوا دیں ادائیگی پہلے بھی قانون کے مطابق بنک کے ذریعہ ہوتی ہے اب بھی ہوگی۔ اس خط کی جان ایک فقرہ تھا جس کے اصل الفاظ تو تیس سال گذرنے کے بعد صحیح یاد نہیں مگر کچھ اِس قسم کے تھے کہ آپ کی صاف گوئی سے خوشی ہوئی ہے مَیں بھی واقفِ زندگی ہوں اپنے آپ پر آپ کی حالت قیاس کر سکتا ہوں۔ مجھے اِس سے ازحد اطمینان ہوا اور وقف کے کٹھن مراحل بھی بہت آسان ہوگئے۔

۱۹۵۵ء میں انگلستان سے واپسی پر میری تقرری صدر انجمن احمدیہ میں ہوئی۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل ہونے کے ساتھ صدر انجمن احمدیہ کے صدر بھی تھے۔ دفتری امور میں ان سے واسطہ رہتا۔ ایک دن میرے ایک انتہائی گہرے دوست کا خط لے کر اس کا بھائی آ گیا۔ کالج میں داخلے کا وقت گذر چکا تھا میرے دوست کا حکم تھا "داخلہ بند ہو جانا کوئی عذر قابلِ سماعت نہیں ہر صورت داخل کرانا ہے ورنہ ...." مَیں اس عزیز بچّہ کو لے کر کالج چلا گیا۔ زبان سے کچھ نہ کہا وہ خط آگے رکھ دیا۔ پڑھ کر اس بچّہ کو مخاطب کر کے فرمایا اِس خط سے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کے بھائی ہمارے باجوہ صاحب کے قریبی دوست ہیں گو داخلہ کا وقت گذر چکا ہے مَیں اِس دوستی میں پھیک نہیں پڑنے دوں گا آپ آجائیں داخلہ کی کوئی صورت ہو جائے گی۔ ایک اَور رعائت بھی دیتا ہوں اور وہ یہ کہ داخلہ کے وقت والد یا سرپرست کا ساتھ آنا ضروری ہوتا ہے آپ کو اِس سے بھی چھُٹی آپ اپنے والد یا بھائی کو تکلیف نہ دیں۔ اس کے بعد کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مَیں کسی امیدوار کو لے کر گیا تو مُسکرا کر دریافت فرمایا اگر داخلہ نہ ہو تو کوئی دوستی تو خطرہ میں نہ ہوگی۔

دل تو پہلے ہی فدا تھا نومبر ۱۹۶۵ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہونے پر ان کے ہاتھ پر جان بھی فدا کرنے کا عہد کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے آخری دم تک محض اپنے بے پایاں فضل و احسان سے اس پر قائم رکھا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

۱۹۶۶ء کے وسط میں میری عارضی تقرری بطور پرائیویٹ سیکرٹری ہوئی۔ احساسِ ذمہ داری سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس دفتر میں حاضری دی مگر حضور کے تلطف سے یہ کیفیت دُور ہوگئی۔ گرمیوں کے دن تھے دفتری اوقات دوپہر تک ہوتے تھے مَیں گھر چلا گیا۔ فون کی گھنٹی ہوئی دوسری طرف حضور تھے۔ فرمایا جلدی چلے گئے۔ مَیں واپس دفتر آگیا میری میز پر کھانا پڑا تھا۔ دوسرے دن دفتر سے اُٹھ کر چلا گیا پیچھے پیچھے ایک آدمی کھانا لیکر گھر آگیا۔ تیسرے دن دفتر بند ہونے سے پہلے اندر سے ایک خادم یہ پیغام لے کر آیا کہ دفتر بند ہونے پر نہ اُٹھوں پھر کھانا آگیا اور یہ نوازش ۱۹۷۳ء کے آخر تک کہ مَیں اس دفتر میں رہا جاری رہی۔ مَیں یہ حُسنِ سلوک نہیں بھول سکتا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ مَیں اپنے ذوق کے مطابق خیال کرتا ہوں کہ ایسا نپے تُلے کھانے کے متعلق ہے میرے لئے جو کھانا آتا وہ اس سے بھی وافر ہوتا تھا۔ ان دنوں اجتماعی ملاقات کا رواج نہ تھا ہر روز شرفِ ملاقات کے لئے احباب کثرت سے آتے تھے شاذ ہی ایسا ہوا ہوگا کہ میرے ساتھ تین چار احباب کھانے میں شامل نہ ہوں۔ حضرت مسیح پاک نے جو روحانی مائدہ تقسیم کیا اس سے تو انہوں نے حصّہ پایا ہی ہوتا تھا حضور کے اس مادی دستر خوان سے حصّہ پاکر ان کے دل تشکّر و امتنان کے جذبات سے بھر جاتے تھے۔ میرے دفتر کے ساتھ حضور کا انٹر کام کے ذریعہ رابطہ تھا کئی دفعہ ایسا بھی ہُوا کہ حضور نے انٹر کام پر دریافت فرمایا کون کون پاس بیٹھا ہے اور پھر مزید کھانا بھجوا دیا۔ یہ اُسی مسیحِ دَوراں کے "موعود نافلہ" کا دستر خوان تھا جس نے کہا تھا ؎

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکْلِیْ
وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

ہر سوسائٹی میں چھوٹے موٹے جھگڑے رہتے ہیں۔ جماعت میں قضاء کا مؤثر نظام رائج ہے لین دین کے معمولی نوعیت کے جھگڑے وہاں طے پاتے ہیں۔ اگر فیصلہ کے بعد کوئی فریق انحراف کرے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایسا شخص عملاً احمدیت سے دُور چلا گیا ہے۔ ایک ایسے ہی معاملہ میں ایک شخص معمولی رقم ادا نہیں کر رہا تھا مَیں نے قواعد کے مطابق تعزیری کارروائی کی سفارش کی۔ حضور نے مجھے یاد فرمایا اور اپنی جیب سے وہ رقم میرے ہاتھ میں دے دی کہ دوسرے فریق کو ادا کر دی جائے اور فرمایا کہ اتنی معمولی رقم کے لئے مَیں یہ خیال کروں کہ کوئی احمدی نہیں رہا اس پر انشراح نہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کے متعلق ایسا ہی فیصلہ کیا گیا۔ عصر کے وقت مجھے گھر سے بُلا کر دریافت فرمایا کہ اعلان ہوگیا

ہے کہ نہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ فرمایا روک لیں وہ شخص اپنی ضعیف والدہ کو لے آیا ہے اس کو بُلا کر کہیں کہ ۴۰/- روپیہ ماہوار دیا کرے اور ۴۰/- روپیہ ماہوار میری طرف سے ملا کر ۸۰/- روپیہ ماہوار اس کے قرض میں ادا کر دیا کریں۔

نظامِ اسلام کے نفاذ کا عمل انسان کی اپنی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔ حضور کی خلافت کا زمانہ احیائے اسلام کی بھرپور جدّ وجہد سے عبارت تھا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات اس کاوش کی عکاسی کرتے ہیں۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور ان کے بوجھ اُٹھاتے تھے۔ حضور اسلام کا عملی نفاذ چاہتے تھے اور محروم طبقہ کے متعلق آپ کو خیال تھا کہ اس کا حق اس طرح اسے ملے کہ اس کی عزتِ نفس بھی قائم رہے اور جس بوجھ کے نیچے وہ دبا ہوُا ہے اس سے وہ آزاد ہو جائے۔ آپ نے اپنی تقاریر اور خطبات میں اکثر اسلامی تعلیم کی برتری اور خوبی کے متعلق بیان فرمایا کہ سائل کا تو حق ہے ہی لیکن اسلام نے محروم کا حق بھی قائم کیا ہے۔ محروم کا حق قائم کرنے کیلئے مُٹھیاں بھر کر دینے کا عملی نمونہ اُس سے ظاہر ہوُا جس کے دادا نے احیائے اسلام کی مہم میں دو دو آنہ دینے والوں کے نام اپنی کتب میں محفوظ کر کے ان کو جریدۂ عالم میں دوام بخشا ہے۔

ایک دفعہ ایک ایسے فرد کے متعلق جو حضور سے اپنے تعلق کا اظہار کیا کرتا تھا کسی نے شکایت کی۔ مجھے بُلا کر فرمایا کہ ان کو لکھ دیا جائے

لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ

چنانچہ شکایت کرنے والے کی شکایت فوراً دُور ہوگئی۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ رضی اللہ عنہم نے فاطمہ نامی ایک خاتون کے چوری کرنے پر اس کے حق میں سفارش کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنتِ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا۔ ایسے اخلاقِ فاضلہ کا اظہار اللہ والوں سے ہی ہوتا ہے۔

۱۹۷۰ء میں مجھے حضور کے سفرِ افریقہ و یورپ میں ہمرکاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہسپانیہ کے لئے حضور کے دل میں نرم گوشہ تھا غرناطہ سے واپس میڈرڈ آرہے تھے راستے میں شاہراہ سے ہٹ کر بائیں طرف اُونچی جگہ ایک پُرانا قلعہ نظر آیا جو اب آثارِ قدیمہ میں تبدیل ہو چکا تھا حضور کی کار اُدھر مُڑ گئی کوئی پروگرام نہ تھا اُوپر جا کر کار رُک گئی۔ دیر تک ان کھنڈرات میں گھومتے رہے۔ پھر مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حکومت کو درخواست دیں یہ جگہ مقاطعہ پر دے دیں ہم پانچ دس پونڈ سالانہ کرایہ ادا کرتے رہیں گے اور یہاں ڈیرہ لگا لیں۔ مَیں نے عرض کیا ایسی جگہوں پر لوگ کہتے ہیں جِن بھوت رہتے ہیں۔ فرمایا اِس بلند مقام پر کھڑے ہو کر جب ظفر صاحب کی آواز میں پانچ وقت ربِ جلیل کا نام فضا میں گونجے گا تو کیا کوئی جِن بھوت رہے گا وہ تو سارے ملک سے نکل جائیں گے۔ پھر ہم طلیطلہ میں رُکے۔ مجاہدینِ اسلام کے نقوشِ پا کی تلاش میں شہر کے گلی کوچوں میں گھومے۔ اس مسجد میں گئے جس جگہ طارق بن زیاد نے پہلی نماز ادا کی تھی۔ تاریخ اسلام کی

ورق گردانی کرتے ہوئے حضور خاموش ہوگئے اور پھر مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر کو فرمایا کہ حکومت کو درخواست دیں کہ یہ مسجد بیس سال کے لئے ہمیں دے دی جائے ہم اسکی حفاظت کریں گے اور اللہ کا نام بلند کریں گے اتنے عرصہ میں شائد اللہ تعالیٰ کوئی اور راہ کھول دے۔ اس مسجد کے حصول کے لئے کوشش ہوئی لیکن کامیابی نہ ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے حضور کی تضرعات کو سُنا اور بپایۂ قبولیت جگہ دی اور بیس سال کی بجائے دس سال کے بعد ہی توفیق عطا فرمائی کہ اپنے دستِ مبارک سے سرزمینِ ہسپانیہ میں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھیں جس سے اب اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کا اعلان ہوتا ہے۔

ایک دن میں پاس بیٹھا ڈاک پیش کر رہا تھا۔ محترم سید داؤد احمد صاحب مرحوم تشریف لائے علیک سلیک کے بعد کہنے لگے بھائی کیا آپ کو باجوہ صاحب نے بتایا ہے کہ ان کا بیٹا بی۔اے میں پاس ہوگیا ہے (اُس دن نتیجہ نکلا تھا) فرمایا نہیں۔ اور دریافت فرمایا باجوہ صاحب کیا منیر پاس ہوگیا ہے۔ محترم سید داؤد احمد صاحب کے کہنے کے بعد مجھ سے تصدیق بھی ایک پیار کا انداز تھا پھر فرمایا اَب کیا ارادہ ہے۔ مَیں نے عرض کیا جو حضور فرمائیں۔ اس میں برکت ہوگی۔ یہ ذکر یہاں ہی ختم ہوگیا۔ تین چار ہفتہ کے بعد حضور کا ایک دوست جو ایک بنک کا بڑا افسر تھا ملنے آیا۔ وہ جب باہر نکلا تو مجھے کہا اپنے بیٹے کو کسی وقت میرے پاس بھیج دیں اور وہ چلا گیا۔ اس نے مجھ سے کوئی کوائف دریافت نہ کئے۔ ایک دن میرا بیٹا اس کے پاس گیا اور تقرری کا پروانہ لے کر واپس آگیا۔ یہ تَعۡرِفُھُمۡ بِسِیۡمٰھُمۡ کی عملی تفسیر تھی۔

مَیں خادم آپ مخدوم تھے۔ خدمت میں تساہل، تغافل اور کوتاہی لاشعوری طور پر سرزد ہوتی ہے مگر آپ نے ہمیشہ لُطف و احسان کا سلوک فرمایا۔ اگر ناراضگی بھی ہوئی تو میرے سامنے اس کا اظہار نہ فرمایا بلکہ چشم پوشی فرمائی۔ مَیں سمجھ لیتا کہ عدمِ اظہار بھی ایک صورت اظہار کی ہے۔ ناراضگی دُور ہونے پر بھی کبھی اظہار نہ فرمایا گویا ؎

میرے خدا نے رکھ لی میری بے کسی کی شرم

عزیزم مرزا فرید احمد نے مجھے بتایا کہ حضور کی ایک ڈائری میں حضور کا ایک خواب درج ہے جس میں میرا ذکر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ اس کے متعلق ایک غلط فہمی ہوگئی تھی جو دُور ہوگئی ہے۔ میرے محسن آقا اللہ تعالیٰ کی رضا کی ابدی جنّتوں میں آپ کا بسیرا ہو۔ آمین۔ ؎

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دِل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

ناصرِ دین

(مکرم شبیر احمد صاحب)

رکھے گا زمانہ یاد اُسے جو ناصرِ دیں نے کام کیا
شمشیرِ محبت سے اُس نے دشمن کے بھی دل کو رام کیا

وہ صبر و رضا کا پیکر تھا دُکھ درد کو ہنس کر سہتا تھا
یوں خُلقِ محمدؐ کو اس نے اپنا کے جہاں میں عام کیا

اللہ رے غلبۂ دیں کے لیے وہ قربانی وہ جوشِ جنوں
اس رہ میں جگر کو خون کیا ہر لحظہ کیا ہر گام کیا

ابلاغِ صداقت کی خاطر دن رات رہا وہ محوِ سفر
تثلیث کے گہواروں میں بھی توحید کا اونچا نام کیا

مخلوقِ خدا کی خدمت کے سامان جہاں میں عام کئے
جو کچھ بھی دیا بے لوث دیا جو کچھ بھی کیا بے دام کیا

ہر ملک میں نُورِ قرآں کو پھیلانا تھا مطلوب اُسے
اِک جُہدِ مسلسل تھا اس نے ہر صبح کیا ہر شام کیا

کیا کہنے اس کی سخاوت کے ہر اک پہ رہا مائل بہ کرم
شبیر سے نالائق پر بھی احسان کیا اکرام کیا

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ

ستارہ بدرخشید و ماہ مجلس شد
دل رمیدۂ مارا انیس و مونس شد

ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا ⁂ ہمارے وحشی دل کیلئے انیس اور مونس ہو گیا

مکرم کرنل داؤد احمد صاحب
ربوہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ ان پاک اور معصوم لوگوں میں سے ہیں جن کی بشارت پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں بھی آپ کے متعلق یوں آیا ہے۔

۱- اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ۔
(ممکن ہے کہ اس کی تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا پیدا ہو کیونکہ نافلہ پوتے کو بھی کہتے ہیں یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو) تذکرہ صفحہ ۶۰

۲- اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ لَّكَ نَافِلَةً مِّنْ عِنْدِیْ

۳- انا نبشرک بغلام حلیم
(تذکرہ صفحہ ۷۳۰ ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء)

۴- "خواب میں دیکھا کہ ایک پانی کا گڑھا ہے۔ میاں مبارک احمد اس میں داخل ہوا اور غرق ہو گیا۔ بہت تلاش کیا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر آگے چلے گئے۔ اس کی بجائے ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے"۔

سیدنا اخی المکرم کی سیرت پر لکھنا کچھ آسان نہیں۔ آپ کے حالات اور آپ کی سیرت، آپ کے والد حضرت مصلح موعود) کی سیرت کے ساتھ اس طرح مربوط ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر غور کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خلافت اصل میں حضرت مصلح موعود کی خلافت کا ہی تسلسل اور تتمہ تھی۔

حضرت مصلح موعود کی شدید بیماری کے دوران اور خصوصاً حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی وفات کے بعد آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ اس تمام عرصہ میں حد درجہ وفا اور نہایت اعلیٰ تابعداری کا نمونہ آپ نے دکھایا اور حضرت مصلح موعود کو تمام جماعتی امور سے باخبر رکھا۔ آپ کے تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے آپ کے ارادوں اور عزائم اور خیالات کو خوب پڑھ سکتے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی چھپن سالہ تربیت نے مس خام کو کندن بنا دیا تھا۔ اسی لائحہ عمل پر چلے جس کا خاکہ حضرت مصلح موعود کھینچ چکے تھے۔ پھر تقدیر الٰہی کے مطابق آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس بات کی عملی شہادت مل گئی کہ حضرت مصلح موعود اور سیدنا اخی المکرم کی خلافت ایک دوسرے سے کتنی پیوست ہے گویا کہ باپ اور بیٹے کی خلافت کا ستر سالہ دور ایک ہی تھا۔ سلسلہ کے بعض خادموں نے ایسی خوابیں بھی دیکھیں جن سے یہی تفہیم ہوتی تھی۔ گویا یہ ستر سالہ خلافت حضرت مصلح موعود کی ہی تھی۔ ان دونوں میں جدائی نہ تھی۔ صرف مخدوم اور خادم کا فرق تھا۔ لیکن خادم نے بھی اپنے آپ کو مخدوم میں جذب کر کے یکسانی اور یکرنگی اختیار کر لی تھی۔

سیدنا کی سیرت چند صفحات میں بیان کرنا واقعی بڑا مشکل کام ہے۔ جبکہ اس کے مشاہدہ کا دَور ۶۵ / ۶۶ سال پر پھیلا ہوا ہو۔ اور دَور بھی ایسا ہنگامہ خیز کہ الاماں! الحفیظ۔ مخالفتوں کا سیلاب جو ۱۹۴۷ء سے شروع ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں قید و بند کے مصائب۔ ۱۹۵۶ء کا اندرونی فتنہ جس کے ہدف آپ ہی تھے۔ حضرت مصلح موعود کی بیماری اور نیابت ۱۹۶۵ء میں خلافت کا انتخاب جبکہ بعض اندرونی فتنے سلگ رہے تھے اور بعض لوگ مرکز کے اختیارات پر اعتراضات کر رہے تھے۔ پھر ۱۹۷۴ء کا ابتلاء۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت کا بے پناہ سیلاب سب کچھ بہا کر لے جائیگا۔ مگر یہ درویش صفت مردِ آہن یقین محکم کی چٹان پر کھڑا بالکل پُرسکون تھا اور شیرِ ببر کا دل لیے سب کو حوصلہ دلا رہا تھا۔ اُس کا وجود کمزوروں کیلئے موجب تسکین اور کاملوں کیلئے روشنی کا مینار تھا یوں کھڑا تھا جیسے کوئی پہاڑ بحرِ ذخار کو روکے ہوئے ہے۔ اُس وقت عافیت کا حصار وہی تھا جبکہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ہم پر تنگ تھی۔ گھبرائے ہوئے لوگوں کو کہہ رہے تھے کہ مسکراؤ اور خوش رہو۔ کیونکہ اس کا مطاع اور آقا کہہ گیا تھا۔

"اور ضرور ہے کہ تم دُکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ ان صورتوں میں دلگیر مت ہو کہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ گالیاں سنو اور شکر کرو۔ ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔"

اغیار کو اس مردِ درویش کے مقام اور مرتبہ کا علم نہیں تھا۔

۵ وآنکہ پیشش بنهد تاج تکبر خورشید
کبریائیست کہ در حشمت درویشاں است

(جس کے سامنے سورج تکبر کا تاج اتار پھینکے۔ وہ ایسی بڑائی ہے جو درویشوں کی دولت میں ہے)

حضورؒ کے بارے میں میرے مشاہدے کا عرصہ نصف صدی سے زائد زمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ اکثر یادیں طاقِ نسیاں میں چلی گئی ہیں۔ تسلسل رکھنا مشکل۔ اور اگر رکھا بھی جائے تو یہ مضمون ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کرلے گا۔ اس لیے چند مشاہدات اور تاثرات پر ہی فی الحال کفایت کروں گا وہ بھی ایک پرندے کی طرح جو ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھُدک رہا ہو۔

پہلا نظارہ جو میرے دماغ میں ہے وہ اس وقت کا ہے جب آپ حضرت اماں جان کی تربیت اور کفالت میں تھے۔ دس گیارہ سال کا سن، خوبصورت چہرہ، سفید رنگ، پاک صاف کپڑے پہنے ہوئے، لمبا کوٹ، عادات کے لحاظ سے نہ بہت شوخ و شنگ، نہ بالکل کونے لاگے، نہ یے جا شرمیلے کہ کسی سے بات بھی نہیں کرنی۔ بچپن کے باوجود ایک وقار تھا۔ کسی قسم کی INHIBITION نہیں تھی۔ طبیعت میں نفاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ امارت اور غربت کا اثر لینے والے نہ تھے۔ بڑے چھوٹے کے حقوق ادا کرنے والے اور ہر ایک کا مرتبہ پہچاننے والے تھے۔

حضرت اماں جان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے زبان بڑی منجھی ہوئی اور دھلی ہوئی تھی۔ باجود پنجابی ماحول میں رہنے کے لہجہ دھلی والے شرفاء کا تھا۔ کھانا حضرت اماں جانؓ کے ساتھ کھاتے تھے حضرت اماں جان کے ہاں نہایت اچھا کھانا پکتا تھا۔ خوش خور نہیں تھے مگر خوش پسند ضرور تھے۔ طبیعت میں کسی قسم کا لالچ اور چھوٹا پن نہ تھا۔ استغناء کمال کا تھا۔ ہر قسم کی حرص سے بالا تھے۔ کھیل اور شکار کے شوقین۔ ائیر گن لیکر ہر جمعہ جاتے تھے۔ ساتھ کوئی خادم ضرور ہوتا تھا۔ نمازوں میں بڑی باقاعدگی تھی۔ مسجد مبارک میں نمازیں ادا کرتے تھے۔

قرآن مجید حافظ سلطان حامد صاحب سے دو لڑکوں یعنی فیض اللہ ولد میاں عبداللہ جلد ساز مبین الحق ولد محمد یامین کتب فروش کے ساتھ پڑھا کیا کرتے تھے۔ استاد کی غیر موجودگی میں بھی میں نے کبھی انہیں مسجد میں شور و غوغا کرتے یا بھاگتے دوڑتے نہیں دیکھا۔

پھر ان کو مدرسہ احمدیہ میں دیکھتا ہوں۔ بڑی باقاعدگی سے حاضر ہوتے تھے۔ عام طالب علموں کی طرح پڑھائی کو سال کے آخر پر نہ چھوڑتے تھے بلکہ گھر میں اپنے سبق پر دو اڑھائی گھنٹے روزانہ صرف کرتے تھے کبھی حضرت اماں جان یا حضرت مصلح موعود کو تعلیم میں بے توجہگی کی شکایت نہیں ہوئی۔ کھیلوں میں باقاعدہ حصہ لیتے تھے۔ فٹ بال، ہاکی اور والی بال کھیلتے۔ کبڈی بھی ہم لوگوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ ڈمبل کھینچنے کے سپرنگ سے ورزش بھی کیا کرتے تھے۔ چہرے پر سبزہ کا آغاز ہوا تو فرسٹ ٹیم میں آچکے۔ بڑا زور لگا کر کھیلتے تھے۔ جب بٹالے میں رابر

نٹ ہوا تو اس میں بھی حصہ لیا۔ ہاکی کی نسبت
بال زیادہ اچھا کھیلتے تھے اُن دنوں کھیل کی یونیفارم
ر سفید قمیص پر سرخ SASH یا پٹکا ہوتا تھا
ملف ٹیموں کے کھیلنے والوں میں امتیاز ہو سکے۔
اس کے بعد جامعہ احمدیہ چلے گئے۔ اُس وقت
ذرا بھر چکا تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سے حضرت
ں سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت مولوی محمد اسمٰعیل
بؓ فاضل، حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ خاص
ذکر ہیں۔ کھیلوں اور شکار کے شوق کی پرورش
ت مولوی عبد الرحمان صاحب جٹ کی مرہونِ منت
۔ انہی دنوں کی بات ہے شاید ۱۹۲۹ء کا زمانہ
حضرت مصلح موعود کشمیر گئے ہوئے تھے۔ آپ
ہ احمدیہ کھلنے کی وجہ سے پہلے واپس آ چکے تھے
شمبر کا مہینہ تھا۔ حضرت ماسٹر چراغ محمد صاحب
ج کھارا سے دوڑتے ہوئے آئے کہ سکھوں نے
ں فصلوں میں اونٹ چھوڑ دیئے ہیں اور شرارت
بلوہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ اس وقت ہاکی
رہے تھے۔ بائیس تئیس نوجوان کھیل میں موجود
۔ آپ کھیل کو چھوڑ کر اُن جوانوں کو لیکر موضع کھارا
رف دوڑ پڑے۔ اس وقت موضع کھارا کی حد پر
ڑوں سکھ تھے جو ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح لڑائی کے
تیار تھے۔ آپ پہلی پارٹی کے ساتھ پہنچے جس
پاس صرف ہاکیاں تھیں۔ بعد میں گو اپنے سینکڑوں
وہاں پہنچ گئے مگر آپ سب سے پہلے پہنچنے
ں میں تھے۔ آپ کو کوئی ڈر اور خوف نہ تھا۔

إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ۔

جب مولوی فاضل کا امتحان دینا تھا تو کوٹھی دار السلام
کے باغ میں تیاری کے لیے آیا کرتے تھے۔ میری بیوی
بنت حضرت خان محمد عبد اللہ صاحب سات سال کی تھیں
اور ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اُس کو پیار سے ٹافیاں
دیا کرتے تھے۔ ایک دن اس نے بچپنے سے کہا "کیا آپ
خلیفہ نہیں گے" آپ نے ایک چپت لگائی اور کہا کہ
ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کا نام لینا سخت گناہ ہے
یہ بات اس کیلئے سبق اور نصیحت کا موجب ہوگئی قادیان
کی تعلیم کے اسی زمانے میں ایک بار قندی یا بو منگوایا
گیا تھا۔ یہ جانور ذرا منہ زور تھا۔ وہ آپ کو لیکر بھاگا
آپ روک نہ سکے اور اس پر سے گر گئے۔ کلائی کی ہڈی
ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے جوڑا مگر ٹھیک
سیٹ نہیں ہوا۔ پھر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب
نے دوبارہ ٹھیک کیا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ نور
ہسپتال میں کچھ واجبی قسم کا سامان ہوتا تھا۔ ترکھان
بلایا گیا اس نے پھٹیاں تیار کیں تو ہاتھ باندھا گیا۔ اس عرصہ
کے دوران کوئی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ یہ کلائی ہمیشہ کے
لیے کچھ ٹیڑھی ہوگئی تھی۔

مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے
ادیب عالم بھی پاس کیا۔ اس کے بعد تمام مضامین لیکر
میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ احمدیہ ہوسٹل میں
رہتے تھے۔ جو پہلے ایک کوٹھی میں لٹن روڈ پر تھا اور پھر

ایمپریس روڈ پر منتقل ہوگیا۔ گورنمنٹ کالج میں آپ اچکن۔ سفید شلوار قمیض اور رُومی ٹوپی پہنتے۔ میری آنکھوں نے گورنمنٹ کالج کے سرخ بلیزر میں بھی دیکھا جس پر سنہری مشعل کا نشان تھا۔ ہوسٹل میں نہایت متانت اور وقار کے ساتھ رہتے تھے۔ عام خرچ کے علاوہ جو ۷۵/- روپے ماہوار حضرت مصلح موعود سے ملتا تھا آپ کو ۱۵/- روپے مہمان نوازی الاونس ملا کرتا تھا۔ گورنمنٹ کالج میں دو سال آپ کا ساتھ رہا۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آکسفورڈ (انگلستان) تعلیم کیلئے چلے گئے۔

گورنمنٹ کالج کے زمانے میں آپ بڑے وقار سے رہے باوجود کہ رؤساء پنجاب کے لڑکے بڑے ٹھنطنے سے آتے تھے مگر ان کی امارت اور ٹھاٹھ آپ کو مرعوب نہ کرسکی۔ گورنمنٹ کالج میں لیگ میچوں میں آپ فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ ایف۔ اے میں آپ کے مضامین عربی، ہسٹری، انگلش اور فلاسفی تھے۔ بی اے میں انگلش عربی اور فلاسفی تھے۔ ڈاکٹر صدرالدین صاحب اور مولوی کریم بخش صاحب آپ کے عربی کے استاد تھے۔ مولوی کریم بخش صاحب باوجود اپنی مذہبی تنگ نظری کے ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے۔ "ناصر بڑا شریف انسان ہے"۔

ولایت جانے سے قبل آپ کی شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ مرحومہ کے ساتھ ایک دو ماہ ہی رہنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت اماں جان نے اپنے بیٹے کیلئے بہو برسہا برس پہلے ہی تلاش کرلی تھی۔ حضرت مصلح موعود نے بڑا معرکہ آراء خطبہ نکاح دیا جو کہ یادگاری خطبہ تھا۔

حضرت نواب محمد علیخاں صاحب اپنے آبائی گاؤں
کوٹ ریاست مالیر کوٹلہ میں تھے۔ برات ریز
(FOUR WHEELER) گاڑی میں حضر
مولوی سرور شاہ صاحب کی سرکردگی اور امارت
مالیر کوٹلہ پہنچی۔ ہم لوگوں نے بارات کا استقبال ک
حضرت مصلح موعود بذریعہ کار قادیان سے لڑکی کی طر
سے شامل ہونے کیلئے پہنچے۔ دوسرے دن اسی گاڑ
میں برات قادیان واپس آگئی۔ نہایت سادگی سے رخص
ہوئی۔ نواب صاحب نے اپنی برادری کے پانچ سو گھر
ہونے کے باوجود کسی کو بلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔

آپ کے ولایت کے قیام کا میرا کوئی مشاہدہ نہیں۔ و
سے آنے کے بعد آپ نے جامعہ احمدیہ میں پڑھانا
کیا۔ ساتھ ہی خدام الاحمدیہ کی سربراہی آپ کے س
تھی۔ النصرت میں رہتے تھے۔ چھوٹا سا لٹکایا گھر
آمد بے شک محدود مگر ہر مہمان کیلئے آپ کے دروا
کھلے تھے۔ یہ مرد درویش اپنی غربت پر قانع تھا
ایک کا استقبال خندہ پیشانی سے ہوتا تھا۔

میری ملازمت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے میر
مشاہدے کا تسلسل قائم نہ رہا۔ حضرت نواب محمد علی
صاحب بہت باریک بین انسان تھے۔ آپ کی بہت
عزت کیا کرتے تھے۔ مرض الموت میں بار بار آپ کو بلا
تھے۔ یہ ۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا۔ یہی فرماتے تھے
میاں ناصر کو بلاؤ۔ وفات سے دو تین روز قبل
"بہت کچھ ہو رہا ہے۔ گورڈوں کی زمین میں سازشیں ہو
ہیں"۔ پھر کہا "ملائے اعلیٰ میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں

دیکھ رہا ہوں ۔ تیاری کر لینا۔"
پھر کہا "کچے مکان پلے پُتے ہوئے سفید زمین ہے"۔
پارٹیشن کے قریب کا زمانہ آیا۔ حضرت مصلح موعود نے
ناوالے حالات کو بھانپ لیا۔ حفاظت کی تیاری کا بوجھ
پر اور آپ کے ساتھیوں پر پڑا۔ پارٹیشن سے چند
قبل حالات بگڑنے لگ گئے۔ حضرت مصلح موعود
ADVAMCE BASE بنانے کے لیے لاہور
گئے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقرر ہوئے
کے سالار آپ ہی تھے۔ جب حضرت مصلح موعود نے
ضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو بعض خدشات کی وجہ
بلانے کا فیصلہ فرمایا تو خاکسار کو قادیان جانے کا حکم
لیا۔

جس دن میں قادیان پہنچا۔ حضرت اماں جان کے صحن
لکڑی کے چوکوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سخت خطرے
ن تھا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے وارنٹ
فتاری جاری ہو چکے تھے۔ زمین ہم پر تنگ ہوتی ہوئی
ہر آ رہی تھی۔ میں نے کہا "بھائی ناصر! قرآن سنائیں"
پ نے سورۃ احزاب پڑھنی شروع کی۔ مجھے یوں محسوس
گویا یہ سورۃ پہلی بار اتر رہی ہے اور اس کے اسرار
ر رموز ہم پر کھلنے شروع ہو گئے۔ ایک عجیب ملکوتی
کیفیت تھی۔

آپ کی سالاری کے واقعات میں سے مسجد اقصیٰ
الے واقعہ کا میں عینی شاہد نہیں ہوں۔ لیکن وہاں آپ
نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر ایسا مقابلہ کیا کہ اگر آپ
و پرے دھکیل نہ دیا جاتا تو گولی آپ کو لگنی تھی۔ چونکہ
دشمن اونچی جگہ پر تھا اور آپ مسجد کے کھلے صحن میں تھے۔

پھر ۱۹۵۳ء میں قید و بند کا مرحلہ آیا۔ آپ کو سی کلاس میں رکھا گیا۔ عام قیدیوں کے کپڑے پہنائے گئے۔ مگر قید میں بھی ہشاش بشاش تھے۔ وہی مسکراتا ہوا چہرہ اور سکون و طمانیت کا ایک عظیم پیکر۔

۱۹۷۴ء کا زمانہ انتہا کی تکلیف کا زمانہ تھا۔ نہ تڑپنے کی اجازت تھی نہ فریاد کی۔ نہ کوئی وکیل تھا نہ کوئی منصف۔ آپ کا بیان جو آپ نے اسمبلی کے سامنے دیا وہ جلال اور جمال کا مظہر تھا۔ خدا تعالیٰ نے فوق العادت نشان دکھائے۔ جس جماعت کو لوگ مٹانا چاہتے تھے اس کی حفاظت خدا تعالیٰ نے کی۔ بلکہ اور بھی ترقی دی کیونکہ فرمایا جا چکا کہ:۔

"رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے۔ مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے۔ اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہش اس کی خواہشیں ہو جائیں اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔"

آپ بچوں سے بے حد شفقت فرماتے تھے۔ بچے بھی جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھینچا جاتا ہے ان کی

طرف کھنچے جاتے تھے۔ میرے نواسے جب بھی ربوہ جلسہ یا عید پر آتے تو بڑے اہتمام سے تیاری کر کے ملاقات کیلئے جاتے اور کبھی بھی بغیر ملے اور اجازت لیے رخصت نہ ہوتے۔ ایک دفعہ واپس جاتے ہوئے والدین نے کہا کہ اب ملنے کا وقت نہیں۔ ہم نے جہاز پر سوار ہونا ہے بچے نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں پھر بعد میں آجاؤنگا بچوں کو عیدی اور جلسی (بہ وزن عید) ضرور دیتے تھے (یعنی جلسہ سالانہ پر آینکا انعام) بچوں کے لیے ہاتھ بڑا کھلا۔ ان کے ہوتے ہوئے جیب میں ہاتھ رہتا تھا۔ پچاس اور سو سے کم نوٹ نہیں ہوتا تھا۔ اتنی بچوں کی ناز برداری تھی۔ میرے ایک نواسے کو کہا اپنے والد کو کہو کہ میں حکم دیتا ہوں کہ تمہیں جرمنی سے AIR GUN لا کر دے۔ ایرگن کے لانے میں کچھ دیر ہوگئی۔ بچے نے مجھے لکھا کہ ابا حضور کو کہدیں کہ میری ایرگن نہیں آئی۔ آخر کار ایرگن آئی تو والد صاحب کی خلاصی ہوئی۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کے لیے اس شفیق باپ کے بچوں کیلئے وقت تھا اور دروازے کھلے تھے۔ ایک بچی چار سال کی تھی۔ والدین کے ساتھ آئی اور کہا "حضور یہ سینما دیکھتے ہیں"۔ حضور بچے کی بات سے شرما گئے۔ وہ ایسا شفیق کامل تھا کہ بچوں کی فریاد بھی اس تک پہنچتی تھی۔

اگرچہ چند سالوں سے اپنی غذا چند لقمہ تک محدود ہوگئی مگر دسترخوان بہت وسیع تھا۔ کھانا نہایت اعلیٰ ہوتا تھا جو بھی دسترخوان پر بیٹھ گیا اسکی ہر قسم کی ناز برداری کی گئی جب بھی سفر پر جاتے تھے تو توقع رکھتے تھے کہ اقرباء آئیں اور وہیں کھانا کھائیں اسلام آباد جب جاتے تو توقع کرتے تھے کہ ڈاکٹر نوری ساتھ ہی کھائیں اگر ڈاکٹر نوری کو دیر ہو جاتی تو ان کا کھانا رکھنے کا حکم فرماتے۔ ہم عزیز بعض وقت کہا کرتے تھے کہ کھانے پر بہت خرچ ہوتا ہوگا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ کھانے پر خرچ محدود تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی رزق میں برکت ڈالتا تھا اور رزق بھیجتا تھا۔

چند مناقب اور واقعات جو خاص طور پر بیان کرنے کے قابل ہیں وہ یہ ہیں :۔

حضور اپنی ایک بیٹی کی شادی کی تیاری کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔ اخراجات بہت کم تھے۔ یہ حضور پر نہایت تنگی کا زمانہ تھا۔ کچھ زیور لینا تھا۔ کچھ کا الٹ پلٹ کرنا تھا۔ آپ ایک بڑے جیولر کی دکان پر گئے جو دلی کا نہایت نک چڑھا تھا اور غیر احمدی تھا۔ جو بڑوں بڑوں کے لیے بھی کبھی اُٹھ کر کھڑا نہیں ہوا کرتا تھا۔ حضور کا حلیہ یہ تھا۔ سادی اچکن جس کے کالر کے بھی دھاگے نکلے ہوئے تھے لیکن جونہی حضور داخل ہوئے وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے آگے بڑھکر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضور حکم کریں۔ اور پھر کسی کو کہا کہ یہ تو اللہ والوں کا چہرہ تھا۔

حضور لاہور کے زمانے میں انار کلی کی نکڑ پر ایک پھل والے سے پھل لیا کرتے تھے اور خود دکان پر جایا کرتے تھے۔ وہ حضور کو نہایت اچھا پھل دیا کرتا تھا۔ یہ خاص طور پر دیکھنے کی بات ہے کہ حضور کو اچھے پھل کا شوق تھا۔ جب آپ خلیفہ ہوگئے پھر اس کی دکان پر نہیں گئے، لیکن یہ غیر احمدی پھل والا

کسی احمدی کے ہاتھ حضور کو پھل بھیجتا مگر قیمت کا مطالبہ کبھی نہ کرتا۔ حضور یہ سب بات اپنے ذہن میں رکھتے تھے جب لاہور تشریف لے جاتے تو کبھی ۶۰۰ کبھی ۷۰۰ روپیہ کی رقم اسے بھجوا دیتے جو اس کے پھل کی قیمت سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔

مَیں نے حضور کو جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہی دیکھا۔ نکال نکال کر بچوں اور بڑوں کو رقمیں دیتے۔ پچاس اور سو سے کم کا نوٹ نہیں دیکھا۔

جب کوئی تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو حضور کی کوشش یہی ہوتی کہ اس سے بہتر تحفہ دوسرے کو دیا جائے۔ چنانچہ بارہا اس کا تجربہ بھی ہوا ہے۔ حضور کو عجوبہ اور نادر اشیاء کا بہت شوق تھا۔ عزیز محمود احمد خان جب کبھی باہر جاتے تو یہی کوشش کرتے کہ حضور کی پسندیدہ کوئی ایسی نادر چیز ضرور لیکر آئیں جو پہلے حضور نے نہ دیکھی ہو۔ تاکہ حضور یہ کہیں کہ مَیں نے تو پہلے یہ چیز نہیں دیکھی۔ مثلاً ایک دفعہ چین سے بڑے بڑے سائز کے سیب لیکر آیا۔ اور ایک دفعہ ایسا ٹائم پیس لائے جس میں بہت سے معلوماتی سسٹم تھے حضور اسے دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کہا واقعی یہ میرے لیے بہت عجوبہ ہے۔

میرا ایک نواسا طارق نوری جس کی عمر چھ سال ہے ولایت میں حضور سے ملا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا ابا حضور میرے فرینڈ ہیں۔ حضور اس سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔ ربوہ آیا۔ حضور کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگا! ابا حضور لندن میں آپ کے کمرے میں سیب اور چاکلیٹ ہوا کرتے تھے۔ حضور مسکرائے اور آواز دی اور کہا منصورہ بیگم! لو اس کو چاکلیٹ لاکر دو۔

اس بچے کو حضور سے بہت پیار تھا۔ جب حضور کی وفات ہوئی۔ جسدِ مبارک ربوہ لایا گیا۔ تو گھنٹوں آپ کے تابوت کے سامنے کھڑا رہا۔ ایک دن دو اڑھائی بجے رات کو چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نوری نے پوچھا۔ سوتے کیوں نہیں۔ کہا۔ "ابا حضور یاد آرہے ہیں" یہ تھا محبت کا جادو جو چھ سال کے بچے کے دل میں بھی گھر کر گیا تھا۔

مَیں ۸ جون کو اسلام آباد حضور کی طبیعت پوچھنے گیا۔ جب مَیں ڈاکٹر نوری کے ساتھ کمرے کے اندر گیا تو میں نے نوری کو کہا یہ تو گویا بڑے حضرت صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت فضل عمر پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر نوری نے مجھے بعد میں بتایا کہ میں اس بات سے گھبرا گیا تھا۔ مَیں جب حضور کے پاس بیٹھ گیا تو حضور مجھ سے ربوہ والوں کی خیریت پوچھتے رہے۔ خصوصی طور پر پروفیسر نصیر خاں صاحب کا بھی ذکر ہوا۔ ڈاکٹر نے پھر مجھے اُٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ یہ آخری دیدار تھا۔ بعد میں مجھے ایک عزیز نے بتایا کہ اس عالم میں بھی حضور نے میرے ٹھہرنے کے انتظام اور کھانے وغیرہ کا پوچھا۔

حضور کی سیرت پر لکھتے ہوئے واقعات کی فلم دماغ میں اس تیزی سے چل رہی ہے کہ قلم ساتھ نہیں دے رہا۔ لکھتے لکھتے واقعات کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں۔

جب ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ ایک خواب تھا جو بیت گیا۔ آپ نے اتنی محبت ہمیں دی کہ جیسے ہفت اقلیم کے خزانے بخش دیے ہوں اور ہم تنگیٔ داماں کا گلہ کرتے رہے۔ ان کے مناقب اور تفضیل میں کیا کیا لکھوں۔ کچھ اپنی کم مائیگی اور کچھ یہ کیفیت کہ ؎

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

حضور کے مناقب کہاں تک بیان کروں۔ خاندانی تفاخر۔ جاہ و دولت۔ حکومت و سلطنت۔ انسان کو بڑا نہیں بناتے اس کے اوصاف اس کو بڑا بناتے ہیں۔ آپ بہادر، فیاض، مہمان نواز، غنی، اسے پُر۔ سخی چھوٹے بڑے سے محبت کرنے والے اور ان سے عزت کا سلوک کرنے والے تھے۔ بچے خصوصاً ان کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے ایسے انسان تھے کہ دوست و دشمن عزت و احترام کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہر ادا۔ ہر ڈھنگ، ہر طریق، ہر قرینہ میں اعلیٰ نسبی، اعلیٰ کردار اور اللہ والوں کی شان نظر آتی تھی۔ کہاں تک لکھوں کہ قصہ درد طویل سے طویل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب تو یہی دعا ہے کہ

اے خدا بر تربتِ اُو بارش رحمت ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم
نیز مارا از بلا ہائے زماں محفوظ دار
تکیہ گاہِ ماتوئی اے قادر ربّ رحیم

"یادِ یارِ مہرباں"

عبد المنان ناہید

آج اِک مہ جبیں کی یاد آئی
حُسنِ جاں آفریں کی یاد آئی

مُجھ کو اک مہرباں کی یاد آئی
کرمِ بیکراں کی یاد آئی

یاد آئی دیارِ جاناں کی
کوئے فردوس شہرِ خُوباں کی

جب تبسّم کسی نے فرمایا
میرے ناصر! تو مجھ کو یاد آیا

درمیانِ جہانِ بے توقیر
تُو سراپا وقار کی تصویر

کھو گئی جب بھی تیرگی میں نظر
تھا تبسّم ترا نمودِ سحر

مَیں نے طُوفاں کے زور میں دیکھی
بیچ منجدھار تیری پیراکی

سوچ دُنیا کی غرق تحتِ ثریٰ
آسماں گیر حوصلہ تیرا

مرحلے کتنے سَر کیے تُو نے
کتنے اَنتھک سفر کیے تُو نے

رہ میں حائل نہ گرمِ لُو کا خیال
اور نہ یخ بستگیٔ بادِ شمال

وہ جو تاریک برِّاعظم تھا
تیرے قدموں سے جگمگا اُٹھا

تیرے دَر پر خلوصِ دل لائے
دل کے روشن سیاہ فام آئے

ارضِ ہسپانیہ میں تیرا وُرود
لایا پھر دعوتِ صَلوٰۃ و دُرود

خاکِ اُندلس پہ بن کے لایا نوید
بحرِ موّاج نغمۂ توحید

سات سو سالہ بے رُخی کے بعد — آ گئی قرطبہ میں ساعتِ سعد
گونجی ایماں کی حرارت سے — پھر اذاں مسجدِ بشارت سے
ہو گئیں واقفِ دُرود و سلام — ارضِ مغرب کی مختلف اقوام
سجدے کرتے ہوا ہے تیرا گذر — خاکِ یورپ کے چپّہ چپّہ پر
ہوگیا ہے لوائے نصرتِ دیں — آشنائے فراز ، بامِ زمیں
دے کے آیا ہے تُو خدا کا پیام — نئی دُنیا کو دعوتِ اسلام
ساری دُنیا ہے نفرتوں کی اسیر — تُو محبّت کی مملکت کا سفیر
مُسکراتے لبوں پہ نغمۂ جاں — حق زباں پر تھا ، ہاتھ میں قرآں
ہر طرف یاس اور زبوں حالی — تیز پا تیری ہمّتِ عالی

رات دن منزلِ جنوں کا سفر
رُک گئیں دل کی دھڑکنیں تھک کر

موج کی زندگی ہے دریا میں — جا کنارِ رفیقِ اعلےٰ میں
تیرے ہمراہ نگر نگر آئے — بن ترے قافلہ کدھر جاتے؟
تیرہ و تار گرچہ رات تھی یہ — اک گھڑی دو گھڑی کی بات تھی یہ
اپنے مرکز میں سب سمٹ آئے — شام ہوتے ہی گھر پلٹ آئے
ڈھونڈ لی راہ رہ نوردوں نے — تیرے کوچہ کے کوچہ گردوں نے
آ گئے تیرے چاہنے والے — چاند کے گرد چاند کے ہالے
دیکھ انہیں آستانِ رحمت سے — اپنے ربّ کی رضا کی جنّت سے
بال و پَر کو سنوار کر نکلے — ولولوں کو نکھار کر نکلے

عزم پھر ہو گیا جواں اپنا
کارواں ہے رواں دواں اپنا

ایک خط

یہ خط سیدنا حضرت المصلح الموعود نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس وقت تحریر فرمایا جب حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کو یہ علم ہؤا کہ انہوں نے اپنی زندگی دینِ اسلام کے لئے وقف کر دی ہے۔ (ادارہ)

پیارے ناصر احمد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا ایک خط تو پہلی دفعہ ملا تھا اور دو اب۔ مَیں نے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہیں دیا کیونکہ اس وقت میرے جذبات بہت متاثر تھے اور مَیں فوراً جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ارادہ میں برکت ڈالے۔ مَیں خود اِس بارہ میں باوجود شدید احساس کے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا تھا کہ وہ خود ہی تم کو نیک ارادہ کی توفیق دے کیونکہ میرے نزدیک میری تحریک پر تمہارا ارادے کو بدلنا تمہارے ثواب کو ضائع کر دیتا۔ سو الحمدللہ کہ تمہارا دل اِس طرف متوجہ ہؤا۔

مجھے سخت افسوس آتا ہے کہ حضرت مسیح موعود ..... کے تعلق کی عظیم الشّان نعمت کی ہمارے خاندان نے قدر نہیں کی۔ ہمارے نوجوانوں کے اعمال اور احساس اس مقام سے بالکل مختلف ہیں جو انہیں خدا تعالیٰ نے بخشا تھا۔ اگر دُنیا کی ہر تکلیف کا شکار ہو کر بھی ہم اس مقام کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے تو یہ احسانِ الٰہی کا بدلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم خدا تعالیٰ کی ادنیٰ نعمتوں کو بڑا اور بڑی نعمتوں کو چھوٹا قرار دے رہے ہیں اور دُنیا کی جھوٹی خوشیاں ہمارے دلوں کو کھینچ رہی ہیں۔ لوگوں کی نقل کو بہترین مقصد قرار دے رہے ہیں اور وہ راہنمائی کا مقام جو خدا تعالیٰ نے بخشا تھا اسے بھول رہے ہیں حالانکہ جو خدا تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کا کفیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود .... کی وفات پر مَیں نے سلسلہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے اپنی پڑھائی تک چھوڑ دی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسی حالت کو قبول کیا کہ اگر خدا تعالیٰ نہ ہوتا تو مَیں ہندوستان کے ذلیل ترین وجودوں میں سے ہوتا مگر میرا اخلاص سچّا اور میرا ایمان پختہ تھا۔ آرام کی زندگی کے بعد مَیں نے صرف چالیس پینتالیس روپیہ میں ایک بیوی

اور دو بچوں سمیت گذارہ شروع کیا۔ میرا کوئی مستقبل نہ تھا اور کسی مستقبل کا خیال بھی میرے دل میں نہ تھا صرف ایک چیز میرے سامنے تھی اور وہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود ..... کی وفات پر جماعت خطرہ میں پڑ گئی ہے اور اس حالت کا مقابلہ کرنا میرا فرض ہے۔ میرے دل نے بے شک حالت کی تبدیلی کو محسوس کیا لیکن طبعی حد سے زائد نہیں۔ بہت جلد ایک عزم میرے دل میں پیدا ہوا اور میں نے مستقبل کے خیال کو کُلّی طور پر اپنے دل سے نکال دیا۔ کبھی ایک منٹ کے لئے بھی پھر میں نے اپنے دل میں یہ خیال نہیں آنے دیا کہ میرا اور میری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا۔ میں اس کے لئے بالکل تیار تھا کہ جنگل کی جھاڑیوں پر بھی میں گذارہ کروں گا لیکن ایک منٹ کے لئے اپنے راستہ سے نہیں پھروں گا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنے وعدہ کے پورا کرنے کی توفیق دی۔ مجھے جسمانی تکلیف سے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ میں آج تک حیران ہوں کہ اس وقت کس طرح خدا تعالیٰ نے مجھے سب ضرورتوں سے آزاد کر دیا۔ نہ صرف مجھے بلکہ میری بیوی کو بھی ان دنوں میں خواہشات سے آزاد کر کے میری زندگی کو پریشانی سے بچا لیا۔ اس کے بعد خلافت کا دَور آیا جس کی ابتداء ایسے تاریک حالات میں ہوئی کہ بظاہر وہ خلافت نہ تھی خود کشی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس موت کو قبول کرنے کی بھی توفیق دی۔ مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضلوں نے ثابت کر دیا کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے جو سچ مچ اس کے لئے موت قبول کر لیتا ہے بشرطیکہ وہ موت سچی ہو، بشرطیکہ انسان اپنے نفس کو اس کے لئے بالکل مار دے، بشرطیکہ وہ ماسوی اللہ سے باوجود دُنیا میں بسنے کے آزاد ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے معاملہ میں اور سلسلہ کے معاملہ میں اس کے کسی رشتہ دار کا خواہ اس سے کس قدر ہی محبت ہو اور کسی دوست کا خواہ اس کا اس پر کس قدر ہی اثر ہو اور کسی اور غرض کا خواہ وہ کس قدر ہی پیاری ہو اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ یہ راستہ ہے جو ہمارے خاندان کے لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا ہے۔ بغیر اپنے مٹا دینے کے اِسلام آج کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا سوال کھیل نہیں کہ یونہی طے ہو جائے وہ ایک ایسا مشکل کام ہے کہ اس سے پہلے اِس قدر مشکل کام کبھی دُنیا کو پیش نہیں آیا۔ اس کے لئے دیوانوں کی ضرورت ہے۔ اِسی زندگی میں موت کو قبول کر لینے والوں کی ضرورت ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اِس بارہ میں ہمارے خاندان پر نظر رکھتا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود ..... کی ہم نے کیا قدر کی۔ اگر ہم اس نعمت کو عیاذًا باللہ دھتکار دیں گے تب وہ اَور لوگوں کے دل اس کے لئے کھول دے گا تب یہ نعمت دوسرے گھروں میں چلی جائے گی۔ دوسرے لوگ شریک تو اَب بھی ہیں اور ہو سکیں گے اور ہوں گے لیکن اس صورت میں ہم لوگ اس سے محروم کر دیئے جائیں گے اور وہ صرف دوسروں کے ہی لئے ہوگی۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔

کاش تم لوگوں کو اِس حقیقت کے سمجھنے کی توفیق ملے۔ کاش تم لوگ اس ذمّہ داری کو سمجھ کر دُنیا کی آسائشوں کو نہ دیکھو کہ یہ چیز جسے خدا تعالیٰ چاہے گا خود ہی دے دے گا اور جسے نہیں چاہے گا اس کا انعام صرف آخرت میں مِل جائے گا۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اصل دُنیا وہی ہے

جو مرنے کے بعد آنے والی ہے۔ اگر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اِس دُنیا میں نہ صرف فاقہ سے رکھتا ہے اور ہر شہرت سے بھی محروم کر دیتا ہے لیکن دوسرے جہان میں بڑے بڑے مذہبی لیڈروں پر اسے فوقیت دیتا، اگلے جہان کا اسے بادشاہ کر دیتا ہے تو اس پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة کی دُعا سکھاتا ہے اِس لئے ہم دونوں دعائیں مانگتے ہیں لیکن اگر اس کی مشیت کچھ اُور چاہتی ہو، اگر وہ ہم میں سے کسی کو صرف اگلے جہان کی نعمت دینا چاہے تو اسے رنج کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ راستہ ہے جو سچا راستہ ہے اِسی کی نسبت خدا تعالیٰ کا الہام فرماتا ہے کہ

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

یہ عالی مقام تمہارے لئے، ہر فردِ خاندان کے لیئے اور ہر مخلص احمدی کے لئے ممکن الحصول ہے۔ اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں اور اگر سُننے والے کان ہوں، اور اگر سوچنے والا دل ہو۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

کالج کے متعلق جو تم نے دریافت کیا ہے میرا خیال ہے کہ جرمن زبان بہتر رہے گی کیونکہ فرانسیسی پڑھنے کے سامان ہندوستان میں کالج کے باہر بھی کافی ہیں۔

والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد

سراپا حُسن و اِحسان
میرا مُربّی و محسن آقا

علم و فضل اور محبّت و شفقت کا بحرِ بیکراںؒ

حسن و احسان اور الطاف و عنایات کی چند درخشاں مثالیں

مکرم مسعود احمد دہلوی

*

مُزکّی و مُطہّر، ذہین و فہیم، دل کے حلیم، سراپا حسن و احسان، محبت و شفقت کے بحرِ بیکراں، میرے مربّی و محسن آقا کی ہرادا ہی حسین و جمیل اور غایت درجہ دل موہ لینے والی تھی۔ کس کس خوبی اور ادا کا ذکر کروں اور کیونکر کروں۔ سب کا ذکر کرنے سے رہا۔ اس لئے کہ ایک مَیں ہی تو اُس حُسنِ دل افروز کا والہ و شیدا نہیں، شرق و غرب میں بسنے والے اَن گنت اس کے دلدادہ و گرویدہ۔ مجھ میں کہاں یارا کہ تمام اداؤں کا احاطہ کر سکوں۔ فیض یافتہ دلدادگان کی گوناگوں حسین یادوں کے یکجا ہونے سے جو خوشنما رنگارنگ گُل دستہ بنے گا اُس کے لئے اپنی حسین یادوں کے چند پھول مَیں بھی پیش کرنے کے قابل ہو سکوں تو زہے نصیب۔

مَیں اسے اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے بھی قریباً آٹھ سال قبل مجھے اپنی تمام تر نا اہلی اور علمی بے مائیگی کے باوجود آپ کے زیرِ تربیت آنے کی غیر معمولی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طرح مجھے قریباً ربع صدی تک آپ کو قریب سے دیکھنے، آپ کے ارشادات و ہدایات سے بالمشافہ مستفید ہونے، آپ کی محبت و شفقت اور عنایاتِ بے پایاں کا مورد بننے اور آپ کے فیوض و برکات سے براہِ راست فیض یاب ہونے کے مواقع بے حساب ملتے چلے گئے اور مَیں نگاہِ بے محابا اور نوازش ہائے پیہم سے مالا مال ہوتا اور دل ہی دل میں اس بات پر ایک گونہ فخر محسوس کرتا رہا کہ ؎

ہم اُن کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا۔

میں اُن خوش نصیبوں میں سے ہوں جنہوں نے حضور رحمہ اللہ سے بے پناہ علمی فیض بھی پایا اور جو آپ کی بے انداز شفقتوں اور عنایتوں کے بھی مورد بنے۔ براہِ راست علمی فیض حاصل کرنے کے بے انداز مواقع مجھے اُس وقت ملنا شروع ہوئے جب ۱۹۶۰ء کے اواخر میں حضورؒ نے صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی حیثیت سے ماہنامہ "انصار اللہ" جاری فرمایا اور ازراہِ ذرّہ نوازی مجھے اس کا پہلا ایڈیٹر مقرر کیا۔ حضورؒ نے جس دلی شغف، محنت اور جاں سوزی سے اس علمی اور تربیتی پودے کی آبیاری کی اور اسے ایک معیاری مجلہ کی حیثیت سے پروان چڑھانے میں جو مشقت اٹھائی اور مجھے ادارتی فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں جن بیش بہا ہدایات اور نصائح سے سرفراز فرمایا اور قدم قدم پر میری رہنمائی کی وہ ایک الگ داستان ہے۔ بہت ہی ایمان افروز اور روح پرور۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ البتہ میں علمی رہنمائی کی ایک مثال بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہ مثال اُن اصحاب کے لئے جو اس سے استفادہ کرنا چاہیں نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہو گی۔

علمی رہنمائی کی ایک نادر مثال

ماہنامہ "انصار اللہ" کے لئے علمی مضامین لکھنے کے سلسلہ میں حضور رحمہ اللہ نے مختلف اوقات میں مجھے جن بیش بہا ہدایات سے نوازا اُن میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود کی کتب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کروں۔ اس تعلق میں حضورؒ نے فرمایا:۔

"اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب اور ملفوظات و ارشادات قرآن مجید کی تفسیر ہیں۔ حضرت اقدس جو بات کسی قرآنی آیت کا حوالہ دیئے بغیر بظاہر اپنی طرف سے بیان فرماتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی آیت کی تفسیر ہوتی ہے۔ حضور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ وہی کچھ کہتے ہیں جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔"

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضورؒ نے خود اپنے متعلق فرمایا:۔

"کثرتِ مطالعہ سے مجھے اتنی مشق ہو چکی ہے کہ جب بھی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایسی تحریر پڑھتا ہوں تو از خود قرآن مجید کی وہ آیات میرے ذہن میں آنا شروع ہو جاتی ہیں جن کی وہ تحریر یا عبارت تفسیر ہوتی ہے۔"

یہ ایک ایسا بیش بہا علمی نکتہ تھا کہ اس کی بدولت میرے لئے علم و معرفت کا ایک نیا جہان کھل گیا۔

تبحرِ علمی کی گہرائی و گیرائی

اللہ تعالیٰ نے حضور کو ظاہری اور باطنی علوم سے اس درجہ بہرہ ور فرمایا تھا کہ کوئی علم خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی آپ کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ دینی علوم میں کامل دسترس تو مسلّم تھی ہی دنیوی علوم میں بھی (خواہ ان کا تعلق سائنسی

علوم سے ہو یا ریاضی، تاریخ، معاشیات، فلسفہ، طب انجینئرنگ وغیرہ دیگر علوم سے) آپ کی وسعت معلومات اور نہایت عمیق ریسرچ پر عبور کا اندازہ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے دوروں میں ماہرین علوم کے ساتھ حضور کے تبادلۂ خیالات سے ہوا۔ حضور جب بھی کسی علم کے ماہر سے گفتگو فرماتے میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ علم کا وہ ماہر حضور کے وسیع و عمیق مطالعہ اور جدید ترین ریسرچ پر عبور سے مرعوب ہی نہیں بلکہ مبہوت ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اور اپنے آپ کو حضورؒ کے سامنے طفلِ مکتب تصور کرتا۔ اس بارہ میں اگر میں اپنے چشم دید واقعات بیان کروں تو یہ امر طوالت کا موجب ہوگا۔ ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے علوم پر اس درجہ عبور کی وجوہات پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

مطالعہ کی وسعت اور حیران کُن حافظہ

علوم پر عبور کی جو وجہ میرے مشاہدہ میں آئی وہ یہ تھی کہ ایک تو حضور بے انتہا مصروفیت کے باوجود مطالعہ کتب کے لئے روزانہ وقت ضرور نکالتے تھے۔ دوسرے جب بھی حضور کسی تحریر پر نگاہ ڈالتے تھے، نگاہ ڈالتے ہی اس کا پورا مفہوم تمام جزئیات کے ساتھ یکدم حضور کے ذہن میں منتقل ہو جاتا تھا۔ اس پر لطف یہ کہ کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہ ہوتا تھا جو نگاہ میں آنے سے بچ رہے۔ انتہائی مصروفیت حتیٰ کہ ملاقات کے لئے آنے والے احباب کے ساتھ گفتگو کے دوران میں نے جب بھی کوئی مسودہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا میں نے یہی دیکھا کہ حضور اس میں سے سرسری نگاہ سے گذرتے ہوئے بھی اس پر چشم زدن میں حاوی ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طویل مسودہ ملاحظہ فرمانے کے بعد آخر میں حضور نے ایک لفظ بدل دیا۔ اُس مسودہ میں وہ لفظ ایک جگہ پہلے بھی آچکا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ لفظ پہلے بھی استعمال ہوا ہے اُسے بھی بدل دینا چاہیئے۔ فرمایا مجھے معلوم ہے وہاں اس کا استعمال اس لئے بر محل ہے کہ اگلا فقرہ اس کے ایک مخصوص مفہوم کو متعین کر رہا ہے۔ جہاں میں نے یہ لفظ بدلا ہے وہاں اس کے دوسرے معنے بھی لئے جا سکتے ہیں جو ہمارے منشار کے برخلاف ہیں۔ اُس وقت حضورؒ بہت سے مہمانوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ان کے ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے اور ساتھ کے ساتھ سرسری نظر سے مسودہ بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔ گفتگو کی وجہ سے توجہ بار بار بٹ جاتی تھی اس کے باوجود مسودہ کا ایک ایک لفظ حضور کی نگاہ میں تھا اور ذہن میں محفوظ ہو رہا تھا۔ میں اُس وقت حضور کی حیرت انگیز توجہ اور حاضر دماغی پر مبہوت ہوئے بغیر نہ رہا۔ یہ بات ہے یکم دسمبر ۱۹۶۳ء کی۔ حضور اُس وقت اپنی صاحبزادی سیدہ امۃ الحلیم بیگم صاحبہ کی تقریب شادی میں مہمانوں کے درمیان ایک صوفہ پر تشریف فرما تھے۔ اس مسودہ کا اشاعت سے قبل آپ کی نظر سے گزرنا ضروری تھا اس لئے تقریب شادی کی انتہائی مصروفیت کے دوران ہی حضورؒ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔

پھر جو کتاب یا تحریر حضورؒ کے مطالعہ میں آتی تھی وہ ہمیشہ کے لئے حضورؒ کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ حافظہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے غضب کا عطا فرمایا تھا اسی لئے یاد داشت بھی اس غضب کی تھی کہ بسا اوقات لوگ ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ جس شخص کو ایک دفعہ

دیکھ لیتے تھے اُس کی شکل کبھی نہ بھولتے تھے۔ وہ خواہ کتنے ہی سال بعد دوبارہ ملتا حضورؒ اسے فوراً ہی پہچان لیتے۔ اور برسوں پہلے کی ملاقات میں اُس سے جو باتیں ہوئی ہوتیں وہ سب یاد آجاتیں۔ یہ بات دنیا بھر میں پھیلے ہوئے احباب جماعت کے متعلق ہی خاص نہ تھی بلکہ غیر ملکی اجنبیوں میں سے اگر کسی سے ایک دفعہ ملتے اور برسوں بعد اس سے سامنا ہوتا تو شناخت کر لیتے۔

اسی نوعیت کا ایک غیر معمولی واقعہ جو میرا چشم دید ہے بیان کرتا ہوں۔ ۱۹۸۰ء میں جب حضور امریکہ تشریف لے گئے تو واشنگٹن کی ایک استقبالیہ تقریب میں سربرآوردہ شخصیات کے ساتھ تعارف اور ملاقات کے دوران ایک معمر امریکن آگے بڑھا۔ اُس نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ ۱۹۷۶ء میں جب آپ پہلی مرتبہ امریکہ تشریف لائے تھے تو اُس وقت بھی استقبالیہ تقریب میں مجھے آپ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ وہ بالکل ایک اجنبی شخص تھا۔ حضورؒ نے اُس کے چہرہ پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا ہاں مجھے یاد آیا ۱۹۷۶ء میں جب استقبالیہ تقریب میں آپ مجھے ملے تھے تو آپ کا ایک بیٹا بھی آپ کے ساتھ تھا۔ وہ اُس وقت قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ نیز اُس نے بتایا تھا کہ وہ پوری دنیا کی سیاحت کی تیاری کر رہا ہے۔ اس دفعہ آپ اسے ہمراہ کیوں نہیں لائے۔ وہ اب کہاں ہے اور کیا کرتا ہے؟ وہ شخص ورطۂ حیرت میں پڑے بغیر نہ رہا۔ چند سیکنڈ دم بخود رہنے کے بعد بولا میں سمجھتا تھا آپ مجھے نہ پہچان سکیں گے، آپ اکثر بیرونی ممالک کے دوروں پر رہتے ہیں، ان دوروں میں لاتعداد انسان آپ سے ملتے ہیں، آپ ان میں سے ہر ایک کو بھلا کیسے یاد رکھ سکتے ہیں۔ مگر آپ نے تو کمال کر دیا کہ مجھ ایسے ایک عام آدمی کو چار سال بعد پہچان لیا۔ یہ کہہ کر وہ پیچھے مڑا اور اپنے اُسی لڑکے کا بازو پکڑ کے اُسے حضورؒ کے سامنے لا کھڑا کیا اور کہا یہ ہے وہ لڑکا۔ گریجوایشن کے بعد اب یہ اٹارنی بن چکا ہے اور آجکل پریکٹس کر رہا ہے۔ حضورؒ نے اُس لڑکے سے پوچھا بتاؤ تمہاری دنیا بھر کی سیاحت کا کیا بنا۔ اُس نے بتایا کہ ۱۹۷۶ء میں ہی وہ سیاحت کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا اور سارے براعظموں کی سیر کر کے چھ ماہ بعد امریکہ واپس لوٹا تھا۔ حضور نے پوچھا کیا پاکستان بھی گئے تھے۔ اُس نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نے فرمایا تو پھر میرے پاس ربوہ کیوں نہ آئے۔ اُس نے عرض کیا میرا خیال تھا آپ مجھے پہچان نہ سکیں گے کیونکہ واشنگٹن میں میری آپ سے بہت سرسری ملاقات ہوئی تھی دو تین منٹ میں مَیں نے صرف اپنا تعارف ہی تو کرایا تھا حضور نے فرمایا مَیں نے تو چار سال بعد آپ کو پہچان لیا ہے اُس وقت کیسے نہ پہچانتا۔ اب اگر کبھی پاکستان آؤ تو میرے پاس ربوہ ضرور آنا۔

مطالعہ کتب میں شغف کا یہ عالم تھا کہ علاوہ اُن کتب کے جو حضور از خود مطالعہ فرما رہے ہوتے اگر آپ کو علم ہو جاتا کہ فلاں اہم کتاب کسی احمدی کے پاس ہے تو اُس سے وہ کتاب مستعار لے کر اسے پڑھتے اور بہت احتیاط سے اسے واپس فرما دیتے۔ ۱۹۶۰-۶۱ء کی بات ہے کہ ایک دفعہ مَیں لاہور گیا تو مجھے پرانی کتابوں کی دکانوں سے پادری عمادالدین اور پادری احمد شاہ کی ۷۵، ۸۰ سال قبل کی طبع شدہ کتب مل گئیں۔ مَیں نے انہیں پڑھا تو

ان میں بہت کار آمد حوالے نظر پڑے۔ میں نے اس کا ذکر حضور رحمہ اللہ سے کیا۔ آپ نے فرمایا یہ کتب میں بھی پڑھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے وہ کتب آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ نے انہیں پڑھنے کے بعد واپس فرما دیا۔ اس کے بعد میں جب بھی لاہور جاتا تو واپسی پر دریافت فرماتے اس دفعہ اور کون سی کتب خریدیں۔ میں کتابوں کے نام عرض کر دیتا۔ آپ ان میں سے جو کتاب مطالعہ کرنا چاہتے میں پیش کر دیتا۔ اس طرح پادریوں کی متعدد کتب حضور نے مطالعہ فرمائیں ہر بار حضور کتاب پڑھنے کے بعد از خود واپس فرما دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا پادریوں کی جو کتابیں آپ مجھے مطالعہ کے لئے دیتے رہے ہیں انہیں محفوظ رکھیں ان میں بہت کار آمد حوالے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں ایک کاپی میں نوٹ کر لیں۔ یہ فرمانے کے بعد مجھے ایک بہت خوبصورت نوٹ بک عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمام حوالہ جات اس میں نوٹ کرتے جائیں تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو پھر آپ نے اپنی تقاریر میں ان کتب اور ان کے مندرجات کا ذکر کرنا شروع کیا اور جب بھی ذکر فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی فرماتے یہ کتابیں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

الغرض حضور رحمہ اللہ کو جملہ دینی و دنیوی علوم میں کامل دسترس حاصل تھی اور یہ دسترس ثمرہ تھی معجزانہ ذہانت، حافظہ و یادداشت اور شوقِ مطالعہ کی غیر معمولی خداداد قوتوں کا۔

محبت و شفقت کا بحرِ بیکراں

سراپا حسن و احسان میرے مربی و محسن آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ قدرتِ ثانیہ کے مظہر ہونے کی حیثیت میں علم و فضل ہی کے نہیں بلکہ محبت و شفقت کے بھی ایک بحرِ بیکراں تھے۔ پوری نوعِ انسانی سے محبت آپ کا خاص شیوہ تھا۔ "محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں" کو آپ کے نزدیک اصل الاصول کی حیثیت حاصل تھی خلیفۃ المسیح کی حیثیت میں آپ کو تمام افرادِ جماعت سے ایسی ہی محبت تھی جیسی ایک باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ بالخصوص صدر انجمن احمدیہ اور مرکزِ سلسلہ کے دیگر کارکنوں کے اخلاص و وفا کی از حد قدر کرتے ہوئے ان پر شفقت کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ آپ کو ان کے دکھ اور تکالیف دور کرنے کا از حد خیال رہتا تھا لیکن ان پر شفقتوں کے اظہار کے سلسلہ میں آپ دو امور کو خاص طور پر مدنظر رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ ان کے ساتھ ایسے رنگ میں حسن سلوک کیا جائے جس سے ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچے۔ دوسرے ان کے قربانی اور قناعت شعاری کے جذبہ میں کمی نہ آنے پائے۔ آپ کو کارکنانِ سلسلہ کی تکالیف کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ مجھے ایک واقعہ سے ہوا۔ میں اسے کسی قدر تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

کارکنانِ سلسلہ کے لئے دردمندی

۱۹۶۰ء اور اس کے بعد کے زمانہ میں میں مجلس انصار اللہ کے کاموں کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں بالعموم نمازِ عصر

کے بعد حاضر ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے موسم گرما کی بات ہے مَیں ایک روز کالج والی کوٹھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس روز گرمی بہت شدید تھی۔ گرمی اور لُو کی شدت کی وجہ سے دوپہر تڑپتے گذری تھی۔ اجازت ملنے پر جونہی مَیں حضور کے کمرہ میں داخل ہوا آپ نے پہلی بات ہی یہ کی کہ آج گرمی بہت زیادہ ہے۔ ہر چند کہ مَیں ساری دوپہر بجلی کے پنکھے کے نیچے لیٹا رہا ہوں پھر بھی مَیں ایک منٹ کے لئے نہیں سو سکا۔ اپنی بے کلی اور بے آرامی دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ بجلی کے پنکھے موجود ہونے کے باوجود میری یہ حالت ہے تو نہ معلوم اس گرمی میں ہمارے کارکنوں کی دوپہر کیسے گزرتی ہوگی کیونکہ ان کے کوارٹروں میں تو بجلی کے پنکھے نہیں ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی مَیں اپنی تکلیف بھول گیا اور کارکنوں کی تکلیف کے احساس نے مجھے ساری دوپہر بے چین رکھا۔ جب آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اس وقت بھی یہی احساس مجھ پر غالب تھا۔

اس پر مَیں نے عرض کیا کہ بجلی کا پنکھا تو بہت دور کی بات ہے اس کا تو کارکنوں کو کیا خیال آئے گا گرمی کی شدت کا احساس دور کرنے کے لئے پہلی ضرورت تو پانی کی فراہمی ہے۔ کارکنان کے کوارٹروں میں ہینڈ پمپ (نلکے) ہی ندارد ہیں۔ اس گرمی میں انہیں باہر لگے ہوئے نلکوں سے پانی بھر بھر کر لانا پڑتا ہے۔ اس پر حضورؒ نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا آپ کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ انجمن بھی زیر بار نہ ہو اور کوارٹروں میں نلکے بھی لگ جائیں اور وہ ہوں بھی کارکنوں کی ملکیت۔ مَیں نے عرض کیا کہ جس طرح صدر انجمن سال بھر کی گندم خریدنے کے لئے کارکنان کو پیشگی رقم دیتی ہے جس کی اقساط ماہ بماہ ان کے الاؤنسز میں سے وضع ہوتی ہیں اسی طرح کارکنان کو اپنے اپنے کوارٹر میں نلکہ لگوانے کے لئے بھی پیشگی رقم دے دی جائے جو بالاقساط ان کے الاؤنس میں سے وضع ہوتی رہے۔ حضور نے فرمایا اس طرح تو کارکنان کو گندم کے علاوہ نلکہ کی پیشگی بھی ادا کرنا پڑے گی۔ ان کا الاؤنس تو پیشگیوں کی کٹوتی کی نذر ہو جایا کرے گی۔ باقی اخراجات وہ کیسے پورے کریں گے۔ مَیں نے عرض کیا کہ گندم کی پیشگی تو دس ماہانہ اقساط میں ادا کرنی ہوتی ہے۔ نلکہ کے لئے جو پیشگی دی جائے اُس کی قسط دس روپے ماہوار سے زیادہ نہ ہو نلکہ تین صد میں لگتا ہے۔ اس طرح یہ رقم دس روپے ماہوار کی قسط کے حساب سے اڑھائی سال میں انجمن کو واپس مل جائے گی۔

حضور نے خاکسار کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور مجھے ارشاد فرمایا کہ مَیں یہ تجویز ایک درخواست کی شکل میں لکھ کر آپ کے (یعنی صدر، صدر انجمن احمدیہ کے) دفتر میں دے دوں۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں مَیں نے اگلے ہی روز اپنی تحریری درخواست دفتر میں پہنچا دی۔ حضور نے میری یہ درخواست صدر انجمن احمدیہ کے اجلاس میں پیش کر کے یہ قاعدہ منظور کرا دیا کہ کارکنان نلکہ کے لئے پیشگی رقم لے سکتے ہیں لیکن رقم لینے کے بعد ایک تو انہیں اپنے کوارٹر میں لازمی طور پر نلکہ لگوانا پڑے گا۔ دوسرے اس کی دس روپے ماہوار قسط بلاناغہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں انہیں خود جمع کرانا ہوگی۔ اس تجویز کے پاس ہونے کے بعد پانچ کارکنان کو تجربۃً نلکہ کے لئے پیشگی رقم دی گئی۔

خاکسار ان میں سے ایک تھا۔ اس طرح حضور کی دردمندی اور غیر معمولی شفقت کے نتیجہ میں میرے ہاں پانی کا نلکہ لگ گیا اور مَیں اور میری طرح دوسرے کارکن گرمی کے موسم میں باہر سے پانی بھر کر لانے کی مشقت سے بچ گئے۔ اس کے بعد اسی تجویز پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خاکسار کے ہاں بجلی کا پنکھا بھی لگا۔ اس طرح گرمیوں کے موسم میں دوپہر نسبتاً آرام سے بسر ہونے لگی۔ یہ ایک واقعہ مَیں نے مثال کے طور پر اس لئے تحریر کیا ہے کہ تا یہ ظاہر ہو سکے کہ حضور رحمہ اللہ شروع ہی سے کارکنانِ سلسلہ کے حق میں از حد شفیق اور دل کے حلیم واقع ہوئے تھے۔ آپ کے سینہ میں واقعی ایک دردمند دل تھا جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتا تھا اور اُس وقت تک قرار نہ پکڑتا تھا جب تک کہ ازالہ کی کوئی صورت نہ نکلے۔

نوازش ہائے بے جا

واقفین زندگی اور کارکنان کے ہاں حضور کبھی کبھی تحائف بھی بھجوایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضور مجلس انصار اللہ کے صدر کی حیثیت سے حیدر آباد (سندھ) تشریف لے گئے۔ وہاں سے مختلف قسم کی نہایت اعلیٰ قسم کی لذیذ کھجوریں لائے۔ ان میں سے کھجوروں کی ایک وافر مقدار خاکسار کے گھر بھی بھجوائی۔ لانے والے کے ہاتھ یہ پیغام بھجوایا کہ یہ آپ کے بچوں کا حصہ ہے۔ حضور نے اپنی کوٹھی میں انجیر کے دو بہت ہی اعلیٰ قسم کے پودے لگوائے تھے۔ ان پر بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ انجیر لگتے تھے۔ جب سے مَیں ماہنامہ "انصار اللہ" کا ایڈیٹر مقرر ہوا حضور سال کے سال بہت وافر مقدار میں انجیر میرے گھر بھجواتے رہے۔ جب تک حضورؒ کالج والی کوٹھی میں رہائش پذیر رہے شہد بھرے کوزوں (انجیر تھے ہی بہت شیریں اور لذیذ) کا یہ نایاب تحفہ اس ہیچمدان کے گھر باقاعدگی سے پہنچتا رہا۔ اور مَیں اور میرے بچے بِغَیْرِ حِسَاب ملنے والے اس تبرک سے جی بھر کر فیض یاب ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ حضور کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے اور کالج والی کوٹھی سے قصرِ خلافت میں منتقل ہونے تک جاری رہا۔

اُسی زمانہ کی بات ہے کہ ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر چینی کی شدید قلت تھی۔ مَیں نے مہمانوں کی خدمت میں گڑ کی چائے پیش کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ حضورؒ افسر جلسہ سالانہ تھے۔ برادرم سید عبدالباسط صاحب مرحوم نائب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی ڈیوٹی افسر جلسہ سالانہ کے دفتر میں ہوا کرتی تھی۔ جلسہ سے ایک روز قبل انہوں نے مجھے ایک چِٹ دی اُس پر افسر صاحب جلسہ سالانہ کی طرف سے ناظم سپلائی کے نام یہ حکم درج تھا کہ مسعود احمد صاحب دہلوی کو ان کے مہمانوں کے لئے پانچ سیر چینی بلاقیمت دے دی جائے۔ اس کے بعد یہ چِٹ ہر جلسہ سالانہ کے موقع پر ملتی رہی اور آج تک ملتی چلی آ رہی ہے۔ اس طرح حضور کی شفقت بے پایاں کی مٹھاس سے ہر سال جلسہ سالانہ کے موقع پر میرے ہاں قیام کرنے والے مہمان بھی مسلسل بہرہ یاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

اسی طرح حضور کو تحفہ میں پانوں کی جو ڈھولیاں آتی تھیں ان میں سے حضورؒ بہت بڑی تعداد میں پان کے اعلیٰ قسم کے پتے خاکسار کو بھی بھجوایا کرتے تھے۔ خاص

طور پر اس نوازش بے جا کی وجہ یہ ہو گی کہ میں دلی کا رہنے والا ہوں اور دلی والے تو ہوتے ہی پان خور مشہور۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور؟ اس نابکار کو مسلسل نوازشات سے نوازتے رہے۔ میں ان نوازشات کو غالب کی اصطلاح میں "نوازش ہائے بے جا" اس لئے کہتا ہوں کہ میں ہرگز ان نوازشات کا اہل نہیں تھا۔ مجھ ایسے نااہلوں پر نوازشات کی پھوار نہیں بوچھاڑ وہی وجود باجود کرسکتا ہے جو محبتوں اور شفقتوں کا بحرِ بے کراں ہو۔ میرے آقا کا وجود اس لحاظ سے واقعی ایک ناپیدا کنار سمندر تھا جو بیش قیمت موتیوں اور بے بہا جواہرات سے اٹا ہوا تھا۔

شفقت کا ایک نہایت پیارا اور نرالا انداز

اب میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقت کے ایک نہایت ہی پیارے اور نرالے انداز کا ذکر کرتا ہوں حضور کو خدائی تصرفات کے تحت مسند خلافت پر متمکن ہوئے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تصرف خاص کے ماتحت مجھے اپنا ذاتی مکان تعمیر کرانے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں نے ۸ یا ۹ مارچ ۱۹۶۶ء تک مجوزہ مکان کے لئے بنیادیں کھدوانے اور تعمیر کا سامان فراہم کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے مکان کی تعمیر کے عزم کا ذکر کیا اور پھر اس کی تکمیل کے لئے اور اس کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور اس اطلاع سے از حد مسرور ہوئے اور پھر مجوزہ مکان کی تفصیلات پوچھیں پھر فرمایا رقم آپ کے پاس کتنی ہے۔ میں نے رقم بتائی۔ فرمایا اس رقم سے مکان تو بن جائے گا لیکن یہ رقم آئی کہاں سے؟ اگر قرض لی ہے تو اتاریں گے کیسے؟ میرے بتانے پر کہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی متروکہ جائیداد کے کلیم میں سے شرعی حصہ ملا ہے۔ حضور نے بہت خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میری درخواست ہے کہ حضور اپنے دستِ مبارک سے مکان کا سنگِ بنیاد رکھیں۔ فرمایا بنیاد رکھوانی کس دن ہے؟ عرض کیا بنیادیں کھدوانے کے علاوہ تیاری مکمل کر لی ہے حضور جس روز پسند فرمائیں ازراہِ ذرہ نوازی بنیاد رکھ دیں۔ فرمایا اگر یہ بات ہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کچھ دن انتظار کرو۔ میں دن مقرر کر کے خود بتاؤں گا۔ میں دعا کی درخواست کر کے واپس چلا آیا۔

کچھ دن کے بعد صبح نو بجے حضور نے مجھے یاد فرمایا۔ حاضر خدمت ہونے پر میرے سپرد مسودات کی چیکنگ کا کام کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی کمرہ میں ایک طرف بیٹھ کر میری موجودگی میں کام شروع کر دو۔ میں کام میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ بارہ بجے دوپہر ارشاد ہوا۔ مسودات سمیٹ کر ایک طرف رکھ دو۔ میں انشاء اللہ العزیز آج نماز عصر کے بعد تمہارے مکان کا سنگِ بنیاد رکھنے آؤں گا۔ سوچ کر بتاؤ میں نے آج سنگِ بنیاد رکھنے کا کیوں فیصلہ کیا ہے؟ پہلے تو وجہ سمجھ میں نہ آئی لیکن خدائی تصرف کے ماتحت بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے یکدم عرض کیا آج ۱۴ مارچ ہے یعنی وہ مبارک دن کہ جب خلافتِ ثانیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ بہت ہی متبسم انداز میں فرمایا ٹھیک سمجھے ہو۔ اب تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ اس ایک گھنٹے کے اندر اندر جو تیاری کرنی ہے کر لو اور جن لوگوں کو بلانا ہے انہیں اطلاع کر دو۔ ایک بجے واپس آ کر تم نے

ظہر کی نماز مسجد مبارک میں ادا کرنی ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر دفتر میں میرے پاس واپس آجانا ہے۔ جانتے ہو میں نے اتنا تنگ وقت کیوں دیا ہے؟ میں نہیں چاہتا کہ تم مٹھائی کی تقسیم میں اِسراف سے کام لو۔ تمہارے پاس رقم تھوڑی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سنگِ بنیاد کی تقریب پر زیادہ رقم خرچ کر کے زیر بار ہو جاؤ۔ میں چلنے لگا تو مزید فرمایا کہ منصورہ بیگم بھی میرے ساتھ آئیں گی۔ کیا انہیں وہاں کسی گھر میں ٹھہرانے کا انتظام ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا جس قطعۂ زمین پر میں مکان تعمیر کر رہا ہوں اس کے عین سامنے محترم پروفیسر بشارت الرحمن صاحب کا مکان ہے۔ حضرت سیدہ ان کے ہاں ٹھہر سکتی ہیں۔ فرمایا درست ہے مگر بشارت الرحمن صاحب کو اس کی اطلاع کر دیں۔

حضور کا ارشاد سن کر میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس شفقت پر کہ حضور نے سنگِ بنیاد کے لئے ۱۴ مارچ کا مبارک دن مقرر فرمایا میں خوشی سے جھوم اٹھا اور یہ دیکھ کر کہ حضور کو مجھے زیر باری سے بچانے کی کتنی فکر ہے بلا اختیار میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

میں حضور کے دفتر سے باہر آکر تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا وقف عارضی کے دفتر میں داخل ہوا اور حضرت مولانا ابو العطاء صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ سنگِ بنیاد کی تقریب میں ضرور تشریف لائیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا میں نے آج بعد نماز عصر بعض بزرگوں اور دوستوں کو چائے پر مدعو کیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود میں دعا میں شریک ہونے کے لئے آؤں گا ضرور۔ وہاں سے میں سائیکل پر سیدھا گھر پہنچا۔ بچوں کو اطلاع دی اور ان سے کہا کہ وہ فوری طور پر بازار سے دس سیر لڈو خرید کر زیر تعمیر مکان پر پہنچ جائیں اور محلہ دار الرحمت غربی کے صدر محترم کیپٹن محمد سعید صاحب کو اطلاع کر دیں کہ حضور ان کے محلہ میں مکان کا سنگِ بنیاد رکھنے تشریف لا رہے ہیں وہ اور ان کی مجلس عاملہ کے اراکین تقریب میں ضرور شریک ہوں اس کے بعد میں نے وضو کیا اور نماز ظہر کے لئے مسجد مبارک میں پہنچ گیا۔ حضور کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے بعد میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں گیا اور وہاں بیٹھ کر لگا انتظار کرنے کہ کب حضور دفتر میں دوبارہ طلب فرماتے ہیں۔ میں بیٹھا انتظار کر ہی رہا تھا کہ ایک خادم ہاتھوں میں ٹرے تھامے میرے پاس آیا اور کہا حضور نے اندر سے آپ کے لئے کھانا بھجوایا ہے۔ یہ لے لیں۔ میں نے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم کے کمرہ میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ حضرت مولانا بھی اس تبرک میں شریک ہوئے۔ کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ حضور کی طرف سے پیغام آیا اب آپ جا سکتے ہیں۔ مسودات کی چیکنگ کا بقیہ کام کل ہو گا۔ آپ جا کر سنگِ بنیاد کی تقریب کی تیاری کریں۔ اُس وقت تک دو بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے۔

میں گھر واپس آیا۔ اس عرصہ میں بچے لڈو خرید کر واپس آچکے تھے۔ جب بچوں نے محلہ دار الرحمت غربی کے صدر محترم کیپٹن محمد سعید صاحب کو جا کر سنگِ بنیاد کی اطلاع دی تو وہ نماز ظہر کے لئے مسجد ناصر جا رہے تھے۔ کیپٹن صاحب نے مسجد میں اعلان کر دیا کہ حضور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد پہلی مرتبہ ہمارے محلہ میں تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں تقریب میں شریک ہوں۔

ٹاؤن کمیٹی کے سیکرٹری مکرم نور احمد صاحب عابد اسی محلہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ حضور تشریف لا رہے ہیں انہوں نے کمیٹی کے تمام جمعداروں کو صفائی پر مقرر کر دیا۔ اور اس تمام راستہ پر جس پر سے حضور کی موٹر کار نے گزر کر آنا تھا چھڑکاؤ کرا دیا۔ وقت کی تنگی کے باوجود دیکھتے ہی دیکھتے سب انتظامات ہو گئے۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو بھی میں اتنے وسیع پیمانہ پر انتظام نہ کر سکتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے خلیفہ برحق کی خاطر پلک جھپکنے میں یہ سب انتظامات کرا دیئے۔

نماز عصر کے بعد لوگ آنا شروع ہوئے اور اس کثرت سے آئے کہ گلی بھر گئی۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب نے اُس وقت اپنے گھر پر محترم صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بار ایٹ لاء کے اعزاز میں چائے کی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد صاحبزادگان بھی مدعو تھے۔ حضرت مولانا کی زبانی جب ان صاحبزادگان کو علم ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث قریب کے محلہ میں اس خاکسار کے مکان کا سنگِ بنیاد رکھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی دعا میں شریک ہوں گے۔ چائے واپس آ کر پی لیں گے۔ چنانچہ یہ سب صاحبزادگان بھی حضرت مولانا کی معیت میں تشریف لے آئے۔ ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) بھی شامل تھے آپ نے آتے ہی نقشہ ملاحظہ فرمایا۔ مجوزہ کمروں کا تفصیلی جائزہ لیا اور از حد خوشی کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا۔ ٹھیک پانچ بجے حضور رحمہ اللہ مع حضرت سیدہ بیگم صاحبہ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد نصب فرمایا اور دعا کرائی جس میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود احباب شریک ہوئے۔

مَیں کتنی بھی کوشش کرتا اتنی کثیر تعداد میں احباب جماعت اور بزرگوں کو جمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔ حضور رحمہ اللہ کی توجہ اور شفقت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں احباب، بزرگوں اور صاحبزادگان کو از خود کھینچ بلایا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے احباب کے دلوں میں اشتعالِ شوق پیدا کر کے انہیں کھینچے لئے آ رہے ہیں۔ ایک ادنیٰ خادم پر حضور کی شفقت بے پایاں کا یہ کرشمہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس عاجز کو حضور اور حضور کی اقتداء میں سینکڑوں احباب، بزرگوں اور صاحبزادگان کی مقبول دعاؤں کا مورد بنایا اور پھر میری قلیل رقم میں اس قدر برکت ڈالی کہ مکان تین ماہ سے بھی کم عرصہ میں مکمل ہو گیا اور مکان کی تکمیل کے بعد میرے پاس ڈیڑھ ہزار روپے کی رقم بچ رہی۔ اس کے بعد میرے گھر پر برکتوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ حضورؒ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ربوہ کے محلہ جات میں تعمیر ہونے والا غالباً یہ پہلا رہائشی مکان تھا جس کی بنیاد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس تشریف لا کر اپنے دست مبارک سے خود رکھی۔

بیرونی ممالک کے سفروں کے دوران خدام پر شفقتوں کی بارش

خاکسار کو حضور رحمہ اللہ کے بیرونی ممالک کے تبلیغی دوروں میں ایک خادم کی حیثیت سے تین مرتبہ ہمرکابی کا خصوصی شرف حاصل ہوا۔ یہ تینوں غیر ملکی سفر یورپ، امریکہ اور افریقہ کے وسیع دوروں پر مشتمل تھے۔ ان دوروں میں مَیں نے بطورِ خاص

محسوس کیا کہ اپنے ہمراہی خدام پر حضور کا شفقتوں کا بحرِ بیکراں
عجیب مدّ اور تموّج کی حالت میں ہوتا۔ حضورؒ اپنے خدام کی
ضرورتوں کا از حد خیال رکھتے اور نئے نئے رنگ میں ہر ایک
کی عجب دل موہ لینے والے انداز میں دلداری فرماتے۔ ایک
تو ہر خادم سے بار بار دریافت فرماتے رہتے کہ کوئی تکلیف
تو نہیں ہے۔ تکلیف کا تو سوال ہی نہ تھا تاہم اگر حضور
انتظام میں خود کوئی کمی محسوس فرماتے تو اُس کے تدارک
کا فوراً اہتمام کرلتے۔ ان سفروں کے دوران خدام پر شفقتوں
کے بے شمار واقعات میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔

کمال شفقت کا اظہار

۱۹۷۵ء کے دورۂ یورپ کے وقت حضورؒ طبی معائنہ
اور علاج کی غرض سے لندن میں قیام فرما تھے۔ وہاں میرے
سوٹ کیس کا تالا خراب ہوگیا اور وہ اس قابل نہ رہا کہ مَیں
اسے سفر پر اپنے ساتھ لے جاسکوں۔ مَیں نے مجبوراً لندن میں
نیا سوٹ کیس خریدنے کا فیصلہ کیا۔ حضور کو کسی طرح اس
بات کا علم ہوگیا۔ حضور نے فوراً ہی مجھے پیغام بھجوایا کہ سوٹ
کیس نہ خریدیں۔ مَیں اپنا سوٹ کیس (جو اس وقت میرے
استعمال میں ہے) دے دوں گا۔ کیونکہ مَیں ایک نیا سوٹ کیس
خرید رہا ہوں۔ دو تین روز کے اندر اندر حضور نے نیا
سوٹ کیس خرید لیا اور اپنا پرانا سوٹ کیس جو بہت قیمتی
اور اچھی حالت میں تھا مجھے مرحمت فرمادیا۔ حضورؒ کی اس
شفقت کے نتیجہ میں مَیں زیرِ بار ہونے سے ہی نہیں بچا
بلکہ ایک ایسا تبرک جس کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا
جاسکتا میرے حصہ میں آیا۔ وہ یادگار اور تاریخی سوٹ کیس
آج بھی میرے استعمال میں ہے اور ہمارے خاندان کے لئے
ایک انتہائی متبرک اور قابلِ فخر سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔
یہ ایک ایسا یادگاری تحفہ ہے جو مجھے اور میری نسلوں کو
حضور کی تاحیات جاری رہنے والی شفقتیں یاد دلاتا رہے
گا اور وہ اس پر فخر کرتی رہیں گی۔

دلداری کی انتہا

اُنہی دنوں کی بات ہے لندن مشن نے حضورؒ کو انگلستان
کے مشہور ساحلی مقام برائٹن کی سیر کرانے کا پروگرام بنایا۔
حضور جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے تھے روانگی سے قبل
از خود اس امر کا جائزہ لے لیتے تھے کہ قافلہ کے تمام ارکان
ہمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی موجود نہ ہوتا تو اسے بلواتے اور
اس کے آنے اور مقررہ موٹر میں سوار ہونے کے بعد روانہ
ہوتے۔ میرا قیام لندن مشن ہاؤس کی تیسری منزل پر تھا۔
مبلغ انگلستان محترم بشیر احمد صاحب رفیق کو اُس روز مجھے
بتانا یاد نہ رہا کہ آج نمازِ عصر کے بعد برائٹن جانا ہے۔ مَیں
اپنے کمرہ میں بیٹھا کام کرتا رہا اور حضور مع اہلِ قافلہ لندن
کے متعدد احبابِ جماعت کے ہمراہ موٹر کاروں کے ذریعہ
برائٹن کیلئے روانہ ہوگئے۔ برائٹن لندن سے پینتیس چالیس میل
دور ہے۔ پندرہ میل دور جانے کے بعد حضور نے یکدم موٹر کاریں
رکوا دیں اور فرمایا جب ہم لندن سے روانہ ہوئے تھے تو
مجھے دہلوی صاحب نظر نہیں آئے تھے۔ پتہ کریں کہ وہ ہمراہ
ہیں یا نہیں۔ تمام کاریں دیکھ کر بتایا گیا کہ وہ نہیں ہیں۔ محترم
بشیر احمد صاحب رفیق نے عرض کیا کہ مَیں انہیں اطلاع دینی
بھول گیا تھا اس لئے وہ ساتھ نہیں آسکے۔ حضورؒ نے حکم دیا

کہ ایک موٹر کار ابھی واپس جائے اور دہلوی صاحب کو لے کر سیدھی برائٹن پہنچے۔ حضورؒ دوسری کاروں کے ہمراہ برائٹن کی جانب روانہ ہوئے اور مکرم مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کار میں واپس لندن آئے اور مجھے ساتھ لے کر بہت تیز کار چلاتے ہوئے کچھ دیر بعد برائٹن پہنچے۔ حضور کی اس شفقت پر مَیں ورطۂ حیرت میں ڈوبے بغیر نہ رہا۔ خدام میں سے میرے یا کسی اَور کے ہمراہ نہ جانے سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ یہ محض حضورؒ کی اپنے خدام پر شفقت اور ان کی دلداری کا خیال تھا کہ حضور نے برائٹن کی سیر میں میری غیر موجودگی کو گوارا نہ کیا۔ اور ایک موٹر کو لندن واپس بھجوا کر مجھے برائٹن بلوایا۔ اسکے بعد حضور نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ روانگی سے قبل تسلی فرمالیتے تھے کہ جملہ اہل قافلہ ہمراہ ہیں یا نہیں ۔

لندن پہنچے ہوئے ہمیں ابھی چند روز ہی ہوئے تھے ایک روز حضور نے از راہِ شفقت خاکسار سے پوچھا کوئی تکلیف ہو تو بتائیں۔ مَیں نے عرض کیا کوئی تکلیف نہیں۔ پھر پوچھا کھانا تو ٹھیک مل رہا ہے۔ مَیں کہہ بیٹھا کہ سالن کے ساتھ ڈبل روٹی کھانے کی ابھی تک عادت نہیں پڑی۔ کھانے کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ نوالہ حلق سے ذرا مشکل سے اترتا ہے۔ میرا جواب سن کر حضورؒ مسکرائے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ نماز ظہر کے بعد مَیں اپنے کمرہ میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور مشن کی تیسری منزل میں جہاں میرا قیام تھا تشریف لا رہے ہیں اور ہاتھ میں چھوٹے سے کپڑے میں کوئی چیز اٹھائی ہوئی ہے اور کسی قدر بلند آواز میں فرما رہے ہیں کہ دہلوی صاحب کہاں ہیں۔ مَیں دوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی کپڑا میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا اس میں دو چپاتیاں ہیں جو خاص آپ کے لئے مَیں نے پکوائی ہیں۔ مَیں نے امریکہ سے ہاتھ سے چلنے والی ایک چھوٹی سی چکّی منگوائی ہے اس پر بمشکل اتنا آٹا پستا ہے کہ جس سے چار چپاتیاں بن سکیں۔ دو چپاتیاں مَیں کھاتا ہوں دو چپاتیاں آپ کو روزانہ دونوں وقت مل جایا کریں گی۔ اپنے ایک ادنیٰ خادم پر حضورؒ کی اس غایت درجہ شفقت پر مَیں ششدر رہ گیا اور زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ مَیں نے بولنا چاہا لیکن ایک لفظ زبان سے نہ نکلا اور دیوانوں کی طرح ہکّا بکّا کھڑا فضا میں اِدھر اُدھر گھورتا رہا۔ حضور کے تشریف لے جانے کے بعد جب ہوش بجا ہوئے تو مَیں دل میں بہت شرمندہ ہوا کہ مَیں نے ڈبل روٹی کھانے میں دقت کا اظہار کیوں کیا۔ ہم جتنے دن لندن میں رہے مجھے دونوں وقت دو چپاتیاں باقاعدگی سے ملتی رہیں اور مَیں حضور کی شفقت بے پایاں کے طفیل لندن میں بھی توے پر پکی ہوئی تازہ روٹی کھاتا رہا۔

شفقتوں کی زندہ جاوید یادیں

شفقتوں کا کوئی شمار نہیں اور شفقتوں کے مورد بننے والے بھی بے حد و بے شمار۔ پھر ان شفقتوں کا تذکرہ کیوں دراز سے دراز تر نہ ہو۔ ان کا تذکرہ صرف آئندہ ہی نہیں قیامت تک ہوتا رہے گا اور آنے والی نسلیں قیامت تک سراپا حسن و احسان اس وجود باجود کی یاد پر محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کرتی رہیں گی۔ ہمارا وہ مربّی و محسن اور انتہائی شفیق آقا اگرچہ ہم سے جدا ہو چکا ہے لیکن اس کی شفقتوں کی حسین یادیں آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ پھر

اُس کے جدا ہو جانے کے باوجود نئی شفقتوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے کیونکہ خلافت کے آسمانی نظام کی برکت سے وہ آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے۔ ہم بفضل اللہ تعالیٰ وہ خوش نصیب ہیں کہ ہم پیدا ہی شفقتوں کے مورد بننے کے لئے ہوئے ہیں۔ ایک شفیق وجود جاتا ہے خدا تعالیٰ ہمیں ایک نیا شفیق وجود عطا کر دیتا ہے اور اس طرح شفقتوں کے تسلسل میں فرق نہیں آنے دیتا۔ یہی ہمارا امتیاز ہے اور یہی ہمارا نشان۔

مفارقت

ﺛ ﺛ ﺛ

عاشقی جتنی وفادار ہوئی جاتی ہے
دلبری اتنی ہی دلدار ہوئی جاتی ہے

میرے محبوب مجھے چھوڑ گئے ہو تنہا
کیوں خفا بندے سے سرکار ہوئی جاتی ہے

عشق مظلوم ہے بےبس ہے نہ جانے کب سے
بے بسی عادتِ ابرار ہوئی جاتی ہے

نہ نگاہوں میں شکایت نہ زباں پر شکوہ
عاشقی ظلم سے دوچار ہوئی جاتی ہے

آج بھی جلتے ہیں پروانے سرِ شمع جمال
حسن سے عشق کی تکرار ہوئی جاتی ہے

عاشقو یار کے دربار میں فریاد کرو
عاشقی طعنۂ اغیار ہوئی جاتی ہے

ان کا انکار بھی بن جاتا ہے عینِ تسلیم
اپنی تسلیم بھی انکار ہوئی جاتی ہے

رقصِ ابلیس کو اب روک بھی دے اے مولیٰ
قوم کی قوم گنہگار ہوئی جاتی ہے

خود ہی آ جاؤ یا مضطر کو بلا لو اے دوست
زندگی حسرتِ دیدار ہوئی جاتی ہے

وہ عشق ہی ناقص ہے جو ہو جاتا ہے ناکام

اپنوں ہی کا جھگڑا ہے نہ دشمن سے ہے کچھ کام
ہے ہم پہ فقط تیری وفاداری کا الزام
اے عشق مجھے گھیر کے میدان میں مت لا
گمنام ہی اچھا ہوں مجھے رہنے دے گمنام
دیکھا ہے ضرور اس نے جلالِ رُخِ تاباں
کیوں غیر ہوا جاتا ہے یوں لرزہ براندام
اب دُودھ کو پانی سے جُدا کر کے رہے گا
یہ فتنۂ تازہ کہ جو اُٹھا ہے سرِ بام
اِترا نہ اِس آغاز کو انجام سمجھ کر
دیکھا ہی نہیں تُو نے اِس آغاز کا انجام
ناکام نہیں ہوتا زمانے میں کبھی عشق
وہ عشق ہی ناقص ہے جو ہو جاتا ہے ناکام
اک دَرد سا ہے دل میں چھپائے لیے پھرتے
خاموش نظر آتے ہیں کچھ روز سے خُدّام
بڑھ جاتا ہے مجبوری و مہجوری کا احساس
جب ذہن میں آ جاتے ہیں کچھ لوگ سرِشام
یہ کونسا انصاف ہے تم خود ہی بتاؤ
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

محمد علی چودھری، سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج

حضور رح اور حضرت میاں شریف احمد صاحب رض کی گرفتاری اور جیل ......

نقشِ اوّلین

مکرم ثاقب زیروی صاحب ـــــ لاہور

سیدی و محبوبی حضرت صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد نور اللہ مرقدہٗ کے فرزندِ دلبند صاحبزادہ میرزا فرید احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ کا اصرار ہے کہ مَیں اُس وجود باجُود سے منسوب و معنون (خالدؔ کی اشاعتِ خصوصی کیلئے) اُن یادوں میں سے کچھ لکھوں جن کا سلسلہ کم و بیش نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے اور اِدھر میرا یہ عالم کہ ابھی تک دل کے کسی زخم پر کچّا کھرنڈ تک نہیں آیا ـــــ رات کو دیدہ و دانستہ رات گئے تک خواہ مخواہ بھی لکھنے میں مصروف رہتا ہوں، لیکن اِدھر بستر پر دراز ہوا اور قلب وذہن پر محبّت و رأفت کے اس مرقع کی مہکتی ہوئی یادیں دل و دماغ پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ عید الفطر سے پہلی رات کی بات ہے۔ حسبِ معمول ان معطّر یادوں کی محفل جو جمی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ محبوبِ دلنواز میرے اتنا قریب ہے کہ اس کے معصوم و متبسم رُخِ انور کی شعاعیں مجھ پر پڑ رہی ہیں۔ نزولِ اجلال فرماتے ہی ارشاد ہوا "ثاقب ـــ تازہ کلام سُناؤ" عرض کیا حضور ایک "غزل نما نظم" ہوئی ہے پیش کرتا ہوں (جو ابھی اشاعت میں کسی دوسری جگہ شریک ہے) غزل کے آخری شعر تک پہنچتے پہنچتے میری آواز بھرا گئی اور حلق روندھ گیا۔ مقطع کے بعد نگاہیں اُٹھا کر اس روئے انور کو دیکھنے ہی والا تھا کہ فرمایا "ثاقب بہت اُداس ہو" عرض کی ـــ "ہاں حضور بہت" اور آنکھ کھل گئی۔

جب فکر و نظر اس کیفیتِ کرب آفریں سے دوچار ہوں تو ظاہر ہے اس میں ماضی قریب کی شفقتوں کا دوہرانا کسی صورت ممکن نہیں اس لیے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتابِ ناز و نیاز کا اولین ورق ہی پیش کردوں۔ جب میں شعر کہنے کی سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود محض ایک کندہ ناتراش دیہاتی تھا (نہ اظہار و بیان کا سلیقہ) اور نہ آدابِ محفل ہی کا کامل شعور اور جس کی ایک ایک تفصیل جُوں کی تُوں قلبِ محزوں پر نقش ہے۔

ایک دیرینہ دلی خواہش

دوسرے یا تیسرے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ کی بات ہے جس کا افتتاح حضرت المصلح الموعود (اللہ آپ سے راضی ہو) نے مسجد اقصیٰ میں فرمایا تھا۔ میں اجتماع میں نمائندہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ یونہی (چھٹی لے کر) دو چار دن "قادیان دارالامان" کی بابرکت فضاؤں میں گزارنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ زیرہ میں شاید ابھی مجلس خدام الاحمدیہ قائم بھی نہیں ہوئی تھی اور مکرم مولوی محمد سلیم صاحب (سابق مبلغ فلسطین) کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ انہی کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ کل حضرت خلیفۃ المسیح مسجد اقصیٰ میں خطاب فرمائیں گے یہ سنتے ہی میرے دل میں اس اجلاس کے لیے ایک تازہ نظم کہنے کی تحریک پیدا ہوئی اور میں اسٹیشن کی طرف کو نکل گیا قادیان میں ان دنوں میری واقفیت بہت ہی محدود تھی خاندان مسیح موعود کے کسی فرد سے بھی ذاتی شناسائی نہ تھی میری واقفیت کا دائرہ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب (جنہیں آپ کے حضرت ابا جان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے باعث میں تایا جی کہکر پکارا کرتا تھا) مولوی محمد سلیم صاحب اور چند نوجوان طلبہ (شمس الدین صاحب سیال، جلال الدین صاحب قمر۔ حافظ عبدالسلام جوگی اور راجہ محمد یعقوب ظفر) ہی محدود تھا۔ میں مغرب کے بعد واپس آیا اور نظم مولوی محمد سلیم صاحب کو سنائی۔ جسے انہوں نے پسند کیا۔ اس پر میں نے ان سے اپنی اس دیرینہ دلی خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کسی طرح کل کے اجلاس میں میری نظم پڑھوا دیں۔ مگر انہوں نے کہا "یہ میرے بس کا روگ نہیں۔ حضور کی تقریر سے پہلے عموماً صرف انہی اشخاص کو نظم پڑھنے کیلئے کہا جاتا ہے جن کے ناموں کی حضور اجازت دیں اور اگر کلام خود حضور ہی کا ہو تو اسے وہی شخص پڑھتا ہے جسے حضور نے اس کے لیے ارشاد فرمایا ہو"۔ بہرحال ہم اگلے دن اجلاس کے وقت سے کچھ پہلے ہی مسجد اقصیٰ میں پہنچ گئے اور شمالی جانب کنوئیں کے پاس تایا جان حضرت مولانا راجیکی صاحب کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تایا جان نے حسب معمول اپنے مخصوص انداز میں مجھے پیار کیا۔ جس کی شہ پاکر میں نے ان سے بھی اپنی دلی خواہش بیان کر دی۔ آپ نے بھی اس سلسلہ میں معذوری ظاہر کی، لیکن پھر چند منٹوں کے بعد مسجد کی جنوبی جانب کھڑے ہوئے ایک خوبرو جوان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "ان سے جا کر کہو وہ شاید کچھ مدد کر سکیں"۔ میں یہ سنتے ہی اٹھا اور اس خوش پوش و خوبرو جوان کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہونے سے پہلے تو اوپر سے نیچے تک مجھے غائر نظر سے دیکھا (کھدر کا پاجامہ، کھدر کا کرتہ اور شیروانی جس کے سارے بٹن کھلے ہوئے) پھر کہا۔

"فرمائیے۔ کچھ مجھ سے کہنا ہے؟"

عرض کیا۔ "جناب میں اس اجلاس میں نظم پڑھنا چاہتا ہوں"۔

جواب ملا۔ "نہیں اس جلسے میں آپ نظم نہیں پڑھ سکتے"۔

اس پر میں نے اپنے مخصوص دیہاتی لاابالی پن سے کہا۔ "جناب میں زیرہ ضلع فیروزپور سے آیا ہوں۔ کیا قادیان کے جلسوں میں باہر والوں کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیا آپ یہ

پسند کریں گے کہ مَیں جلسہ میں جہاں بیٹھا ہوں وہیں کھڑا ہو کر نظم پڑھنا شروع کر دُوں" مُسکراتے ہوئے لیکن تحکمانہ انداز میں جواب ملا۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم آپ کو اُٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیں گے" اور مَیں اپنی ایک دیرینہ دلی خواہش کی اس پذیرائی پر اپنا سا منہ لے کر اپنی جگہ پر واپس جا بیٹھا۔ حضرت تایا جان نے مجھے کچھ ملول دیکھا تو اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا۔

"کیوں سوہنیا کچھ بنیا؟"

مَیں نے انتہائی مغموم لہجے میں عرض کیا "نہیں تایا جی اوس نوجوان نیں تاں ایس طراں ٹکے ورگا جواب دے دِتا اے جس طراں اوہ حضرت صاحب دا پُتر اے۔"

فرمایا — "سوہنیا اوہ حضرت صاحب دا پُتر ای تاں اے بھئی اوہ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد نیں۔"

مشروطہ اجازت

یہ سنتے ہی مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ مَیں نے حضور کے صاحبزادے کے ساتھ شایانِ شان انداز میں گفتگو نہیں کی اور دل میں اس احساس کے ابھرتے ہی وہاں سے اُٹھ کر معذرت خواہی کے لیے پھر حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ جو مجھے دیکھتے ہی پہلے مُسکرائے۔ پھر فرمایا:

"آپ پھر آگئے۔ اب کیا ارادہ ہے؟"

عرض کیا — حضرت میاں صاحب! میں اپنی بے باک گفتاری کی معذرت کرنے آیا ہوں اصل میں آپ سے متعارف اور آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ نہ تھا — فرمایا۔ اچھا معاف کیا پھر؟

اب عرض یہ ہے کہ آپ میری نظم دیکھ لیں جو مَیں نے اس اجلاس کے لیے خاص طور پر کہی ہے اور یہ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نظم اچھی پڑھتا ہوں محفل کو ہرگز بدمزہ نہ ہونے دُونگا۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو مَیں اس کے چند شعر آپ کو یہیں پڑھ کر بھی سُنا سکتا ہوں"۔ فرمایا۔ کہاں ہے وہ نظم؟" مَیں نے نظم آپ کے دستِ مبارک میں دیدی مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا "نظم تو اچھی ہے ممکن ہے آپ کی دوسری بات بھی ٹھیک ہو"۔ بات دراصل یہ ہے کہ بعض لوگ اشعار ایسی بھونڈی لَے میں اور ایسے غلط تلفظ کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں کہ مقرر کی طبیعت منغض ہو جاتی ہے اور حضور تو اس معاملہ میں از حد حساس ہیں۔ اچھا نظم تو میں پروگرام میں شامل کئے لیتا ہوں" مگر ایک شرط ہے"۔ مَیں نے کہا "مجھے منظور ہے"۔ فرمایا شرط تو سُن لیں — "جی!" "وہ جو مسجد کی سیڑھیاں ہیں۔ آپ جس وقت نظم پڑھیں گے مَیں اُن کی دائیں بُرجی کے پاس کھڑا ہوں گا نظم پڑھتے وقت میری طرف بھی دیکھتے رہیں۔ اگر نظم کے دوران مَیں ہاتھ ہلا کر آپ کو رُکنے کا اشارہ کر دوں تو آپ فوراً نظم پڑھنا بند کر دیں"۔

"کیا آپ کو یہ شرط بھی منظور ہے"؟ عرض کیا "بدل و جان منظور ہے"۔

اور مَیں یہ پہلی مہم سر کر کے پھر حضرت تایا جان کے پہلو میں آ بیٹھا۔ فرمایا — کیا اس دفعہ کام بنا؟ عرض کیا اِس شرط پر بنا ہے؟ کہنے لگے۔

اصل میں صاحبزادہ صاحب نے میرے بیٹے کو پہلے نظم پڑھتے کبھی سنا نہیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ماحول پر "با ادب با ملاحظہ ہوشیار" قسم کی خاموشی اور احترام مسلط ہو گئے۔ یہ سلطان البیان حضرت المصلح الموعود مؤسس خمخانہ تحریک جدید کی آمد آمد کا اعلان تھا۔ حضور صحن مسجد میں داخل ہوئے۔ کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہوئے اور پروگرام ایک پر نظر دوڑانے کے بعد فرمایا حافظ صوفی غلام احمد صاحب آف ماریشیس تلاوت کریں گے اور ثاقب (ایک ثانیہ کے توقف کے بعد) زیروی نظم پڑھیں گے۔ ثاقب زیروی اہلِ قادیان کیلئے بالکل نیا نام تھا جسے سُنتے ہی بعض لوگوں نے اسٹیج کے آس پاس تجسس نگاہیں دوڑائیں مگر وہاں تو کوئی اجنبی یا غیر مانوس چہرہ نہ تھا کیونکہ میں تو اسٹیج کے قریب بیٹھنے کی بجائے پھر شمالی جانب حضرت تایاجان کے پہلو میں جا بیٹھا تھا۔ قریب بیٹھنے کے دو فائدے ہیں ایک تو وقت ضائع نہیں ہوتا دوسرے دور سے تیز تیز چل کر آنے سے سانس نہیں چڑھتا بہرحال تلاوت ہوئی۔ اس کے بعد حضور نے اس عاجز کا نام پکارا۔ میں جونہی اسٹیج تک پہنچکر حضور کے دائیں جانب [illegible] کے لیے مائیک کے سامنے آیا حضور نے ایک بھرپور نگاہ سر سے پاؤں تک مجھ پر ڈالی اور فرمایا:

"آپ زیرہ ضلع فیروزپور سے آئے ہیں کیا حکیم مولوی اللہ بخش صاحب کو جانتے ہیں؟"

عرض کیا ـــ "حضور میں اُن کا بڑا بیٹا ہوں" اور اس کے بعد میں نے نظم پڑھنی شروع کردی۔ مطلع تھا۔

ساغر بادۂ عرفان پلا دے ساقی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی

مطلع پڑھتے وقت میں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا حضرت صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب شمالی بُرجی کے پاس کھڑے تھے۔ دوسرا شعر تھا۔

زخمۂ نُور سے یوں چھیڑ ربابِ ہستی
قلبِ بےتاب کا ہر ذرہ دُعا دے ساقی

ساغر، بادہ۔ زخمِ نور۔ ربابِ ہستی قسم کی شاعرانہ اصطلاحیں پہلی دفعہ احمدیہ اسٹیج سے سنی جا رہی تھیں۔ ہر شخص ہمہ تن گوش تھا کہ میں نے تیسرا شعر پڑھا۔

تجھ کو مولا نے کیا عطرِ رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشنِ عالم میں بسا دے ساقی

اس پر حضور نے فرمایا ـــ "اس شعر کو دوبارہ پڑھیں" محفل میں "سبحان اللہ" اور "جزاک اللہ" کی گونج قدرے بلند ہوگئی اور حضرت میاں صاحب برجی کے پاس سے ہٹ گئے۔

اسی طرح جب میں نے نظم کا یہ شعر پڑھا۔

تُو نے جاری کیا خمخانۂ "تحریکِ جدید"
اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

تو حضور نے اسے بھی دوبارہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا ـــ اس کے بعد شاعر نے اپنے آقا سے یہ التجا کی۔

مجھ سے غم دیدہ پہ ہو جائے وہ چشم الطاف
جگمگا اٹھیں مرے سارے ارادے ساقی

نظم بارہ پندرہ منٹ میں مقطع تک پہنچ گئی جو یہ تھا۔

اپنے ثاقب کو جو احساس کی دولت بخشی
تجھ کو اس لُطف کی اللہ جزا دے ساقی

نظم ختم کر کے میں پھر تایا جان حضرت مولانا راجیکی صاحب کے

پاس جا بیٹھا۔ میرے بیٹھتے ہی مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر میرے
ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:۔
"گھر پہنچ کے میرے یار نوں (اباجان) میرے ولوں
مبارکباد دیویں"
اس کے بعد حضرت سلطان البیان نے کوئی ۱/۲ گھنٹے
تک ایک بصیرت آفرین تقریر فرمائی جس کا مرکزی موضوع
تحریک جدید تھا ۔۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد ثمر کا اِجلاس
نے جس ذوق وشوق سے اس عاجز کی بلائیں لیں اور
مصافحے اور معانقے کئے وہ سرتاسر گواہی تھے اس
بیّن حقیقت کے کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس غیر متوقع اور غیر معمولی تحسین و آفرین میں اختتام جلسہ
پر حضرت میاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا۔
شام کے وقت مَیں اور مولوی محمد سلیم صاحب جب گھر کو
لَوٹ رہے تھے ہر گلی میں اس نظم کے الاپے جانے کی
صدائیں بلند تھیں۔ جنہیں سن کر بار بار میرے ہونٹوں
پر "الحمد للہ" آ آ جاتا تھا۔ گھر پہنچے کھانا کھایا۔ نماز
عشاء پڑھی اور لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ دروازے
پر دستک ہوئی۔ مولوی صاحب دروازے تک گئے اور
واپس آ کر کہا

"باہر خدام آپ کو لینے آئے ہیں"

باہر گیا دونوں صاحبوں نے حافظ قدرت اللہ
اور غالباً چودھری غلام یسین نام بتا کر اپنا تعارف
کرایا۔ اُن کے ساتھ بارہ تیرہ سال کی عمر کا گورا چٹا ایک
طفل بھی تھا۔ حافظ صاحب نے کہا۔ صاحبزادہ صاحب
نے فرمایا ہے کہ

"آپ فوراً مسجد اقصیٰ میں پہنچ جائیں"

اور ساتھ ہی وفد کے تیسرے نوخیز رکن نے کہا

"امی جان نے کہا ہے کہ آپ کل صبح ناشتہ ہمارے
یہاں کریں"

مَیں نے کہا ۔۔ مَیں ضرور حاضر ہو جاؤنگا۔ مگر آپ
اپنا تعارف تو کرائیں کہ مجھے صبح کہاں پہنچنا ہے اس پر
حافظ صاحب نے کہا
یہ ارشاد حضرت اُمّ طاہر (نور اللہ مرقدہا) کا ہے
آپ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد ہیں۔
اور مَیں نے پہلے ارشاد کے جواب میں از راہ تکلف شاعرانہ
عرض کیا۔

"اس وقت میرے سر میں قدرے درد ہے۔ میں صبح حضرت
میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا"

وہ فوراً بولے حضرت میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

"اگر شاعر کچھ نخرے وغیرہ کرے تو اُسے اٹھا کر لے آئیں"

اللہ اللہ چند ہی گھنٹوں میں زمین و آسمان کیسے تبدیل ہو گئے
تھے۔ اجلاس سے قبل جسے مسجد کے صحن سے اٹھا کر باہر
پھینک دینے کی نوید سنائی گئی تھی اب اپنے اسی نیاز کیش
کو اس اپنائیت۔ بے ساختہ و محبّانہ تمکنت اور اعتماد
آفرین اشتیاق سے یاد فرمایا گیا تھا۔ یہ سنتے ہی تشکر
کے جذبات سے لبریز دل تصور ہی تصور میں آستانہ الوہیت
پر سجدہ ریز ہو گیا۔ فوراً اندر گیا۔ شیروانی پہنی۔ بیاض ہاتھ
میں لی اور ساتھ ہو لیا جس وقت ہم چاروں نے صحن مسجد میں
قدم رکھا۔ خدام کا تقریری مقابلہ کا اجلاس شروع تھا اور

حضرت صاحبزادہ صاحب کرسئ صدارت پر متمکن تھے اور لاہور ہی کے ایک خادم (اب پروفیسر اور ڈاکٹر) سلطان محمود شاہد تقریر کر رہے تھے۔ ہم پر نظر پڑتے ہی آپ نے انہیں چند سیکنڈ کے لیے روک کر اعلان کیا کہ

"اس تقریر کے بعد ثاقب زیروی صاحب نظم پڑھیں گے"۔

اور پھر جو ہر دوسری تقریر کے بعد نظم پڑھوانے کا سلسلہ شروع ہوا تو رات گئے تک جاری رہا۔ ان دو صحبتوں نے اس عاجز کو اپنے حبیب کے اتنا قریب کر دیا کہ آئندہ ۴۲ سالوں میں (نہ خلافت کی خلعت پہنائے جانے سے قبل اور نہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد) امتدادِ زمانہ کی کوئی یورش اس تعلق خاطر میں رخنہ انداز نہ ہو سکی اور اس پارس نے اس وسیع النظرفی سے مجھے اپنے ساتھ چپکایا کہ

ع اک ذرہ حقیر کو سونا بنا دیا

مجھے آدابِ مجلس سکھائے۔ سلیقہ گفتگو سکھایا۔ خاندانِ مسیح موعود کے اکابر سے روشناس کرایا حضرت اماں جان اور حضرت پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی بارگاہ میں پہنچایا اور اس عاجز کے کلام کو اپنی محبت بھری دعاؤں سے ایسی جلا بخشی کہ اسی سال سے جلسہ سالانہ پر کلامِ ثاقب ایک مستقل فیچر بن گیا۔ الحمدللہ کہ ان غیر معمولی نوازشاتِ کریمانہ سے یہ کوتاہ ظرف کبھی چھلکنے اور بہکنے نہیں پائی۔ انتہائی قربت۔ انتہائی شفقت اور انتہائی بے تکلفی کے لمحات میں بھی ادب و احترام کا ایک فاصلہ ہمیشہ قائم رہا ثم الحمدللہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں

زندہ باد اے ناصرِ نصرت جہاں
نافلۂ احمدِ آخر زماں

خادمِ شاہنشہِ ہر دوسرا
رہنما و رہبرِ راہِ ہُدیٰ

زندہ باد اے محرمِ رازِ حیات
خاکی ہو کر بھی تھا تُو نُوری صفات

خوبیاں تیری کروں کیا کیا بیاں
ہیں عیاں وہ مثلِ مہرِ ضَو فشاں

سب کو غمگیں کر گئی رحلت تری
اِک عجب تھا حادثہ فرقت تری

اس میں حکمت تھی کوئی مدِّ نظر
نزدِ ربِّ کعبہ، ربِّ بحر و بَر

جس کو چاہے زندگی دیتا ہے وہ
اور جسے چاہے بُلا لیتا ہے وہ

یہ بھی ہے اِک سُنّتِ ربِّ غفور
رنج و غم کے بعد دیتا ہے سرور

تُو گیا تو نافلہ اِک دوسرا
کر دیا اس نے جماعت کو عطا

غم مبدّل بمسرّت ہو گیا
خوف سب امن و سکینت ہو گیا

کام پھر معمول پر سب آ گیا
اور سکون و چَین ہر اک پا گیا

پیارے آقا، آج بھی تُو زندہ ہے
ماہِ تاباں کی طرح تابندہ ہے

تیری ہر لحظہ تبسّم ریزیاں
جن سے شفقت اور محبّت تھی عیاں

یاد آتی ہیں ہمیں وہ بار بار
کس طرح بھُولیں ہم اپنا غمگسار

تُو اَنیسِ ہر دلِ بیمار تھا
بے کسوں کا محسن و غمخوار تھا

ایک بیکس تھا تُو عِلم و حِلم کا
اور بہی خواہ طالبانِ عِلم کا

تجھ سے مولیٰ نے جو تھے وعدے کئے
تیرے جیتے جی وہ پُورے کر دیئے

مُلک اندلس میں نیا اللہ کا گھر — ہے تری پیاری دُعاؤں کا ثمر
گاڑ کر اسپین میں دیں کا لوا — تُونے حق کا بول بالا کر دیا
قائم ہوتی ہے وہاں اب ہر نماز — صَف بصَف ہوتے ہیں محمود و ایاز
تھا خدا کا اِک نشاں تیرا وجود — پاسباں تیرا تھا وہ ربّ ودود
تُو نبیؐ کے عشق میں سرشار تھا — پیکرِ مہر و وفا و پیار تھا
مشکلیں اور ابتلا آتے رہے — مومنوں کے سینے برماتے رہے
کارواں اپنا مگر چلتا رہا — اور چراغِ دینِ حق جلتا رہا
دِل ہزاروں تُونے جیتے پیار سے — صبر و حِلم و نرمیٔ گفتار سے
تجھ سے، آقا، پیار کرنا سیکھ کر — ہر مہم کر لی بسُرعت ہم نے سَر
اہلِ افریقہ تھے سب تجھ پر فدا — تجھ سے اُن کو، اُن سے تجھ کو پیار تھا
اہلِ یورپ اور امریکہ سے بھی — تُونے باتیں کھُل کے کیں اسلام کی
اُن کو سچائی کا قائل کر لیا — دینِ حق کی سمت مائل کر لیا
مسجدیں، کالج، مراکز، ہسپتال — تھے وہاں پہلے بھی، لیکن خال خال
اب وہاں پر جا کے دیکھے تو کوئی — چار سُو بہتی ہیں نہریں علم کی
مسجدیں بھی بن گئی ہیں بے شمار — ہوتی جن میں اذنیں پنج بار
کھُل گئے ہیں قریہ قریہ ہسپتال — کارکُن جن کے ہیں اکثر با کمال
ہے سراسر فضل یہ اللہ کا — جس نے قطرے کو سمندر کر دیا
ہم نے پائی رہنمائی میں تری — آڑے وقتوں میں سکون و شانتی
دے جزا اِس کی تجھے تیرا خدا — اُس کا قربِ خاص ہو تجھ کو عطا
شاہِ بطحاؐ سے رہے تُو ہمکنار — اور ملے تجھ کو ہمیشہ اُس کا پیار

اپنے پیاروں میں تُو ہو رونق فروز
رُوئے حق کی دید بھی ہو روز روز

(محمد صدیق امرتسری سابق مبلّغ انگلستان وجزائر فجی)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا

ذکرِ خیر

مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب
ربوہ

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کے فرزند اکبر کو شروع سے ہی یہ احساس تھا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے پائے۔ آپ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد صدر خدام الاحمدیہ۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ پرنسپل تعلیم الاسلام اور صدر، صدر انجمن احمدیہ اور صدر انصار اللہ کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ خلیفۃ المسیح منتخب ہونے سے پہلے آپ کو بیک وقت کئی ذمہ واریوں کو ادا کرنا پڑا۔ آپ کی زندگی بہت مصروف زندگی تھی اور آپ نے ہر عہدے کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا میں نے دیکھا ہے کہ صبح سویرے کام شروع کرتے اور رات گئے تک مختلف ذمہ واریوں کو نبھانے میں لگے رہتے۔ آپ کے سامنے ہر وقت یہ سنہرا اصول رہا کہ مومن کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔

آپ کے خلیفۃ المسیح منتخب ہونے کے بعد مجھے آپ کے ساتھ آپ کے وصال تک کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ نے دفتر میں ہر ضروری چیز اس طور پر رکھی ہوتی تھی کہ بوقت ضرورت بغیر وقت ضائع کئے فوراً مل جائے۔ حوالہ جات دیکھنے کے لیے جب دفتر کی لائبریری سے کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی تو مجھے ارشاد فرماتے وہ سامنے کتاب پڑی ہے لے آؤ۔ اسی طرح میز پر کاغذات اور دیگر چیزیں ایسے قرینے سے حضور نے رکھی ہوتیں کہ ضرورت پر فوراً مل جائیں اور وقت ضائع نہ ہو۔

نماز تہجد کی ادائیگی

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت کے مشرقی جانب آپ کی رہائش گاہ تھی۔ وہاں آپ کے پاس گل محمد نامی ایک پٹھان چوکیدار تھے جو نہایت مخلص اور نیک آدمی تھے۔ ۱۹۵۵ء سے انتخاب خلافت تک کے زمانہ میں اکثر میں آپ کے پاس بعض کاموں کے لیے آتا جاتا رہتا تھا۔ میں نے ایک دن گل محمد صاحب سے یہ پوچھا کہ سناؤ حضرت میاں صاحب کی

زندگی کیسے گزرتی ہے۔ کہنے لگے۔ رات گئے تک اپنی ذمہ واریوں کے ادا کرنے کے بعد گھر آتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد نماز تہجد کے لیے اپنے ڈرائنگ روم میں آجاتے ہیں اور بڑی آہ وزاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر گر جاتے ہیں اور ایک لمبا وقت رو رو کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت میاں صاحب کے اس عمل میں کبھی ناغہ نہیں دیکھا۔

تربیت اولاد کے متعلق آپ کا زریں اصول

ہر انسان کو اپنی اولاد کی تربیت کا فکر ہوتا ہے، اور باپ کو اپنے بچوں کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ فلاں بات اچھی ہے اور فلاں بات اچھی نہیں۔ اگر بات کے کہنے میں ذراسی غلطی ہو جائے تو اس کا اثر اولاد کے مستقبل پر پڑتا ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے تربیت اولاد کے ضمن میں جو اصول مدنظر رکھا اور جس کا مجھ سے کئی بار تذکرہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اولاد کے ساتھ دوستانہ طریق سے رہا جائے۔ اس سے بچوں کو بے تکلفی سے سمجھایا جا سکتا ہے اور وہ سمجھانے پر بُرا نہیں مناتے۔ اس طرح آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ گھر میں کوئی اہم کام کرنے لگتے ہیں تو بچوں کو اعتماد میں لے لیتے ہیں اور ان کو دعا کی تحریک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو بہتر کر دے۔ اس طریق سے بچوں کے اندر انشراح صدر اور انبساط پیدا ہو جاتا ہے اور میرے فیصلے کو اپنا فیصلہ ہی سمجھتے ہیں۔ تربیت اولاد کے یہ دو گُر نہایت ہی قیمتی ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اپنے ساتھیوں کا اکرام

آپ کا اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ افسر اور ماتحت کا سلوک نہیں تھا بلکہ جس طرح ایک خاندان کے افراد ہوتے ہیں اور ان کا ایک سربراہ ہوتا ہے ویسے ہی آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سلوک فرماتے۔ اپنی دونوں صاحبزادیوں کی شادی کے موقعہ پر آپ نے خاکسار کو بھی مدعو فرمایا۔ وہاں تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ بھی موجود تھے۔ اسی طرح بعض اور قریبی دوست بھی۔ میں نے بعض وجوہات کی بناء پر اجازت مانگی تو فرمانے لگے کہ میں نے آپ کو اپنے خاندان کے فرد کی حیثیت سے بلایا ہے۔ یہ سب کالج کے اساتذہ بھی اسی حیثیت سے آئے ہیں۔ اس لیے آپ ٹھہریں۔ برأت کے آنے پر ان کے ساتھ کھانے میں شامل ہوں، اور فراغت کے بعد جائیں۔ یہی بات مکرم و محترم مسعود احمد صاحب دہلوی کو (جو اس وقت نائب ایڈیٹر الفضل تھے) فرمائی۔

ادارۃ المصنفین کے کام میں دلچسپی

۱۹۵۸ء میں حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) نے ادارۃ المصنفین کا قیام فرمایا۔ تا قرآن مجید، حدیث اور فقہ و تاریخ کے لٹریچر کی اشاعت کی جائے۔ حضور نے ادارہ کے سات ڈائریکٹر مقرر فرمائے۔ ان سات میں سے

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج بھی ایک تھے۔ ان ڈائریکٹران کی ہر سال حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) تجدید فرماتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف خلیفہ منتخب ہونے تک ادارہ کے ڈائریکٹر رہے۔ خاکسار مینیجنگ ڈائریکٹر تھا۔ آپ نے میری ہر کام میں راہنمائی فرمائی۔ ادارہ کے جملہ اجلاسوں میں تشریف لائے اور ادارہ کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔ خلیفۃ المسیح منتخب ہوجانے کے بعد بھی حضور نے ادارہ کی پوری سرپرستی فرمائی۔ حضور کی اس توجہ کا ہی نتیجہ تھا کہ ادارۃ المصنفین نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سا نیا لٹریچر پیدا کیا جب بھی کوئی نئی کتاب تیار ہوجاتی۔ جستہ جستہ مقامات ملاحظہ فرماتے، مشورہ دیتے اور دعا فرما کر کاتب کو مسودہ دینے کی اجازت مرحمت فرماتے۔ کتاب کے طبع ہونے پر جلسہ سالانہ کے موقع پر احباب کو خریداری کی تحریک فرماتے۔

قرآن مجید کی اشاعت کی تڑپ

آپ خود حافظ قرآن تھے اور آپ کو قرآن مجید سے بہت محبت تھی اور اشاعت قرآن مجید کا جذبہ دل میں غیر معمولی طور پر موجزن تھا۔ ایک دوست اپنے عزیز کو یا دوست کو وہ تحفہ دیتا ہے جس کو وہ بیش قیمت سمجھتا ہے۔ جب آپ انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو آپ نے راستہ میں قرآن مجید کے چند نسخے عمدہ ٹائپ کے خریدے

قادیان میں ایک نسخہ آپ نے مجھے بھی تحفۃً دیا۔ جو اب تک میرے پاس موجود ہے۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ نے اشاعت قرآن مجید کا ادارہ قائم فرمایا۔ جس کا نام بعد میں قرآن و پبلیکیشنز رکھا گیا۔ اس کی ذمہ داری حضور نے خاکسار کو سونپی۔ چنانچہ اس ادارہ نے نہایت خوبصورت مختلف قسم کے سائزوں پر قرآن مجید کثرت سے شائع کئے۔ سادہ بلا ترجمہ۔ اردو ترجمہ کے ساتھ انگریزی ترجمہ کے ساتھ۔ تفسیر صغیر کی اشاعت بھی آپ کے زمانہ میں کثرت سے ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں شائع ہونیوالے قرآن مجید کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہے۔ امریکہ میں مکرم میاں محمد ابراہیم صاحب کو بھی اشاعت قرآن مجید کے لیے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہاں ہزاروں کی تعداد میں انگریزی ترجمہ کی اشاعت کی۔

تفسیر صغیر کے ترجمہ پر نظر ثانی

تفسیر صغیر پہلی بار ۱۹۵۷ء میں چھپی تھی۔ اس وقت جلدی کی وجہ سے طباعت کی کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ جن کے متعلق بعض احباب نے حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کی خدمت میں لکھا تو حضور نے ۱۹۶۵ء کے آغاز میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمس اور خاکسار راقم الحروف پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تفسیر صغیر کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ تاکہ آئندہ طباعت میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مکرم مولانا شمس صاحب ساری تفسیر

چیک کریں اور غلطیوں کی فہرست بنا کر مجھے دیدیں اور خاکسار حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کو شروع سے آخر تک لفظاً لفظاً تفسیرِ صغیر کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ پڑھکر سنائے۔ تعمیلِ ارشاد میں خاکسار نے حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کو شروع سے لیکر سورۃ نور کے چودھویں رکوع تک لفظاً لفظاً ترجمہ اور تفسیری نوٹ سنائے جس کے لیے آپ کو بہت وقت دینا پڑا۔ کبھی رات کو نو بجے کے بعد اور کبھی دن کو ۲ بجے دوپہر بعد آپ دوسرے کاموں سے تھکے ہوئے آتے، لیکن نہایت بشاشت کے ساتھ تفسیرِ صغیر کا ترجمہ سنتے۔ جب سورۃ نور کی آیت استخلاف کے اس ترجمہ پر پہنچے کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائیگا۔ تو اس دن حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کا وصال ہو گیا اور خدائی تقدیر کے مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف خلیفۃ المسیح منتخب ہو گئے۔ خلافت کی ذمہ داریاں جب آپ کے کندھوں پر پڑیں۔ تو آپ کے لیے تفسیرِ صغیر کے کام کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا اس پر حضور نے فرمایا کہ بقیہ کام خاکسار کو سرانجام دینا چاہیئے اور جو امر قابلِ استفسار ہو وہ آپ سے پوچھ لیا جائے۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور یہ تسلی کر لینے کے بعد کہ اب کوئی غلطی نہیں رہ گئی۔ حضور نے تفسیرِ صغیر کو بلاکوں پر چھپوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

کارکنوں کی حوصلہ افزائی۔

آپ جس کے سپرد کام کرتے اس کی حوصلہ افزائی اور قدردانی بھی فرماتے۔ ۱۹۶۶ء میں حضور نے تفسیرِ صغیر کے بہترین رنگ میں چھپوانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ تفسیرِ صغیر بلاکوں کے ذریعہ اعلیٰ کاغذ پر چھپی۔ جسکو حضور نے بہت پسند فرمایا اور خاکسار کو پانصد روپیہ نقد انعام عطا فرمایا۔ اسی طرح میرے ساتھ کام کرنے والے کارکنان کو بھی نقد انعامات دیئے۔ علاوہ ازیں حضور نے خاکسار کو مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل ایک سرٹیفکیٹ بھی عطا فرمایا۔

مکرمی ابوالمنیر نورالحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ نے جس محنت اور اخلاص سے تفسیرِ صغیر کا عکسی ایڈیشن چھپوانے کا انتظام کیا ہے میں اس کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی اس محنت کو قبول فرمائے اور قرآن مجید کی خدمت کے ساتھ جس قدر برکات وابستہ ہیں وہ آپ کو عطا کرے اور آپ کو اور آپ کی اولاد کو بہت برکت دے۔ (آمین)

والسلام

مرزا ناصر احمد

خلیفۃ المسیح الثالث

۱۶/۱ اپریل ۱۹۶۶ء

حضور کی ان دعاؤں کے ثمرات خاکسار ہر روز مشاہدہ

کر رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

حضور کی محنتِ شاقہ

خلیفۃ المسیح منتخب ہونے سے پہلے اور خلیفۃ المسیح منتخب ہونے کے بعد آپ انتہائی مصروف وقت گزارتے رہے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں محض اللہ کے فضل سے حضور کے قدموں میں رہ کر حضور کی خدمت کی توفیق ملی۔ حضور نے خلیفۃ المسیح منتخب ہونے کے دوسرے دن خاکسار کو فرمایا کہ جس طرح تم حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) کے ساتھ کام کرتے رہے ہو اسی طرح میرے ساتھ بھی کام کرنا ہوگا الحمد للہ کہ خاکسار کو آپ کے معیار پر پورا اترنے کی توفیق ملی۔ دن کے وقت چونکہ ملاقاتوں اور دیگر دفتری امور کی سرانجام دہی کی وجہ سے حضور کے پاس ہمارے متعلقہ کاموں کے لیے زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے رات کے وقت آنے کے لیے ارشاد فرماتے۔ مکرم مولٰنا دوست محمد صاحب شاہد اور خاکسار اکثر اکٹھے ہی حاضر ہوتے اور حضور کے ساتھ رات بارہ ایک بجے تک کام کرتے۔ ہمارا کام ختم ہونے پر فرماتے کہ تم تو اپنے کام سے فارغ ہو گئے، لیکن میرا کام ابھی بہت پڑا ہے جو یہاں سے جا کر کرنا ہے۔ حضور دفتری ڈاک تو عام طور پر دن کے وقت ملاحظہ فرما لیتے تھے، لیکن دوسری ڈاک رات کو دو دو تین بجے تک ملاحظہ فرماتے اور نیند کے لیے آپ کے پاس بہت کم وقت رہ جاتا۔ خلافت کے سارے عرصہ میں حضور کا طریق یہی رہا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں پر عبور

آپ کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں پر بہت عبور حاصل تھا۔ اور آپ نے ان کو اتنا پڑھا تھا کہ آپ کو حفظ ہو گئی تھیں۔ ایک دفعہ آپ بیمار تھے حضور نے مجھے اور مکرم مولٰنا دوست محمد صاحب شاہد کو یاد فرمایا۔ ہم حضور کے پاس کافی دیر ٹھہرے۔ کچھ وقت مختلف امور پر حضور سے گفتگو ہوتی رہی۔ پھر حضور نے فرمایا آؤ! حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام کا دور کریں۔ جب حضور نے محسوس کیا کہ ہمیں مذکورہ کتاب یاد نہیں۔ تو خود ہی آئینہ کمالاتِ اسلام کے مضمون کو بالترتیب بیان کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ پہلے باب میں یہ مضمون ہے۔ دوسرے میں یہ ہے۔ اسی طرح آپ نے ساری کتاب کے مضامین کو تھوڑے عرصہ میں بیان فرما دیا۔

حضرت مسیح موعود...... کی بیان فرمودہ تفسیر سورۃ فاتحہ بھی آپ نے اس انہماک سے پڑھی تھی کہ آپ کو زبانی یاد ہو گئی تھی۔ یہ کتاب اکثر آپ کے پاس رہتی۔ سفر میں تفسیر صغیر، تفسیر سورۃ فاتحہ اور کتاب مرزا غلام احمد قادیانی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ درثمین فارسی کے ساتھ حضور کو خاص لگاؤ تھا۔ ۱۹۵۵ء میں مَیں آپ کے ارشاد کی تعمیل میں آپ کی رہائش گاہ پر کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا تو حضور مجھے درثمین فارسی کی نظمیں پڑھ کر سنانے کا ارشاد فرماتے جس کی خاکسار تعمیل کرتا۔ جب انصار اللہ رسالہ جاری ہوا تو آپ نے اسکے

ایڈیٹر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ فارسی درثمین میں سے اور عربی درثمین میں سے ہر شمارہ میں کچھ اشعار ترجمہ کے ساتھ دیئے جایا کریں۔ چنانچہ اب تک رسالہ انصار اللہ میں فارسی اور عربی درثمین میں سے منتخب اشعار چھپتے ہیں۔ وصال سے کچھ عرصہ پہلے فارسی درثمین کو صحت کے ساتھ عمدہ کاغذ پر اعلیٰ رنگ میں چھپوانے کی طرف حضور کی خاص توجہ ہوئی۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتابوں سے فارسی نظموں کو صحت کے ساتھ نقل کیا گیا۔ پھر حضور نے ہر شعر پر نمبر لگانے کا ارشاد فرمایا۔ پھر ہر نظم کے لیے خود اس کے حجم کے مطابق مسودہ میں جگہ مقرر فرمائی۔ حضور کی ہدایات کے مطابق لکھنے کے لیے کاتب کو مسودہ سپرد کیا گیا۔ لیکن ابھی چند صفحات ہی لکھے گئے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا اور بقیہ کتابت کا کام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کے زمانہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سپین میں اسلام کے پھیلانے کی تڑپ

حضور کو سپین میں اسلام کے پھیلانے کی بہت تڑپ تھی۔ آپ نے اس کے لیے بہت دعائیں کیں۔ جن کا ذکر سلسلہ کے لٹریچر میں آچکا ہے۔ حضور ۱۹۸۰ء میں سپین کی مسجد کی بنیاد رکھ کر واپس ربوہ تشریف لائے تو مختلف اداروں کی طرف سے حضور کو استقبالیہ دعوتیں دی گئیں۔ لجنہ کی استقبالیہ دعوت میں میں نے حضور کی خدمت میں مبارک باد پیش کی تو حضور فرمانے لگے کہ اب مجھے کثرت کے ساتھ طارق جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں میں سے ایک سو ایک کے نام طارق رکھوں۔ چنانچہ حضور نے مولٰنا ابوالعطاء صاحب کے نواسے اور خاکسار کے ایک نواسے اور مکرم مولوی سلطان احمد صاحب شاہد کے بیٹے کا نام اسی بنا پر طارق تجویز فرمایا۔

آپ کے بارہ رفقاء

۱۹۷۸ء میں کسر صلیب کانفرنس کے لیے جب حضور نے لندن جانے کا پروگرام بنایا تو ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواری تھے اور حضرت مصلح موعود نے بھی سفر لندن میں بارہ رفقاء ساتھ لیے تھے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں بھی اپنے اس تاریخی سفر میں بارہ ساتھی بناؤں۔ چنانچہ حضور نے لندن پہنچ کر مندرجہ ذیل بارہ احباب کو یہ اعزاز بخشا۔

۱۔ مکرم و محترم حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب
۲۔ 〃 〃 مرزا مظفر احمد صاحب
۳۔ 〃 〃 حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
۴۔ 〃 〃 مرزا انس احمد صاحب
۵۔ 〃 〃 شیخ مبارک احمد صاحب
۶۔ 〃 〃 مولٰنا عبد المالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد
۷۔ 〃 〃 شیخ عبد القادر صاحب محقق
۸۔ 〃 〃 خان بشیر احمد رفیق صاحب
۹۔ خاکسار ابوالمنیر نور الحق
۱۰، ۱۱، ۱۲، انڈونیشین، امریکن اور افریقین نمائندگان۔

ان اصحاب کے ساتھ حضور نے مشن ہاؤس لندن کے صحن میں تصویر اتروائی جو اس عنوان کے ساتھ مختلف اخبارات میں شائع ہوئی۔

"امام جماعت احمدیہ اپنے بارہ رفقاء کے ساتھ"

*

حضور کے اندر خلیفۃ المسیح منتخب ہو جانے کے بعد ایک عجیب تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، محبت اور شفقت کا ایک ایسا سمندر آپ کے اندر موجزن ہو گیا جس کو جماعت کا ہر فرد محسوس کرتا تھا اور ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ حضور مجھ سے ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔ حضور نے دنیا کے سامنے یہ ماٹو پیش کیا کہ

> محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں

چنانچہ پاکستان سے باہر جسقدر سفر آپ نے کئے۔ اس میں اس بات کا مشاہدہ وہاں کے لوگوں نے کیا۔ ایک دن حضور نے مجھے فرمایا کہ جب کسی کے سپرد اللہ تعالیٰ اصلاح کا کام کرتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ لوگوں کی محبت بھی ڈال دیتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ علیہ اہالیانِ لاہور کی اصلاح و تربیت کے لیے مقرر ہوئے تھے تو ان کے لیے آپ کے دل میں محبت ڈال دی گئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری دنیا کی اصلاح کے لیے ذمہ داری سونپی ہے۔ اس لیے میرے دل میں سب کی محبت پیدا کر دی۔ کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے پھر آپ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ کشفاً اس محبت کو اللہ تعالیٰ نے مجھے مجسم طور پر دکھایا۔ کہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور یہ کیفیت حضور کافی دیر تک کشفاً دیکھتے رہے۔

محبّت کی لپٹیں

جب حضور پہلی بار افریقہ کے دورے سے واپس تشریف لائے۔ تو خاکسار زعیم اعلیٰ انصار اللہ ربوہ تھا۔ مَیں نے ربوہ کے انصار کی طرف سے حضور کو دعوت استقبالیہ دی جو حضور نے منظور فرمائی۔ انصار اللہ کے ہال میں دعوت کا انتظام تھا۔ جونہی حضور نمازِ عصر کے بعد دعوت کے لیے تشریف لائے تو ہال میں داخل ہوتے ہی احباب کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ مَیں نے ہال میں سے محبّت کی لپٹیں آتی محسوس کی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ احباب جماعت سے آپ محبت فرماتے تھے بلکہ سب احباب ہی آپ پر قربان ہوتے تھے، جس کو آپ خوب محسوس فرماتے اور اس کی مختلف رنگوں میں قدر کرتے تھے۔

پریشانی کا علاج

ہر شخص جو اس دنیا میں بستا ہے۔ بعض اوقات حالات پیش آمدہ سے پریشان ہو جاتا ہے اور گھبرا جاتا ہے۔ خاکسار پر بھی جب کبھی ایسا وقت آتا تو خاکسار حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا اور گزارشِ احوال کرتا تو حضور مجھے ہمیشہ ہی فرماتے۔ دیکھو جب مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی

ہے۔ تو مَیں دین کے کام میں پوری طرح لگ جاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ میری پریشانی کو دُور کر دیتا ہے۔ اس لیے میری تمہیں یہی نصیحت ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو تو فوراً دین کے کام میں لگ جاؤ کرو۔ اللہ تعالیٰ خود ہی پریشانی کو دور کر دیگا۔ چنانچہ مَیں نے آپ کی اس نصیحت پر کاربند ہو کر بہت فائدہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پیش آمدہ پریشانی کو دور کر دیا۔

قبولیتِ دُعا

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہے، آپ کے قبولیتِ دُعا کے واقعات اگر اکٹھے کیئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے میں آپ کی قبولیت دعا کا ذاتی شاہد ہوں۔ جب بھی مَیں نے آپ سے کسی امر کے لیے دعا کے لیے عرض کیا۔ وہ کام خدا تعالیٰ کے فضل سے بخیر و خوبی ہو گیا۔ میرے چھوٹے بھائی سراج الحق صاحب ناظم جائیداد صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ہاں نرینہ اولاد نہیں تھی وہ آپ کے زمانہ خلافت کے پہلے سال ربوہ آئے اور حضور سے ملاقات کرکے صورتِ حال عرض کی۔ حضور نے فرمایا کہ مَیں دُعا کرونگا اللہ تعالیٰ لڑکا عطا کریگا، چنانچہ حضور کی دُعاؤں کے طفیل میرے بھائی کے ہاں لڑکا تولد ہوا۔ جو اس وقت پندرہ سال کا ہے۔

اسی طرح مَیں نے یہ دیکھا کہ بیرونجات سے بعض دفعہ دوست حضور کی خدمت میں لکھتے کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے حضور نام تجویز فرماویں۔ بجائے اس کے کہ حضور بچہ یا بچی دونوں کے نام تجویز فرمائیں، لڑکے کا نام تجویز فرماتے اور فرماتے کہ لڑکا ہوگا چنانچہ حضور کے لکھنے کے مطابق لکھنے والے کے ہاں لڑکا ہی تولد ہوتا۔ مجھے حیفا سے میرے دوست مکرم حسن محمود احمد صاحب نے لکھا کہ ان کے ہاں دو تین ماہ تک بچہ ہونے والا ہے حضور سے نام تجویز کرا کے اطلاع دو۔ چنانچہ حضور نے خط پر محمد احسن محمود نام لکھا جو مَیں نے انہیں لکھ بھیجا۔ چنانچہ دو ماہ بعد ان کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے محمد احسن محمود رکھا۔ جو اب تک خدا کے فضل سے زندہ ہے اور حسن محمود احمد صاحب اس نشان کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

میری زندگی

بیان فرمودہ

سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد
خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتب: مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب۔ ربوہ

ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مطہر اور پاکیزہ زندگی کے بہت سے حالات اپنے خطبات و تقاریر وغیرہ میں بیان فرمائے ہیں۔ یہ دل کو گداز کر دینے والی تفصیلات ہیں جو اللہ کے پیارے اور ہمارے محبوب آقا کی عظیم زندگی کی جھلکیاں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ان کی ایک جھلک قارئین خالد کی خدمت میں حاضر ہے۔ بچپن سے لے کر اوائل جوانی تک کے واقعات تشحیذ الاذہان کے خلیفۃ المسیح الثالث نمبر میں شامل ہیں۔ پورا مسودہ بہت طویل ہے اور انشاء اللہ کتاب کی صورت میں شائع ہوگا۔

(مرتب)

ہمارا رخصتانہ ۵ اگست ۱۹۳۴ء کو ہوا تھا اور ۶ اگست کو میں انہیں (منصورہ بیگم کو) بیاہ کر قادیان پہنچا تھا اور ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو میں اپنی تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوگیا...... ہماری شادی کے متعلق حضرت ام المومنین کو بہت سی بشارتیں ملی تھیں اس کے نتیجہ میں یہ شادی ہوئی تھی۔ یہ رشتہ آپ نے کروایا تھا الٰہی بشارت کے مطابق اور جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ نے بعض اغراض کے مدنظر خود کیا اور ایک ایسی

ساتھی میرے لئے عطا کی جو میری زندگی کے مختلف ادوار میں میرے بوجھ کو بانٹنے کی اہلیت بھی رکھتی تھی۔ ۔ ۔ ۔ حضرت مصلح موعود نے میرے لئے آکسفورڈ کی تعلیم کو پسند کیا تھا۔[1]

جب مَیں آکسفورڈ گیا تو مجھے یہ خیال تھا کہ کہیں کالج والے مجھے غلط قسم کے کھانے نہ دیں۔ چنانچہ مَیں پہلے ہی دن باورچی خانہ میں گیا جو بہت بڑا تھا اور سب سے بڑے باورچی سے جا کر کہا کہ ایک تو مَیں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ وہاں ذبیحہ نہیں ملتا اور دوسرے تم جو مچھلی اور انڈا میرے لئے پکاؤ اس کو چربی میں نہ پکانا مکھن میں پکانا۔ وہ باورچی مسکرایا اور کہنے لگا کہ غریب طالب علم یہاں پڑھنے کے لئے آتے ہیں وہ سؤر کی چربی کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے یعنی ان کی مالی حالت بھی ایسی نہیں ہوتی کہ ہم ان کے لئے سؤر کی چربی خرید کر کھانا پکائیں اور ان سے پیسے لیں۔[2]

ایشین ممالک کی یہ بدقسمتی ہے کہ ہمارے ماحول میں ہماری زندگیوں میں تضاد پیدا کیا جاتا ہے۔ مَیں پرنسپل بھی رہا ہوں اور مَیں آکسفورڈ میں پڑھتا رہا ہوں۔ مَیں نے وہاں جو حالات دیکھے میری خواہش ہوتی تھی کہ حصول تعلیم کے متعلق اسی طرح کے خیالات یہاں ہمارے بچوں کے لئے بھی پیدا کئے جائیں۔ اب ہمارے یہاں کے حالات یہ ہیں کہ ہوسٹل میں ہمارا ایک بچہ رہتا ہے۔ دھوبی اس کے کپڑے لے کر جاتا ہے۔ جب وہ کپڑے دھو کر واپس لاتا ہے تو قمیص کے بٹن غائب ہوتے ہیں یا جو جراب صحیح سلامت تھی وہ پھٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ کیسے کپڑے آئے۔ چنانچہ انہیں کچھ وقت دھوبی سے جھگڑنے پر ضائع کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔ آکسفورڈ میں مجھے کئی مہینے تک یہ پتہ نہیں لگا کہ کون کس وقت میرے کپڑے لے جاتا ہے اور کس وقت وہاں کپڑے واپس رکھ دئیے جاتے ہیں۔ پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہاں کمرے بند کرنے کا رواج نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس چابیاں تھیں بلکہ بارہ بارہ ہفتے کی جو چھٹیاں ہیں ان میں بھی چیزیں اسی طرح چھوڑ کر کمرے کھلے چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔[3]

آکسفورڈ میں جو طالب علم کلاس کی پڑھائی کے علاوہ دس بارہ گھنٹے پڑھتا تھا وہ پڑھائی میں بڑا اچھا طالب علم سمجھا جاتا تھا اور جو طالب علم اوسطاً سات آٹھ گھنٹے پڑھتا تھا اس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ درمیانے درجے کا طالب علم ہے جبکہ چار پانچ گھنٹے روزانہ پڑھائی کی اوسط بتانے والے طالب علم کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑا آوارہ ہے اس کو پڑھائی کی طرف توجہ نہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں روزانہ چار پانچ گھنٹے کی اوسط سے پڑھنے والے ٹاپ (Top) کے سکالرز (Scholars) میں شمار ہوتے ہیں۔[4]

مَیں جب آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو ہمارا Balliol کالج Active (ایکٹو) ہونے کے لحاظ سے ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ جس طرف بھی سیر کو جائیں اگر سو طلباء راستے میں ملے ہیں تو ان میں سے پچاس سے زیادہ Balliol کالج کے ہوتے تھے۔ غرض وہ Active کالج تھا۔ وہ سویا نہیں رہتا تھا۔[5]

---

[1] (الفضل ۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء)
[2] (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء)
[3] (الفضل ۳ اگست ۱۹۷۶ء)
[4] (الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء) [5] (الفضل ۷ مئی ۱۹۷۲ء)

آکسفورڈ میں جب میں پڑھا کرتا تھا تو ایک دفعہ چند انگریز دوست کہنے لگے چلو سیر کو چلیں۔ میں بھی ان کے ساتھ سیر کو چلا گیا۔ ہم ایک باغ میں چلے گئے۔ میرے ایک انگریز دوست کے پاس کیمرہ تھا۔ میں نے کہا ایک پوز میں بناتا ہوں اس کی تصویر لینی ہے۔ میں نے کہا کہ پوز یہ بنے گا کہ ایک انگریز لڑکا میری پیٹھ پر سوار ہو جائے اور کچھ نوٹ میں اپنی جیب میں ایسی شکل میں رکھتا ہوں کہ ان کا کچھ حصہ اندر ہو اور کچھ حصہ باہر ہو اور وہ ان کو نکال رہا ہو اس حالت میں تم یہ تصویر لے لو۔ اس تصویر کے نیچے ہم یہ لکھیں گے کہ سفید قوموں کا بوجھ یعنی ایک تو ہمارے کندھوں پر سوار بھی ہو، ہمیں لوٹ بھی رہے ہو اور ہم تمہارا بوجھ بھی بنے ہوئے ہیں۔ تو خدمت کا نام انہوں نے بہرحال قائم رکھا ہے لیکن اس کی روح کو کچل کر پرے پھینک دیا تھا۔[1]

بہت سے مستشرق اپنے تحقیقاتی مقالوں میں اسلام کے متعلق غلط خیالات کا اظہار کر دیتے ہیں۔ دنیوی معیار سے وہ تحقیق ہوتی ہے لیکن دنیا کا معیار بعض دفعہ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ آکسفورڈ میں ہماری یونین میں امریکہ اور انگلستان کے مقررین کے درمیان تقریری مقابلہ ہوا۔ انگریز کا دماغ جب تنقید پر آئے تو سخت تنقید کرتا ہے۔ ہمارے ایک انگریز طالب علم نے کھڑے ہو کر امریکہ کے اخبارات و رسائل سے اقتباسات لے کر یہ ثابت کیا کہ اعداد و شمار کے لحاظ سے اس وقت امریکہ کے اندر صرف چار آدمی آباد ہیں۔ باقی سارے سیر و سیاحت کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ گو یہ ایک مضحکہ خیز بات تھی لیکن اعداد و شمار سے ثابت ہوتی تھی۔[2]

آکسفورڈ میں پہلی ٹرم میں لاطینی وغیرہ زبانوں کا امتحان بھی پاس کرنا پڑتا ہے اور چونکہ غیر ملکی طلباء لاطینی وغیرہ کا علم نہیں رکھتے۔ اس لئے انہوں نے فارسی، عربی اور سنسکرت زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لینے کی سہولت دی ہے۔ میں نے سہولت کی وجہ سے عربی زبان لی اور یہ صاحب (مارگولیتھ) وہاں عربی پڑھایا کرتے تھے۔ غالباً دوسرا یا تیسرا دن تھا کہ اسے اسلام پر حملہ کرنے کا پہلا موقع ملا اور اس نے اسلام پر اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب بھی وہ اسلام یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرے گا میں اس کا جواب دوں گا۔ چنانچہ جب اس نے اعتراض کیا تو میں کھڑا ہو گیا اور کہا آپ نے جو استدلال کیا ہے وہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث کے خلاف ہے۔ ان لوگوں اور خاص طور پر آکسفورڈ کے استادوں کا یہ طریق ہے کہ انہیں بحث کی عادت نہیں۔ اس نے کہا تمہارا یہ خیال ہے اور میرا وہ خیال ہے اور بات ختم کر دی۔ بہرحال جو تاثر وہ دینا چاہتا تھا وہ نہ دے سکا۔ دوسرے تیسرے دن اس نے پھر اعتراض کیا۔ تو میں نے پھر اس کا جواب دیا۔ مصر کے بعض طلباء نے مجھے کہا کہ تم اپنے آپ پر کیوں ظلم کر رہے ہو۔ یہی پڑھانے والا ہے اور یہی امتحان لینے والا ہے۔ میں نے کہا یہ مجھے امتحان میں فیل نہیں کرے گا[3]

---

[1] (الفضل ۲۰ جنوری ۷۳ء)

[2] (الفضل ۱۰ ستمبر ۶۹ء)

[3] (الفضل ۸ اکتوبر ۶۹ء)

میرے ساتھ ایک طالب علم آکسفورڈ میں پڑھا کرتا تھا۔ وہاں طریق یہ ہے کہ جو طالب علم پڑھائی میں چل نہ سکے اس کا روپیہ ضائع نہیں کرتے بلکہ ایک ٹرم کے بعد جب وہ اپنے گھر جاتا ہے اور اس ٹرم کا نتیجہ نکلتا ہے تو اسے گھر میں خط بھیج دیتے ہیں کہ تمہیں واپس تشریف لانے کی ضرورت نہیں۔ تم وہیں کام کرو۔ انگریزی میں اسے کہتے ہیں sent home گھر بھیج دیا گیا۔ اتفاقاً میرے گروپ کا ایک لڑکا دوسری ٹرم میں واپس نہ آیا۔ مجھے اس وقت ان کے طریق کا علم نہیں تھا۔ اس لئے میں نے دوستوں سے پوچھا کہ فلاں طالب علم کیوں نہیں آیا۔ کیونکہ مجھے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ بعض موتیں بھی ہو جاتی ہیں اور پھر حادثات بھی ہو جاتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ وہ لڑکا واپس نہیں آیا۔ تو مجھے ایک دوست نے بتایا He is a sent home. اس کو انہوں نے فارغ کر دیا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب میں دہلی گیا تو پلیٹ فارم پر اتفاقاً ایک شخص پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکا ہے۔ وہ اس وقت انگریزی حکومت کا ایک بڑا افسر تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ اور میں نے اسکو [illegible] لیا۔ ہم ایک دوسرے سے ملے۔ میں نے دل میں کہا کہ چونکہ اس قوم کو دنیوی اقتدار حاصل ہے اس لئے یہ ہمارے ملک کے محاورہ کے مطابق اپنے گدھوں کو بھی افسر بنا دیتے ہیں اور افسر بھی ہمارے اوپر۔[1]

مجھے یاد ہے جب ہٹلر اپنے عروج پر تھا اور میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو کئی بار مجھے جرمنی جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی قوم اسے بڑی محبت اور عزت سے دیکھتی ہے اور یاد کرتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی گرفت نے اسے پکڑا تو اوروں کو چھوڑو خود اس کی قوم کی زبان پر اس کے لئے سوائے لعنت کے اور کوئی لفظ نہیں آیا۔[1]

میں جب پڑھا کرتا تھا تو ایک دفعہ میں جرمنی میں سفر کر رہا تھا۔ اس زمانے میں ہٹلر کی حکومت تھی جو کہ بڑا سخت ڈکٹیٹر تھا وہاں مجھے کسی سے یہ علم ہوا کہ اگر رات کو آٹھ بجے کے بعد کوئی گھر والا زیادہ اونچی آواز سے ریڈیو چلائے تو اگر اس کا ہمسایہ شکایت کر دے کہ اس نے مجھے سونے نہیں دیا اور میرے آرام میں مخل ہوا ہے تو قانون فوراً حرکت میں آجاتا ہے اور اگلے دن صبح پولیس پہنچ جاتی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنا قانون اور معاشرہ کی ذمہ داری ہے۔[2]

میں یورپ میں پھرتا رہا ہوں۔ ایک جگہ صرف اتنا ہوا کہ مجھے راستہ کی واقفیت نہ تھی۔ میں نے کسی سے پوچھا تو اس نے یہ نہیں کہا کہ اِدھر جائیں یا اُدھر جائیں بلکہ کہا کہ آئیے میں آپ کو وہاں تک پہنچا آؤں۔ اس طرح اس نے اپنے وقت سے مجھے صرف چند منٹ ہی دیئے اور گو اس واقعہ کو گزرے قریباً تیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن آج تک وہ واقعہ مجھے یاد ہے۔[3]

جب میں آکسفورڈ میں پڑھا کرتا تھا اس وقت کی میں بات بتا رہا ہوں۔ تھرڈ کلاس میں سوار ہو جائیں مزدوروں سے بھری ہوئی گاڑی پر۔ ہر آدمی کے ہاتھ میں اخبار پکڑا ہوا ہے۔ وہ اخبار پڑھ رہا ہے۔ ساڑھے تین سالہ طالب علمی کا زمانہ جو میں نے وہاں گزارا ہے اس میں کسی ایک آدمی کو

---

[1] (الفضل ۷ مئی ۱۹۶۷ء)

---

[1] (الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۶۸ء)
[2] (الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء)
[3] (الفضل ۲۲ جون ۱۹۶۹ء)

دوسرے سے اخبار مانگ کر پڑھتے نہیں دیکھا۔ مانگتا ہی کوئی نہیں اپنا خریدتا ہے ہر شخص۔ پھر راہ میں یوں پھینک دیتا ہے وہ۔ ان کے اخبار پھینکنے کے قابل ہیں لیکن پڑھنے کے قابل بھی ہیں۔ جو پڑھنا ہوتا ہے اس نے وہ پڑھ لیتا ہے پھر پھینک دیتا ہے۔ ایک شخص اخبار پڑھ کے اپنی سیٹ پر چھوڑ کے اسٹیشن پر اتر جاتا ہے۔ وہاں ایک اور آدمی آ بیٹھتا ہے جس کے پاس اخبار نہیں۔ جب گاڑی کھڑی ہوتی ہے وہ پلیٹ فارم پر جا کے اپنے لئے وہی اخبار خرید کے لاتا ہے وہ نہیں اٹھاتا جو اس کی سیٹ کے اوپر پڑا ہوا ہے۔[5]

انگلستان میں ایک مشہور لبرل مصنف نے غالباً ۱۸۷۶ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے بعض پہلوؤں سے ایک مذہب کی بہت گھناؤنی شکل کھینچی کیونکہ اس وقت اس مذہب کے اجارہ دار بھی اس قوم کے استحصال میں شامل تھے۔ میں اپنی پڑھائی کے سلسلہ میں ایک مضمون لکھ رہا تھا تو اس کتاب کا نام اور لکھنے والے کا نام کسی ضمن میں دیکھا۔ اس نام سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ ہم احمدیوں کے کام کی کتاب ہے۔ جب ہم اسلام کا دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ کریں تو یہ کام آئے گی۔ چنانچہ وہاں ایک بہت بڑی دکان "بلیک ولز" ہے۔ میں اس دکان پر گیا اور میں نے کہا کہ مجھے یہ کتاب چاہیئے۔ وہ کہنے لگا کہ ۱۸۳۶ء کی چھپی ہوئی کتاب جو کہ اپنی ضرورت پوری کر چکی ہے وہ اب کہاں ملتی ہے۔ اس کو تو آؤٹ آف پرنٹ ہوئے بھی ایک زمانہ گذر گیا ہے۔ اس کا ملنا تو بڑا مشکل ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ تمہاری ضرورت اس نے پوری کر دی ہو گی لیکن میری ضرورت تو اس نے پوری نہیں کی۔ جب اسلام کا دوسرے مذاہب کے ساتھ موازنہ اور مقابلہ کیا جائے گا تو یہ بڑی کارآمد کتاب ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اشتہار دو جہاں سے بھی ہو مجھے کتاب منگوا کے دو۔ مجھے تو اس کے حاصل کرنے میں دلچسپی ہے۔ خیر ان کو اس بات پہ راضی کیا کہ وہ اشتہار دے کر جہاں سے بھی ملے مجھے سیکنڈ ہینڈ کتاب ڈھونڈھ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ڈھونڈ دی۔ میں نے وہ بڑی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے اور بعض لوگوں کو میں اس کے بعض حصے پڑھاتا رہتا ہوں۔[1]

عربی زبان پر قرآن کریم کی زبان کا بڑا اثر ہوا ہے گو وہ پہلے ہی بڑی اچھی اور بہترین زبان تھی لیکن قرآن کریم کی وحی کی عربی نے عربی زبان پر بڑا اثر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ جب ہم مصر میں ٹھہرے ہوئے تھے گاڑی میں سفر کرتے ہوئے ایک نوجوان ہم سفر ہر بات میں قرآنِ کریم کی آیات کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا استعمال کرتا تھا چنانچہ میری طبیعت پر یہ اثر تھا کہ یہ نوجوان قرآن سے بڑی محبت رکھتا ہے اس لئے اسے قرآن کریم ازبر ہے۔ خیر ہم باتیں کرتے رہے۔ کوئی گھنٹے دو گھنٹے بعد معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہے میں نے اسے کہا کہ تم عیسائی ہو مگر قرآن کریم کی آیات کے فقرے کے فقرے استعمال کرتے ہو۔ وہ کہنے لگا میں عیسائی تو ہوں لیکن قرآن کریم کی عربی سے ہم بچ نہیں سکتے۔ یہ ہمارے ذہنوں اور زبان پر بڑا اثر کرتی ہے۔[2]

ایک دفعہ حضرت مصلح موعود نے قادیان میں مجھے چھ

۵؎ (الفضل ۲۴ر فروری ۸۰ء)

۱؎ (الفضل ۲۲ر جون ۷۶ء)

۲؎ (الفضل ۱۶ر جنوری ۷۲ء)

مہینے کے لئے ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر بنا دیا۔ میں نے بڑا غور کیا اس میں حکمت کیا ہے۔ دو چار باتیں میرے ذہن میں آئیں۔ میں نے اپنی طرف سے ان کی اصلاح کرنے کی پوری کوشش کی۔ ان دنوں مجھے بتایا گیا تھا کہ ہائی سکول کے بعض طلباء عشاء کے بعد اِدھر اُدھر پھرتے اور گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں ان کو عصر اور مغرب کے درمیان دوڑا دوڑا کر اتنا تھکا دوں کہ وہ عشاء کے بعد گھر سے باہر نکل ہی نہ سکیں۔ چنانچہ میں ان تمام لڑکوں کو جو فٹ بال اور ہاکی نہیں کھیلتے تھے ان سب کو ہائی سکول کے میدان میں روزانہ اکٹھا کرتا تھا اور پھر ان کی خوب دوڑ لگواتا تھا اور ان کو اتنا تھکا دیتا تھا کہ پھر وہ عشاء کے بعد گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ ایک الجھن تھی جسے ہم نے اس طرح دور کر دیا۔[1]

میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد کے لگا دیا۔ اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کی کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے وہی علوم مجھے پڑھانے پر مقرر کر دیا گیا۔ اور میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھا سکوں۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حسن کا عجیب تجربہ ہوا۔

وہ یہ کہ مولوی فاضل میں ایک پرانا فلسفہ دنیا کے متعلق انسانی دماغ جس طرح سوچتا رہا وہی فکر و تدبر (بالفاظِ دیگر فلسفہ) جن کتابوں میں درج کیا جاتا ہے وہی مولوی فاضل کے کورس میں شامل تھیں۔

اب دنیا بدل چکی۔ حقیقتیں نئے رنگ میں ہمارے سامنے آگئیں اس لئے اس زمانہ کے انسانی دماغ کی سوچ ہمارے دماغ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن ان کو بطور حقائق کے پڑھایا جاتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پرچہ کو جامعہ میں مشکل ترین پرچہ سمجھا جاتا تھا اور اکثر طلباء اس پرچہ میں فیل ہو جاتے تھے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں بڑا پریشان ہوتا تھا اور کڑھتا تھا کہ ایک چیز جو مشکل نہیں اسے مشکل ترین بنا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر آج آپ کسی بچے کو یہ کہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں اور ان میں ستارے اس طرح ٹکے ہوئے ہیں جس طرح ایک دلہن کے دوپٹے پر سونے کے ستارے لگائے ہوتے ہیں تو اگرچہ کتابی علوم پر اس بچے کو اتنا عبور نہ بھی ہو لیکن جس ماحول میں وہ پیدا ہوا اور اس نے پرورش پائی اس کی وجہ سے اس بچے کا دماغ بھی ان باتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ذرا سی مشکل ہے اور اس کے لئے تھوڑے سے زاویہ کو بدلنے کی ضرورت ہے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ لیکن استاد اس کی طرف توجہ نہیں کرتے چنانچہ جب میں پرنسپل بنا تو یہ پڑھانے کا ذمہ میں نے خود لے لیا۔ ہمارے ایک بزرگ استاد تھے مولوی ارجمند خان صاحب آپ میں سے بھی اکثر انہیں جانتے ہیں کیونکہ وہ یہاں بھی کام کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے ان کلاسز سے نوٹ تیار کئے تھے جنہیں ہمارے محترم بزرگ سید سرور شاہ صاحب

---

[1] (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۷۲ء)

یہ علم پڑھایا کرتے تھے - خانصاحب کا خیال یہ تھا کہ اگر کبھی موقع ملا تو وہ صحیح رنگ میں اس پرچہ کو پڑھایا کریں گے - جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ایک نوجوان جو ان مضامین سے دس سال تک آؤٹ آف ٹچ غیر متعلق رہا ہے اب ہمارا پرنسپل لگا دیا گیا ہے اور پھر جو فلسفہ کا مشکل ترین پرچہ ہے اس نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے تو وہ کچھ گھبرائے....

.....اور ایک دفعہ مجھے ملے تو کہنے لگے میاں صاحب آپ نے کیا ظلم کیا ہے - یہ پرچہ آپ کیسے پڑھائیں گے - مَیں نے اس علم کے متعلق بڑی محنت سے نوٹ تیار کئے ہیں - آپ یہ پرچہ مجھے دے دیں - مَیں نے کہا نہیں مَیں نے نیت کر لی ہے کہ یہ پرچہ مَیں خود ہی پڑھاؤں گا - باقی دیکھیں گے کہ اب اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے -

چنانچہ جب فلسفہ کا مضمون مَیں نے پڑھانا شروع کیا تو مجھے طلباء کو صرف یہ بات سمجھانے کے لئے کہ یہ مضمون آسان ترین مضمون ہے دو تین لیکچر دینے پڑے اور بتایا کہ یہ فلسفہ کا مضمون نہیں بلکہ تاریخ فلسفہ کا مضمون ہے جو آپ لوگ یہاں پڑھتے ہیں اور آپ کو اس امر کے معلوم کرنے کی کوشش کی ضرورت نہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں یا نہیں بلکہ صرف اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ انسانی دماغ پر ایک دَور ایسا بھی گزرا ہے کہ جس میں وہ ان باتوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتا تھا لیکن بعد میں جب سائنس اور دیگر علوم نے ترقی کی اور ساتھ ہی انڈسٹری نے بھی ترقی کی اور وہ دور بین جن تک پہلے تخیل کی رسائی نہ تھی بننے لگیں اور انسان کو اس عالم کے متعلق نئے نئے انکشاف ہوئے تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ پرانے خیالات ان نئے علوم میں Fit in (فٹ اِن) نہیں کرتے لیکن پہلے زمانہ میں لوگ اسی طرح سوچا کرتے تھے - پس اس رنگ میں مَیں نے انہیں وہ فلسفہ پڑھایا -

منطق کے متعلق مَیں نے انہیں کہا کہ صرف اصطلاحیں ہیں اَور کوئی چیز نہیں - اگر منطق واقعی اس طریقِ فکر کا نام ہے جس کے مطابق ہمارا دماغ کام کرتا ہے اور اصطلاحوں میں طریقِ بیان کا نام ہے تو ایک بچہ بھی اس طرح سوچتا ہے - اگر ایک بچہ کے سامنے دو چیزیں رکھی جائیں خواہ وہ گنتی نہ جانتا ہو اور وہ زبان سے چار نہ کہہ سکے لیکن اس کی سمجھ اور عقل میں یہی ہوگا کہ یہ چار چیزیں ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ انہیں چار کی بجائے آٹھ سمجھنے لگ جائے -

تو دن رات صبح شام ہمارا دماغ ان طریقوں پر کام کرتا ہے - صرف ہم نے کچھ اصطلاحیں بنا لی ہیں اور اس علم کو منطق کا نام دے دیا ہے - اس میں کوئی مشکل نہیں ہے - بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلبہ پاس ہو گئے - اس وقت مجھے اپنے رب کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا - اور مَیں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بہت حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کمی کو ہم اپنی دعاؤں سے پورا کر سکتے ہیں - یہ تجربہ ۱۹۴۰-۴۱ء سے اب تک مجھے رہا ہے ...... پس میرا اپنے سارے زمانہ میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے رب کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے - ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو خدا ہے - اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا

سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں - اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔ تو اس زمانہ میں جب مَیں جامعہ میں تھا میں نے اپنا دل اور دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی۔ اور اس زمانہ میں جب مَیں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال بننے جامعہ احمدیہ کے واقفینِ زندگی تبلیغِ اسلام کے میدان میں اترے - اس سے پہلے پانچ یا سات سال کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی اور اس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کر رہے ہیں [1]

جب مَیں انگلستان سے واپس آیا تو عمر کے لحاظ سے مَیں چھوٹا تھا اور گو تبلیغ کا جوش تو تھا لیکن تجربہ کوئی نہ تھا - محترم چوہدری صاحب (فتح محمد سیال) نے مجھ سے کہا تم ہمارے ساتھ مقامی تبلیغ کے دوروں پر جب بھی فرصت ہو جایا کرو - چنانچہ مَیں نے ان کے ساتھ تبلیغی دوروں پر جانا شروع کر دیا - اس سے ایک تجربہ تو مجھے یہ حاصل ہوا کہ ایک عام دیہاتی مسلمان چاہے وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے اگر صحیح طریقہ پر اس کے سطح (لیول) اور اس کے مقام پر آکر بات کی جائے تو وہ بہت جلد اسے سمجھ لیتا ہے۔ [2]

جس وقت مَیں انگلستان سے تعلیم ختم کر کے واپس آیا تو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے میرے اس احتجاج کے

[1] (الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء)

[2] (الفضل ۴ فروری ۱۹۶۷ء)

باوجود جو احساس کم مائیگی سے نکلا تھا مجھے خدام الاحمدیہ کا صدر تجویز کر کے میرا نام صدارت کے لئے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوایا .... مَیں سمجھتا ہوں کہ اگرچہ میری طبیعت کا کوئی پہلو بھی اس وقت صدارت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن جو کام میرے سپرد کیا گیا اس کے نتیجہ میں مجھے انتظامی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی بہت فائدہ حاصل ہوا۔ [1]

جب میں ۱۹۳۸ء میں ولایت سے واپس آیا تو اس وقت مجلس خدام الاحمدیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی اس کا کوئی دستور بھی نہیں تھا - نیا نیا کام تھا - اس کو چلانے کا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا - مجھے یاد ہے کہ شروع میں جب قادیان میں باہر کیمپ کی شکل میں خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع کیا تو اس وقت چونکہ نیا نیا کام تھا اور تجربہ نہیں تھا - اس لئے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ مقامِ اجتماع کے گرد بانس کیسے لگاتے ہیں اور ان پر رسیاں کیسے باندھی جاتی ہیں۔ مَیں اس وقت جامعہ احمدیہ کا پرنسپل تھا - جامعہ احمدیہ کے میرے شاگرد اور مَیں خود بھی کئی دن خرچ کرتے اور چھوٹے رنبوں کے ساتھ گڑھے کھود کر ان کے اندر بانس لگاتے تھے - بے چارے خدام کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے - پھر ایک دو سال کے تجربہ کے بعد یہ پتہ لگا کہ اتنی کوفت اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے بس ایک کِلّہ بنا لیا، دو چار ضربیں لگائیں، بانس کے لئے سوراخ بن گیا - اس کو نکالا اور آگے چلے گئے - اس طرح جس کام پر ہفتے لگے تھے وہ دو گھنٹوں میں مکمل ہو گیا۔ [2]

مجھے یاد ہے کہ ابتدا میں خدام الاحمدیہ کے پاس سامان

[1] (الفضل ۴ فروری ۱۹۶۷ء)

[2] (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء)

نہیں ہوتا تھا۔ ہم محلے میں مختلف دوستوں سے کدالیں ٹوکریاں وغیرہ جمع کرتے اور ان پر نشان لگا لیتے اور وقارِ عمل کے بعد پھر انہیں واپس پہنچا دیتے تھے۔ اس لئے وقارِ عمل کے بعد کئی گھنٹے تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑتا تھا تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ اس سے عزت اور اعتماد قائم ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز ضائع ہو جاتی یا ٹوٹ جاتی تو ہم اس کی قیمت ادا کر دیتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ نے یہ توفیق دی کہ کئی سو کدالیں اور کئی سو ٹوکریاں جو وقارِ عمل کے لئے ضروری تھیں خدام الاحمدیہ نے خود خریدلیں۔

چنانچہ پہلی بار جب ہماری جماعت (جماعت احمدیہ) کا جھنڈا بنا تھا اس وقت حضرت مصلح موعود نے اس سلسلہ میں چھان بین کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی تھی جس میں مجھ خاکسار کو بھی شامل کر دیا تھا۔ چنانچہ اس وقت ہم نے پوری چھان بین کی تو ہمیں یہی پتہ لگا تھا کہ ان دو رنگوں کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا اور کوئی رنگ نہ تھا۔ اس واسطے ہم نے جماعت کے جھنڈا میں سیاہ اور سفید رنگوں کا ایک امتزاج پیدا کر دیا۔

حضرت مصلح موعود کا جو جلسہ مصلح موعود ۱۹۴۴ء میں دہلی ہوا تھا اس پر چالیس ہزار آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ اور میں تھا اس وقت خدام الاحمدیہ کا صدر۔ میں کچھ رضاکار لے کر حفاظت پر مامور تھا۔ میں نے ان کو ہدایت کی کہ کسی سے لڑنا نہیں۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی کو کچھ کہیں لیکن ان کو اتنا قریب بھی نہ آنے دینا کہ اگر پتھر پھینکیں تو ہمارے پنڈال میں آکر گریں۔ اس سے ابتری پھیلے گی چنانچہ پرے کھڑے ہو گئے اور ایک وقت میں حضرت مصلح موعود کو خیال آیا کہ بہت زیادہ نوجوان باہر نہ چلے جائیں تو آپ نے کہا کہ سو سے زیادہ خدام باہر کھڑے نہ ہوں۔ لاؤڈ سپیکر کام نہیں کر رہا تھا جس کی وجہ سے وہاں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ تو خیر خدام دوڑے ہوئے میرے پاس آئے کہ حضرت صاحب کا یہ حکم ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ابھی دیکھتے ہیں پہلے میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ بس ساتھی لئے تھے اور کام شروع کر دیا تھا۔ جب گنتی کی تو ہم سب ستر تھے۔ سو بھی نہ تھے۔ اور ۴۰ ہزار کا مجمع ہمارے سامنے تھا۔ خوف اگر کسی کے دل میں تھا تو ان کے دل میں تھا ہمارے دل میں نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کا ایک نشان میں بتا دیتا ہوں میں نے دور سے دیکھا۔ ہم سے غفلت یہ ہوئی کہ عورتیں جلسہ میں شامل ہوئی تھیں اور قنات تھی open space میں ڈبل قنات لگائی ہوئی تھی ہماری جماعت نے۔ ایک تو عورتوں کے جلسہ گاہ کے ارد گرد تھی اور ایک ۴۰ - ۵۰ قدم وہاں سے ہٹ کر دوسری قنات لگائی ہوئی تھی۔

اچانک میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا وہاں ہمارا کوئی رضاکار نہیں اور ایک پہلوان ۳-۴ من کا بڑا مضبوط۔ دور سے دیکھا کہ وہ تیر کی طرح سیدھا عورتوں پر حملہ کرنے کے لئے دوڑا چلا جا رہا ہے۔ اس وقت وہاں کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہم نے کہا دیکھیں یہاں ہوتا کیا ہے۔ خدام تو بکھرے ہوئے تھے اس لئے ہم نے کہا دیکھتے ہیں۔ بڑی استغفار کی کہ غفلت ہو گئی۔ وہاں وہ قنات کے پاس گیا اور جھکا اور قنات کے بانس کو اکھاڑا اور ہمیں دور سے یہ نظر آیا کہ کسی نے اندر سے سوٹی ماری ہے اس کے سر پر اور وہ واپس بھاگا۔ میں حیران تھا کہ وہاں

(الفضل ۲، مارچ ۱۹۶۶ء)
(الفضل ۲۸، جون ۱۹۷۳ء)

رضا کار کوئی ہے نہیں اور وہاں کوئی عورت آگئی سوٹی مارنے کے لئے۔ آخر بات کیا ہوئی ہے۔ بہت استغفار کیا کہ وہاں رضا کار کھڑا کرنا چاہیئے تھا۔ جب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے جھٹکے کے ساتھ بانس کو زمین سے باہر نکالا تھا۔ وہ دیمک خوردہ تھا۔ جھٹکے سے وہ اپنے نصف سے ٹوٹا اور اسی بانس کا اوپر کا نصف اس کے سر پر پڑا اور اس طرح وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ (الفضل ۱۱ر جولائی ۸۲ء)

وہ دِل

وہ دِل کہ جو اک مہبطِ انوارِ خدا تھا
وہ دِل کہ جو سرمایۂ اربابِ وفا تھا

وہ دِل کہ جو اسلام کا تھا والہ و شیدا
وہ دِل کہ جو قرآن کی خدمت میں فنا تھا

وہ دِل کہ جو تھا مُحرمِ اسرارِ الٰہی
طاہر تھا مُطہّر تھا وہ معمورِ ضیا تھا

ہر گام پہ اللہ کی رحمت کا تھا طالب
پابندِ وفا پیکرِ تسلیم و رضا تھا

اُس دِل نے نہ دیکھا تھا کبھی غیر کی جانب
اُس دل میں فقط یادِ نبیؐ عشقِ خدا تھا

بھولی ہوئی بھٹکی ہوئی رُوحوں کے لیئے وہ
تسکین کا باعث تھا رہِ صدق و صفا تھا

اللہ نے ہر گام پہ نصرت سے نوازا
لاریب وہ دِل منزلِ مقصد پہ رسا تھا

وہ دِل کہ جو شفقت و اُلفت تھا سراپا
صد شکر کہ اللہ کی رحمت سے ملا تھا

دِلداری و غم خواری و الطاف و کرم کا
اِک چشمۂ صافی تھا کہ جو اُس سے بہا تھا

وہ دِل کہ جو تھا ناصرؔ و منصور و مظفّر
اس دَور میں وہ سب کے لیئے راہ نُما تھا

تھی اُس کے تکلّم میں تبسّم کی گھلاوٹ
آلام کی یورش میں بھی ہنستا ہی رہا تھا

اللہ کے فضلوں کا وہ مَورد رہے دائم
وہ دل کہ جو ہر دِل میں راضی برضا تھا

ہر دل کے قریں آج بھی وہ دل ہے دھڑکتا
جس دِل نے محبّت کا سبق سب کو دیا تھا

(سیّد سجاد احمد ۲۷/۲ دار الرحمت شرقی۔ ربوہ)

کشتی میں حضرت سیّدہ منصورہ بیگم نوراللہ مرقدھا کے ہمراہ

جن کو نظریں
ڈھونڈتی ہیں
وہ نظر
آتے نہیں

حضرت سیدہ منصورہ بیگم نوّر اللہ مرقدھا کے ھمراہ جرمنی میں
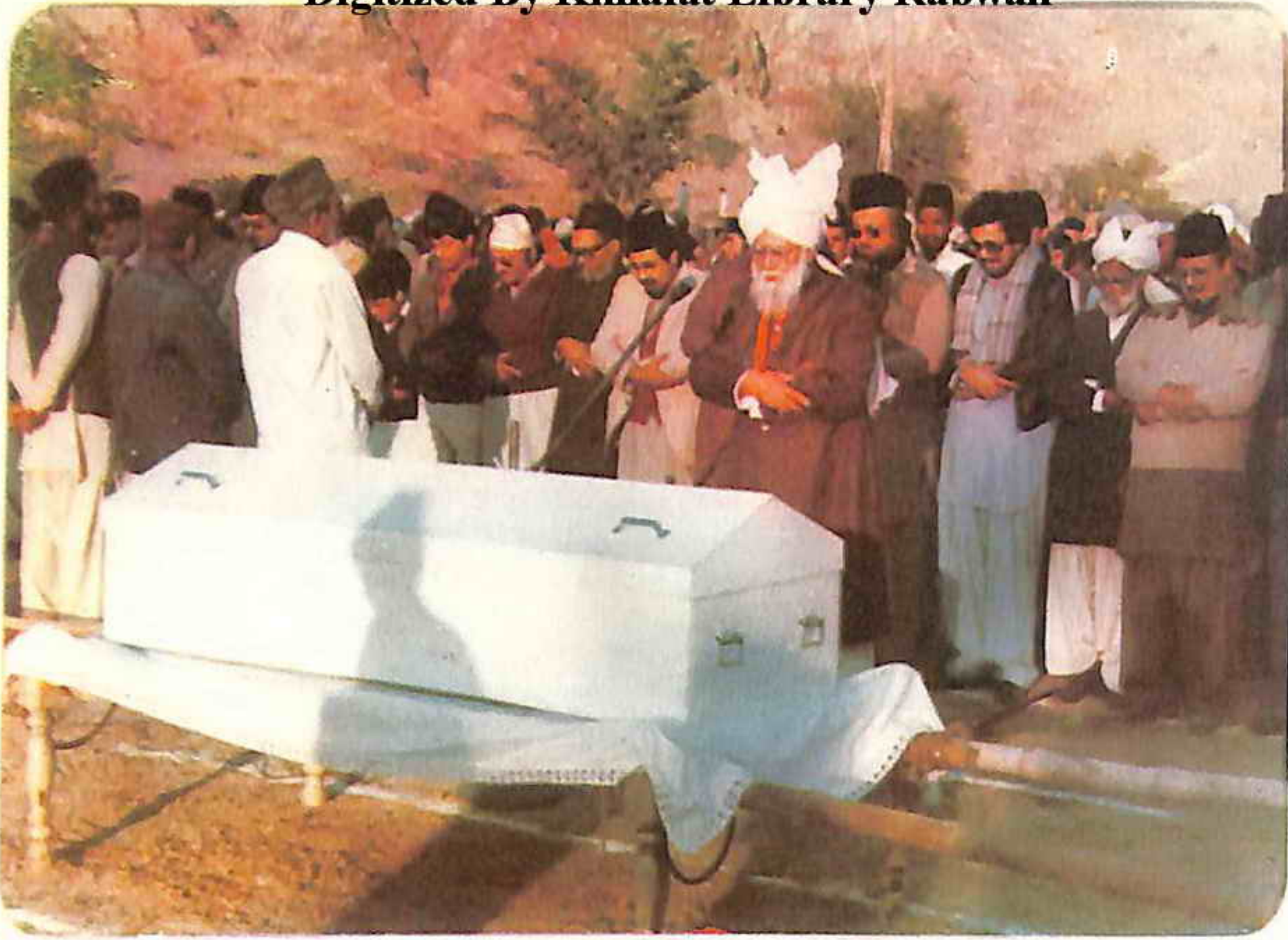
حضرت سیّدہ منصورہ بیگم نوّراللہ مرقدھا حرم حضور ایدہ اللہ کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہوئے
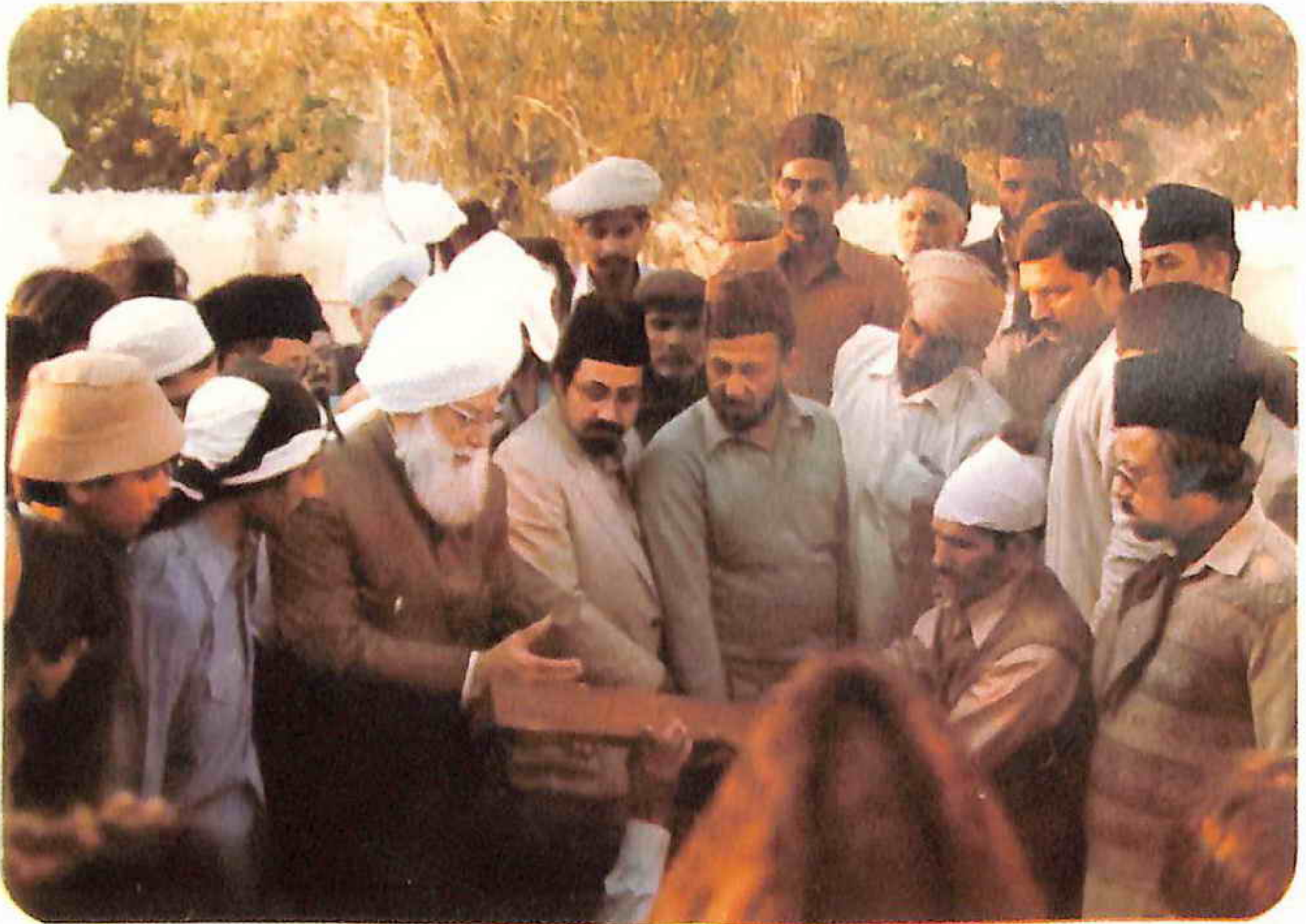
حضرت سیّدہ منصُورہ بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدھا کی تدفین کے موقع پر

ع خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
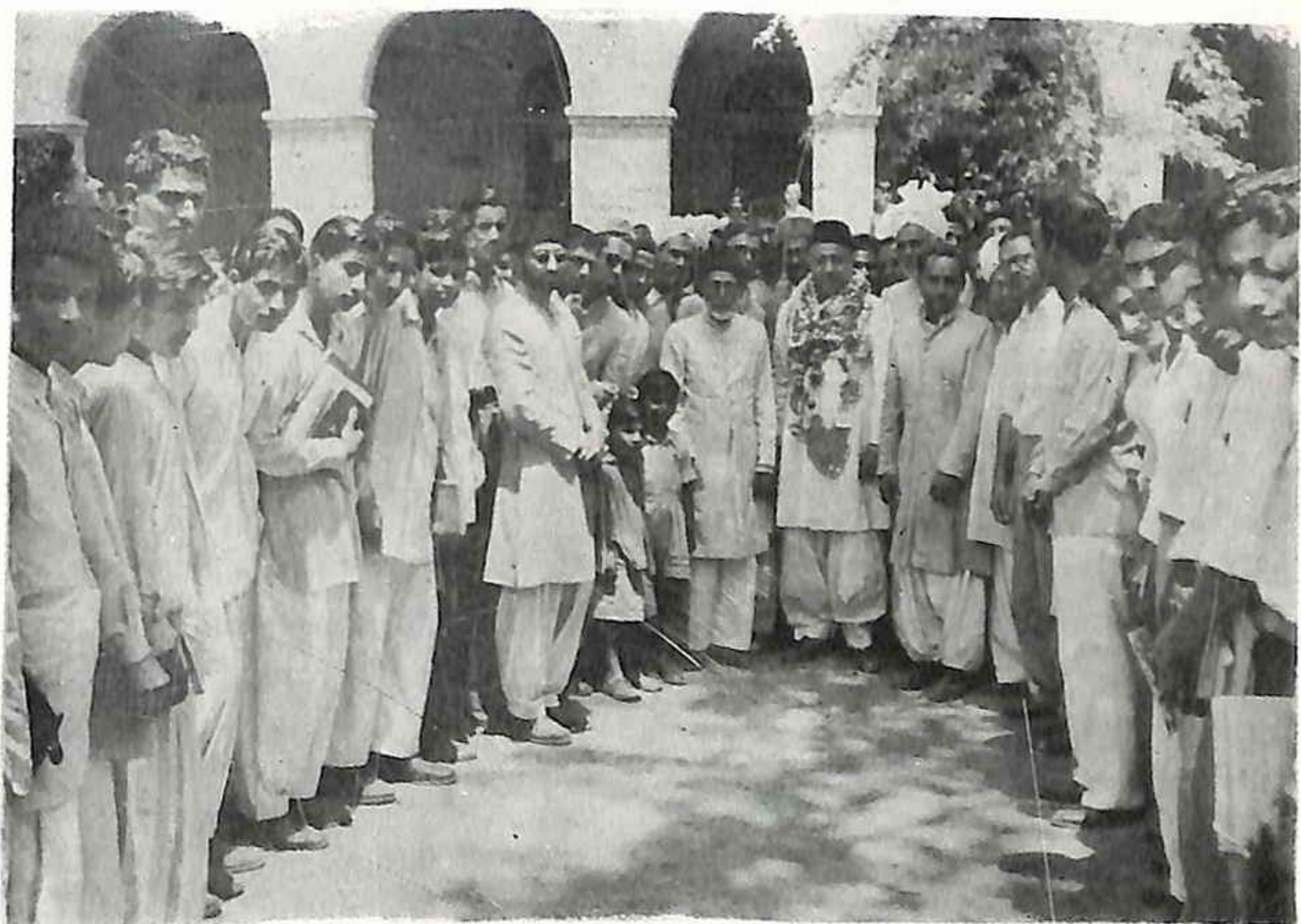
۱۹۵۳ء میں قید سے رہائی کے روز ٹی آئی کالج میں آمد پر

ہیڈ کوارٹرز پر ایک پکنک کے دوران

اپنے خدام پر شفقت کا ایک انداز۔ یہ تصویر حضورؒ نے خود کھینچی
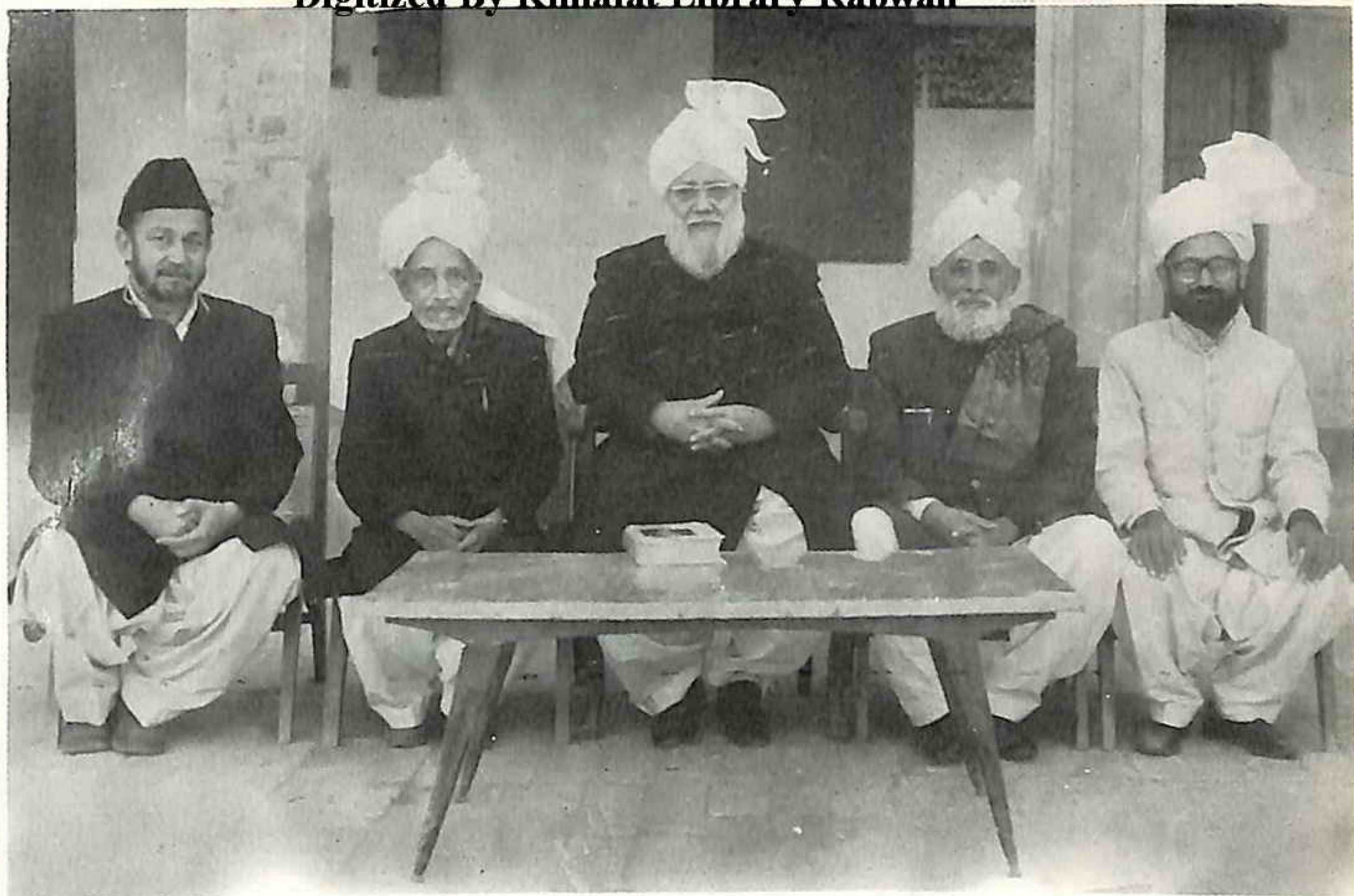
۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں پیش ہونے والا جماعتِ احمدیہ کا وفد
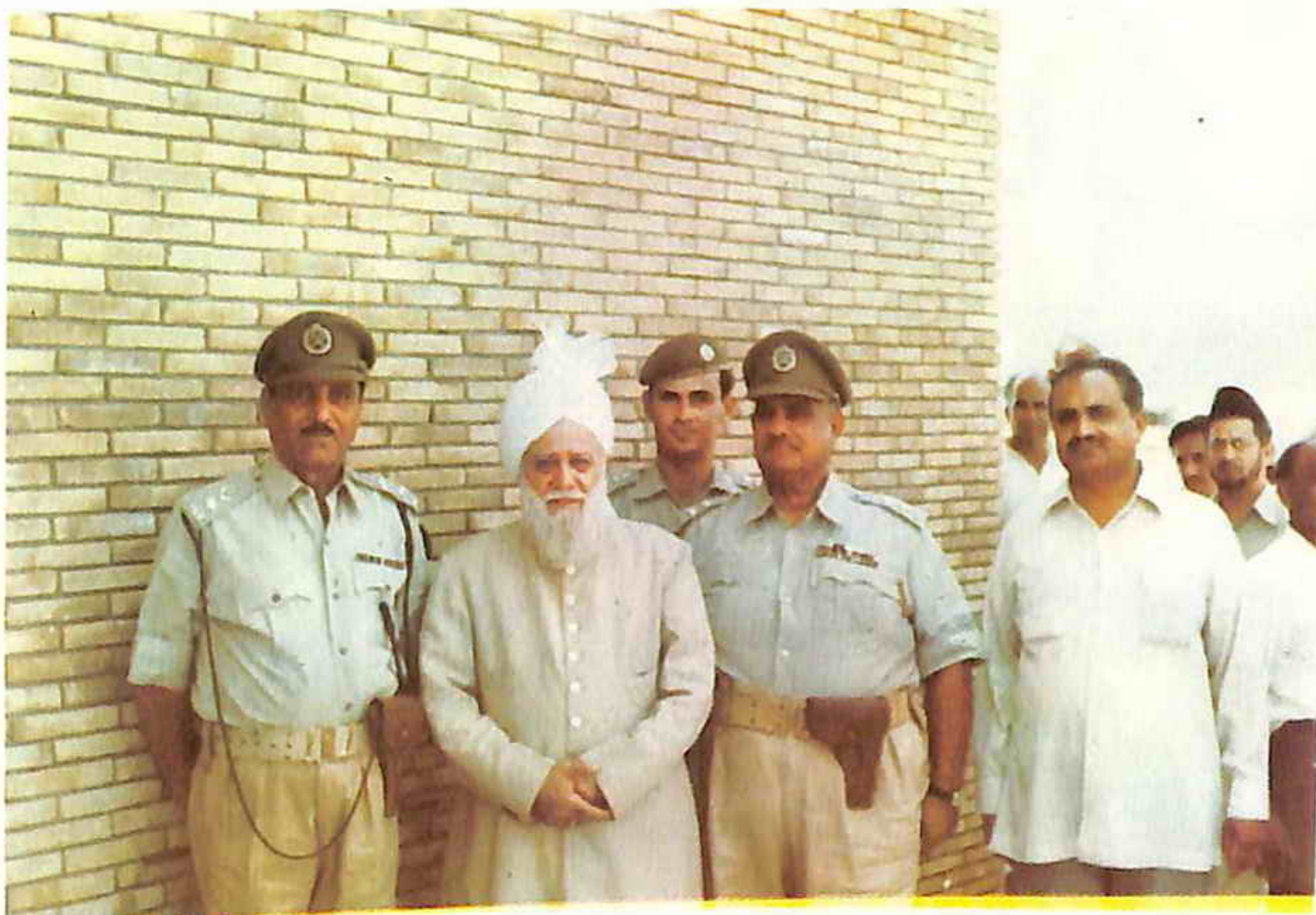
۱۹۷۴ء کی ایک یادگار۔ قومی اسمبلی روانہ ہونے سے قبل
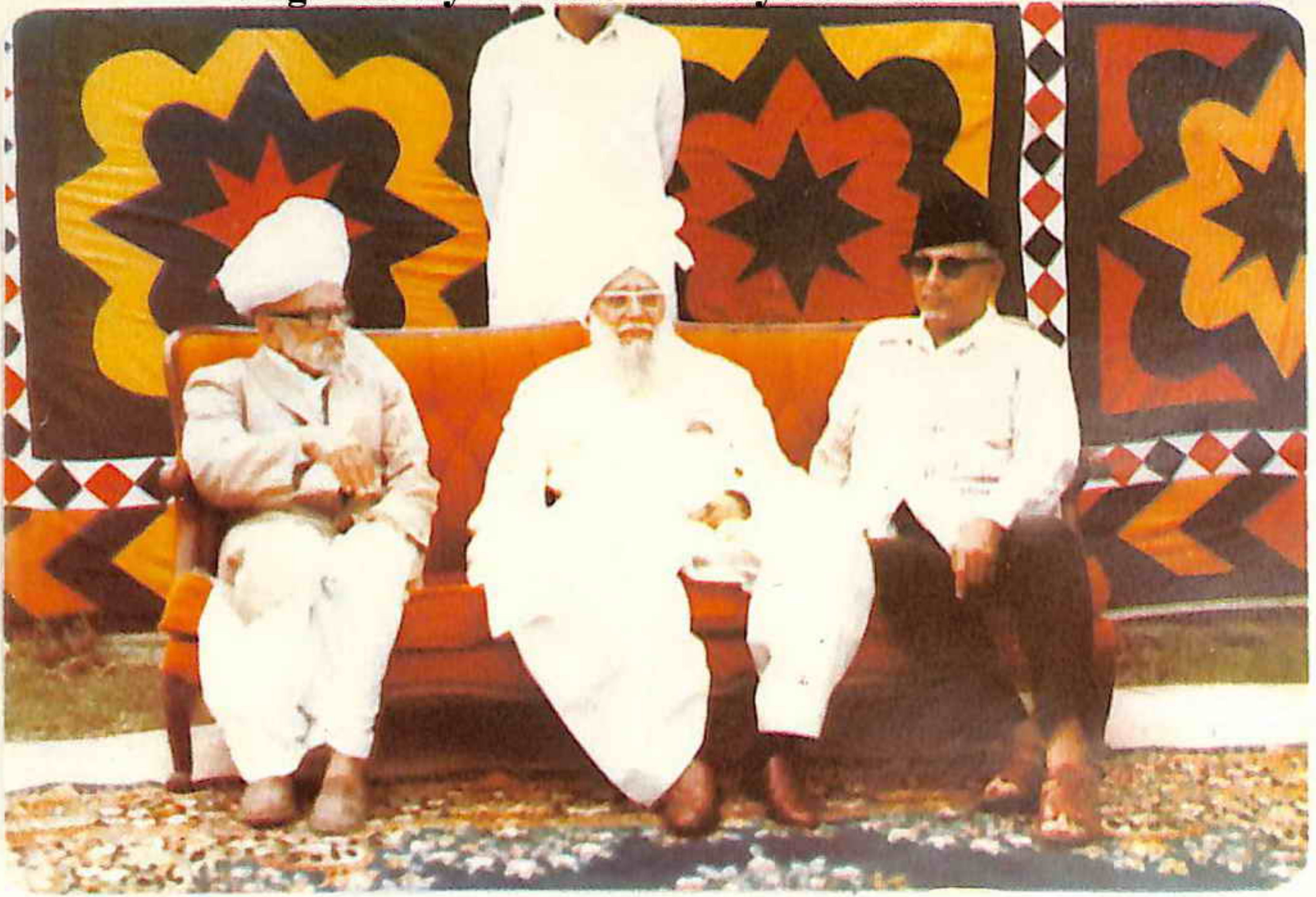
حضور رحمہ اللہ کا نکاح ثانی ۔ بائیں محترم خان عبدالمجید خان صاحب ہیں۔

دو خلفاء ۔ دو سمدھی ۔ صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب کی دعوتِ ولیمہ کا منظر
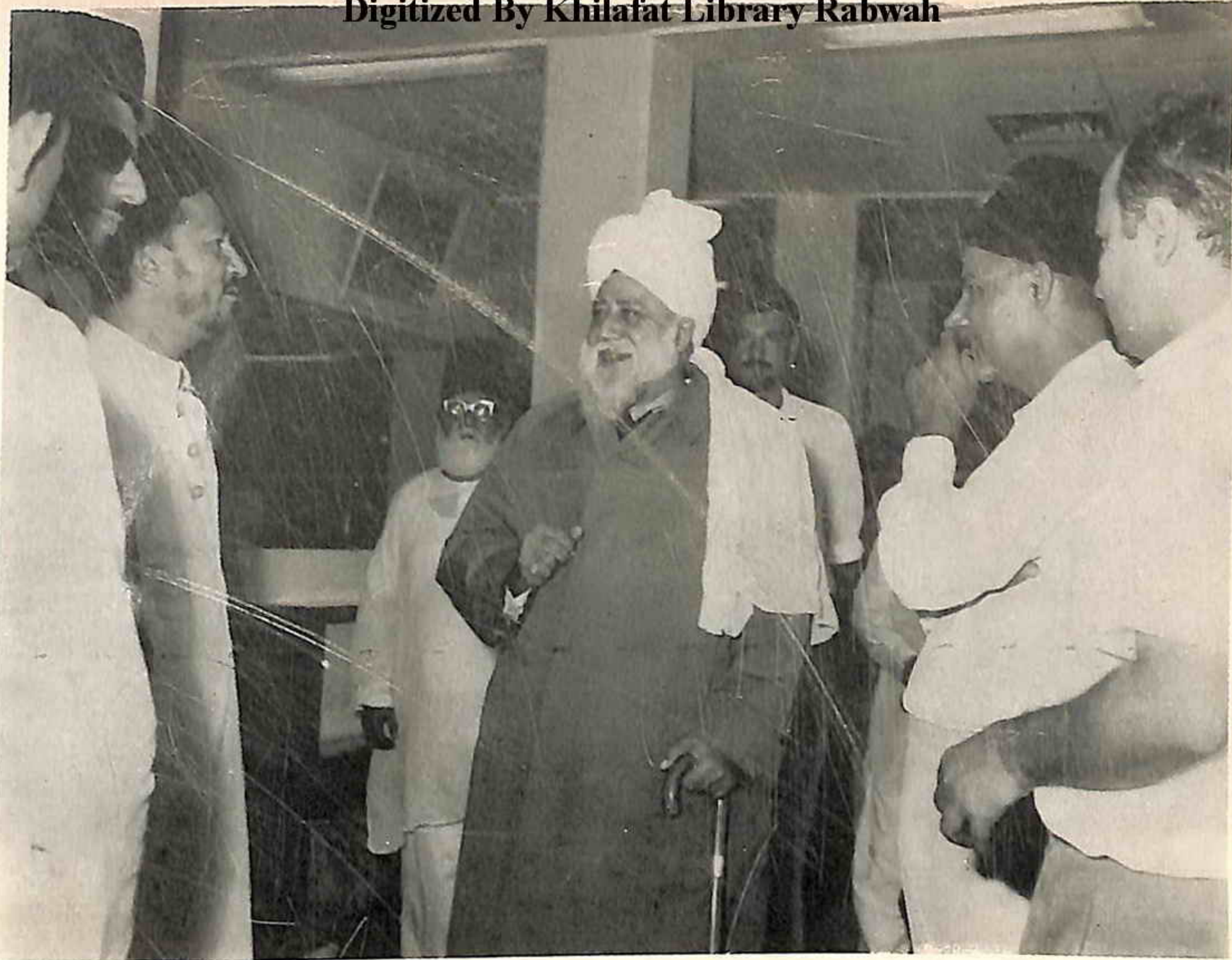
پہلے دورۂ یورپ ۱۹۶۷ء سے واپسی پر کراچی میں

اجتماع انصاراللہ مرکزیہ کے موقع پر عہد دہروا رہے ہیں

حضرت بھائی جان رحمہ اللہ تعالیٰ
قربت، ہم عصری اور دوستی کی یادیں

مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ امریکہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات جماعت کے لئے ایک زلزلہ کے رنگ میں آئی۔ ایک مختصر سی علالت جس کے آخری ایام میں بظاہر امید کا پہلو غالب نظر آ رہا تھا وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور جماعت کو ایک سکتہ کی حالت میں چھوڑ گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے غیبی ہاتھ نے جماعت کی پراگندگی کی حالت کو سکون اور امن میں بدل دیا۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔

ان دنوں میں میری طبیعت اچھی نہ تھی اور چند ایام پہلے اسی وجہ سے ایک ضروری میٹنگ جو نیو انگلینڈ میں ہو رہی تھی اس میں شمولیت کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ نیز وفات کی اطلاع اور تدفین میں اتنا تھوڑا وقت تھا کہ امریکہ سے حاضری اور شمولیت بہت مشکوک بن گئی تھی۔ شامل نہ ہونے کا غم اور آخری دیدار سے محرومی میری زندگی کے غم کا ایک تکلیف دہ جزو بن کے رہ گیا ہے۔

حضرت بھائی جان (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) سے میرا ایک قرابت کا رشتہ تھا۔ نیز ہم عصری اور دوستی کی سعادت نصف صدی سے زائد کے سارے واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے۔ بچپن سے حضرت صاحب کو حضرت اماں جان نور اللہ مرقدہا نے اپنی پرورش میں لے لیا تھا اور حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت ام ناصر کے گھر سے وہ حضرت اماں جان کے گھر میں آ گئے تھے۔ لاہور میں میرے کالج میں داخل ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے حضرت ابا جان (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ) نے مجھے بھی حضرت اماں جان کے ہاں بھجوا دیا تھا اور ایک ہی بڑے کمرہ میں حضرت اماں جان کے ساتھ ہم نے یہ بابرکت وقت اکٹھا گزارا۔ کمرہ کے ایک کونہ میں جو شمالی دیوار کی طرف بیت الدعا کے قریب تھا اس میں حضرت اماں جان کا بڑا پلنگ ہوتا تھا اور جنوبی دیوار کی طرف جو مسجد مبارک کی سمت تھی دو کونوں میں ہمارے علیحدہ پلنگ تھے۔ میں نے نوٹ کیا کہ حضرت

بھائی جان جب بھی گھر سے باہر جاتے تھے حضرت اماں جان سے اجازت لے کر جاتے تھے اور جن الفاظ سے حضرت اماں جان اجازت دیتی تھیں وہ میرے کانوں میں اب بھی گونج رہے ہیں حضرت اماں جان ہمیشہ یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر اجازت دیتی تھیں "جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہو"۔ بڑی محبت اور بڑی گہرائی سے حضرت اماں جان یہ دعائیہ فقرہ کہتی تھیں۔ یادوں کی اس پرانی فلم کی ایک تصویر میں حضرت بھائی جان کا مسجد مبارک میں بیٹھنا سامنے آتا ہے جب وہ مکرم حافظ محمد ابراہیم صاحب سے حفظ قرآن کا سبق لیتے اور مشق کیا کرتے تھے۔ تعلیم کے آغاز میں سب سے مقدم قرآن کریم حفظ کرنا ہی تھا۔ دن کا کھانا حضرت اماں جان کے ساتھ کئی مرتبہ باورچی خانے میں چولہے کے پاس بیٹھ کر کھاتے تھے اور کئی مرتبہ حضرت اماں جان خود اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر دیتی تھیں۔ رات کا کھانا سردی کے موسم میں حضرت اماں جان کے بڑے دالان میں کھایا جاتا جو ہم سب کے سونے کا کمرہ بھی تھا اور جس میں سے بیت الدعا کو راستہ بھی جاتا تھا۔ کھانا فرش پر چُنا جاتا تھا یا پھر اس کے لئے ایک چوکی بچھتی تھی جس پر چنا جاتا تھا اور اس کے چاروں طرف کھانے والے بیٹھتے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں رات کا کھانا صحن کے بالائی حصہ میں ایک تخت پوش کے اوپر کھایا جاتا تھا۔ حضرت مصلح موعود اکثر مغرب کی نماز کے بعد حضرت اماں جان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تھے۔ اس موقع پر کمرہ یا صحن میں ٹہلتے رہتے اور باتیں بھی اسی طرح ٹہلتے ہوئے کرتے تھے۔ اس موقع پر اکثر حضرت ابا جان بھی ساتھ ہوتے تھے اور چھٹیوں کے ایام میں حضرت ماموں جان (حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن) بھی موجود ہوتے۔ اکثر دینی مسائل اور سلسلہ کی باتیں ہوتی تھیں اور جب حضرت مصلح موعود تشریف لے جاتے تھے تو کھانا شروع ہوتا تھا جو مغرب اور عشاء کے درمیان کھایا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مصلح موعود مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور ہم بچوں سے مخاطب ہو کر فرمایا دیکھو قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور علم کا سمندر ہے۔ تم لوگ اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو۔ اس غور کی عادت کے ثبوت میں اگر کوئی موتی نکال کر پیش نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک سیپی ہی نکالو تاکہ معلوم ہو سکے کہ تم نے غور کی اس عادت کو اپنا لیا ہے۔ غرضیکہ یہ ایام بڑی برکتوں والے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی تربیت حضرت اماں جان کی براہ راست نگرانی میں اسی پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔

قرآن کریم کے حفظ کرنے کے بعد حضرت بھائی جان نے مدرسہ احمدیہ میں پڑھ کر مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے تک پڑھتے رہے۔ ان ایام میں احمدیہ ہوسٹل پہلے ٹمپل روڈ پر رہا اور پھر چوبرجی کے علاقہ میں بہاولپور روڈ پر ایک کوٹھی میں منتقل ہوا۔ گورنمنٹ کالج میں طالب علمی کے ایام میں مجھے یاد ہے حضرت بھائی جان نے تبلیغ کے لئے چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ دو ورقہ پمفلٹ ہوتے تھے جو بڑے عمدہ کاغذ پر شائع کرتے تھے۔ چند منٹ میں پڑھے جا سکتے تھے۔ ان کی تقسیم پر

کالج کے حلقوں میں کافی ہلچل اور دلچسپی پیدا ہوئی اور طالب علموں میں تبلیغ کا ایک دلکش طریق رائج ہوا۔ اس کی وجہ سے احمدی طلباء اور ان کے ساتھیوں میں بحث مباحثے بھی ہوتے رہتے جن میں ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم پیش پیش تھے اور بڑی قابلیت اور موثر طریق پر بحث کرتے تھے اور بڑی حاضر جوابی سے ساکت کرنے والے دلائل دیتے تھے۔

کالج کے بعد پھر ہمیں اکٹھے رہنے کا موقع انگلستان میں نصیب ہوا۔ حضرت بھائی جان آکسفورڈ میں BALLIOL کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ہم دوسرے بھائی (مرزا ظفر احمد، مرزا سعید احمد اور خاکسار) لندن میں تھے۔ گو آخری سال ۱۹۳۸ء میں مَیں بھی آکسفورڈ چلا گیا تھا۔ ان دنوں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب انگلستان تشریف لاتے تھے تو آکسفورڈ میں بھی آتے تھے اور حضرت بھائی جان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تھے۔ آکسفورڈ میں حضرت بھائی جان مختلف لائبریریوں اور کتب کی دکانوں پر جاتے تھے اور بڑی دلچسپی اور گہری جاذبیت سے مطالعہ جاری رکھتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد قادیان واپسی کا زمانہ آیا جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان تک کا ہے لندن سے فراغت کے بعد حضرت مصلح موعود کی ہدایت کے تحت حضرت بھائی جان نے چند ماہ مصر میں عربی زبان بولنے کی مشق کے لئے بھی قیام فرمایا۔ قادیان واپسی پر تعلیمی ذمہ داریوں کے علاوہ سلسلہ کی خدمت میں انہماک سے کام کیا۔ چونکہ اس عرصہ میں مَیں ملازمت کے سلسلہ میں قادیان سے باہر رہا اس لئے حضرت بھائی جان کی ان برسوں کی مصروفیات کا عینی شاہد نہ تھا لیکن اس لمبے عرصہ کے دو واقعات میرے ذہن میں حاضر ہیں۔

اوّل اسمبلی کے الیکشن کے ایام تھے جس میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال جماعت کی طرف سے بطور نمائندہ کھڑے ہوئے تھے اور ان کا مقابلہ بٹالہ کے ایک با اثر گدی نشین خاندان کے سربراہ سے تھا۔ ان دنوں حضرت بھائی جان نے بڑی مستعدی اور بڑی جانفشانی سے دن رات ایک کر کے کام کیا اور یہ کیفیت کئی ہفتہ تک رہی۔ حضرت ابا جان تمام کام کے انچارج تھے اور ہمارے گھر کے مردانہ حصہ میں ایک قسم کا آپریشن روم بنا ہوا تھا اور چوبیس گھنٹے گہما گہمی رہتی تھی۔ حضرت بھائی جان مشقت برداشت کرنے کے پوری طرح عادی تھے اور رات دن اس کام میں مصروف رہتے۔ نہ کھانے کی ہوش اور نہ آرام کی فکر۔ ایک ہی دُھن تھی کہ سلسلہ کے کام کا کوئی پہلو نامکمل نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کامیابی بھی عطا کی اور جماعت باوجود سخت مخالفت کے سرخرو ہوئی دوسرا موقعہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے دوران تھا۔ ان دنوں میں اس کام کے انچارج حضرت بھائی جان تھے اور بڑی جانفشانی، بڑی دلیری اور بڑی ہمت سے کام کیا۔ جماعت کے افراد کو اور حقیقتاً تمام علاقہ کے مسلمانوں کو بڑی حد تک دشمنوں کے پیہم حملوں سے محفوظ رکھا اور جانی نقصان برائے نام ہوا۔ ایک ایک وقت میں ستر ستر ہزار لوگوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام کیا اور ان کو حفاظت سے پاکستان پہنچایا۔ ان دنوں کے

اخبارات میں کئی مرتبہ جماعت کی اس قربانی اور دلیرانہ دفاع کا ذکر کیا اور جماعت کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ یہ حضرت بھائی جان کی فیلڈ میں قیادت اور ہمت اور محنت کا ثمرہ تھا۔ ان دونوں واقعات میں حضرت بھائی جان کے خصوصی اوصاف ابھر کر سامنے آئے۔ محنت، ہمت، شجاعت، دلیری، سادگی، پلاننگ اور حکمت عملی کے کل اوصاف اپنی پوری شان سے جلوہ گر رہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ربوہ منتقل ہونے تک قیام رتن باغ لاہور میں رہا اور اس عرصہ میں تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ دور بھی بڑی محنت کا دور تھا۔ لٹے ہوئے بے سروسامان سب آئے اور اس خاک سے ایک کامیاب تعلیمی ادارہ کھڑا کیا جس نے تعلیمی درسگاہوں میں ایک امتیازی حیثیت حاصل کی۔ جب یہ ادارہ ربوہ میں منتقل ہوا تو ایک بار پھر بے سروسامانی کی حالت میں کام شروع ہوا۔ نئی عمارت حضرت بھائی جان نے اسی لگاؤ اور محنت سے بڑی کفائیت اور تھوڑی رقم میں مکمل کروائی اور ہماری اس درسگاہ نے صوبہ بھر میں امتحانات اور اخلاقی اقدار اور سپورٹس میں کامیاب اور امتیازی حیثیت حاصل کی۔

کالج کی ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت مصلح موعود کی لمبی بیماری کے زمانہ میں جماعت کے بہت سے بوجھ آپ کے ہی کندھوں پر پڑے اور خوش اسلوبی سے سرانجام پائے یہ ایک تاریخی دَور تھا جس کی تاریخ کسی صاحبِ قلم کی منتظر ہے۔ حضرت مصلح موعود کی طویل علالت کئی الٰہی مصلحتیں لئے ہوئے تھی اور ایک نہایت پُر شوکت، بابرکت اور الٰہی وعدوں سے معمور پچاس سال سے زائد کا دَور اپنے اختتام کی طرف جا رہا تھا اور آنے والی قیادت کو تیار کرتے ہوئے اس کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا دورِ خلافت قریباً سترہ سال رہا۔ حضرت مصلح موعود کی زائد از پچاس سالہ خلافت ایک نہایت شاندار اور پُر شوکت اور برکتوں سے معمور خلافت تھی جو جماعت میں بلکہ دنیا بھر کی الٰہی تحریکات میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ جس نے مخالفتوں کے طوفانوں میں سے اپنا راستہ صاف کرتے ہوئے جماعت کو ایک مضبوط چٹان کی طرح بین الاقوامی حیثیت میں لا کھڑا کیا۔ ایسی عظیم الشان خلافت کی جانشینی کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت بھائی جان کو توفیق بخشی کہ جماعت کی قیادت کے فرائض اس طور پر انجام دیئے کہ جماعت ترقی پہ ترقی کرتی چلی گئی۔ تعداد میں، غیر ممالک میں پھیلاؤ میں، مالی قربانی میں، اشاعتِ قرآن کریم میں، تعلیمی ترقی میں اس نے ہر دن اپنا قدم آگے بڑھایا۔ اس دوران میں صد سالہ جوبلی منصوبہ نصرت جہاں فنڈ اور افریقہ کے ممالک میں تبلیغی مساعی اور خدمت خلق میں شاندار کام سرانجام پایا۔ تعلیم میں فروغ اور احمدی طالب علم اور طالبات میں تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کا خوشکن ولولہ پیدا کیا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور آنے والا مؤرخ اپنے وقت پر ان کے نقوش کو اجاگر کرے گا۔ فی الحال میرے مضمون کا اصل مقصد ان تفاصیل کا بیان نہیں۔ انہی سنہری کارناموں میں ۱۹۷۴ء کے واقعات ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ جماعت اس کٹھن

امتحان اور ابتلاء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی قیادت میں پوری شان سے سرخرو نکلی۔ ان واقعات پر اس وقت روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ ان واقعات کو جماعت کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے جو کسی روز اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے آئیں گے۔ انشاء اللہ۔

حضرت بھائی جان کو اپنی زندگی کے آخری چند ماہ پہلے ایک گہرا زخم و صدمہ اپنی رفیقۂ حیات حضرت آپا منصورہ بیگم کی اچانک وفات کی صورت میں پہنچا۔ حضرت اماں جان نے خود یہ رشتہ بڑی چاہت اور دعاؤں کے ساتھ کیا اور ان دعاؤں کے ثمرہ میں یہ ایک مثالی جوڑے کی شکل میں ہمیشہ قائم و دائم رہا۔ ان کی وفات پر حضرت بھائی جان پر طبعاً ایک بہت گہرا اثر تھا لیکن آپ نے کمال صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے غم کو اپنے سینہ میں ہی دبائے رکھا اور جماعت کے لئے اللہ کی تقدیر پر رضا اور ضبط و تحمل کا ایک نایاب نمونہ پیش کیا۔ ۱۹۸۱ء کے جلسہ سالانہ پر جب میں اس صدمہ کے بعد پہلی مرتبہ ملا تو مصافحہ کے لئے اُٹھتے ہوئے دُور سے ہی صرف "اناّ للہ و اناّ الیہ راجعون" کہا۔ بعد کی ملاقات میں کئی مرتبہ ذکر آیا۔ پرانی تصاویر جو آپا کے ساتھ تھیں دکھائیں ان میں سے انتخاب کرتے رہے۔ پھر ایک روز ہمارے کمرہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ منصورہ کی وفات کے دوسرے روز میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ میری ایک دفعہ منصورہ سے ملاقات کرا دے تو اس رات کشفی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت سے اس خواہش کو پورا کیا۔ آپ نے تفصیل سے اسے بیان کیا اور فرمایا کہ منصورہ بیگم نے ایک نہایت خوبصورت رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا اور ستونوں والی ٹیرس کی شکل کی ایک عمارت میں جو سات طبقات میں تقسیم شدہ تھی اس میں ان کی ملاقات کے لئے مجھے لے جایا گیا۔ ایک مقام پر پہنچ کر مجھے آواز آئی کہ اس سے آگے نہ تم اوپر جا سکتے ہو اور نہ وہ نیچے آ سکتی ہیں۔ وہاں مَیں نے منصورہ بیگم کو دیکھا۔ نہایت ہی خوشنما منظر تھا اور منصورہ بیگم بہت خوش تھیں اور میرے دل میں اس ملاقات کی وجہ سے بڑا سکون پیدا ہوا۔

انہی دنوں قصرِ خلافت اور دفاتر پرائیویٹ سیکرٹری اور ملاقات کے کمروں کی تعمیر ہو رہی تھی خود نگرانی فرماتے تھے اور مسجد نماز کے لئے جاتے ہوئے، واپسی پر کچھ قیام فرما کر ہدایات دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے فرمانے لگے کہ اس پر خرچ کافی آ رہا ہے۔ ضروریات بھی بڑھ چکی ہیں اور تعمیر کی لاگت بھی۔ مَیں نے لمبا عرصہ ایک نیم شکستہ مکان و دفتر میں گزارا کیا۔ پھر سوچا کہ یہی تذبذب آنے والے خلیفہ کو بھی ہوگا۔ سترہ سال قریباً ناقابلِ استعمال مکان میں رہتے ہوئے اگر یہ بن جائے تو کم از کم اگلے خلیفۂ وقت کو اس تذبذب اور ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

تفریحات میں آپ کا شغف، زمیندارہ، پھول، قدرت کے نظارے، شکار، تیر اندازی اور گھوڑوں خصوصاً عربی نسل کے گھوڑوں میں مرکوز تھا۔ قدرت کے حسین نظاروں سے بہت لطف اٹھاتے تھے اور

اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے۔ ان کی تصاویر بھی لیتے تھے اور بہت شوق سے دکھاتے تھے۔ جن امور میں دلچسپی ہوتی تھی اس پر متعلقہ کتب کا اہتمام سے مطالعہ کرتے تھے۔ اور وسیع علم رکھتے تھے جو جیران کن ہوتا تھا۔ گھوڑوں پر بہت سی باتصویر کتب اکٹھی کی تھیں اور زیرِ مطالعہ رکھتے تھے۔ طب سے بھی دلچسپی تھی خصوصاً ہومیوپیتھ دوائیوں سے۔ بیماروں اور حاجت مندوں میں شوق سے ادویات تجویز کرتے تھے اور خود تقسیم بھی کرتے تھے۔ اپنے استعمال میں نیچرل فوڈ سپلیمنٹ اور وٹامنز کو ترجیح دیتے تھے۔ ان میں سے بہت سے امور میں خاندانی روایات کی جھلک تھی اور ایک پاکیزہ دلچسپی کے علاوہ خدمت خلق کا جذبہ بھی تھا۔

بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان میں کسی رنگ یا نسل کی تمیز کو گوارا نہ فرماتے تھے۔ حبشی اور پسماندہ اقوام کے بچوں سے دوسروں سے بڑھ کر محبت اور لگاؤ کا اظہار فرماتے تھے اور نئی نسل کے لئے ایک تڑپ تھی کہ یہ تعلیم اور اخلاق میں دوسروں سے ہر جہت اور ہر لحاظ سے آگے نکلیں۔ اس جذبہ سے بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم میں دلچسپی اور ترقی کے لئے انعامات اور ذاتی خط و کتابت کی مختلف سکیموں کا اعلان فرمایا اور ان کی بہبود پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

بنی نوع انسان سے شفقت اور ان کی بھلائی آپ کے حسین اخلاق کا ایک اہم حصہ تھا۔ غیروں سے بہت تلخیاں اٹھائیں لیکن تعصب و نفرت کا جواب حسنِ سلوک اور محبت سے دیا۔ گالیاں سنیں اور دعائیں دیں۔

اور باوجود ہر قسم کے دباؤ اور انگیخت کے جماعت کے افراد کو اسلام کی حسین تعلیم سے بھٹکنے نہیں دیا۔ حوصلہ کا یہ جوہر ایک باخدا انسان ہی دکھا سکتا ہے۔ اشاعتِ اسلام کی مہم میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خاص دلچسپی اور توجہ یورپ اور افریقہ میں نئے مشن اور مساجد کے قیام اور تراجم قرآن کریم اور اس کی اشاعت میں نمایاں طور پر قائم رہی۔ اور مساجد کی تعمیر میں سب سے زیادہ دلچسپی کا مرکز پیدرو آباد سپین میں مسجد بشارت رہی۔ جگہ کا انتخاب، تعمیر کا نقشہ اور تعمیر کے مختلف مراحل غرضیکہ ہر جہت میں پوری دلچسپی لی اور بے تابی سے اس کی تکمیل کے منتظر رہے۔ ۱۹۸۱ء کے جلسہ کے موقع پر جب میں گیا تو مسجد کے آئے ہوئے فوٹو مجھے دکھائے اور خاص طور پر تفصیلاً بتلایا کہ اس کے مینارے میں نے قادیان کے منارۃ المسیح کے نقشہ پر تیار کروائے ہیں اور بہت بھلے لگ رہے ہیں۔ ایک فوٹو مجھے بھی عنایت کیا اور کئی مرتبہ مختلف مواقع پر اس کو اپنا موضوعِ گفتگو بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا لیکن سپین میں اسلام کا دوبارہ احیاء ہمیشہ کے لئے آپ کے نام اور کام سے منسوب رہے گا اور سپین کی آنے والی نسلیں آپ کا نام محبت، احترام اور گہرے تشکر کے جذبات سے یاد رکھیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے انسان کے جسم کو تو فانی رکھا ہے لیکن اس کے نیک کاموں کو دوام بخشا ہے جو مرورِ زمانہ سے مٹتے نہیں بلکہ اور اُجاگر ہوتے ہیں۔

مجھے یاد آیا کہ حضرت بھائی جان کے انتخابِ خلافت

کے چند ماہ بعد میرے ایک نہایت پیارے اور مخلص دوست مجھے ملے اور فرمانے لگے کہ حضرت صاحب کے خطبوں کا کیا رنگ بدلا ہے اور کیسی پُر معارف باتیں حضور بیان کرتے ہیں پہلے اس کا خیال اور اندازہ نہ تھا کہ یہ جوہر موجود ہے۔ بات بڑی سچی تھی اور وہ حقیقت جو ہمارے بزرگ ہمیشہ بتلاتے چلے آتے تھے کہ گو خلیفہ مومنوں کی ایک جماعت منتخب کرتی ہے لیکن حقیقت میں یہ انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اور اس کے فرشتے مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حیّ و قیّوم ذات والا صفات ایک نئے وجود کو جنم دیتی ہے اور جو آخری وقت تک اس کے ہاتھ میں الٰہی تقدیر کی تکمیل میں ایک آلہ بن کر منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس کے کاموں میں برکت دیتا ہے۔ اس کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس کو علم و عرفان کی دولت بخشتا ہے اور ہر قدم پہ اس کی راہ نمائی فرماتا ہے۔ ہم دو بار یعنی ۱۹۶۵ء اور پھر ۱۹۸۲ء میں اس بنیادی سچائی کے عینی شاہد بنے ہیں اور کسی فلاسفر کی کوئی منطقی دلیل یا دعویٰ اس سچائی کو ہمارے دلوں سے مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو اس سچائی پر ہمیشہ قائم رکھے اور اس وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جائے اور ہر دم خلیفۂ وقت کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی تحریکات میں والہانہ شمولیت کی توفیق بخشے۔ آمین۔

— ⁂ —

آج مسیحا گذر گیا

(مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

ناصر! فضائے باغ کو تو مست کر گیا
کچھ دیر ٹھہرا، پھول کھلائے، گزر گیا

دُنیا ہو یا بہشت ہو دونوں مکاں ترے
اِس اپنے گھر سے اُٹھ کے تو اُس اپنے گھر گیا

بحرِ حیات میں تھا تُو ملّاحِ پختہ کار
تُو اِس محیطِ زیست سے جلدی گزر گیا

ہر کہکشاں میں ذکر ہے اب تیرے نُور کا
اے آفتاب! دہر کو روشن تُو کر گیا

ہر خدّ و خالِ یار کے کھینچے ہیں تُو نے نقش
قرآنِ رُوئے یار کی تفسیر کر گیا

صُورت گری میں تھا تو امامِ مصوّراں
کس شوق سے پڑھا کے نمازِ ہنر گیا

اب انقلاب اُگ رہے ہیں کھیت میں
بوتا رہا ہے فصل نئی تُو جدھر گیا

پھر یُوں ہُوا کہ ابرِ سیاہ اُٹھ کے ایک رات
تاریک شب کو اور بھی تاریک کر گیا

اے میرے شمس! جب سے چھپا ہے تو خاک میں
غم کھا کے آفتاب کا چہرہ اُتر گیا

یہ غم نہ سہہ سکوں گا مَیں تیرے فراق کو
یہ سر خوشی کہ آج تُو جاناں کے گھر گیا

تُو کیا گیا کہ ہم پہ قیامت گذر گئی
اب تیرے بعد دل سے قیامت کا ڈر گیا

جس ناخدا کو سامنا موجِ بلا کا تھا
کشتی بچا کے خیر سے وہ پار اُتر گیا

دُنیا کے ہر مرض کا جو کرتا رہا علاج
خُود وہ تبسّم! آج مسیحا گذر گیا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی

دلنشین یادیں

مکرم سید عبدالحئی صاحب ------------ ناظر اشاعت لٹریچر و تصنیف - ربوہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے علم پاکر اور انبیاء عظام و علماء کرام کی حیاتِ طیبہ کا گہرا مطالعہ فرما کر نیز خود صاحب تجربہ ہونے کی حیثیت سے مقربانِ بارگاہِ احدیت کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں وہ کسی شخص کے روحانی مرتبہ کو سمجھنے کیلئے ایک معیار اور ایک پیمانہ ہیں ــ ان صفات کی کیفیت اور کمیت کی نسبت سے اس شخص کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی جلوہ گر ہوتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے روحانی مقام کے صحیح ادراک کے لئے ہمیں محبوبانِ الٰہی کی ان خصوصیات کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذیل کے الفاظ میں بیان فرمائی ہیں۔ حضور فرماتے ہیں :-

" اب یہ بھی یاد رہے کہ بندہ تو حسن معاملہ دکھلا کر اپنے صدق سے بھری ہوئی محبت ظاہر کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے مقابلہ پر حد ہی کر دیتا ہے۔ اس کی تیز رفتار کے مقابل پر برق کی طرح اس کی طرف دوڑتا چلا آتا ہے اور زمین و آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا۔ اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کا خادم بنا دیتا ہے اور اس کی کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اس کی پوشاک میں اور اس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا اور ہر ایک اعتراض جو اس پر ہو اس کا آپ جواب دیتا ہے۔ وہ اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا

ہے جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔ وہ اس کے دشمنوں پر آپ نکلتا ہے اور شریروں پر جو اس کو دکھ دیتے ہیں آپ تلوار کھینچتا ہے ہر میدان میں اس کو فتح دیتا ہے اور اپنی قضاء و قدر کے پوشیدہ راز اس کو بتلاتا ہے۔

غرض پہلا خریدار اس کے روحانی حسن و جمال کا جو حسن معاملہ اور محبت ذاتیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے خدا ہی ہے۔ پس کیا ہی بدقسمت وہ لوگ ہیں جو ایسا زمانہ پاویں اور ایسا سورج ان پر طلوع کرے اور وہ تاریکی میں بیٹھے رہیں۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۵-۶۶)

خدا تعالیٰ کی یہ عظیم تجلیات جو اس کے محبوبان الٰہی کے ذریعہ اس دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں۔ بخدا ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی زندگی میں کامل شوکت اور پورے جلال سے ظاہر ہوتے دیکھیں۔ وہ عظیم الشان قہری نشان جو حضور کی متضرعانہ دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔ اس نے جماعت کے افراد کو خدا تعالیٰ کے وجود پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور خلافت کی حقانیت پر زندہ ایمان بخشا اور حق الیقین کے مرتبہ پر لا کھڑا کیا کہ ہم نے جس مامورِ زمانہ کو اس کے تمام دعاوی میں صادق مانا ہے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت اس کے ساتھ ہے۔ اس کے خلفاء اور اس کی جماعت کے ساتھ ہے۔ یہ عظیم شخص پورے صدق اور ثبات کے ساتھ ایک مضبوط چٹان کی طرح مخالفت کے طوفانوں اور مصائب کی آندھیوں سے نبرد آزما رہا۔ اس کے قدمِ صدق کو حالات کی شدت متزلزل نہ کر سکی۔ وہ ایک کوہِ وقار تھا جس کی دلآویز مسکراہٹیں غموں کی تلخی کو سکینت کی شیرینی سے بدل دیتی تھیں۔ اس کا قادر و توانا خدا کی قدرتوں پر کامل ایمان ہی جماعت کی کشتی کو ان طوفانوں سے نکال لایا۔ اس کی استقامت کرامت سے بڑھ گئی۔

لیکن اس قدر عظیم وجود اپنی ذات میں انتہائی خاکسار، انتہائی منکسر المزاج شخص تھا۔ حضرت مسیح موعود کے ہزاروں الہامات میں سے جس الہام کو اس نے اپنی زندگی کا ماٹو قرار دیا تھا وہ تھا "تیری عاجزانہ راہیں اسے پسند آئیں" (تذکرہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اس الہام کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ کبھی اپنے علم، اپنی خاندانی وجاہت، اپنے مال و دولت اپنے مقرب الٰہی ہونے پر ناز نہیں کیا۔ ہمیشہ خاکساری کا اظہار فرماتے تھے۔ اپنے خدام میں بھی یہ خلق دیکھنے کے متمنی تھے۔

حضور کا انکسار، تواضع اور خاکساری ہی تھے جس کے نتیجہ میں حضور مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل اکثر ظاہرین نگاہوں کے لئے مجوب الحال تھے۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے جب قمیصِ خلافت سے ملبوس فرمایا تو یہ ظاہر بین نگاہیں طرح طرح کے اندیشوں اور اوہام میں گرفتار تھیں لیکن خدا تعالیٰ کی قدرتِ ثانیہ کا یہ تیسرا مظہر اور آسمانِ روحانیت کا یہ کوکب دری جوں جوں افق سے بلند ہوتا گیا اس کے نور کی ضیاء پاشیاں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں۔ پھر اس کا علم لدنی اس کی تفسیر دانی، اس کی معرفت، علوم ظاہری و باطنی پر عبور سب آہستہ آہستہ دنیا پر ظاہر ہوتے گئے۔

دنیا پر آپ کے علمی کمالات کھلنے شروع ہوئے۔ دنیا نے دیکھا کہ آپ نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر مہدی معہود علیہ السلام کے پیغام کو کمال جرأت اور نہایت دلیری سے حکومت کے ایوانوں تک پہنچا دیا۔ ان کے اعتراضات کے ایسے مسکت جوابات دیئے کہ ان کو یہ شک ہوگیا کہ آپ کو حکومت کی طرف سے پہلے ہی ہونے والے سوالات کی فہرست مہیا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شک کو بھی دور کرنے کے سامان کئے جب ایک اہم شخصیت نے خود سوالات کرنے شروع کر دیئے اور حضور کی طرف سے پورے اعتماد کے ساتھ نہایت فاضلانہ رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کا کامیاب دفاع کیا گیا تو وہ زمانہ یاد آگیا جب فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام نے ساحرانِ مصر کو اللہ تعالیٰ کی تائید سے حیران کر دیا تھا۔ اس سارے عرصہ میں حضور تیاری کی نسبت دعاؤں کے لئے زیادہ وقت دیتے تھے۔ نہایت مطمئن تھے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا اور اسی کی دی ہوئی توفیق اور روح القدس سے تائید یافتہ ہو کر اپنا موقف اس طور سے بیان فرماتے تھے کہ سننے والے حیران ہو جاتے تھے۔ اور پھر حضور کے مختلف دورہ ہائے یورپ و امریکہ میں حضور کی فی البدیہہ تقاریر، اخبار نویسوں کے غیر متوقع سوالات پر حضور کے برجستہ جوابات، دورِ حاضر کے دانشوروں کے سامنے اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کا انداز دانایانِ مغرب کو ششدر کر دیتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا تھا:۔

"جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمتِ الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو اسرارِ ملکوتی سے حصہ ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۱۸۵)

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے حضور کو سنہ ۱۹۶۷ء میں تعمیر بیت اللہ کے عظیم الشان مقاصد کے متعلق بہت وسیع علم عطا کیا اور حضور نے غالباً ڈھائی ماہ مسلسل اپنے دس خطباتِ جمعہ میں اس موضوع کو تفصیل سے جماعت کے سامنے بیان فرمایا۔

حضور کے یہ سارے علمی کمالات مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد دنیا پر ظاہر ہوئے۔ عجز و انکسار کے اس پیکر کو باوجود دنیوی وجاہت اور عمر کے تقاضوں کے میں نے بارہا حضرت مصلح موعود کے حضور ایک مؤدب اور معصوم بچے کی طرح نظریں جھکائے کھڑا دیکھا۔ ان کے سامنے کبھی بلند آواز یا بے تکلفی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ بھی عجز و انکسار ہی کا ایک دلنشین مظاہرہ تھا کہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بلکہ وفات تک حضور جب سفر کے لئے روانہ ہونے لگتے یا کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو باوجود خود مستجاب الدعوات ہونے کے مولانا غلام رسول راجیکی صاحب، حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری، مولانا محمد ابراہیم بقاپوری صاحب، مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری مولانا جلال الدین شمس صاحب، قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری اور جماعت کے اور بھی کئی بزرگوں کو دعا کے لئے اور بعض دفعہ استخارہ کے لئے لکھتے تھے۔

حضور کو اللہ تعالیٰ نے بسطۃ فی العلم والجسم کی صفات سے نوازا تھا۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

لیکن دل بہت نرم تھا۔ اور اس نرمی پر آسانی سے کسی کو آگاہ
نہیں ہونے دیتے تھے۔ میرے ایک بزرگ خواجہ عبدالعزیز ڈار
آسنور مقبوضہ کشمیر کے ایک مخلص احمدی تھے۔ بڑھاپے سے
پہلے طبیعت کے بہت تیز تھے۔ حضور جن دنوں صدر صدر انجمن
احمدیہ تھے خواجہ صاحب کا ایک احمدی کے ساتھ لین دین کا
معاملہ تھا جس کی شکایت انہوں نے حضور کو بھی کی تھی۔ اسی
سلسلے میں آپ نے حضور کی خدمت میں چند خط ایسے بھی
لکھے جن کا لہجہ درشت تھا۔ حضرت مصلح موعود کی وفات پر
جب انتخاب خلافت کا مرحلہ آیا تو خواجہ صاحب بڑے
پریشان تھے۔ پریشانی کا ایک حصہ تو اس طرح دور ہو گیا
کہ آپ کو الہاماً بتایا گیا کہ حضور خلیفہ منتخب ہوں گے
اور حکم ہوا اسمعوا و اطیعوا۔ اس لئے انشراح
سے حضور کی بیعت تو کر لی لیکن حضور کے سامنے آنے سے
ہچکچاتے تھے۔ دل میں احساس تھا کہ میں نے حال ہی میں
حضور کے نام بڑے تیز خط لکھے ہیں۔ حضور انہیں بھول تو
نہیں سکتے۔ ایک دن جرأت کر کے ملاقات کے لئے نام لکھوایا
تو حضور نے باوجود نام آخر پر ہونے کے خواجہ صاحب کو
پہلے بلوایا۔ اٹھے، بغلگیر ہوئے اور بڑی شفقت سے حالات
پوچھے۔ اور خواجہ صاحب کا حال یہ تھا کہ آنکھوں سے آنسو
رواں تھے۔ بات کر نہیں پاتے تھے۔ حضور نے فرمایا خواجہ
صاحب میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے دعا کروں گا۔ بعد میں
خواجہ صاحب حضور سے بہت بے تکلف ہو گئے تھے لیکن
حضور نے کبھی ماضی کی باتوں کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔

حضور کی پُر رعب شخصیت اور شفقت کے تعلق میں
یہ بات بھی مجھے یاد آئی ہے کہ جب حضور نے سلسلہ کے بعض
اہم کام میرے سپرد فرمائے تو پہلی محکمانہ ملاقات میں جب حضور نے
خاکسار کو یاد فرمایا تو میں حضور کے سامنے گیا تو میرے ہاتھ
فرطِ رعب سے لرز رہے تھے۔ حضور نے انتہائی ملاطفت
سے خاکسار کو فرمایا نروس ہونے کی کیا بات ہے۔ کام کو
اچھی طرح مجھ سے سمجھ لیا کرو اور اسے پوری محنت سے کرو۔ پھر
میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا جس سے میری یہ حالت
جاتی رہی۔ حضور اعتماد کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔
اور جب حضور کسی پر اعتماد کر لیتے تھے تو پھر اس کو بھرپور
شفقت، رہنمائی اور عفو و درگذر سے نوازتے تھے اور نوازتے
ہی چلے جاتے تھے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی شخص اپنے کسی
فعل کی وجہ سے اس اعتماد کو کھو دیتا تو حضور فرمایا کرتے
تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتن کے
استعمال کو ناپسند فرمایا ہے جس میں بال آ گیا ہو۔ محکمانہ
کاموں میں حضور کی احتسابی نظر بہت تیز تھی۔ بعض دفعہ
حضور کی ایک نظر سے انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔
اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ۔
لیکن اس کے ساتھ ہی سلسلہ کے لئے کام کرنے والوں کے
لئے حضور کی محبت اور شفقت بھی بے حساب ہوتی تھی۔
ہمارے ایک ساتھی محمد شفیق صاحب قیصر مرحوم سلسلہ کے
بڑے ہی مخلص، انتھک محنت کرنے والے اور نڈر کارکن
تھے۔ حضور ان پر بہت مہربان تھے۔ جماعتی مقاصد کی خاطر
ایک سفر کے دوران برما میں جب وہ ایک حادثے میں شہید
ہوئے تو ان کے لئے حضور کا کرب چہرے سے عیاں تھا اور
جس درد کے ساتھ حضور نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا شاید
ہی کسی خوش قسمت کو نصیب ہوا ہو۔ قریب کے زمانہ کی

بات ہے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں میری گرفتاری کے وارنٹ نکلے۔ حضور کسی بھی طرح یہ اطلاع بھجوا سکتے تھے لیکن حضور نے اپنے ایک بیٹے کو بھجوایا کہ عبدالحی کو کہو گھبرانا نہیں میں اس کے لئے دعا کروں گا۔ یہ حضور کی خاص شفقت تھی اور پھر حضور کی دعا سے ہی حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ مجھے قید و بند کی صعوبت اٹھانی نہیں پڑی

ایک مقدمہ میں جماعت کے بہت سے معروف اصحاب ملوث کئے گئے۔ پیشی کے لئے جانے سے پہلے حضور سے دعا کی درخواست کی گئی۔ حضور نے فرمایا سفر میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا کثرت سے ورد کرنا۔ حضور کی دعا اور اس ہدایت کا اعجاز تھا کہ فریق مقابل باوجود اپنی عددی برتری اور ظاہری علم اور دیگر موافق حالات کے سامنے آنے سے گریزاں رہا۔ اور جہاں ہمارے وکیل نے ایک گھنٹہ جماعت کے موقف کی تائید میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے انہیں موقعہ بھی دیا گیا لیکن انہیں ایک لفظ بھی کہنے کی ہمت نہیں پڑی۔

قبولیتِ دعا کے سلسلہ میں یہ امر ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ حضور نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فرمایا تھا کہ میں نے اپنے ربّ سے آپ لوگوں کے لئے قبولیت دعا کا نشان مانگا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی اس دعا کو قبول فرماتے ہوئے حضور کو اس مقدس روحانی عطیہ سے نوازا تھا۔ حضور کے دورِ خلافت میں قبولیت دعا کے لئے ایسے انفسی اور آفاقی ہزاروں ہزار واقعات ہیں جو خارق عادت طور پر ظاہر ہوئے۔ ہر ملک اور قریباً ہر خاندان ان کا ذاتی گواہ ہے۔ میں بطور مثال ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو غالباً ابھی تک بوجوہ شائع نہیں ہوا۔ گذشتہ سال کی بات ہے ہمارے عزیز خواجہ عبدالغفار صاحب ڈار سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی کی بیٹی عزیزہ نعیمہ کے متعلق ہولی فیملی ہسپتال کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ ٹسٹوں اور معائنہ کے بعد ان کی حتمی رائے یہ ہے کہ اس کا صبح اپریشن ہوگا کیونکہ جنین میں کوئی حرکت نہیں۔ اگر اس میں دیر کی گئی تو زہر پھیل جانے کے نتیجہ میں خود اس کی موت کا خطرہ ہے۔ اتفاق سے حضور ان دنوں اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔ محترم خواجہ صاحب نے بڑی بے چینی اور کرب سے حضور کی خدمت میں دعا کے لئے اطلاع دی۔ حضور نے فرمایا میں دعا کروں گا۔ آپ گھبرائیں بالکل نہیں۔ اپریشن کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے ظاہری اسباب کی رعایت سے ہومیوپیتھی کی ایک دوائی بھی بتائی اور فرمایا کہ اسے بار بار استعمال کریں۔ دوسرے دن جب بچی کو ہسپتال لے جایا گیا تو ڈاکٹر حیران ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ بچے میں حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ حضور کی ذاتی توجہ اور دعا کا اعجاز تھا۔ بعد میں حضور کی دعاؤں کے طفیل یہ بچہ بخیریت تولد ہوا۔ اور اب تک حضور کی قبولیت دعا کا یہ زندہ نشان بفضلہٖ تعالیٰ خوب صحت مند ہے۔

حضور توکّل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جس کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ کے اس الہام میں موجود ہے جو حضور کو ۱۹۷۰ء کے دورہ سپین کی تاریخی سرزمین میں ہوا تھا حضور نے سپین کے مختصر دورہ میں اسلام کے احیاء کے لئے بہت تضرع اور ابتہال سے دعائیں مانگیں۔

اسی دوران وہ رات بھی آئی جب حضور ساری رات اسلام کی عظمتِ رفتہ کو یاد کرتے ہوئے نہایت کرب سے اس سرزمین میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے دعا فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور آپ کو الہاماً فرمایا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ۔ قد جعل اللہ لکل شیئٍ قدرًا (الطلاق)۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے مقصد کو پورا کرکے چھوڑتا ہے اور اس نے ہر کام کے لئے وقت مقرر فرمایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ حضور کو یہ الہام ۱۳۹۰ (مطابق ۱۹۷۰ء) میں ہوا اور ۱۳۹۷ء کے بعد سپین کے سیاسی حالات میں وہ انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجہ میں وہاں صدیوں کے بعد مذہبی آزادی کا سورج طلوع ہوا اور جماعت احمدیہ کو مسجد کے لئے زمین خریدنے اور مسجد تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی اور حضور کے ہاتھ سے ۱۴۰۰ ہجری مطابق ۱۹۸۰ء میں اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ سپین کا یہ انقلاب حضور کے توکل علی اللہ اور مضطربانہ دعاؤں کے نتیجہ میں رونما ہوا۔

زندگی کے دیگر معمولات میں بھی حضور ایک متوکل انسان تھے۔ حضور کو تدریس کے شعبہ سے لمبا عرصہ تعلق رہنے کی وجہ سے طلباء اور خاص طور پر صحت مند طلباء سے بہت اُنس تھا۔ تعلیم الاسلام کالج میں روئنگ اور باسکٹ بال کے کھلاڑی سب سے زیادہ حضور کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ بچوں اور خاص طور پر صحت مند بچوں سے بہت پیار فرماتے تھے۔ بچوں کی صحت کا حضور کو بہت خیال رہتا تھا۔ عموماً والدین کو بچوں کی صحت، غذا اور معمولات میں توازن رکھنے کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔ حضور نے جماعت کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی پروگرام شروع فرمائے تھے۔ ذہین اور مستحق بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے حضور نے گرانقدر وظائف نیز امتیاز سے یونیورسٹی اور بورڈز کے امتحانات پاس کرنے والے طلباء اور طالبات کے لئے طلائی تمغے جاری کئے۔ تعلیم کو عام کرنے کے لئے ہر احمدی بچے کے لئے کم از کم معیارِ تعلیم میٹرک مقرر فرمایا۔ حضور کو زراعت، باغبانی اور تعمیرات کا بطور خاص شوق تھا۔ جماعتی لٹریچر کی خوبصورت GET UP سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ جب حضور کی خدمت میں کسی بیرونی مشن سے سلسلہ کی کوئی خوبصورت کتاب طبع ہو کر آتی تو حضور بہت مسرور ہوتے تھے۔ سلسلہ کی جملہ تعمیرات خصوصاً مسجد بشارت پیڈرو آباد سپین کی تعمیر کے دوران چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی حضور نے بصد شوق خود طے فرمائی۔ اس کے دروازے، کھڑکیاں، محراب، گنبد اور مینار سب کے تفصیلی ڈیزائن حضور کے تجویز فرمودہ یا حضور کے منظور شدہ تھے۔ یہی حال ساری تعمیرات کا تھا۔

حضور کو اپنی رفیق زندگی سے بہت پیار تھا جس کا اظہار کئی رنگ میں ہوتا رہتا تھا لیکن جب قضائے الٰہی سے ان کی وفات ہو گئی تو حضور نے راضی برضائے الٰہی اور صبر کا جو غیر معمولی نمونہ دکھایا وہ بھی ہم جیسوں کے لئے حیران کن تھا۔

محبت کا یہ سفیر سراپا محبت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جہاں جماعت کے لئے بے پایاں محبت عطا کی تھی۔ جماعت کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے بے انتہا محبت پیدا کی تھی جس کا ادنیٰ سا مظاہرہ دنیا نے حضور کی وفات کے موقعہ پر دیکھا فبرّأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھاً۔

اے سیّدنا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی رحلت پر

مکرم
جلیل الرحمٰن جمیل
صاحب

اک پھول گرا، اک رُت بچھڑی، شاخوں نے اُداسی کو پہنا
کچھ سہل نہیں ہے گلشن پر اِس زخمِ جدائی کو سہنا
اک دور لُٹا، اِک عمر گئی، اک عہدِ وفا پھر ختم ہوا
اب خوں ٹپکاتی آنکھوں سے کہنا بھی اگر تو یہی کہنا
اے ماہِ مبیں، عثمانِ غنیؓ، اے ناصرِ دیں، اے سیّدنا

خالی نہ ہوا دامن تیرا، اتنی تھی محبت سب کے لیے
تیرے اخلاقِ مجسم کے سب پر لطف و اکرام رہے
تیری باتیں میٹھے دریا، تیری سانسیں سرتاپا دُعا
تو روشنیوں کا سیلِ بلا، جس سمت گیا اندھیارے چھٹے
اے ماہِ مبیں، عثمانِ غنی، اے ناصرِ دیں، اے سیّدنا

سب راہیں عجز کی راہیں ہیں، ہر منزل اشکوں کی منزل
ہم فانی اُس لافانی کے ہر رنگ پہ صبر کے ہیں قائل
لفظوں سے ادا کیا حق ہوگا تیرا اے جمالِ دیدہ و دل
کلیوں کی طرح چٹکا تھا یہاں، پھولوں کی طرح فردوس میں کھل
اے ناصرِ دیں، عثمانِ غنی، اے ماہِ مبیں، اے سیّدنا

(مله :- ملت کے امین)

"خورشید مثال شخص"

از عبید اللہ علیم - اے ۱۴۱ - آر شمالی ناظم آباد - کراچی

خلافت اور منصب خلافت کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ "یہ کام میرا ہے۔ اور میں اسے اپنے ارادے سے قائم کرتا ہوں"۔ سو اس سلسلے میں اس چھوٹے سے مضمون میں نہ تو اس موضوع پر لکھنے کی گنجائش ہے۔ اور نہ ہی یہ محل ہے۔ اور نہ ہی میرا مقام و منصب کہ اِن دقائق پر خامہ فرسائی کی جرأت کروں۔ مجھے "مصباح" کا خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نمبر پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ ایسے ایمان افروز، جاں گداز اور معرکۃ الآرا مضامین سے مزین ہے کہ سبحان اللہ

؎ سراپا پہ جس جا نظر کیجیے ۔ وہیں عمر ساری بسر کیجیے۔

بعض مضامین تو اس شان کے ہیں کہ انہیں ایک دفعہ پڑھنے کے لیے خود کو کئی بار جمع کرنا پڑتا ہے۔ آدمی پگھل پگھل جاتا ہے۔ اور عجیب کیفیتیں طاری ہو جاتی ہیں۔ اور خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے مسکراتے اور بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بعض سیدھے سادے فقروں نے باطنی کیفیات کی ایسی تصویریں بنائی ہیں کہ

؎ ارے او جانے والے دید کی طاقت بھی لیتا جا
اب آنکھوں سے اپنے گھر کو ویراں کون دیکھے گا۔

اور ساتھ ہی صبر و شکر کے وہ انداز کہ جائے رشک۔ ایسے عالم میں مجھ ہیچمداں اور بے بضاعت سے مضمون کی فرمائش میرے مولیٰ، تیری ہی مدد شاملِ حال ہو تو اس محبتوں، شفقتوں، اور احسانوں کے مشالیٹے پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کروں۔

میں ذکرِ الٰہی بلند کرتا ہوا، شکستہ حال، ٹوٹا پھوٹا کراچی سے ربوہ پہنچ چکا ہوں۔ اور کبھی نہ ختم ہونے والی قطار میں کھڑا ہوں۔ اِنّا لِلّٰہ کی آوازیں انتہائی ضبطِ گریہ کے ساتھ روح کی گہرائیوں سے اُمڈ رہی ہیں۔ عجیب خوف و ہراس اور عجیب پریشانی کا عالم ہے۔ دُعائیں ہیں کہ خود بخود لبوں پر جاری ہیں۔ دل دہلا دینے والی آہوں کے شور میں ایک خاموشی کا عالم ہے۔ ایک سکوت ہے۔ ایک نظم ہے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثالث کے آخری دیدار کے لیے صبر و شکر کے ساتھ چلتی جا رہی ہے۔ اور چلتی جا رہی ہے۔ میں بھی وہاں پہنچا۔ میں نے بھی اُسے دیکھا۔ وہ مجسم دعا، مجسم احسان اور مجسم یقین گہری نیند میں بھی مسکرائے جا رہا تھا۔ اور میں نے جیسے ایک آواز سُنی۔ گھبراؤ نہیں۔ اللہ فضل کرے گا۔ اور میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀ پڑھتا منظرِ خواب سے باہر آگیا۔ اور سلسلہ در سلسلہ یادوں نے اور باتوں نے

اور احسانوں نے گھیر لیا۔ کیسا پُر نور، دل نواز اور وجیہہ آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ اس کی رُوح پر اپنی رحمتوں اور فضلوں اور احسانوں کی بارش کرے۔ آمین

پھر بہار آئی۔ خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ پھر ابتلاء و اضطراب، امن و سکینت میں بدل گئے۔ پھر ایک ولی شہزادے کا ظہور ہوا۔ پھر قیوم و قادر خدا کا ہاتھ بلند ہوا۔ پھر ایک تجلّی نے اپنا چہرہ دکھلایا ایک میٹھی، شیریں آواز عجیب مریمی صفات کے ساتھ دلوں کے زخم مندمل کر رہی تھی۔ ایک طاہر وجود جانے والے کی محبتوں، شفقتوں اور احسان بھری یادوں کو ہمیشہ سینوں میں روشن رکھنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کا نم بہار آفریں تھا۔ اس کی دعائیں جب روئیں تو یوں لگا کہ ایک دم آسمان سے نوروں اور رحمتوں کی موسلادھار بارش ہوئی۔ اور ساری مجلس و ساری فضا

دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے۔

کا نشان بن گئی ــــ ... گھبراؤ نہیں۔ اللہ فضل کرے گا۔ ایک آواز میرے پیچھے تھی۔ اور ایک آواز میرے سامنے خدائے رحمٰن کے فضلوں کا جیتا جاگتا نمونہ پیش کر رہی تھی اور پرانے پروانوں سے نئے عہد کے ساتھ گلے مل رہے تھے۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ اور مبارک ہو کے دو دھارے ایک ایک ساتھ بہہ رہے تھے۔ وہ جانے والے میں جو کیفیت تھی۔ آنے والے نے سینہ سینہ اتار دی۔ ہم ایک خواب سے دوسرے خواب کی طرف پھیر دیئے گئے۔ ہمارے قدم روشنیوں اور تجلیوں والی وعدہ زمین کی جانب بڑھنے لگے۔ "الوصیت" کا عالمگیر نظام ہماری آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم نے دنیا کے ہر مادی نظریے کو حکمتِ خداوندی سے پاش پاش کر دیا ہے۔ ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، ایک دائم آزادی کا درس دیئے گئے نظام کے بھرپور طلوع کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ ہم صف آرا ہو گئے ہیں۔ اور ہجوم در ہجوم اور فوج در فوج ہیں۔ اللہ اکبر کی پُر جلال آواز نے ہمیں دستِ بستہ کر دیا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہیں۔ ہمارے دل درود بھیجتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر۔ ہم دعا کرتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور پھر ہم نے مطمئن دلوں کے ساتھ

اندر بھی زمیں کے روشنی ہو
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے۔

میں بہشتی مقبرہ کا ایک ایک کتبہ پڑھ رہا ہوں۔ ہر کتبے کے پیچھے ایک نشان ہے۔ ایک تاریخ ہے۔ "ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتار دی گئی ہے"۔ ہر ستارہ اپنی روشنی اور اپنی بلندی رکھتا ہے۔ اور ایک عظیم الشان مرکزی نور کی اس میں چمک پائی جاتی ہے۔ ع جہاں سے دیکھو نظر آئے ہے ستارۂ ذات آدمی غور کرے تو کسی قسم کی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ میری آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ میرا سینہ روشن ہو گیا۔ میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا اس زمین سے لوٹ رہا ہوں اور ایک مہربان اور محسن یاد میرے ساتھ ساتھ آ رہی ہے۔ اور اس یاد کے عجیب

ہیں۔ عجیب آنکھیں ہیں اور عجیب ہاتھ ہیں۔

میں اس یاد میں کھویا ہوا اپنی زندگی کے ورق الٹ رہا تھا۔ کہ ایک اور یاد نے بلکہ ایک دعا نے عجب طرح در دل پہ دستک دی۔ اور وہ یاد اور وہ دعا خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تھی ۱۹۶۳ء یا ۱۹۶۴ء کی بات ہے میں نے ایک طویل نظم حضور کی شان میں بحسبِ توفیق لکھی اور روزنامہ "الفضل" نے اسے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ میری خوشی اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب حضور خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری کا کارڈ ملا جس میں لکھا تھا "حضور نے آپ کی نظم پڑھی اور آپ کے لیے بہت دعا کی ہے میری بدنصیبی کہ وہ تاریخی کارڈ مجھ سے کہیں گم ہو گیا۔ مگر وہ دعا میرے ساتھ ہے اور اس کے میں نے بڑے پھل کھائے ہیں۔ اور کھا رہا ہوں۔ میں نے گندگی اور تاریکی کے بڑے زمانے گزارے مگر اس دعا نے میرا ساتھ کبھی نہ چھوڑا۔ میں اپنا وجود دیکھتا ہوں، اپنی استعداد پر غور کرتا ہوتا ہوں اور پھر اس دعا کو دیکھتا ہوں۔ تو مجھ پر حیرانیوں سے گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے معجزے کیسے ظہور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے اور اس دعا کو میرے ساتھ رکھے۔ خداوندا! میں تو بے حقیقت ہوں لیکن تیرے دل دریا تے سمندروں ڈونگے۔ محبوبوں نے جو دعائیں میرے حق میں کی ہیں تو ہمیشہ ان کا پاس کیجیو دُعا سے ایک اور دعا یاد آئی۔ ۱۹۷۰ء کی بات ہے میں نے شادی کے لیے ایک کٹر بریلوی خاندان کی لڑکی کو پسند کیا۔ میرے بڑے بھائی صاحب نے کہا جب تک حضور سے اجازت نہ لوگے ہم اس شادی میں شرکت نہیں کریں گے۔ میں نے حضور کی خدمت میں اجازت کے لیے خط لکھا اور لڑکی کے اور اس کے خاندان کے علمی و فکری پس منظر کا ذکر کیا۔ حضور نے از راہِ شفقت اجازت دے دی۔ اور دعا کی اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ میری شادی ہوئی۔ اور محض اللہ تعالےٰ کے فضلوں سے میری بیوی کو نہ صرف قبولِ احمدیت کی سعادت حضور کے ہی ہاتھ پر ملی۔ بلکہ خدمتِ احمدیت کی توفیق بھی نصیب ہوئی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے میرے چھوٹے بیٹے کو چومتے ہوئے فرمایا "تمہاری ماں تو قربانیوں میں بہت آگے نکل گئی ہیں"۔ نذر و نیاز والے کا بے نیاز خدا کو تسلیم کرنا اور پھر سلسلہ احمدیت میں اس شان سے داخل ہونا خدا تعالیٰ کا ایک روشن نشان ہے۔

یادوں کے چراغ جلتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے ذکر کا لطف بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ جسے قبولیتِ دعا کا معجزہ عطا کیا گیا۔ عجب شان کا بزرگ تھا۔ عبادت ہو۔ اشارت ہو ادا ہو۔ سب میں دعا کا سلسلہ جاری تھا۔

وہ میرا پیارا، میرا محسن کراچی میں جلوہ فرما تھا۔ مجھے غیر از جماعت شاعر، ادیب اور دانشوروں دوستوں کے ساتھ اس کی خدمت میں باریاب ہونے کا حکم ملا۔ بڑے بڑے مشاعرے پڑھ رکھے اور لوٹ رکھے تھے۔ اور بڑے جلسوں میں بولنے کا اتفاق رہا تھا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بولنے کی مشق بھی ساتھ تھی مگر حکم ملا تو ایکدم لرزہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست گزاری معبود یہاں بولنے کی اور شعر بولنے کی سکت اپنے اندر نہیں پاتا۔ اپنی رحمت

سے مجھے طاقت دے۔ مجھے قوت گویائی دے۔ میری پردہ پوشی فرما۔ دعا کرتا رہا۔ کرتا رہا۔ اور وہ ملاقات آگئی۔ شعراء ادباء اور دانشور کراچی گیسٹ ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ اور ان پر ایک رعب طاری تھا۔ میں دعاؤں میں خاموش تھا۔ اچانک حضور جلوہ فرما ہوئے۔ اور سب سے معانقہ و مصافحہ فرمایا۔ میں تعارف کراتا جارہا تھا۔ کیسی مسکراہٹیں اور کیسا نور چہرے پر تھا۔ اللہ اکبر! آپ صوفے پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا۔ تم میزبان ہو، پہلے تم شعر سناؤ۔ بس ایک گداز، شفیق اور مہربان مسکراہٹ تھی کہ چہرے پر بہتی جاتی تھی۔ میں شعر سنا رہا تھا۔ جب آنکھ اٹھاتا تو ایسی داد پاتا جس کا لفظوں میں اظہار ممکن نہیں۔ عجیب کیف اور عجیب سماں تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے ایک وجود میں پوری کائنات گوش برآواز ہے۔ کیا احترام اور کیا ادب تھا، صاف دکھائی دیتا تھا کہ سلطان القلم کی قدرتِ ثانیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ میرے اشعار ختم ہو گئے دعائیں ملیں۔ تبسّم ملا اور داد ملی۔ میں تعارف کراتا جاتا تھا شعراء شعر سناتے جاتے تھے۔ چند لمحوں میں غیریت بالکل اٹھ چکی تھی۔ سنانے والے دیکھ چکے تھے اور جان چکے تھے کہ یہ آنکھیں کوئی اور ہیں اور یہ سماعت کوئی اور ہے۔ حضور کہیں کہیں بڑے لطف اور بڑے رساں سے کوئی کوئی بات کرتے۔ شاعر جگمگا اٹھتا۔ شاعری کی محفل اختتام کو پہنچی تو میں نے دانشوروں سے درخواست کی کہ کوئی سوال۔ سوال ہوا کہ ہمارے پاس مغرب کے لیے کیا ہے۔ وہ آواز دھیرے دھیرے بلند ہونا شروع

ہوئی۔ اور اس نے دلوں کو اپنا اسیر بنالیا ایک دریا تھا کہ بہہ رہا تھا نرم، ملائم، شفیق۔ منظر بہ منظر ایک عالم خیال روشن ہو رہا تھا۔ بیرونی اصلاحات کے لیے ذاتی تجربوں کی ایسی عجیب اور ایمان افروز شہادتیں پیش کیں کہ سبحان اللہ۔ محبت سب کیلئے نفرت کسی سے نہیں کا ایک پُر تاثر درس تھا۔ کہ رگ رگ میں نہا گئیں۔ ہر بات، محفل اور ماحول کی استعداد اور پس منظر میں ذہانت، ذکاوت اور فراست کا ایک سیل رواں تھا کہ شفاف بہہ رہا تھا۔ حضور نے دوبارہ تقریباً سبھی سے مصافحہ فرمایا اور ایک دوست کی جانب بڑھتے ہوئے فرمایا آپ میں سے بزرگ کون ہے؟ میں اسے یہ تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ خدا کی قدرت کہ وہی دوست عمر میں سب سے بڑے تھے حالانکہ بظاہر دو ایک دوست ان سے عمر میں زیادہ بڑے دکھائی دے رہے تھے۔ حضور نے انہیں اپنا قلم عنایت فرمایا۔ اور کچھ دیر مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے رہے اور یوں یہ محفل بظاہر اختتام کو پہنچی۔ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے ادیبوں اور شاعروں کی حالتیں بقول ان کے ناقابلِ بیان تھیں۔ اکثر کے منہ پر اس قسم کے فقرے تھے کہ یار اس زمانے میں بھی ایسے آدمی کا ہونا ممکن ہے! کسی نے کہا "عجب پُر نور آدمی ہے"۔ کسی کی رائے تھی بڑا بالغ نظر آدمی ہے۔ چہروں سے صاف عیاں تھا کہ ہر وجود نے گہرے اور دیرپا اثرات قبول کیے ہیں۔ گفتگو کے لمبے سلسلے جاری ہو گئے اور لوگ اپنے اپنے لطف کی باتیں یاد کرتے رہے۔ ہم لوگ گیسٹ ہاؤس میں ہی کھانے کا آغاز کرنے والے تھے کہ معلوم ہوا حضور نے از راہِ میزبانی ایک روسٹ ران اوپر سے بھجوائی ہے

کھانے کے لُطف میں جہاں روحانی اضافہ ہوا۔ وہاں ہر مہمان میزبان کی بڑائی کا قائل بھی ہو کر رہ گیا۔ وہ محفل کتنی دیر رہی۔ ارضی وقت ہیں تو اس کا حساب کُل سوا، ڈیڑھ گھنٹہ ہی بنے گا لیکن ارضی وقت کا پیمانہ روحانی وقت کی پیمائش کے لیے ناکافی ہے۔ لوگ ایسے مسحور تھے کہ دنوں اس محفل کا ذکر دوسری محفلوں میں کیا جاتا رہا۔ اور آج بھی وہ لوگ حضور کی مہربانیوں کو یاد کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر نے حضور کے سانحۂ ارتحال پر مجھ سے تعزیت کی اور دیر تک بہت اچھے لفظوں میں حضور کو یاد کرتے رہے۔ جس دوست کو حضور نے قلم مرحمت فرمایا تھا۔ مَیں نے ان سے عرض کی۔ مَیں اس کے بدلے دوسرا قلم دیتا ہوں یہ قلم مجھے دے دیں۔ بولے "یہ تو ایک تاریخی قلم ہے مَیں تمہیں کس طرح دے دوں۔ کسی قیمت پر نہیں دے سکتا یہ قلم تو میری نسلوں تک میں محفوظ رہے گا۔" اندر اندر میری تمنا تھی کہ کاش یہ قلم مجھے نصیب ہوا ہوتا۔ مَیں اس دوست کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ مَیں نے دُعا کی، معبود میرے حضور پُر نور سے ایک اور ملاقات کی سعادت نصیب فرما۔ اور اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ مجھ گنہگار کی سُن لی۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ کل حضور نے ساڑھے دس بجے مجھے بلایا ہے۔ اس خبر کو سُن کر کیا عالم ہوا۔ اس سے پہلے اپنی ایک اور حالت کا اظہار کرنا رحیم و کریم خُدا کے شکریہ کے طور پر ضروری سمجھتا ہوں ... حضور کی آمد سے پہلے اور حضور کی آمد پر عشاقانِ خلافت ملاقات کی درخواستیں گزار رہے تھے۔ مَیں نے دل میں خیال کیا کہ عبید اللہ علیم تم کیا اور تمہاری بساط کیا ہے۔ بہت دعا کرتا اور کرتا جاتا مگر شدید خوف ایسا حاوی تھا کہ ملاقات کی درخواست دینے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اور کس کافر کی تمنا نہیں ہوتی کہ اس کی ملاقات ہو۔ عجب کشمکش اور عجیب حال میں گرفتار تھا اور اس پر رحمت کی ایسی بارش کہ دانشوروں سے ایک ملاقات کے بعد حضور نے پھر یاد فرمایا۔ وہ جو مقام خلافت کا تھوڑا سا بھی عرفان رکھتے ہیں۔ میرے دل کی حالتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ استغفار پڑھتا۔ درود بھیجتا اور دعائیں کرتا ہوا وقت سے کافی پہلے گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ "جی ہاں' آپ کی ملاقات ہے۔ نجی" دل ایکدم اُچھل کے جیسے سینے سے نکلنا چاہتا ہو۔ اور وہ وقت آ گیا کہ مَیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ اور چند ہی ساعتوں کے بعد حضور نے ورود فرمایا چہرے پر نورِ تبسّم کی ایک لمبی کہکشاں، کوثر و تسنیم میں دُھلا ہوا نورانی چہرہ مخصوص اور شیریں آواز "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ مَیں نے سینے پر سر رکھ دیا اور بس شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا۔ حضور نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا اور خود صوفہ پر رونق افروز ہو گئے۔ فرمایا۔ "آج آپ سے میری نجی ملاقات ہے"۔ میری ذات، میری زندگی، میرے سماجی اور خاندانی حالات و واقعات میں حضور نے ایسی دلچسپی لی اور ایسے مشفقانہ اور کریمانہ رویوں کا اظہار کیا کہ ان کو سپردِ قلم کرنا ممکن نہیں مَیں یہ قیاس کیے بیٹھا تھا کہ میرے حالات کا

حضور کو بھلا کیا علم ہو گا۔ مگر معلوم ہوا کہ میرا پیارا امام حیرت ناک طور پر تمام باتیں ایسے بیان کر رہا ہے جیسے تمام واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے گزرے ہیں۔ وہ میرے خلاف مولوی صاحبان کا فتویٰ ہو۔ ٹیلیویژن سے استعفیٰ ہو۔ یا میرے انتہائی ذاتی مسائل اور دُکھ ہوں۔ سب میں حضور برابر سے بھی زیادہ کے شریک دکھائی دیئے۔ فرمایا۔ " آجکل کیا کر رہے ہیں؟" حضور دوسرے شعری مجموعہ کی اشاعت کی تیاری کے سلسلہ میں سوونیئر کے لیے اشتہار جمع کر رہا ہوں" اور یہ کہہ کر میں اپنی نشست سے اٹھا اور مشہور مصوّر جمیل نقش کے سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور کلمہ طیبہ پر مشتمل دو گرافک ڈیزائن کے فریم حضور کی خدمت میں نذر کیے اور عرض کی کہ حضور یہ سلسلہ بھی کچھ جاری کیا ہے۔ آپ نے ڈیزائن بے حد پسند فرمائے اور اس کے رنگوں اور ترتیب پر ایک نہایت ماہر آرٹ کریٹک کے طور پر گفتگو فرماتے رہے۔ میں حضور کے بالکل قریب خمیدہ کھڑا ہوا حضور کے انہماک کو دیکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تشریف رکھیں۔ پھر آپ نے گرافک ڈیزائن کے حوالے سے کلمہ طیبہ کے بارہ میں اپنا ایک مبارک رویا سنایا اور فرمایا اس کے رنگ انگوری تھے اور لہریں لیتے ہوئے۔ اور بلکہ شاید حضور نے ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے اپنے دورۂ مغرب کی باتیں شروع کر دیں۔ اور بڑے روح پرور اور ایمان افروز واقعات سنائے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں سچ مچ حضور کے روبرو تھا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ میں نے ایسا لطیف، گہرا اور طویل خواب کبھی نہیں دیکھا۔ مجھ پر حضور کی شفقتیں، محبتیں اور پیاری باتیں ایک دم ایسا ہجوم کرتی ہیں کہ محض کیفیت باقی رہ جاتی ہے اور اپنے بیان کے سلسلے سب ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں۔ " حضور میں نے ایک بنک میں قرض کی درخواست دی ہے"۔ "اچھا کوشش کرو"۔ پھر اچانک فرماتے ہیں۔ "مگر آپ نہ سُود لیں گے اور نہ سُود دیں گے"۔ اسی طرح اپنے خلاف فتویٰ کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے۔ میں نے عرض کی۔

حضور ایک بہت معروف مولانا نے (یہاں میں نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے بھی وہ مرحوم ہو چکے ہیں) اپنے بیٹے کی اس سفارش پر کہ "عبید اللہ علیم بڑے پڑھے لکھے، علم دوست اور مہذّب آدمی ہیں۔ ان کے خلاف فتوے پر دستخط کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا"۔ مولانا نے مجھے فون کر کے اپنے بیٹے کے الفاظ دہرائے اور معافی چاہی میں نے مولانا سے عرض کی کہ فتویٰ تو آپ کا دو کروڑ آدمیوں نے پڑھا۔ اور معافی صرف مجھ سے چاہ رہے ہیں۔ اور جس کے خلاف آپ نے فتویٰ دیا۔ اس سے نہ آپ کی کبھی ملاقات ہوئی نہ آپ نے اس سے اس کے عقیدے کے بارے میں کچھ دریافت کیا۔ بھلا ایسی معافی کا کیا مطلب۔ تو مولانا نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا کہ "آپ بہت ذہین اور چالاک آدمی معلوم ہوتے ہیں"۔ حضور کا دائمی تبسّم قہقہہ میں بدل گیا۔ اور فرمایا۔ "آپ نے مناسب ترین جواب دیا"۔ اور پھر بہت دیر تک میرے فقرے کا لُطف لیتے رہے۔ پھر عرض کر دوں کہ ارضی وقت میں

تو یہ ملاقات شاید گھنٹہ بھر کی رہی ہوگی۔ مگر روحانی وقت کی میعاد نہ معلوم۔ یہ ملاقات اپنے پس منظر اور پیش منظر میں کبھی نہ ختم ہونے والی ملاقات ہے۔ میرے کتنے گند دھلے۔ کتنے میل صاف ہوئے۔ اور کتنی تاریکیاں کافور ہوئیں۔ یہ الگ ایک کہانی ہے۔ حضور کی مزید دریافت پر ٹیلی ویژن سے استعفیٰ کے سلسلے میں جب میں نے تفصیل بیان کی تو آپ نے تسلی بھی دی اور فرمایا "تم نے ٹھیک کیا"۔ اور پھر آپ نے انتہائی جلال آمیز انداز میں فرمایا۔ "ہم آپ کے ذمہ دار ہیں"۔ اور شاید یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ میں ایک بار پھر عرض کر دوں کہ میری گفتگو حد سے حد دس منٹ کی رہی ہوگی اور حضور کا تکلم تمام وقت گوہر افشاں رہا۔ کچھ فقرے تو دل پر ویسے کے ویسے ہی جم گئے۔ جہاں تردد ہوتا ہے۔ وہاں میں نے شاید کے لفظ کا استعمال ضروری سمجھا ہے۔ بات بات پر حضور نے دعا دی ہے۔ ہر شکل ایک ناقابلِ فراموش احسان کی شکل تھی۔ ایک وجود جس میں تمام رشتے مجسم ہو جائیں۔ میرا باپ، میرا بھائی، میری ماں، میرا دوست، میرا یار، وہ شخص محبتوں کا ایک جہان اور شفقتوں کا ایک عالم تھا۔ تجلیاں اس کے چہرے سے پھوٹتی تھیں۔ لطافتیں اور بلاغتیں اس کا طرزِ تکلم، یقین اس کا ورثہ تھا اور خدا اس کا خزانہ اور وہ ہر دم اور ہر وقت جیسے سب کچھ لٹا دینا چاہتا ہو۔ مگر خدا اسے پہلے سے زیادہ خزانوں سے بھر دیتا ہے۔ اس نے مجھے ملنے سے پہلے بھی چاہا۔ اور ملنے کے بعد ہر بار اپنے ملنے کی پیاس عجیب طرح بڑھا دی۔ بڑا عجب، بڑا ہی عجیب آدمی تھا وہ اتنا عجب آدمی تھا کہ جب بھی اس کی وفات پر حیران وسراسیمہ، پریشان حال ربوہ پہنچا تو اس کی دعا (ہم تمہارے ذمہ دار ہیں) نے میری مہمان نوازی کی۔ اور مجھے اس کے پرائیویٹ سیکرٹری کا مہمان ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب کہ وہ مجھ سے ناواقف تھے۔ پھر میں سپین گیا تو اسی کی دعا کا صدقہ تھا۔ ہر چند میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں خالی ہوں بے بضاعت ہوں مگر ایک دعا کا غنی ہوں۔ "ہم آپ کے ذمہ دار ہیں"۔

وہ خدا کا غنی تھا اس نے مجھے مالا مال کر دیا۔ اس کی دعاؤں کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ میں کمزور ناتواں، دکھوں اور پریشانیوں سے اداس اور مغموم تو ہو جاتا ہوں۔ مایوس نہیں ہو پاتا۔ میں لکھنے کا تمنائی ہوں تو اس نے مجھے قلم دیا۔ مجھے پڑھنے کا ذوق ہے تو اس نے "دورہ مغرب" دی اور مجھ ہیچمداں کے نام کے ساتھ مکرم کا لفظ تحریر کیا اور آگے لکھوں تو اپنی پردہ دری ہوتی ہے۔

وہ خدا کی نعمتوں کا ایک عجیب دسترخوان اور ایک عجیب خزانہ تھا یہ میری ٹوٹی پھوٹی عبارتیں یہ سوئے جاگے الفاظ اس کی تصویر کہاں بنا سکتے ہیں۔ وہ جو نافلۂ مسیح بھی تھا اور خلیفۃ المسیح بھی اے خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل پر فضلوں، رحمتوں اور برکتوں کے متناہی دروازے کھولتا چلا جا۔

(آمین، یارب العالمین)

نذرِ عقیدت

(مکرم عبد العلی ملک اسلام آباد)

پھر آئی یادِ یارِ ناصرِ دیں دل کو تڑپانے
وفورِ غم سے ہیں لبریز چشم و دل کے پیمانے

فرشتہ صورت و سیرت ۔ مجسم الفت و شفقت
وہ جس کے خلقِ قرآں پر فدا تھے اپنے بیگانے

وہ عسر و یسر میں نورِ یقیں کا آہنی پیکر
کہاں دیکھے ہیں ایسے شیرِ نر ابنائے دنیا نے

وہ جس کے روز و شب تھے وقفِ قرآں کیلئے یکسر
وہ جس کے سامنے چپ سادھ لی اہلِ کلیسا نے

سنایا امن اور توحید کا پیغام دنیا کو
صدائے لا الٰہ سے گونج اٹھے شہر و ویرانے

منور پھر ہوئی ارضِ بلال اسلام کی ضَو سے
مئے عرفانِ حق سے پُر ہوئے روحوں کے پیمانے

گئے نامِ محمدؐ لے کے دنیا کے کناروں تک
بلائے دشت و صحرا سے کہاں رکتے ہیں دیوانے

دعائے نیم شب سے ترکیا اندلس کی مٹی کو
سُنی آذان صدیوں بعد اربابِ کلیسا نے

خیالوں میں بسی ہیں اب تلک ان کی حسیں یادیں
ہوئی خاموش شمع جل رہے ہیں پھر بھی پروانے

وہ نورانی نگاہیں مسکراتے لب، حسیں چہرہ
ہوا رخصت ہمیشہ کیلئے پر دل نہیں مانے

کبھی نہ بھولنے والی باتیں

مکرم بشیر احمد رفیق صاحب ایڈیشنل وکیل التبشیر تحریکِ جدید ربوہ

یوں تو مجھے سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ قادیان میں ۱۹۴۵ء میں حاصل ہوا تھا جب میں وہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جاکر داخل ہوا۔ لیکن مضبوط اور پُر محبت و شفقت تعلق کی ابتداء ۱۹۴۹ء میں اُس وقت سے ہوئی جب میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں فرسٹ ایئر میں داخل ہوا۔ حضورؒ ان دنوں کالج کے پرنسپل تھے۔ اور تعلیم الاسلام کالج کے عروج کا دَور بھی یہی تھا۔ حضور کے حسن انتظام سے تعلیم الاسلام کالج نے لاہور کے دیگر تمام کالجوں کو ہر میدان میں مات کر دیا تھا۔

۱۹۶۵ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا انتقال ہوا تو مَیں مسجد فضل لندن کا امام تھا۔ مرکز سلسلہ سے ہزاروں میل دور ہم سب احمدیانِ برطانیہ مرکز کی طرف سے کسی خبر کی طرف کان لگائے بیٹھے دعاؤں میں مصروف تھے اور اس بات کا شدت اور بیقراری سے انتظار ہو رہا تھا کہ مسندِ خلافتِ ثالثہ پر کون متمکن ہوتے ہیں۔ اس کیفیت میں جب جماعت کے بہت سارے احباب مشن ہاؤس لندن میں جمع تھے ہمارے انگریز مسلمان احمدی بھائی مسٹر بلال نٹل مرحوم میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ کون خلیفہ ہوں گے۔ مَیں حیران ہوا کہ ان کو قبل از وقت کیسے معلوم ہوا کہ کون مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوگا۔ مسٹر نٹل نے ایک تصویر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے شدتِ جذبات سے گلوگیر آواز میں کہا یہ حضرت صاحبزادہ میرزا ناصر احمد کی تصویر ہے جو انہوں نے لندن مسجد کے باغ میں کھنچوائی تھی اور مجھے مرحمت فرمائی تھی۔ مَیں ان دنوں سے جب حضرت میرزا ناصر احمد صاحب آکسفورڈ کے طالب علم تھے اُن کو جانتا ہوں۔ ان کے بے حد قریب رہا ہوں اور تقوی اللہ، حُسنِ اخلاق اور عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جھلک مَیں نے ان میں دیکھی وہ مجھے اس یقین محکم پر قائم کرتی ہے کہ اس منصب جلیلہ کے اس وقت وہی اہل ہیں اور جماعت یقیناً اس امانت کو ان کے ہی سپرد کرے گی۔ مکرم بلال نٹل مرحوم کی موجودگی ہی میں مرکز سے بذریعہ تار یہ اطلاع ملی کہ حضرت میرزا ناصر احمد صاحب خلافتِ

ثالثہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح ایک انگریز نومسلم کی دُور رس نگاہ نے جوانی ہی میں اس بے بہا گوہر کو شناخت کر لیا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں عظیم کام لینے تھے۔ اور حضورؒ کی پارسائی، خدا ترسی، تقویٰ اللہ اور عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو گواہ ٹھہرانے کا شرف عطا فرمایا۔

ڈیون شائر (انگلستان) کے علاقہ میں ایک انگریز خاندان ایسا ہے جس کے ساتھ خاندانِ حضرت اقدسؑ کے گہرے تعلقات چلے آتے ہیں۔ اس خاندان کا اپنا فارم ہے اور خوش حال لوگ ہیں۔ حضور رحمہ اللہ جب آکسفورڈ میں طالب علم تھے تو رخصتوں میں مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی معیت میں چھٹیاں گزارنے اس فارم پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس خاندان کے ساتھ خوب گھل مل کر ایامِ رخصت گزارا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مَیں اس خاندان کے ہاں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی معیت میں دو تین دن کی رخصت گزارنے کے لئے گیا۔ ظاہر ہے پرانی باتیں دہرائی گئیں۔ صاحبزادگان جو فارم پر وقتاً فوقتاً رخصت گزارنے تشریف لے جاتے رہے ان کا تذکرہ ہوتا رہا۔

اس خاندان کی ایک بڑی بوڑھی سے مَیں نے دورانِ گفتگو حضرت میرزا ناصر احمد رحمہ اللہ کے بارہ میں دریافت کیا۔ کہنے لگیں کہ وہ سامنے کمرہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ٹھہرا کرتے تھے اور صبح صبح جب میں ان کے کمرہ کے آگے سے گزرتی تو ایک عجیب بھنبھناہٹ کی مسحور کن آواز آیا کرتی۔ جو کبھی کھڑے ہو کر مَیں چند منٹ سنا بھی کرتی۔ ایک دن مَیں نے ناصر سے پوچھا کہ تم صبح سویرے کیا پڑھتے رہتے ہو جس میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا۔ تو ناصر نے بتایا کہ وہ اپنی مقدس کتاب قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔

اسی خاتون نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شام کھانے پر جب حضور رحمہ اللہ اور دوسرے صاحبزادگان موجود تھے یہ ذکر چل پڑا کہ مستقبل میں ان کے کیا ارادے ہیں۔ ہر ایک نے بتایا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کس پیشے کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب حضور رحمہ اللہ کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ مَیں تو خدمتِ دینِ اسلام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور اپنی زندگی اس مقصد کے لئے وقف کرنے کا عزم کئے بیٹھا ہوں۔ مجھے اَور کوئی خواہش نہیں اور نہ ہی مجھے دنیا کی طرف کوئی رغبت ہے۔ انگریزوں کو اور خصوصاً عیسائیوں کو دین سے تو چونکہ کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اور دنیا داری کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے یہ خاتون کہنے لگیں کہ اس وقت میرے منہ سے یہ نکلا کہ WHAT A WASTE OF TIME ۔ لیکن اب جب مَیں دیکھتی ہوں کہ وہ جماعت کے سربراہ ہیں تو ندامت ہوتی ہے کہ کتنا غلط فقرہ منہ سے نکل گیا تھا۔ حقیقی اور بامراد زندگی تو انہیں ملی ہے۔

اس خاتون نے یہ بھی بتایا کہ حضور اپنی جوانی میں بہت باحیا اور شرمیلی طبیعت کے تھے۔ بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ رخصتوں میں فارم پر تشریف لاتے تو اردگرد کے بچے آپ کے گرد جمع ہونے میں خوشی محسوس کرتے۔ آپ جیب میں چاکلیٹ وغیرہ رکھتے اور بچوں میں تقسیم کرنے میں خوشی و انبساط محسوس کرتے۔ کھانے میں سختی سے یہ پابندی فرماتے کہ صرف ذبیحہ استعمال کریں اور چونکہ ذبیحۂ اسلامی میسر نہ آسکتا تھا

اس لئے خود مرغی اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے وہی کھاتے۔ اس خاتون نے مجھے ایک تصویر بھی دکھائی جس میں حضور مرغی ذبح فرما رہے تھے۔

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد پہلی مرتبہ آپ ۱۹۶۷ء میں کوپن ہیگن کی احمدیہ مسجد کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔ مَیں کوپن ہیگن حاضر ہوا۔ خلافت کے بعد پہلی مرتبہ جب میری نظر آپ کے منور و تاباں چہرہ پر پڑی تو دل کی عجیب حالت ہوئی۔ حضور نے از راہِ شفقت گلے لگایا۔ دیر تک ملاقات کا شرف عطا فرمایا۔ چند دن بعد حضور انگلستان تشریف لائے۔ احباب خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ لندن ایئر پورٹ پر استقبال کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک مختصر سا سٹیج بنایا گیا تھا جس پر مائیکرو فون کا انتظام تھا۔ حضور اپنے خدام میں تشریف لائے۔ نعرہ ہائے تکبیر اور دیگر اسلامی نعروں سے لندن ایئر پورٹ کی کوئین (Queens) بلڈنگ گونج اُٹھی۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضور جماعت سے خطاب فرمادیں حضور نے فرمایا مجھے تو اپنے خدام سے ملنے کا شوق ہے اس لئے تقریر کی ضرورت نہیں۔ مَیں سب سے مصافحہ کروں گا۔ چونکہ مصافحہ کا پروگرام نہ تھا اس لئے انتظام کرنے میں مشکل پیش آئی لیکن آپ نے مصافحہ پر اصرار فرمایا۔ چنانچہ سینکڑوں احمدی جو وہاں موجود تھے حضور سے شرفِ مصافحہ اور بعض شرفِ معانقہ حاصل کر کے شاداں و فرحاں گھروں کو لوٹے۔ حضور کو مسلسل ایک ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے رہنا پڑا لیکن آپ کا چہرہ احباب کی ملاقات کی خوشی میں دمک رہا تھا۔ حضور مشن ہاؤس میں مقیم ہوئے۔ مَیں ساتھ والی بلڈنگ یعنی ۶۱ میلروز روڈ میں منتقل ہو گیا۔ اس بلڈنگ کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ تازہ صفائی اور پینٹ کی وجہ سے بُو اور گرد و غبار بھی تھا۔ مَیں سارا دن حضور کی خدمت میں دوسری بلڈنگ میں حاضر رہتا اور رات گئے حضور کی مجلسِ عرفان سے لطف اندوز ہو کر گھر جاتا۔ ایک شام جب گھر گیا تو اپنی بڑی بچی امۃ الجمیل کو نہ پایا۔ بیوی نے بتایا کہ اسے دوپہر کو بوجہ پینٹ کی بو اور گرد و غبار کے دمہ کا شدید حملہ ہوا۔ ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے فوری ہسپتال منتقل کرادیا ہے۔ مَیں دوڑا دوڑا ہسپتال پہنچا تو اپنی بیٹی کو نہایت نحیف حالت میں آکسیجن ٹینٹ میں پایا۔ ڈاکٹر جو آن ڈیوٹی تھا اس نے کہا کہ حالت بہت خراب ہے اور بچنے کی امید کم ہے اس لئے دعا کرو۔ مَیں اسی گھبراہٹ میں گھر واپس آیا۔ حضورؒ عشاء کی نماز پڑھا کر تشریف لا رہے تھے۔ مَیں نے اُسی گھبراہٹ اور پریشانی میں جمیلہ کی بیماری اور ڈاکٹر کی یہ بات بتائی کہ بچنے کی امید کم ہے۔ حضورؒ نے مجھے تسلّی دی اور فرمایا فکر نہ کریں۔ مَیں دعا کروں گا۔ انشاء اللہ جمیلہ کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ مَیں واپس گھر گیا اور دعاؤں میں لگ گیا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ کل رات بھر حضورؒ ایک پل بھی نہ سو سکے اور جمیلہ کے لئے بڑی تضرع سے دعائیں کرتے رہے ہیں اور مجھے ارشاد فرمایا کہ ہسپتال جا کر بچی کا حال پوچھ آؤں۔ مَیں ہسپتال گیا تو قبولیت دعا کا ایک زبردست نشان دیکھا۔ جمیلہ آکسیجن ٹینٹ سے باہر آچکی تھی اور ایک آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد غیر معمولی طور پر بچی کو افاقہ شروع ہو گیا اور اب خطرے سے باہر ہے۔ چند دن بعد جمیلہ گھر آئی اور

اس کے بعد سے آج تک دمہ کا اس قسم کا اٹیک پھر کبھی نہیں ہوا۔ فالحمد للہ۔ یہ حضور کی تضرعات کا اعجاز تھا کہ راتوں رات بچی کی کایا پلٹ گئی اور وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے حیات کی نعمت سے سرفراز ہوگئی۔

اس دورے میں قدم قدم پر قبولیت دعا کے نشان جماعت احمدیہ انگلستان نے دیکھے۔ سکاٹ لینڈ میں ایک مخلص احمدی محمد ایوب مرحوم رہا کرتے تھے۔ حضورؒ نے باتوں باتوں میں اُن سے دریافت کیا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا حضور تین لڑکیاں ہیں۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا:

It is : high time you had a son.

ایوب صاحب نے نہایت مایوسی کے انداز میں جواب دیا کہ حضور اب مجھے امید نہیں کہ میرے ہاں لڑکا ہوگا۔ حضور نے بڑے جوش سے فرمایا۔ مایوسی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی مومن کا شیوہ نہیں۔ پھر فرمایا۔ میں دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عطا کرے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایوب صاحب مرحوم نے حضور کی خدمت میں خط لکھا اور اپنے گھر میں امیدواری کی اطلاع دیتے ہوئے اولادِ نرینہ کے لئے دعا کی درخواست بھی کی۔ حضور نے جواباً تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا دے گا اس کا نام ابراہیم رکھیں۔ یہ اطلاع حضور نے پیدائش سے چار پانچ ماہ قبل دی۔ ایوب صاحب مرحوم نے یہ خط مجھے دکھایا۔ میں نے انہیں مبارکباد دی۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگیا۔ جس کا نام انہوں نے ابراہیم رکھا۔

ہمارا ایمان کسی ڈاکٹر پر نہیں، خدا پر ہے۔

اسی طرح لندن کی ایک خاتون صادقہ حیدر صاحبہ مرحومہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ حضور نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اس طرح رونے کی وجہ دریافت کی۔ مرحومہ صادقہ صاحبہ نے کہا ان کے ہاں اولاد نہیں ہے اور لندن کے چوٹی کے ماہر ڈاکٹر نے معائنوں کے بعد بتایا ہے کہ ان کے ہاں اولاد ناممکن ہے۔ حضور نے بڑے جوش سے فرمایا ہمارا ایمان کسی ڈاکٹر پر نہیں بلکہ اپنے حی و قیوم خدا پر ہے۔ میں دعا کروں گا۔ آپ مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد صادقہ صاحبہ نے حضور کو اطلاع دی کہ حمل قرار پا گیا ہے لیکن ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ یہ ضائع ہو جائے گا۔ حضور نے اس کے جواب میں انہیں خط لکھا اور خوشخبری دی کہ نہ صرف یہ کہ بچہ ضائع نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں لڑکا عطا فرمائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ قبولیت دعا کے اس قسم کے اَور بہت سارے واقعات میں بیان کر سکتا ہوں لیکن اس مضمون میں اتنی گنجائش نہ ہوگی۔ حضورؒ کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کا خاص نشان عطا فرمایا تھا۔

آپ کھانے میں بہت اعتدال فرماتے تھے۔ پُرخوری کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اکثر بیماریوں کی جڑ پُرخوری ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حقیقی مومن کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ وہ کم کھاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک زمیندار کے ہاں مہمان ہوا۔ اس نے میرے سامنے بہت ساری چپاتیاں اور سالن رکھ دیئے۔ میں نے حسبِ عادت تھوڑا کھایا۔ زمیندار کی بیوی پردے کی اوٹ سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ کہنے لگیں میاں صاحب آج آپ نے اپنے گھر کی طرح نہیں کھانا بلکہ جتنا میں کہوں اُتنا

کھانا ہے۔ مَیں نے ان کو بار بار سمجھایا کہ مَیں تو کھاتا ہی کم ہوں لیکن ان کو یقین نہ آیا اور وہ اصرار کرتے چلے گئے کہ اَور کھائیں۔ اَور کھائیں۔

شدید بیماری میں ملاقات

آپ مجسم شفقت تھے۔ اپنے خدام کی معمولی سی تکلیف بھی آپ کو بے چین کر دیا کرتی تھی۔ مئی ۱۹۷۱ء میں خاکسار کو آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا شرف حاصل تھا مئی کی ایک تاریخ ملاقات کے لئے مقرر تھی۔ اس روز صبح سے ہی ملاقاتی دور و نزدیک سے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ملاقات کے لئے ۱۱ بجے کا وقت مقرر تھا۔ دس بجے حضور کو شدید ضعف کا حملہ ہوا۔ مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب فوراً تشریف لائے اور ایک گھنٹہ تک دوائیاں وغیرہ دیتے رہے۔ گیارہ بجے جب ملاقات کا وقت ہوا تو مکرم صاحبزادہ میرزا منور احمد صاحب نے سختی سے ملاقات سے منع کیا اور عرض کیا کہ حضورؒ کو مکمل آرام کرنا چاہیئے حضورؒ نے فرمایا کہ ملاقاتی اتنی دور سے تشریف لائے ہیں یہ ناممکن ہے کہ مَیں ان کو ملاقات کا موقع دیئے بغیر رخصت کر دوں اس لئے مَیں ملاقات ضرور کروں گا۔ اس پر مکرم صاحبزادہ میرزا منور احمد صاحب نے یہ شرط عائد کر دی کہ حضور صرف مصافحہ فرماویں اور کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ فرماویں۔ حضور نے ملاقات شروع کی۔ سب سے مصافحہ کرنے کے بعد لمبی گفتگو فرمائی اور پورے پونے دو گھنٹے احباب میں رونق افروز رہے۔ چہرہ سے ضعف و اضمحلال کے آثار بالکل نمایاں تھے اور صاف دکھائی دیتا تھا کہ طبیعت ناساز ہے لیکن جب تک ملاقاتیوں کو شرفِ ملاقات نہ بخشا۔ اندر تشریف نہ لے گئے۔

ایک مربی صاحب نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ صدر انجمن احمدیہ انہیں چند صد روپیہ جو ان کا حق ہے نہیں دے رہی۔ حضور نے ان کی درخواست صدر انجمن کو بھجوا دی۔ انجمن نے دلائل اور قواعد سے ثابت کیا کہ ان کا کوئی حق نہ تھا۔ حضور نے یہ رپورٹ پڑھی تو مجھے غالباً چھ یا سات سو روپیہ ایک لفافہ میں بند کر کے دیتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ اس مربی صاحب کو بلا کر سمجھا دو کہ صدر انجمن اپنے قواعد سے مجبور ہے اور حسبِ قواعد ان کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے اپنی درخواست کو واپس لے لیں اور جتنی رقم کا انہوں نے انجمن سے مطالبہ کیا ہے وہ حضور سے لے لیں۔ مَیں نے اُن مربی صاحب کو یہ رقم ادا کر دی۔

کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی مربی یا واقفِ زندگی کے بیٹے یا بیٹی کی شادی ہوتی تو حضور مجھے بلا کر لفافہ میں معقول رقم ڈال کر ارشاد فرماتے کہ یہ جا کر انہیں میری طرف سے دے دو۔ ایسی رقوم بسا اوقات ہزاروں تک پہنچ جاتیں۔ لیکن حضور کو دینے میں جو بشاشت ہوتی تھی وہ بیان سے باہر ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ پر سختی سے عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد سے آپ کی زبان ہمیشہ تر رہتی تھی۔ دوستوں کو بھی شکر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ایک دوست کو اپنے پاس سے ایک دوائی مرحمت فرمائی اور فرمایا کہ اس دوا کے ساتھ شہد کا استعمال بھی کریں۔ اس دوست نے عرض کیا حضور! خالص شہد ملنا بہت مشکل ہے فرمایا مَیں شہد بھی اپنے پاس سے دینے کو تیار ہوں لیکن ایک

شرط پر اور وہ یہ کہ ہر چمچہ شہد کھانے کے ساتھ آپ کو دو ہزار مرتبہ الحمدللہ کا ورد کرنا پڑے گا۔ نیز فرمایا ایک چمچہ شہد کی تیاری کے لئے دو ہزار مکھیوں کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کام میں لگ جاؤ۔ یہ مکھیاں ڈیڑھ ڈیڑھ میل تک کے فاصلے سے پھولوں کا رس نچوڑ کر لاتی ہیں اور انسان کے لئے نہایت مصفیٰ، خوشبودار اور صحت افزا قدرتی میٹھا تیار کرتی ہیں اس لئے ہم پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ہر دم شکر ادا کرتے رہیں اور ہر قطرۂ شہد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا تصور ذہن میں لائیں کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہمارے لئے لاکھوں مزدور مکھیوں کی صورت میں میٹھا بنانے کا کام جاری فرمایا ہوا ہے۔

مشاہدۂ قدرت

قانونِ قدرت کے مشاہدہ میں آپ اکثر غرق رہا کرتے تھے۔ آپ کی تقاریر ایسی سینکڑوں مثالوں سے مزین ہیں جہاں آپ نے مشاہدۂ قدرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا (انعام ۶۰) معلوم ہوا کہ اس کے اذن کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا۔ ہر گرنے والے پتہ کو حکمِ الٰہی دیا جاتا ہے۔ اس ارشادِ قرآنی کا خود مشاہدہ کرنے کے لئے ایک مرتبہ میں نے پروگرام بنایا۔ اور وہ اس طرح کہ میں نے اپنے باغ میں ایک پیپل کا درخت منتخب کر لیا جس کے پاس میں روزانہ صبح سویرے بیٹھ جاتا تھا۔ میں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ بعض ایسے پتے جو زرد ہو چکے تھے اور قانونِ قدرت کے مطابق بظاہر ان کو زیادہ سے زیادہ اگلی صبح تک جھڑ جانا چاہیئے تھا بعض اوقات وہ تو اسی طرح درخت کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے تھے اور ان کی جگہ بعض بظاہر بالکل تندرست اور سرسبز پتے گرے ہوئے ہوتے تھے۔ اب اگر تو ظاہری قانونِ قدرت کا معاملہ ہوتا تو زرد پتے پہلے گرتے اور سبز پتے زرد ہو جانے کے بعد۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم سبز پتے کو پہلے آگیا اور وہ اس کی تعمیل میں زرد ہونے سے قبل گر گیا۔

اس کی دوسری مثال آپ نے ایک دفعہ یوں بیان فرمائی کہ بارہا یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ بارش اور ژالہ باری کے نتیجہ میں جو کھیتوں پر ایک ہی رنگ میں آتے ہیں بعض کھیت تو تباہ ہو جاتے ہیں اور بعض بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ اب عام قانونِ قدرت تو دونوں پر ایک جیسا ہی وارد ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے قانون کے بُرے اثر کو چند کھیتوں کے لئے کالعدم قرار دے دیا اور وہ نقصان سے محفوظ رہے۔ گویا قانونِ قدرت بھی جاری رہا اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی قائم رہا۔

آپ کو تازہ تحقیقات میں بڑی دلچسپی تھی اور وقتاً فوقتاً تازہ تحقیق سے اسلام کی حقانیت ثابت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ انسانی دماغ کے اجزاء میں سونا اور چاندی بھی شامل ہے۔ پہلے ڈاکٹروں کا یہ خیال تھا کہ سونا انسانی جسم کا حصہ نہیں ہے اس لئے اگر سونے کا کشتہ وغیرہ کھا لیا جائے تو یہ بدن سے ویسے ہی خارج ہو جائے گا۔ دوسری عجیب بات اس تحقیق سے یہ سامنے آئی ہے کہ عورت کے دماغ

کی ساخت میں مرد کے دماغ کی نسبت سونا نصف تعداد میں ہے۔ اس تحقیق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی کہ مرد سونا نہ پہنیں ایک اور حکمت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ چونکہ مرد کے دماغ میں جتنے سونے کی ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی ہے اس لئے اس کو مزید سونا پہننے سے منع فرما دیا ہے لیکن عورت کو چونکہ کم حصہ ملا ہے اس لئے اس کو سونے کے زیورات استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

اس عاجز کو متواتر سترہ سال حضور کی شفقتوں، بے پایاں رحمتوں اور پیار سے وافر حصہ ملا ہے اور جسم کا ذرہ ذرہ آپ کی محبت اور شفقت کے نتیجہ میں مجسم دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہمارے اس محبوب پیارے آقا کو اگلے جہان میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب خاص عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

سیرت کے دلنشیں انداز

مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل۔ کراچی

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت پر مختلف احباب نے اپنے اپنے رنگ میں بہت کچھ اظہارِ خیال کیا ہے اور رہتی دنیا تک انشاء اللہ اس پیارے وجود کی باتیں بیان ہوتی رہیں گی۔ میرے مخدوم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نے حضور کی سیرت کے متعلق ماہنامہ خالد کا خصوصی نمبر شائع کر کے جو انمول خدمت انجام دی ہے اس کے لئے وہ بجا طور پر وہ قابل صد تحسین ہیں۔ خاکسار بھی چند پیاری یادوں کا خزینہ لے کر اس بزم میں شمولیت کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا سلوک اپنے خدام سے کچھ اس درجہ مشفقانہ تھا کہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ حضور کا اُس سے خصوصی تعلق ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب گذشتہ سترہ اٹھارہ برس پر پھیلے ہوئے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو متعدد ایسے واقعات یاد آتے ہیں جب حضور کی شفقت نے دل و نظر کو مسحور کر کے اس ذرۂ ناچیز کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ بارہا ایسا ہوا کہ شعر و سخن کی مجلس ہے۔ حضور بھی رونق افروز ہیں اور ازراہ شفقت مجھ جیسے ہیچمدان کی نظمیں سن رہے ہیں اور اپنے ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ فرما رہے ہیں۔

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد پہلی مرتبہ کراچی تشریف لائے۔ زبردست دینی مصروفیات کی وجہ سے آرام کے لئے وقت کم ہی ملتا تھا۔ بہرحال جماعت کراچی نے ہاکس بے پر سمندر کے کنارے پکنک کا انتظام کیا۔ دو ہٹ حاصل کئے گئے۔ ایک میں احباب جماعت اور دوسرے ہٹ میں حضور مع حضرت بیگم صاحبہ قیام پذیر تھے۔ احباب کے ہٹ میں مجلس شعر و سخن کا انعقاد ہوا۔ حضور بھی خدام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ خاکسار جب اپنا کلام پیش کرنے لگا تو فرمائش کر کے خاکسار کی نظم "کراچی نامہ" سماعت فرمائی۔ نظم کے خاتمے پر محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب نے فرمایا حضور بسمل صاحب سے ان کی نظم "خلافت" سنئے۔ حضور نے اجازت مرحمت فرمائی۔ خاکسار نے نظم سنانی شروع کی۔ مولانا عبدالمالک نے یہ نظم دورِ خلافت ثانیہ

میں سنی تھی جسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی وفات کے بعد خاکسار نے مزید دو بندوں کا اضافہ کر کے مکمل کیا تھا۔ اب فرمائش کرتے وقت نہ انہیں خیال آیا نہ مجھے کہ اس نظم میں حضرت مصلح موعود کی وفات اور خلافت ثالثہ کے قیام کا ذکر ہے۔ جب حضرت مصلح موعود کی وفات کا بند سنایا تو مجلس کا ماحول یکدم اداس ہو گیا۔ حضور آبدیدہ ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر ملحقہ ہٹ میں تشریف لے گئے۔ حضور کے جاتے ہی محترم ثاقب زیروی اور چند دوسرے احباب خاکسار پر خفگی کا اظہار کرنے لگے۔ مولانا عبدالمالک خان صاحب فرمانے لگے: "میں استغفار کر رہا ہوں کیونکہ میری تجویز پر بسمل صاحب نے نظم سنائی۔ مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ نظم میں یہ بند بڑھائے گئے ہیں"۔ خاکسار اپنی جگہ شرمندہ تھا۔ اتنے میں ایک محافظ نے آکر اطلاع دی کہ حضور بسمل صاحب اور ثاقب صاحب کو یاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ دونوں حاضر ہوئے۔ حضور برآمدے میں کرسی پر تشریف فرما تھے اور سامنے دو کرسیاں ہمارے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ خاکسار سے ارشاد فرمایا "وہی نظم پھر سنائیں۔ میں نے منصورہ بیگم سے ذکر کیا تو انہوں نے بھی سننے کی خواہش ظاہر کی ہے"۔ چنانچہ خاکسار نے دوبارہ وہ طویل نظم سنائی جسے حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا نے پردے میں بیٹھے ہوئے سماعت فرمایا۔

اس واقعہ سے جہاں حضور کی اس والہانہ محبت و عقیدت کا ثبوت ملتا ہے جو حضور کو اپنے اولوالعزم والدِ گرامی حضرت سیدنا المصلح الموعود سے تھی وہاں اپنے خدام پر شفقت کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے کہ کس طرح حضور اپنے غلاموں کی قدر افزائی فرماتے تھے۔ اب ایک اور واقعہ سنئے۔

ہفت روزہ لاہور میں محترم ثاقب زیروی کا ایک قطعہ شائع ہوا جس میں آقا کی طرف سے قلم کا تحفہ موصول ہونے کا ذکر تھا۔ قطعہ کی اشاعت کے بعد محترم راغب مراد آبادی نے (جو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ہیں) ثاقب صاحب کو مبارک باد دیتے ہوئے ایک قطعہ بھجوایا جو لاہور کی اگلی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد حضور کراچی تشریف لائے۔ جب خاکسار ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو فرمانے لگے "شعر کب سنانے ہیں"؟ خاکسار نے عرض کیا کہ جب حضور حکم دیں۔ فرمایا: "ہاں کسی دن پروگرام بنائیں۔ راغب صاحب کو بھی بلوائیے گا"۔ خاکسار نے دبے لفظوں میں عرض کیا کہ کیا راغب صاحب کو بھی قلم عنایت ہوگا؟ فرمانے لگے ہاں۔ اور پھر فرمایا "ہوا یہ کہ ثاقب صاحب میرے پاس آئے تھے۔ دو قلم تحفے کے طور پر پیش کئے اور مجھ سے میرا قلم مانگا۔ پہلے تو میں نے انکار کر دیا کہ میرے ہاتھ پر چلا ہوا ہے لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ مجھے یوں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ چنانچہ میں نے ثاقب صاحب کو قلم بھجوا دیا۔ اس پر ثاقب صاحب نے لاہور میں قطعہ شائع کیا اور پھر راغب صاحب کا قطعہ چھپا"۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا کہ "حضور میں بھی ایک قطعہ پیش کر دوں"؟ فرمایا "ہاں اگر وہ لاہور میں چھپ جائے"۔ عرض کیا "چھپ جائے گا"۔ مسکرا کر فرمایا: "میں ثاقب کو منع کر دوں گا"۔ اس کے بعد حضور دیر تک

گفتگو فرماتے رہے۔ اگلے روز رات کو شعری نشست ہوئی راغب صاحب کو علیحدگی میں ایک پارکر پین عطا ہوا۔ اس کے غالباً ایک دو روز بعد خاکسار مع اہل وعیال ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوا اور دورانِ ملاقات ایک پرچہ سامنے رکھ دیا جس پر یہ قطعہ تحریر تھا:۔

تحفہ ملا آقا سے زہے قسمتِ ثاقب
انعامِ قطعہ پاگئے اب حضرت راغب
اس سمت بھی ہو جائے نظر اک کرم کی
بسمل بھی ہے الطافِ کریمانہ کا طالب

قطعہ پڑھ کر مسکرائے۔ فرمایا "ہر روز عید نیست ...."
اس کے دو تین روز بعد حضور واپس ربوہ تشریف لے گئے۔
اس کے غالباً دو مہینے بعد نومبر میں محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ کراچی کے ارشاد کے تحت خاکسار ایک اہم مراسلہ لے کر ربوہ پہنچا جو حضور کی خدمت میں دستی پیش کرنا تھا جب قصرِ خلافت پہنچا اُس وقت غالباً ساڑھے نو بجے رات کا عمل تھا۔ سردیوں میں ساڑھے نو بجے اور وہ بھی ربوہ میں خاصی رات ہوتی ہے۔ محترم عبدالرحمٰن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جب انہیں اپنی آمد کی غرض بتائی تو فرمانے لگے حضور کی طبیعت ناساز ہے اور ویسے بھی یہ کوئی ملنے کا وقت نہیں ہے۔ خاکسار نے عرض کیا حضور کو اطلاع تو دے دیں کہ بسمل کراچی سے حاضر ہوا ہے۔ انہوں نے اندر فون کیا۔ جواب ملا تھوڑی دیر انتظار کریں ابھی بلاتا ہوں۔ اور پھر پانچ منٹ کے اندر یاد فرمایا۔ خوابگاہ ہی میں حاضری کا شرف بخشا۔ خاکسار نے امیر صاحب کا خط پیش کیا۔ ملاحظہ فرمانے کے بعد ضروری ہدایات دیں اور پھر خاکسار کی خیریت دریافت کرتے ہوئے مسکرائے اور جیب سے اپنا پارکر پین نکال کر اپنے اس غلام کو عطا فرمایا۔ خاکسار نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر دست بوسی کی اور پھر تھوڑی دیر بعد خاکسار کو اجازت مرحمت فرمائی خاکسار کی وفورِ جذبات اور فرطِ مسرت سے جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

اگلے دن صبح ربوہ سے روانگی سے پہلے خاکسار پھر قصرِ خلافت میں حاضر ہوا۔ محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کی وساطت سے ایک قطعہ بطور شکریہ حضور کی خدمت میں بھجوایا۔ قطعہ یہ تھا:۔

تحفے میں جو آقا سے ملا مجھ کو قلم ہے
میرے لئے یہ باعثِ صد جاہ و حشم ہے
اللہ نے چاہا تو کلام ایسا لکھوں گا
ہر شخص پکار اٹھے گا اعجازِ رقم ہے۔

اللہ اللہ! کتنی شفقت تھی اپنے غلاموں پر اور کتنا خیال رکھتے تھے میرے آقا اپنے خدام کے جذبات کا!

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے ایک سالانہ اجتماع کا ذکر ہے۔ حضور اپنے مغربی افریقہ کے دورے کے تاثرات بیان فرما رہے تھے۔ ذکر تھا ایک پیراماؤنٹ چیف کا جو اگرچہ احمدی نہیں تھا لیکن اس نے حضور کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور کی نظر اپنے اس غلام پر پڑ گئی جو سامنے ہی فرش پر بیٹھا تھا۔ فرمانے لگے "اس سپاسنامے میں اس افریقی چیف نے اتنی محبت اور اتنے خلوص کا مظاہرہ کیا کہ یوں لگتا تھا گویا یہ سپاسنامہ بسمل صاحب نے لکھا ہے"۔ احباب اندازہ کر سکتے ہیں کہ

اُس وقت اس عاجز کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جان سے پیارے آقا نے اپنے اس خاک نشین غلام کو ہمدوش ثریا کر دیا ہے۔

خاکسار نے یہ دیکھا ہے کہ حضورؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی اتنی شفقت بھری مسکراہٹ سے ملتے اور ایسی پیار بھری باتیں کرتے کہ قدموں میں لوٹ جانے کو جی چاہتا۔ دل تو چاہتا ہے کہ اپنے اس محبوب آقا کی پیاری باتیں کرتا جاؤں لیکن کیا کروں خالد کے صفحات پر میرا اجارہ نہیں دوسرے عشاق کے جذبات کے اظہار کے لئے بھی جگہ چاہیئے۔ لہذا اس پیارے وجود کی اتنی ہی باتوں پر فی الحال اکتفا کرتے ہوئے اپنے مولا کریم کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ ہمارے پیارے آقا کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے اور ہمیں حضور کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وداع

پروفیسر نصیر احمد
خانصاحب

دس جون سنہ ۱۹۸۳ء
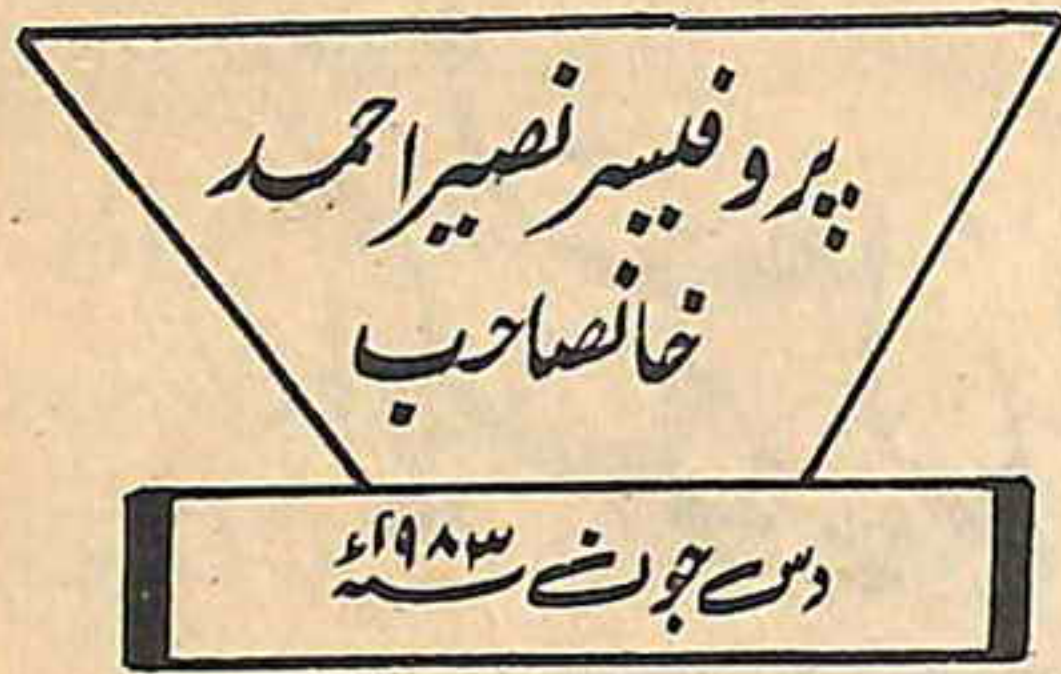
قدم قدم پہ مرا شوقِ دید راہ میں ہے
ترے وداع کا منظر مری نگاہ میں ہے

نہ دشت میں نہ کسی بن نہ سبزہ گاہ میں ہے
ہر اک بہار کی رُت دل کی بارگاہ میں ہے

مَیں کب سے گریۂ شبنم کو کہہ رہا ہوں گہر
اِک آہِ سرد سی پوشیدہ میری واہ میں ہے

عبث تلاش میں ہیں مہ وشانِ مصرِ وفا
نجانے یوسفِ گم گشتہ کس کی چاہ میں ہے

حبیب کا سا دیا تُو نے ہر رقیب کو رنگ
یہ خاص زاویۂ حسن بھی نگاہ میں ہے

مَیں بزمِ ناز کے قابل نہیں مگر اے دوست
ہمیشہ دل تو مرا تیری جلوہ گاہ میں ہے

نظر ملا ذرا اِن سے بھی عندلیبِ چمن
بلا کا حُسن ہر اک خار و خس میں کاہ میں ہے

وفا کا رنگ تو دونوں میں ہے مگر ہمدم
مری سرشت ترے ظاہری نباہ میں ہے

پہنچنے والے ہوئے کب کے باریاب نصیر
مگر یہ دل کا مسافر ہنوز راہ میں ہے

ایک پرنسپل اپنے طالب علم کی نظر میں

(محترم محمد وقیع الزمان خانصاحب۔ لاہور)

ادارۂ ماہنامہ "خالد" کا اصرار ہے کہ اِس شمارہ کیلئے کچھ مَیں بھی لکھوں۔ یعنی جس دَور کو تھپکیاں دے دے کر سُلا رہا ہوں اُس کو پھر جگاؤں۔ ہرے زخموں کو کُریدوں۔ دل کے جو ٹکڑے جوڑنے کی کوشش میں ہوں اُن کو پھر بکھیر دوں۔ خونِ جگر اور بہے اور بہتا چلا جائے ....

چلو یہ سب کچھ تو ہونا ہی ہے اور اس میں ایک الگ لذّت ہے لیکن وہ الفاظ کہاں سے آئیں گے جن سے میرے آقا کے محاسن بیان ہو سکیں۔ کس قلم میں تاب ہے کہ میرے محبوب کی تصویر کھینچ سکے۔ اُس نور کی جس کی کرنیں اُس مقدّس چہرے سے پھُوٹتی تھیں اور تاریکیوں کو زائل کرتی تھیں۔ اُس تبسّم کی جو قلب و نظر کو شکار کر رہا تھا۔ اُس جذب کی جو رُوح کو کھینچتا تھا۔ اُس حیا کی جو گنہگار دلوں کو پاک کرتی تھی۔ اُس حوصلہ کی جو سب کے زخموں پر مرہم رکھتا تھا مگر اپنے زخم کسی کو نہ بتاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیئت یہی تھی کہ مَیں تین خلفاء کا زمانہ دیکھ لوں۔ اِن میں سے دو میرے سامنے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ مَیں نے دونوں مرتبہ دیکھا ایک شخص ہے جس نے ہمدردئ بنی نوعِ انسان اور تواضع اور انکساری اور خاکساری میں اپنے آپ کو اِس قدر ڈبو دیا ہے کہ گویا خاک میں ملا دیا ہے اور اُس کا وجود کسی کو نظر ہی نہیں آتا لیکن جس دن اُس خاک نشین کو اللہ تعالیٰ اپنے لئے چُن لیتا ہے اور خلافت کے مقام پر اُسے فائز کرتا ہے اُسی دن سے وہ اُس کی قدرت اور غیرت کا نشان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی محبّت اور رحمت، جلال اور جمال، اور انوار کا مہبط بناتا ہے۔ آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں دل اُس کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اکڑی ہوئی گردنیں خود بخود جُھک جاتی ہیں اور یقین ہی نہیں آتا کہ یہ وہی انسان ہے جو کل تک ہمارے اندر موجود تھا اور نظر نہ آتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نوّر اللہ مرقدہٗ نے سترہ سال خلافت کی۔ جماعتِ احمدیہ کے اندر اور باہر لاکھوں کروڑوں انسانوں نے حضور سے فیض پایا۔ لاکھوں لوگ اِس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے حضور سے دعا کروائی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے سُنا اور غیر معمولی حالات میں اُنکی تکلیفوں کو راحتوں سے اور ناکامیوں کو کامیابیوں سے

بدل دیا۔ بے اولادوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اولاد دی۔ مقدمات میں پھنسے ہوئے رہا ہوئے۔ فاقہ کشوں کو اللہ تعالیٰ نے رزقِ وافر عطا فرمایا۔ گناہگاروں کے گناہ دھوئے گئے۔ شیطان کے بہت سے اسیروں نے رہائی پائی اور حضور کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کو دین کے لئے قربانی کرنے کی توفیق دی اس کی لذت سے روشناس کیا اور ثمراتِ حسنہ سے نوازا اور یہ سب کچھ اُس نے اس لئے کیا تا سب پر واضح ہو جائے کہ وہ اپنے قائم کردہ خلیفہ کی پُشت پر ہے۔

یہ راقم بھی اُن ہزاروں خوش نصیبوں میں شامل ہے جنہوں نے حضور کی قبولیتِ دعا کے بے شمار نشانات دیکھے۔ حضور کے سرسری کلام کو جو آئندہ کے غیب پر مشتمل تھا لفظ بلفظ پورا ہوتے ہوئے مشاہدہ کیا۔ اگر مَیں اِس مختصر مضمون میں اُن کو بیان بھی کرنا چاہوں تو دو چار واقعات ہی لکھ سکوں گا اور وہ بھی ایسے ہوں گے کہ اُن جیسے بہت سے واقعات کا مشاہدہ قارئین میں سے بہت سے خود کر چکے ہوں گے۔

پس مَیں یہ کرتا ہوں کہ آج سے چوالیس سال پہلے کے دو ذاتی تجربات جن کا تعلق حضور کی اُس وقت کی روزمرّہ زندگی اور معمولات سے تھا۔ اِس شمارہ میں ہدیۂ قارئین کرتا ہوں تا جستجو کرنے والوں کو کچھ تو اندازہ ہو کہ وہ کس قسم کا گوہر تھا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا جس کو اُس نے مٹی کی تہہ میں سے کرید کر نکالا اور تراش کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج میں لگے ہوئے نگینوں کے ساتھ جڑ دیا۔

یہ اگست یا ستمبر ۱۹۳۹ء کی بات ہے یعنی حضور کے مسندِ خلافت پر فائز ہونے سے چھبیس سال پہلے کی۔ آپ آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے اور بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ تقرر ہوا تھا۔ مَیں جامعہ احمدیہ کا درجۂ اولیٰ (FIRST YEAR) کا طالب علم تھا۔ حضور کا طریقِ تدریس یہ تھا کہ جو مضامین ہمیں پڑھاتے تھے اُن کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے کے لئے طلبہ کو بھی مختلف عنوانات دے دیتے تھے جن پر وہ کورس سے باہر کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد مقالات لکھ کر کلاس میں پڑھ کر سُنایا کرتے تھے۔ مجھے بھی اسی قسم کا ایک مضمون ریسرچ کے لئے ملا ہوا تھا اُس کے لئے مجھے ایک کتاب کی ضرورت پڑی جو کسی لائبریری میں نہ ملی۔ جب مَیں نے حضور سے اِس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں گھر پر موجود ہے لیکن چونکہ ضخیم کتاب ہے اور مجھے خود اس کی ضرورت گاہے گاہے پڑتی رہتی ہے اِس لئے تم یہ کرو کہ ظہر کے بعد ایک دو گھنٹے کے لئے میرے گھر روزانہ آجایا کرو اور وہیں بیٹھ کر پڑھ لیا کرو اور یادداشت کے لئے خلاصہ لکھ لیا کرو۔ مَیں نے اِس خیال سے کہ ظہر کے بعد ہی حضور کے لئے تھوڑا سا آرام کا وقت ہوتا ہے اُس وقت میرے روزانہ جانے سے حضور کے اور اہلِ خانہ کے آرام میں خلل واقع ہو گا معذرت کرنا چاہی تو اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ نہیں تمہیں ضرور آنا ہو گا۔ چنانچہ مَیں حاضر ہؤا۔ حضور نے خود اپنی لائبریری دکھائی جو ڈرائنگ روم میں تھی۔ وہ کتاب دکھائی۔ گرمی کے دن تھے شربت سے تواضع فرمائی اور مَیں اپنے کام میں لگ گیا۔ اس کے بعد چار پانچ ہفتے متواتر اس

سلسلے میں دولت کدہ پر حاضر ہوتا رہا ہمیشہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا پایا۔ ہمیشہ حضور متبسم چہرے سے خوش آمدید فرماتے اور شربت کا گلاس بِلاناغہ بھجواتے۔ ایک دفعہ بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے آنے سے آرام یا مصروفیت میں خلل پڑتا ہے اور یہ کریمانہ سلوک ایک غیر معروف فرسٹ ائیر کے طالبِ علم کے ساتھ تھا جس کے ساتھ حضور کا کوئی تعلق سوائے اِس کے نہ تھا کہ وہ جامعہ احمدیہ کا طالبِ علم تھا اور حضور اُس کے پرنسپل تھے۔

دوسرے تجربے کا تعلق نظم وضبط کے نفاذ سے تھا ایک پروفیسر صاحب مجھے پسند نہ فرماتے تھے ایک امتحان کے بعد انہوں نے میرا پرچہ لیا اور میرے لکھے ہوئے جوابات کو تضحیک کے انداز میں کلاس کے سامنے پڑھ پڑھ کر سُنانا شروع کر دیا۔ مَیں شہری ماحول سے گیا ہوُا طالبعلم تھا مجھے ناگوار گذرا۔ قادیان کی درس گاہوں کے آداب سے پوری طرح واقف نہ تھا اِس لئے احتجاجًا کلاس سے اُٹھ کر باہر آ گیا اور پروفیسر صاحب کے روکنے کے باوجود نہ رُکا۔ پروفیسر صاحب نے پرنسپل (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب) کے پاس میری شکایت کی۔ حضور کو میرے جواب سے تسلّی نہ ہوئی اور سزا سُنائی کہ پانچ روپے جُرمانہ یا پانچ چھڑیاں تمام کالج کے سامنے لگائی جائیں۔ حضور تو چند ماہ کے اندر ہی میرے وحشی قلب کو تسخیر کر چکے تھے حضور کی موجودگی میں ایک عجیب سپردگی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ ان میں سے پہلی سزا کونسی ہے جُرمانہ یا چھڑیاں۔ جو بھی پہلی سزا ہو وہی مجھے منظور ہے۔ ذرا سوچ کر فرمایا جُرمانہ اصل سزا ہے اگر نہ دینا چاہو تو چھڑیاں کھانا ہوں گی جُرمانہ فلاں دن تک جمع کروا دو۔

اُس زمانے میں ایک طالبِ علم کے لئے پانچ روپے خاصی بڑی رقم ہوتی تھی ہمارے ہوسٹل کا سارے مہینے کا خوراک کا خرچ فی کس پانچ روپے کے قریب آتا تھا۔ جُرمانہ داخل کرنے کی تاریخ سے ایک دن قبل مسجد مبارک میں نمازِ عصر کے بعد مجھے ایک طرف بُلایا اور پُوچھا "تم نے جُرمانہ ادا کر دیا ہے؟" مَیں نے عرض کیا نہیں۔ ابھی تک گھر سے منی آرڈر نہیں پہنچا ہے۔ آنکھیں نیچی کر کے شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانچ روپے کا نوٹ مجھے دیا کہ جاؤ کل جُرمانہ ضرور داخل کر دو ورنہ سارے کالج کے سامنے چھڑیاں کھانا پڑیں گی اور ذرا رعایت نہیں ہو گی۔

"مت پُوچھ کہ دل پر کیا گذری"

"وہ سراپا شفقت تھے"

مکرم ڈاکٹر
سلطان محمود شاہد صاحب

محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ کی سیرت کی کچھ باتیں لکھ کر رسالہ خالد کے لیے دوں تاکہ ہماری نوجوان نسل بھی ان کے اخلاقِ حسنہ کی ایک جھلک دیکھ لیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج کا اجراء قادیان میں ہوا۔ تو آپ اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ میرے ایک عزیز نے لاہور میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ قادیان جاکر کالج میں تعلیم حاصل کرے۔ مگر مالی مشکلات اس کی راہ میں حائل تھیں۔ میں اس وقت بی۔ ایس۔ سی پاس کر چکا تھا اور ایم۔ ایس سی کے لیے علیگڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اپنے اس عزیز کی خواہش اور اس کے والد صاحب کے کہنے پر میں اس لڑکے کو لیکر قادیان پہنچا۔ انٹرویو میں حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث بطور پرنسپل اپنے اساتذہ کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ حضور سے میری خاص جان پہچان نہ تھی مگر جب [illegible] پنے اس عزیز کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس لڑکے کی میٹرک میں فرسٹ ڈویژن ہے اور شوق رکھتا ہے کہ تعلیم الاسلام کالج میں ہی پڑھے۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضور اس کی فیس معاف کر دیں۔ حضور نے اس کی خواہش اور میری درخواست کو منظور فرمایا اور اس کی فیس معاف کر دی۔ تو یہ تھی مجھ پر حضور کی پہلی شفقت کہ ایک طالب علم کی درخواست پر دوسرے طالبعلم کی فیس معاف فرما دی۔

جب میں نے علیگڑھ سے ایم ایس سی پاس کی اور وقف کی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ پر راضی ہو) نے مجھے تعلیم الاسلام کالج میں لیکچرار مقرر فرمایا تو حضور کی شفقتوں کو قریب سے حاصل کرنے اور دیکھنے کا موقع ملا۔

قادیان سے لاہور ہجرت کرنے پر حضور نے کالج کمیٹی کا اسسٹنٹ سیکرٹری مجھے مقرر فرمایا اور کالج کے الاٹمنٹ اور ابتدائی دیگر انتظامات میں حضور نے مجھے

عاجز کو بھی ساتھ رکھا۔ اور انتہائی مشفقانہ سلوک برتتے رہے انہی دنوں میں ربوہ کی زمین خریدی گئی۔ تو حضور محترم چوہدری فضلداد صاحب مرحوم اور خاکسار کو ساتھ لیکر ایک جیپ موٹر میں سوار ہو کر جسے حضور خود ہی چلاتے رہے۔ ربوہ کی سرزمین پر پہنچے اور اُس جگہ یہاں پر ملک عمر علی صاحب مرحوم کی کوٹھی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے رُکے۔ اِدھر اُدھر گھومے اور پھر سوار ہو کر احمد نگر چلے گئے۔ وہاں رات رہے وہاں پر مقیم احمدیوں سے مل کر اور ان کے حالات معلوم کرنے کے بعد صبح واپس لاہور چلے آئے۔ اس سارے سفر کے دوران ہمارے ساتھ حضور اس طرح باتیں کرتے رہے اور پیش آتے رہے۔ گویا ہم ان کے بہت ہی قریبی عزیز ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ ہم ان کی کسی قسم کی خدمت کرتے۔ حضور ہماری ہی دلداری فرماتے رہے۔

جن دنوں تعلیم الاسلام کالج میں تھا اور ہم بھی وہیں تھے تو خاکسار جماعت احمدیہ کا مرکزی سیکرٹری تبلیغ (اصلاح وارشاد) تھا اور اس سلسلہ میں اگر کوئی جلسہ کالج ہال میں کرنا مقصود ہوتا تو حضور نہایت مہربانی سے تمام انتظامات کروانے کی اجازت دیتے۔ بلکہ میری درخواست پر بعض جلسوں کی صدارت بھی فرمائی۔ جب کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہونے لگا تو ہمارے چند اساتذہ ربوہ جانے سے معذوری ظاہر کرنے لگے۔ تو ایک مجلس میں ذکر ہوا کہ کون کون استاد ربوہ جائے گا۔ تو حضور نے ازراہ شفقت میرے بارے میں فرمایا کہ شاہد (یعنی یہ عاجز) تو ضرور ساتھ جائے گا۔

جب کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہوگیا تو حضرت اقدس کی شفقتوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا۔ طلباء کے بارے میں اگر کسی کے متعلق ذرا بھی اطلاع ملتی۔ کہ اُسے کسی قسم کی مشکل ہے تو فوراً بلا کر اس کی مدد فرماتے۔ ایک دفعہ ایک غریب طالب علم سردیوں میں ٹھٹھرتا ہوا نظر آیا تو حضور نے اُسے پاس بلایا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک قمیض پہنے ہوئے ہے۔ حضور نے فوراً اس کے لیے ایک سویٹر کا بندوبست فرمایا اور غالباً اسی اثر کے تحت حضور نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی ایک دفعہ کالج میں کچھ اُونی جرسیاں اور گلوبند بھجوائے تاکہ ضرورت مند طالب علموں میں تقسیم کردیئے جائیں۔ اگر کوئی لڑکا بیمار ہوتا تو حضور فوراً اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے اس کا علاج کرواتے۔ آپ کے زمانۂ پرنسپل کے کئی طالبعلم اب بھی ملتے ہیں تو آپ کا ذکر آتے ہی ان کی آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ حضور نے ان پر چپکے چپکے کتنی شفقتیں فرمائی تھیں اور جنہیں بیان کرنے سے منع کر دیا تھا۔

کالج کے ربوہ منتقل ہونے پر دو تین مضامین میں احمدی اساتذہ کی کمی ہوگئی تو حضور نے غیر از جماعت اساتذہ کو بھی ملازمت میں رکھ لیا اور خود ہی ان کے لیے کالج کے قریب ہی رہائش کا انتظام کروایا۔ اور ان کی قدر دانی فرماتے چنانچہ ان میں سے جو کوئی بھی ملتا ہے حضور کی نوازشوں کے واقعات درد بھرے دل سے دہراتا ہے۔

میری سب سے بڑی لڑکی جو آج کل ناصر کنڈر گارٹن ربوہ کی پرنسپل ہے جب قریباً تین یا چار سال کی تھی تو ایک روز میرے ساتھ شام کی نماز کے لیے مسجد گئی اور نماز

باجماعت کے دوران مسجد میں میرے لیے اونچی اونچی آواز میں دُعا مانگنی شروع کر دی کہ "اللہ میاں جی میرے ابی کو نیک کرو۔ اللہ میاں جی میرے ابی کو نیک کرو۔" چند روز بعد اتفاق سے میری بچی کالج میں میرے پاس آئی اور محترم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت اقدس سے اس دعا کا ذکر کیا۔ تو حضور نے فوراً ہی میری بچی کو پیار کیا۔ شاباش دی اور جیب سے نکال کر دو روپے بطور انعام دیئے۔

کالج کی سالانہ کھیلوں کے موقعہ پر کالج سٹاف کے بچوں کی بھی کھیلیں ہوتیں۔ تو حضور سب بچوں کو پیار کرتے اور انہیں انعامات سے نوازتے۔

حضور کسی کی مدد کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہوتا۔ ایک دفعہ میں اپنی بیوی اور بچوں سمیت گول بازار سے آرہا تھا اور دارالنصر جارہا تھا کہ بارش نے آلیا۔ چنانچہ ہم سب کالج کی ایک دیوار کے ساتھ کھڑے ہوگئے کہ شاید بارش سے بچ جائیں۔ اتنے میں حضرت اقدس مائیکروبس میں کہیں سے آرہے تھے۔ ہمیں دیکھا تو رُک گئے۔ ہمیں اپنی گاڑی میں بٹھایا اور ہمارے گھر چھوڑ کر پھر کالج میں اپنی کوٹھی تشریف لے گئے۔

خاکسار جب لندن سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے واپس تعلیم الاسلام کالج میں آیا۔ تو حضور کی شفقتیں مجھ پر اور بھی زیادہ ہونے لگیں۔ چنانچہ کالج میں کالج یونین کا انچارج حضور نے خاکسار کو مقرر فرمایا ایک دفعہ صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نے جو اس وقت تعلیم الاسلام کالج کے ایف۔ ایس۔ سی کے طالب علم تھے اور اردو کے نہایت اچھے مقرر تھے۔ تجویز پیش کی۔ کہ کالج یونین کے سالانہ مباحثات کے لیے انعام میں سونے اور چاندی کے تمغے دیئے جائیں۔ میں نے جب حضور کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی تو حضور نے بخوشی منظور فرمایا اور اس کے نتیجہ میں کالج کی یہ سالانہ تقریبات اتنی مقبول ہوئیں کہ کراچی، پشاور اور کوئٹہ تک کے کالجوں کے مقررین کی ٹیمیں ان سالانہ مباحثات میں شامل ہوتیں اور ان کی تعداد کم و بیش چالیس تک ہوجاتی اور یہ سالانہ مباحثات رات سات بجے سے پچھلی رات تین بجے تک جاری رہتے۔ ان مباحثات میں تقسیم انعامات کے لیے حضور اہل علم و دانش کو مدعو کرنا زیادہ پسند فرماتے۔ ایک دفعہ مرحوم صوفی غلام مصطفےٰ تبسم صاحب کو اس موقعہ کے لیے آنے پر رضامند کیا۔ اور وہ آئے تو حضور بہت خوش تھے اور فرماتے تھے کہ صوفی تبسم صاحب میرے استاد تھے۔ چنانچہ ان کا نہایت ہی خیال فرمایا کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔

ایک دفعہ کالج میں ایک پروفیسر صاحب نے ایک غلط فہمی کی بنا پر میرے خلاف ایک طالب علم کو کچھ باتیں کہیں۔ میں نے سٹاف روم میں انہیں کچھ سخت سست کہا۔ اس پر انہوں نے حضرت اقدس (پرنسپل) کے پاس میری شکایت کی۔ وہ صاحب ابھی پرنسپل کے کمرے میں ہی تھے کہ میں بھی وہاں کسی کام سے پہنچ گیا۔ تو مجھے دیکھ کر حضور نے فرمایا۔ "شاہد صاحب یہ ایسے ہی آپ کی شکایت کر رہے ہیں بھلا آپ ان کو سخت سست کیوں کہیں گے۔" میں کچھ شرمندہ سا ہوا حضور کا اندازِ نصیحت بھی نہایت پیار بھرا

ہوا کرتا تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ حضور نے اپنے زمانۂ پرنسپل کے دوران کسی استاد کو کوئی سخت کلمہ کہا ہو۔ یا کسی کے خلاف کوئی Disciplinary Action لینے کا موقعہ آیا ہو تو حضور نے مشفقانہ انداز میں سمجھا نہ دیا ہو۔

حضور وجیہہ تھے۔ آواز میں رُعب۔ دبدبہ اور تمکنت تھی مگر دل نہایت نرم تھا اور کسی کی تکلیف برداشت نہ کرتے تھے بلکہ کوشش فرماتے کہ جلد اس کی تکلیف دور ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ کالج کے مروجہ نظم وضبط کے خلاف ایک لڑکے سے کوئی غلطی سرزد ہوئی۔ جس کی بنا پر اُس کے والد کی طرف سے اسے بید مارنے کی سزا تجویز ہوئی جو پرنسپل صاحب (حضرت اقدس) نے مارنے تھے۔ چنانچہ کیمسٹری تھیٹر میں تمام طلباء۔ سٹاف اور اس لڑکے کا والد بھی جمع ہوئے۔ حضرت اقدس نے اُسے چھ بید مارنے تھے۔ مگر جب حضور نے تین ہی بید مارے تھے۔ تو دل بھر آیا اور مزید سزا سے ہاتھ روک لیا اور معاف کر دیا۔

کالج کی تقریبات چھوٹی ہوں یا بڑی حضور ضرور تشریف لاتے اور مہمانوں سے ملتے۔ بلکہ تقریبات کے بعد اکثر مہمانوں کو گیسٹ ہاؤس یا اپنی کوٹھی میں بلا کر گھنٹوں ان سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات فرماتے۔

کالج کے طلباء میں امیر وغریب کا تفاوت دور کرنے کے لیے حضور نے سب طلباء کے لیے چھوٹا سیاہ گاؤن بطور یونیفارم لازم قرار دیا۔ جو کہ اہل علم کا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے۔ ایک دفعہ پروفیسر مکرم حمید احمد خاں صاحب جو اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ تعلیم الاسلام کالج میں جلسہ تقسیم اسناد (کنووکیشن) کے لیے تشریف لائے۔ تو تمام طلبا کو سیاہ گاؤن پہنے دیکھ کر بہت متأثر ہوئے اور واپس پہنچ کر پنجاب یونیورسٹی کے پوسٹ گریجوئیٹ طلباء کے لیے بھی سیاہ گاؤن پہننا لازمی قرار دیا۔

کالج کی تمام سوسائٹیوں کو فراخدلی سے رقم مہیا کرتے تاکہ وہ مشاہیر کو بلا کر ان کے لیکچر کروائیں اور پھر بعض سوسائٹیوں کو پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے لیے بھجواتے۔ تاکہ طلباء میں وسیع النظری پیدا ہو۔ آپ کی دعوت پر پنجاب یونیورسٹی۔ کراچی یونیورسٹی اور زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے اکثر وائس چانسلر تعلیم الاسلام کالج میں تشریف لائے طلباء سے خطاب کیا اور حضور کی راہ نمائی میں کالج کی علمی وادبی کاوشوں اور ترقی کو دیکھ کر بہت اچھا اثر لے کر واپس لوٹے۔

کھیلوں میں حضور کشتی رانی اور باسکٹ بال کی کھیلوں پر خصوصی توجہ دیتے۔ ان ٹیموں کے کھلاڑیوں کو حضور خاص طور پر سویابین کا حلوہ کھلاتے اور بورڈ اور یونیورسٹی کے میچوں کے قریب آنے پر انہیں باقاعدگی سے دودھ پلاتے جس کی وجہ سے ان ہر دو کھیلوں میں کالج نے بہت شہرت حاصل کی۔

کالج سٹاف کے ساتھ بھی مختلف کھیلوں میں حصہ لیتے۔ مثلاً ٹیبل ٹینس۔ بیڈمنٹن۔ والی بال اور ٹینس کی کھیل میں حضور کئی دفعہ شامل ہوئے۔ بلکہ اپنی ٹیم کے کپتان ہوتے اور کھیل کے دوران پیار بھرا مزاح بھی

پیدا کرتے رہتے۔ کلائی پکڑنے کا تو کھلا چیلنج دے رکھا تھا کہ پروفیسروں یا طلباء میں سے کوئی بھی کلائی پکڑنے کا مقابلہ کرلے اور جب بھی کسی نے حوصلہ کر کے کلائی پکڑنے کا مقابلہ کیا تو اسے ہارنا ہی پڑا۔

دریا پر جب بھی کوئی پکنک پارٹی پروفیسروں یا طلباء کی طرف سے ترتیب دی جاتی تو حضور ضرور تشریف لے جاتے اور ان محفلوں کو باوقار انداز میں لالہ زار بنائے رکھتے۔

سٹاف پر حضور کی شفقت کا یہ واقعہ بھی قابلِ ستائش ہے کہ ایک دفعہ کالج کے امتحانات کے رجسٹرار محترم پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ناصر مرحوم نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ ایک پروفیسر صاحب اپنے پرچہ کا نتیجہ نہیں دے رہے جس کی وجہ سے یونیورسٹی میں طلباء کے داخلے بھجوانے کا کام رکا ہوا ہے اور دن بھی تین چار دن باقی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ابھی سٹاف میٹنگ بلائیں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی سٹاف میٹنگ بلائی اور جب پروفیسر صاحبان جمع ہوگئے تو حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ تمام پروفیسر صاحبان آج ہی اپنے مضمون کے امتحان کے نتیجہ کی لسٹ محترم پروفیسر ناصر صاحب (مرحوم) کو دے کر جائیں اور اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہو۔ یہ فرما کر حضور واپس چلے گئے۔ چنانچہ وہ پروفیسر صاحب جنہوں نے ابھی لسٹ نہیں دی تھی۔ فوراً نتیجہ کی لسٹ تیار کرنے لگے اور اس وقت تک سٹاف روم سے نہیں ہلے۔ جب تک کام مکمل نہ کر لیا ـــــ تو حضور کسی کا نام لیے بغیر اس رنگ میں سرزنش فرماتے کہ وہ سرزنش بھی نہ معلوم ہوتی اور کام بھی فوراً ہو جاتا۔

حضور کی شفقتوں اور پیار کے واقعات تو اتنے ہیں کہ کئی محفلوں میں بیان کرتے رہیں تو ختم نہ ہوں۔ اور بار بار کرتے رہیں تو طبیعت میں ذرا بھی اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذاتِ باری اس دور کی اس پیاری ہستی کو اپنے قرب میں اپنے آقاؤں کے ساتھ ہی جگہ عطا فرمائے۔ آمین

چند یادیں

چند باتیں

محترمہ قانتہ صادقہ صاحبہ
ڈنمارک

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے ملاقات کی سعادت مجھے مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن کی افتتاحی تقریب کے موقع پر حاصل ہوئی۔ اگرچہ میں دلی طور پر اسلام تو پہلے ہی قبول کر چکی تھی، لیکن اس موقع پر اس خاص نیت سے وہاں پہنچی کہ میں اپنے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کروں۔ مجھے اس وقت احمدیت کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ حضور اس وقت تشریف فرما نہ تھے اور مجھے کچھ دیر انتظار کیلئے کہا گیا۔ جب حضور تشریف لے آئے تو فوراً ہی مجھے ملاقات کیلئے بلا لیا گیا۔ جس کمرہ میں حضور ملاقات فرما رہے تھے وہاں کچھ اور حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے قبل حضور کی زیارت نہیں کی تھی۔ مجھے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ آپ ایک عظیم رہنما ہیں۔ اول تو اس لیے کہ آپ کو دیکھ کر پہلا تاثر یہ ہوتا تھا کہ آپ ایک بہت بڑے دانا انسان ہیں اور ایک نہایت ارفع مقام پر فائز ہیں جس کی توجیہہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے کچھ گھبراہٹ بھی ہوئی کیونکہ اس مجلس میں صرف مرد ہی حاضر تھے اگر کچھ خواتین بھی حاضر ہوتیں تو مجھے یقیناً گھبراہٹ محسوس نہ ہوتی۔ حضور نے مجھ سے اسلام کے بارے میں چند سوالات دریافت فرمائے۔ حضور نے یہ بھی دریافت فرمایا "کہ کیا میں صرف مسلمان ہونا چاہتی ہوں یا احمدی مسلمان؟" مجھے اس فرق کا علم نہ تھا اس لیے میں حضور کے اس سوال کا مفہوم نہ سمجھ سکی۔ اس پر آپ نے قدرے مختلف الفاظ میں یہ سوال دہرایا۔ اس پر میں نے وضاحت سے عرض کیا کہ میں احمدی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔

حضور نے میری اس گذارش کو قبول فرمایا۔ احمدی مشنری سیف الاسلام ایرک سن نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ حضور میرا اسلامی نام بھی تجویز فرمائیں حضور نے ایک سیکنڈ کے توقف کے بعد فرمایا کہ "آپ کا نام "فاتنہ" ہے" مجھے حضور کی اس شفقت پر اتنی خوشی ہوئی کہ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ پھر حضور نے فرمایا کہ "جب بھی کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو تو حضور کی خدمت میں ضرور لکھوں۔ حضور نے اس درد سے یہ بات کہی کہ میرا دل اس یقین سے بھر گیا کہ اگر کبھی مجھے کوئی مالی پریشانی بھی لاحق ہوئی تو حضور ایک شفیق باپ کی طرح ضرور میری پریشانی دور فرمائیں گے۔ اپنے رُوحانی باپ سے میری یہ ملاقات جو ابھی چند لمحے پرانی تھی۔ اس کے دوران اتنی محبّت اور شفقت دیکھ کر میرے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ یہ ایک رُوحانی تجربہ تھا جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ نتیجۃً میرے دل میں بھی عقیدت کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ تاہم طبعی حجاب کی وجہ سے میں ایک سال تک حضور کی خدمت میں کوئی خط نہ لکھ سکی۔

اس کے بعد مجھے حضور سے یورپ اور ربوہ میں کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اب مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ جماعتِ احمدیّہ بے شمار افراد پر مشتمل ہے لیکن باوجود اس کے مجھے یہ بھی فخر رہا کہ حضور مجھے ذاتی طور پر جانتے تھے اور میں آپ کی شفقت کی مورد رہی۔

جب میں ربوہ میں پہلی بار گئی اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور نے بڑے پیار سے پوچھا کہ "آپ کا پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے"؟ میرے لیے اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل تھا۔ میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت آرام و آسائش سے گزری ہے اور جب میں پاکستان پہنچی اور یہاں کی غربت اور افلاس کو دیکھا تو یہ میرے لیے ایک ناقابلِ برداشت تجربہ تھا۔ میں رات بھر روتی رہی تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سو سکی تھی اور میں اپنی امی جان کو سویڈن خط بھی لکھ چکی تھی کہ پاکستان میں اس غربت اور افلاس کو دیکھکر میں ساری زندگی کبھی سُکھ کا سانس نہ لے سکوں گی۔ میں نے اس خط کے مضمون میں تھوڑی سی ترمیم کر کے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک بہت گہرا معاشرتی تضاد دیکھا ہے اور محسوس کیا ہے کہ لوگ بہت غریب ہیں۔ اس پر حضور کا چہرۂ مبارک غصّہ سے سرخ ہو گیا اور حضور نے گرجدار آواز میں فرمایا۔ "اس کے ذمہ دار تم ہو۔ تم یورپین لوگ۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔" میں کانپ اُٹھی اور ایک طویل سنّاٹا چھا گیا۔ میں رو پڑی اور میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ چونکہ حضور خاموش ہو گئے تھے اور مزید کچھ نہ فرمایا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کی۔ حضور مجھے ارشاد فرمائیں کہ میں ذاتی طور پر ان حالات کی بہتری کیلئے کیا خدمت کر سکتی ہوں؟ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے یہ الفاظ سنکر حضور کا غصّہ نرم پڑ گیا ہے اور آپ نے نہایت نرم اور مشفقانہ لہجہ میں فرمایا "کہ ذاتی طور پر تو آپ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کر سکتیں"، اور فرمایا کہ "میری خواہش ہے کہ آپ جو

یہ غربت و افلاس دیکھ چکی ہیں یا مزید دیکھیں گی، اس کی وجوہات پر غور کریں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کریں"۔
اس سے قبل بھی میں غور و خوض کرنے کی عادی تھی۔ لیکن اس واقعہ کے بعد مَیں نے اس کو اپنی عادتِ ثانیہ بنا لیا۔ عقیدہ کی تبدیلی کوئی آسان کام نہیں۔ اپنی تہذیب و تمدن کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اپنے قریب ترین عزیزوں اور دوستوں کی تضحیک کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات تو اپنے خاندان اور دوستوں، دونوں سے ہی جُدا ہونا پڑتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ ایک یورپین اور ایک نومسلم کی حیثیت سے پاکستانی معاشرہ میں آسانی سے مدغم بھی نہیں ہوا جا سکتا۔ اور اخلاص و محبت اور ہمدردی کا جو عمومی تعلق جماعت کے افراد میں پایا جاتا ہے۔ اس ذاتی خلا کو مکمل طور پر پُر نہیں کر سکتا جو عزیزوں اور رشتہ داروں کی جُدائی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔
ایک اور ملاقات کے موقع پر مَیں نے حضور کی خدمت میں اپنے ان جذبات کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے مَیں دو ملکوں کے درمیان سرحد پر کھڑی ہوں اور دونوں ملک میرے لیے اجنبی ہیں۔ میں نے بتایا کہ مجھے شدت سے تنہائی کا احساس ہوتا ہے اور مَیں اپنے آپ کو بے گھر اور بے وطن محسوس کرتی ہوں۔ حسبِ عادت حضور نے بڑی شفقت سے میری طرف دیکھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ میرے خیالات پڑھ رہے ہوں۔ پھر مسکرائے اور فرمایا "کہ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس آپ چونکہ قانتہ ہیں۔ آپ ساری دنیا کی ہیں اور ساری دنیا آپ کی ہے"۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے حضور نے مجھے ایک نہایت بیش قیمت تحفہ عطا فرمایا ہو۔ اب بھی جب میں اُداس ہوتی ہوں تو حضور کے الفاظ یاد آ جاتے ہیں اور حضور کا مُسکراتا ہوا شگفتہ چہرہ سامنے آ جاتا ہے حضور کی اس نصیحت کو سرمایۂ حیات بناتے ہوئے مَیں نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ مَیں بنی نوع انسان کی ہر رنگ میں خدمت کر سکوں۔ اور کافی سالوں کے بعد جب ایک غیر مسلم خاتون نے مجھے یہ کہا کہ تم انسانوں کی اس طرح خدمت کرتی ہو جیسے ایک ماں۔ تو مَیں نے محسوس کیا کہ اگر مَیں واقعی ایسا کر سکوں تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا اور حضور بھی مسرور ہونگے۔
ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر انتظامات کے سلسلہ میں ایک دقّت پیدا ہوئی۔ جس سے مجھے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا اور حضور نے بڑی شفقت سے میری دلداری فرمائی۔ اور اگلے جلسہ پر جب مَیں حاضر ہوئی تو مجھے خواتین کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔ پھر مجھے اچانک اطلاع ملی کہ کوئی صاحب مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مَیں جلدی جلدی برقعہ پہن کر باہر آئی تو دیکھا کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک طفل سائیکل لیے کھڑے ہیں اور بتایا کہ وہ حضور کے ارشاد کے مطابق آئے ہیں اور حضور نے میری خیریت دریافت فرمائی ہے۔ جلسہ کی انتہائی مصروفیات کے باوجود اور بعد میں بھی جب تک میں ربوہ میں مقیم رہی وہ ہر روز آتے رہے بلکہ ایک دن تو وہ دو مرتبہ آئے

اور مجھ سے حضور کے ارشاد کے مطابق چینی طریقہ علاج کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ کیونکہ حضور کو بھی میری اس دلچسپی کا علم تھا۔ میں حضور کی اس شفقت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ حضور ایک آئینہ ہیں جس میں سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر دیکھ رہی ہوں۔ حضور کا یہ سلوک آج بھی میرے زخمی دل کیلئے مرہم کا کام دیتا ہے۔

اب مجھے یقین آچلا ہے کہ بنی نوع انسان کے دل جیتنے کا یہی ایک حقیقی طریقہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے اور ان کو اسلام میں داخل کرنے کا ایک حسین گُر یہ ہے کہ انسانوں کے مسائل میں بحیثیت انسان دلی دلچسپی لی جائے ان کو توجہ دی جائے اور ان کی بہبود اور خوشی کے لیے شدت سے احساس کیا جائے۔ حضور کے انہی احسانات نے میرے اندر یہ شدید جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ میں بھی انہی کے نقش قدم پر چلوں۔

میری عادت نہیں تھی کہ میں چھوٹی چھوٹی باتیں اور شکایات حضور کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کروں۔ میں سمجھتی تھی کہ ایسی چھوٹی باتیں وقتی حیثیت کی حامل ہیں اور وقت گزرنے پر خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک دن میں نے جرأت کر کے حضور سے اس سلسلہ میں دریافت کیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ " اپنی مشکلات مجھے ضرور بتائیں اگر نہیں بتائیں گے تو مجھے کیسے علم ہو گا کہ جماعت کو کونسی پریشانیاں لاحق ہیں۔ آپ لوگ بھی میرے کان اور آنکھیں ہیں۔ اپنے دکھ مجھے ضرور بتائیں"۔ میں خدا کا شکر کرتی ہوں کہ حضور میری اس گذارش کو سُن کر خفا نہیں ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ سوال پوچھنے کے بعد مجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ چنانچہ کسی معاملے کے حُسن و قبح کو جانچنے کے بعد، اگر میں نے اس کو حضور کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھا ہے تو میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ حضور میری نیت کو سمجھتے ہیں اور جو کچھ میں عرض کر رہی ہوں اسے حضور نے قبول فرمایا ہے۔ یہ اگرچہ ایک عزت افزائی بھی تھی لیکن ایک اہم ذمہ داری بھی تھی میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور حضور کو بھی میرے اس عقیدے کا بخوبی علم تھا۔

حضور کی وفات میرے لیے ایک ذاتی نقصان ہے مجھے اس سے شدید دُکھ ہوا میں نے حضور کے لیے خدا تعالیٰ سے دُعا کی۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے حضور کے نورانی چہرے کو خواب میں دیکھا۔ میں خوابوں کی تعبیر تو نہیں کر سکتی صرف انہیں بیان کر سکتی ہوں یا اس تاثر کا اظہار کر سکتی ہوں جو مجھ پر ہوا۔ اس خواب میں، میں نے حضور کو یورپ کے کسی مقام پر دیکھا۔ حضور نے مجھے ایک طرح کی مشیر یا سیکرٹری مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً کھانا کس قسم کا کھایا جائے، فن تعمیر یا عام لوگوں کے احساسات وغیرہ امور کے بارے میں۔ میں نے حضور کو خواب میں بہت خوش دیکھا۔ حضور نے بعض امور کے بارے میں میری رائے بھی دریافت فرمائی۔ میں خواب میں خاموش ہوں اور یہ خیال کرتی ہوں کہ میرے معمولی جوابات کی حضور کے سامنے

کیا حیثیت ہوگی ۔

یہ خواب میرے لیے ایک سیر بین کی حیثیت رکھتا ہے ۔ صبح جب میں بیدار ہوئی تو میرا غالب تاثر یہ تھا کہ حضور خواب میں بہت خوش اور مسرور نظر آئے ۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے جس طرح حضور کو خواب میں خوش دیکھا ہے حضور عقبیٰ میں بھی خوش اور مسرور ہونگے ۔

میں سمجھتی ہوں کہ حضور لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتے تھے اور مجھے کبھی بھی یہ اندیشہ نہیں ہوا کہ اگر کوئی فرد میرے خلاف بے بنیاد اطلاع پہنچا بھی دے تو حضور میرے متعلق اپنی رائے بدل لیں گے ۔ حضور مجھے بخوبی جانتے تھے ۔ حضور انسانی نفسیات کے بھی ماہر تھے اور دوسروں کے جذبات کو خوب سمجھتے تھے حضور لوگوں کے دلوں کو جتنا جانتے تھے ۔ حضور انتہائی شفیق تھے اور بڑے ہی رحم دل اور عادل تھے ۔ یہ میرے ایک پندرہ سال سے احمدی خاتون ، افانہ صادقہ کے حضور کے متعلق دلی جذبات ہیں ۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے

حالاتِ زندگی

مرتبہ: مکرم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

اس سوانح کی تیاری میں مکرم سیف اللہ صاحب مربی سلسلہ، مکرم سلطان احمد مبشر صاحب، مکرم عمران صاحب نے بہت تعاون کیا ہے۔ خاکسار ان سب دوستوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء .... مرتب

ولادت باسعادت

۱۶ر نومبر ۱۹۰۹ء

آپؒ کی پیدائش کی خبر اخبار الحکم قادیان نے مورخہ ۱۸ر نومبر ۱۹۰۹ء کو اس طرح دی:

ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صاحبزادہ والاتبار مرزا محمود احمد کے مشکوئے معلّٰی میں ۱۵ر نومبر کی رات جس کی صبح ۱۶ر نومبر ہے، بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مولودِ مسعود کو اپنے مقدس جدِّ امجد کے کمالات و اخلاق کا پورے طور پر وارث بنائے اور مفصلہ ذیل الہامات کا مصداق ہو:

- ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء بوقت شام

انّا نبشرك بغلامٍ حليم

ہم تجھے ایک حلم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔

- ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

انّا نبشرك بغلامٍ حليمٍ ينزل منزل المبارك

۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

ساھب لك غلامًا ذكيا رب ھب لی ذرية طيبة انّا نبشرك بغلامٍ اسمه يحيٰ ۔

حفظِ قرآن

۷ر اپریل ۱۹۲۲ء کو جبکہ آپ کی عمر ۱۳ سال کی تھی آپ نے حفظِ قرآن مکمل کر لیا۔

اہالیانِ قادیان کی طرف سے حضرت حافظ روشن علی صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ آپ کی حفظِ قرآن کی تاریخ حافظ قرآن تھی۔
۱۳۴۰ھ

تعلیم

جولائی ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی کا امتحان "مولوی فاضل" پاس کیا اور پنجاب بھر میں تیسرے نمبر پر رہے۔
۱۹۳۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

نکاح

دو جولائی ۱۹۳۴ء کو الٰہی تحریک اور حضرت سیدہ اماں جان اور سیدنا حضرت مصلح موعود کی خواہش اور دُعاؤں سے آپ کا نکاح حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا بنت حضرت نواب محمد علی خانصاحب و حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے ہوا۔ حضرت مصلح موعود نے اس مبارک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ نے بتایا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہ جب میری اُمت پر وہ وقت آئیگا کہ اسلام مٹ جائیگا۔ دجال کا فتنہ غالب آجائیگا جب ایمان مفقود ہو جائیگا۔ جب رات کو انسان مومن ہوگا اور صبح کافر۔ صبح مومن ہوگا تو شام کو کافر۔ اس وقت آپ فرماتے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ سلمان فارسی کی اولاد میں سے کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جو پھر ایمان کو دُنیا میں قائم کریں گے۔ میں آج اس امانت اور ذمہ داری کو ادا کرتا ہوں اور آج ان تمام افراد کو جو رجل فارس کی اولاد میں سے ہیں رسول اللہؐ کا پیغام پہنچاتا ہوں ــــ رسول کریمؐ نے اُمتِ محمدیہ کی تباہی کے وقت امید ظاہر کی ہے کہ ابنائے فارس دُنیا کی لالچوں، حرصوں اور ترقیات کو چھوڑ کر صرف ایک کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینگے اور وہ کام یہ ہے کہ اسلام کا جھنڈا دُنیا میں بلند کیا جائے۔"

(الفضل - جولائی ۱۹۳۴ء)

رُخصتانہ

* چھ اگست ۱۹۳۴ء کو آپ کی تقریب رُخصتانہ ہوئی اور برات ۱۲ بجے دوپہر کی گاڑی سے مالیر کوٹلہ سے واپس آئی۔ اہالیانِ قادیان نے بہت گرمجوشی کے ساتھ حضور رحمہ اللہ اور حضرت بیگم صاحبہ کا استقبال کیا۔ ریلوے اسٹیشن سے مسجد مبارک تک دورویہ رنگ دار جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ کئی جگہ پر اعزازی دروازے نصب تھے اور مختلف مقامات پر موزوں اشعار اور دُعائیہ کلمات کے قطعات آویزاں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں کے مجمع کے ساتھ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے (جو کچھ دیر قبل قادیان واپس تشریف لے آئے تھے) حضورؒ اور حضرت بیگم صاحبہ کا استقبال کیا۔ آپ کو مبارکبادی اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اس کے بعد برات ایک جلوس کی صورت میں دار المسیح تک گئی اور جب برات احمدیہ چوک پر پہنچی، تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسجد مبارک میں کھڑے ہوکر دُعا کی۔

۸ر اگست ۱۹۳۴ء کو قادیان میں حضرت مصلح موعود نے آپ کی دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں قادیان اور ارد گرد کے احباب جماعت اور معززین نے شرکت کی۔

روانگی انگلستان

۶ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو حضرت مصلح موعود کے حکم پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے اور اپنے ہمراہ اپنے عظیم باپ کی اس نصیحت کو لیکر گئے۔

"مَیں تم کو انگلستان بھجوا رہا ہوں اس غرض سے جس غرض سے رسول کریمؐ اپنے صحابہ کو فتح مکّہ سے پہلے مکّہ بھجوایا کرتے تھے، مَیں اس لیے بھجوا رہا ہوں کہ تم مغرب کے نقطۂ نگاہ کو سمجھو۔ تم اس زہر کی گہرائی کو معلوم کرو جو انسان کے رُوحانی جسم کو ہلاک کر رہا ہے۔ تم ان ہتھیاروں سے واقف اور آگاہ ہو جاؤ جنکو دجّال اسلام کے خلاف استعمال کر رہا ہے ۔۔ غرض تمہارا کام یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کے لیے اور دجّالی فتنہ کی پامالی کے لیے سامان جمع کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ وہاں سے تم کچھ حاصل کر سکتے ہو۔ وہاں کی ہر چیز آسانی سے یہاں مل سکتی ہے۔ تم کو مَیں اس لیے وہاں بھجوا رہا ہوں کہ تم وہاں کے لوگوں کو کچھ سکھاؤ۔ اگر تم کوئی اچھی بات ان میں دیکھو تو وہ تم کو مرعوب نہ کرے کیونکہ اگر وہ مسلمانوں میں موجود نہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ اسلام میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسے بھلا دیا ہے"

حضور کی بقیہ نصیحت کے عنوان درج ذیل تھے :

(۲) شیطانی حیلہ سے بچنے کا طریقہ

(۳) تہجد پڑھنے کی تاکید

(۴) تلاوتِ قرآنِ کریم

(۵) دُعا کرتے رہو

(۶) عشقِ الٰہی پیدا کرو

(۷) لوالہوس نہ ہو

(۸) بدنامی کے مواقع سے بچو

(۹) غذا میں پرہیز

(۱۰) خدمتِ دین کیلئے تیاری کے متعلق ضروری ہدایات

(۱۱) تبلیغ کے متعلق ہدایت

(۱۲) اچھے دوست پیدا کرو

(۱۳) مسجد کی آمد و رفت کو جہاں تک ہو سکے بڑھاؤ

(۱۴) امام مسجد احمدیہ لنڈن کی اطاعت

(۱۵) مومن بزدل نہیں ہوتا

(۱۶) صحیح بات قبول کرو اور غلط رَدّ کر دو۔

(۱۷) سب عزّت احمدیّت میں ہے۔

آخر میں سب نصیحتوں کا خلاصہ حضور کے الفاظ میں یہ تھا :

● خدا کے ہو، خدا کے سوا ہم سب فانی ہیں اور وہی زندہ اور حاصل کرنے کے قابل ہے۔ اس کا چہرہ دُنیا کو دکھانے کی کوشش کرو۔ اپنی زندگی کو اسی کے لیے کر دو۔ ہر سانس اسی کے لیے ہو۔ وہی مقصود ہو وہی مطلوب ہو، وہی محبوب ہو جبتک اس کا نام دُنیا میں روشن نہ ہو، جبتک اس کی حکومت دُنیا میں قائم نہ ہو، تم کو آرام نہ آئے، تم چین سے نہ بیٹھو"

'قادیان کے ریلوے اسٹیشن پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور ہزاروں احباب جماعت نے آپؒ کو الوداع کہا۔ حضور نے ایک لمبی پُرسوز دُعا کروائی اور اس کے بعد حضرت صاحبؒ کو معانقہ فرما کر رخصت کیا۔

اس موقع پر آپؒ کو الوداع کہتے ہوئے حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ نے جو نظم لکھی، اس کے چند اشعار پیش ہیں :

جاتے ہو میری جان خدا حافظ و ناصر
اللہ نگہبان خدا حافظ و ناصر
والی بنو امصارِ علوم دو جہاں کے
اے یوسفِ کنعان خدا حافظ و ناصر
محبوبِ حقیقی کی امانت سے خبردار
اے حافظِ قرآن خدا حافظ و ناصر

آپ ۱۹۳۴ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک انگلستان میں قیام پذیر رہے۔

تعلیم کے دوران بھی آپ کا ہر لمحہ خدمتِ اسلام کے جذبے سے سرشار گزرا۔ تعلیمی تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام میں کوشاں رہے؛ چنانچہ اس غرض سے "الاسلام" کے نام سے ایک رسالہ بھی وہاں سے جاری فرمایا۔

اس دوران مغربی جرمنی جاکر جرمنی زبان اور مصر میں قیام فرماکر عربی زبان سیکھی۔

پرنسپل جامعہ احمدیہ

جون ۱۹۳۹ء تا اپریل ۱۹۴۴ء آپ جامعہ احمدیہ قادیان کے پرنسپل رہے اور اس دوران کچھ عرصہ کے لیے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔

بانی پرنسپل تعلیم الاسلام کالج

مئی ۱۹۴۴ء میں تعلیم الاسلام کالج کی بنیاد رکھی گئی اور آپ اسکے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۲۱ سال تک اس پودے کی جسے سیدنا حضرت مصلح موعود نے لگایا، پورے صدق و وفا، اخلاص و محبت محنت اور لگن سے آبیاری کرتے رہے۔ علم کے میدان میں تعلیم الاسلام کالج کو آگے ہی نہیں چوٹی کے کالجوں میں لے گئے اور ایک ایسا چشمہ جاری کر دیا جس سے اپنے اور بیگانے سبھی سیراب ہوتے رہے اور بلا تمیز رنگ و نسل، مذہب و ملت اور بلا تفریق امیر و غریب اس درسگاہ سے استفادہ کر کے قوم اور ملک کے افق پر ستاروں کی طرح چمکے۔ حالات کے تھپیڑے اور حوادث کے ادوار کئی بار اس درس گاہ کو اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اپنے عظیم الشان باپ کی سرپرستی میں آپ نے اس درسگاہ کو اتنی خوبصورتی سے چلایا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی یہ کہہ اٹھے۔

خراجِ تحسین

محکمہ تعلیم کے صوبائی سیکرٹری مکرم پروفیسر سراج الدین صاحب جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کے لیے تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے صدارتی ارشادات میں تعلیم الاسلام کالج اور اس کے منتظمین کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا اس کا مختصر سا خاکہ یہ ہے۔

آپ نے فرمایا:

"خالصتہً ذاتی عزم و کوشش کے نتیجہ میں ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج جیسی درس گاہ کو قائم کر دکھانا اور پھر اسے پروان چڑھا کر اس کے موجودہ معیار پر لانا ایک عظیم کارنامہ ہے تعلیم الاسلام کالج کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی راہنمائی حاصل ہے، جو ایمان و یقین، خلوص و فدائیت، اور بلند کرداری کے اعلیٰ اوصاف سے مالامال ہے۔ آج ہم کو ایسے ہی باہمت، بلند حوصلہ اور اہل انسانوں کی ضرورت ہے۔ ہرچند مجھے پہلی بار تعلیم الاسلام کالج کی حدود میں قدم رکھنے کی اتفاق ہوا ہے؛ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جو اس صوبے میں تعلیم سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں محبت

کا ایک خاص مقام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں والد اور فرزند۔ کی محنت اور محبت و شفقت کا ثمرہ ہے میری مُراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور ان کے لائق و فائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی روح اور ایک ایسے جذبہ و جوش کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ جو دوسرے ممالک میں بھی شاذ ہی نظر آتا ہے۔ جب مَیں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں، تو مجھے انگلستان اور امریکہ میں علم کی ترویج اور اس کے فروغ کے متعلق انسانوں کے وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے، جنھوں نے خدا کی تقدیس اور بنی نوع انسان کی خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمبرج اور ہارورڈ میں کالج قائم کیے خالصتہً ذاتی عزم و ہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایسی درس گاہ کا قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے اور پھر اس کی آبیاری کرنا اور پروان چڑھا کر اسے حسن و خوبی اور مضبوطی و استحکام سے مالا مال کر دکھانا اور بھی زیادہ قابلِ ستائش ہے۔ ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لیے وقف ہوں استعجاب اور رشک کے جذبات کا اُبھرنا ایک قدرتی امر ہے۔

آپ کے امامِ جماعت کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے۔ آپ کے پرنسپل صاحب اور ممبران سٹاف ایسے ماہرین تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں۔

مرزا ناصر احمد جنھیں اپنے شاگردوں میں شمار کرنا میرے لیے باعثِ عزت ہے۔ برّصغیر ہند و پاکستان کے نامور فاضل اور ماہرِ تعلیم ہیں۔ یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اُسے ایک ایسے پرنسپل کی راہ نمائی حاصل ہے۔ جو اپنی زندگی میں آج کے دن تک بڑی مستقل مزاجی کیساتھ مقررہ نصب العین کے حصول میں کوشاں چلے آ رہے ہیں۔ اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ ان کے لیے کبھی سدّ راہ ثابت نہیں ہو سکے۔ ان سے کم اہلیت اور کم عزم و حوصلہ کا انسان ہوتا تو زمانے کے اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے جو ایمان و یقین، فدائیت اور بلند کرداری کے اوصاف سے متصف ہوں۔

مرزا ناصر احمد سے تعارف اور اُن کی دوستی کے شرف سے مشرّف ہونا عزم و ہمت کے از سر نو بحال ہونے کے علاوہ خود اپنے آپ کو اس مستقبل کے بارے میں جو زمانہ کے پریشان کن بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہے۔ ایک پختہ اور غیر متزلزل اتحاد سے بہرہ ور کرنے کے مترادف ہے۔"

یہ ایک ایسے عظیم القدر ماہرِ تعلیم کے تاثرات ہیں۔ جس نے اپنی تمام زندگی تعلیمی خدمت میں بسر کی ہے۔ یہ اُن کے عظیم تجربہ کی بنا پر کہے ہوتے الفاظ ہیں۔ جو حقائق حاضرہ کے صحیح ترجمان ہیں تعلیم الاسلام کالج جب تک قائم رہے گا، ہمارے جلیل القدر پرنسپل کی خدمات کا اعتراف ہوتا رہے گا۔

(المنار)

آپؒ کے زمانہ میں جہاں تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے علمی میدان میں حیرت انگیز ترقی کی وہاں کھیلوں، مباحثوں کے میدان میں بھی نمایاں کامیابیاں سرانجام دیں۔ آپؒ کے دور میں کالج نے ترقی کے جن نمایاں میدانوں میں قدم بڑھایا، وہ یہ ہیں:

(۱) تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت کی تکمیل ہوئی۔

(۲) کالج میں ایم ایس سی فزکس اور ایم اے عربی کا اجرا ہوا۔

(۳) آل پاکستان ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا اجرا ہوا۔

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

خدام الاحمدیہ کی تنظیم کو قائم ہوتے ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ حضرت مصلح موعود نے آپ کو صدر مجلس خدام الاحمدیہ نامزد کیا۔ اور ۱۹۴۹ء تک آپ نے بحیثیت صدر اور ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۴ء بحیثیت نائب صدر (جبکہ خود حضرت مصلح موعود خود خدام الاحمدیہ کے صدر رہے) کام کیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ کے تنظیمی ڈھانچہ کے بانی آپ ہی تھے۔ خدام الاحمدیہ کا دستور، بجٹ اور پہلا اجتماع آپ کے ہی وقت میں شروع ہوا اور اس پیغام کو کہ قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ نشانِ منزل بناتے ہوئے اس تنظیم کو اس بلندی تک لے گئے کہ نوجوانوں نے قربانی کے ہر دور میں قربانیوں کی ایک عظیم الشان داستان رقم کر دی اور خلافت سے وابستگی کا ایک بہترین نمونہ قائم کیا۔

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ انتہائی خوفناک سیلاب آیا اور ہزاروں لوگ اپنے گھروں سے بے گھر ہوئے سینکڑوں گھر مسمار ہو گئے۔ ایسے وقت میں آپ نے خدام الاحمدیہ کی خدمات حکومت کو پیش کر دیں۔ حکومت نے انتہائی شکر گذاری کے ساتھ اسے منظور کرتے ہوئے ہر متاثرہ علاقہ میں جو کئی اضلاع پر مشتمل تھا کام کرنے کے لیے کہا اور آپ کی سرکردگی میں یہ کام ہر جگہ نہایت عمدگی سے سرانجام پایا۔ نوجوانوں نے اپنی زندگیوں کو خطرہ میں ڈال کر پہلے گھرے ہوئے لوگوں کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ پھر بے گھر ہونے والوں کے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا۔ سیلاب گذر جانے کے بعد بے وسیلہ لوگوں کے مکانات کی تعمیر میں مدد کی۔ مالی لحاظ سے بھی اور کام میں ہاتھ بٹا کر بھی۔ تعلیم یافتہ اور معزز گھرانوں کے بچوں نے مزدوروں کی طرح اینٹیں اور گارا اٹھایا۔ آپ ہر جگہ خود پہنچ کر کام کی نگرانی کرتے رہے۔

> مسجد خدا کا گھر ہے اور وہی اس کا مالک ہے ہم صرف اس کے کسٹوڈین محافظ اور نگران ہیں

ہجرت

۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو جب تقسیم پاک و ہند عمل میں آئی تو مسلم قوم کے اس حصہ یعنی جماعت احمدیہ کو بھی ہندوستان سے ہجرت کرنی پڑی۔ اس نازک موقع پر مرکز احمدیت قادیان کی حفاظت اور امتِ مسلمہ کو جنونی ہندوؤں سکھوں سے بچانے کے لیے آپ ۱۵ ار نومبر ۱۹۴۷ء تک قادیان رہے۔ اس دور میں جس بلند ہمتی سے آپ نے اپنے فرائض ادا کیے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دور میں آپ کی عظمت کی چند جھلکیاں ان خطوط میں نظر آتی ہیں جو آپ نے قادیان سے اپنی بیگم حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدھا کو لکھے۔

....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

.... ظاہری حالات دگرگوں ہیں۔ جیسے سب جاتے رہے ہیں تواب ورحمان خدا کے سہارے کے سوا کچھ باقی نہیں۔ چار پانچ ہزار عورتیں اور بچے قادیان میں پھنسے پڑے ہیں۔ ان کے نکالنے کا انتظام کرنا ہے۔ بڑا ہی مشکل کام نظر آتا ہے۔ خدا ہی ہے جو اپنے فضل سے ان غریبوں کی نجات کی کوئی راہ نکالے۔ آمین۔ جہاں تک ہوسکتا ہے کام کرتے ہیں لوگ تو دو آگوں میں ہوتے ہیں۔ ہم بہت سی آگوں میں ہیں مگر "آگ ہماری غلام ہمارے غلاموں کی غلام ہے" اس لیے گھبرانے کی وجہ نہیں۔ یہ زندگی دو روزہ ہے کبھی خاوند بیوی سے بچھڑتا ہے کبھی بیوی خاوند سے۔ جو اس دنیا میں رہ جائیں ان کا خدا تعالیٰ ہی حافظ و ناصر اور وکیل ہوتا ہے۔ جو اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوئے اپنے خدا سے ملتا ہے خدا اس کے عزیزوں کو کبھی ضائع نہیں کرسکتا۔ باقی ابتلا تو آتے ہی رہتے ہیں۔ ابتلاؤں میں ثابت قدم رہے کہ ابتلا ہی اصطفا پہنچاتا ہے۔ بچے بہت یاد آتے ہیں۔ اور تم پھر تم ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہو۔ میرے خدا کی امان میں تم سب۔ تم سب کا خدا حافظ۔ کارساز خدا تمہیں کبھی کسی کا محتاج نہ کرے۔ آمین

سب کو سلام اور دعا۔

ہمیشہ تمہارا

ناصر

قادیان
۴۷-۱۰-۱۶

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

.... خدا تعالیٰ نے اپنی عطا سے یہ توفیق دی ہے کہ جو دل پر گذرتی ہے وہ مُنہ پر نہیں آتا ورنہ بہت سے لوگ گھبرا جاتے عوام فکر کے آثار کے کچھ اور معنی لیتے ہیں اور بزدل ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ کے فضل سے جو بھی ملتا ہے بلند حوصلہ ہو کر جاتا ہے۔ یہ خدا ہی کا فضل ہے ورنہ جو ہم ہیں وہ ہم ہی جانتے ہیں ...... اللہ تعالیٰ ہمیں قربانیوں کی توفیق عطا کرے آمین۔ وہی ہمارا اور تمہارا حافظ و مددگار ہو۔ وہ جو اکیلا اور بہترین سہارا ہے ہمارا پیارا خدا تمہیں خوش رکھے اور صحت سے لمبی عمر سے خوشیوں کے دن دکھائے۔ احمدیت زندہ باد۔

بچوں کو پیار کہنا۔ اور کہنا بہت یاد آتے ہیں مگر خدا کے دین کی خدمت بچوں کے پیار سے بہت زیادہ قیمتی اور ضروری ہے اس لیے وہ بھی یہ سبق یاد رکھیں پھر انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے اچھا خدا حافظ۔ اسی کی امان میں تم اور ہم۔

تمہارا
ناصر

....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

........خدا تعالیٰ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وقتی ابتلا ہیں۔ وقت گذر جائے گا۔ مگر یہ حالات جماعت کی تاریخ میں تا قیامت یاد رہیں گے۔ میری طبیعت پر ذرہ بھر بوجھ نہیں ہے۔ لاہور کی فکر ضرور رہتی ہے۔ حضور کی کمزوریٔ صحت ضرور دُکھ میں رکھتی ہے۔ خدا کی امان میں تم سب اور ہمارے بزرگ۔ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ خدا تعالیٰ کی مدد بھی قریب ہے۔ بالکل پریشان نہ ہونا ....

تمہارا
ناصر

فرقان بٹالین

تقسیم پاکستان کے بعد ابھی یہ نوزائیدہ مملکتِ خداداد اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہ ہوئی تھی کہ ہندوستان کے حملے کی وجہ سے اس کی سرحدوں کو شدید خطرہ لاحق ہوگیا اور ہمیشہ کی طرح جماعتِ احمدیہ نے اپنی بھرپور قربانی پیش کی اور ملکی خدمت کے لیے فرقان بٹالین کو منظم کیا تو عرصہ دو سال تک آپؒ اس کی سرپرست کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے راہنمائی فرماتے رہے۔

قید و بند

۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ اپنی تاریخ کے ایک سنگین دَور سے گزر رہی تھی۔ خدا کی تقدیر افرادِ جماعت سے ہر قسم کی قربانی لے رہی تھی۔ اس دوران یکم اپریل ۱۹۵۳ء سے ۲۸ مئی ۱۹۵۳ء تک آپؒ نے خدا کی راہ میں قید و بند کی صعوبت برداشت کی۔ اور ہنستے مسکراتے یہ دَورِ مصائب گزارا۔

صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ

۱۹۵۴ء میں جب آپؒ خدام الاحمدیہ سے انصار اللہ کی تنظیم میں شامل ہوئے تو مصلح موعود نے آپؒ کو صدر مجلس انصار اللہ مقرر فرمایا۔ آپؒ نے قولاً اور عملاً ثابت کر دیا کہ "مَیں بوڑھا نہیں ہوا البتہ انصار اللہ جوان ہو گئی ہے"۔

منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے باوجود بھی بزرگ جوانوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے جنوری ۱۹۶۸ء تک صدر مجلس انصار اللہ رہے۔ آپؒ کے دور میں:

(۱) مرکزی سالانہ اجتماعات کی ابتدا ہوئی
(۲) علاقائی اجتماعات کا آغاز اور ضلعوار نظام کا قیام ہوا
(۳) دستورِ اساسی کی تدوین ہوئی
(۴) ماہنامہ انصار اللہ کا اجرا ہوا
(۵) انصار اللہ کے سہ ماہی امتحانات کا انعقاد ہوا۔
(۶) علم انعامی اور سندِ خوشنودی کی تقسیم کا کام ہوا
(۷) دفتر انصار اللہ کی تعمیر ہوئی
(۸) اطفال کے وظائف انعامی کا اجراء ہوا
(۹) اشاعت لٹریچر ہوئی اور تقریباً ۶۲ ہزار کی تعداد میں ٹریکٹ، پمفلٹ اور کتب کی اشاعت ہوئی

صدر صدر انجمن احمدیہ

مئی ۱۹۵۵ء میں صدر صدر انجمن احمدیہ کے طور پر آپؒ کی تقرری ہوئی اور نومبر ۱۹۶۵ء تک آپؒ اس عہدہ پر فائز رہے۔

منصبِ خلافت

★ ۷، اور ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کی درمیانی شب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر فرزند جماعتِ احمدیہ کے عالی مقام خلیفہ موعود سیدنا حضرت مصلح موعود وفات پا گئے، تو مطابق قواعد و ضوابط جماعتِ احمدیہ اراکینِ مجلس انتخاب کا اجلاس ۸ نومبر بعد نماز عشاء مسجد مبارک میں منعقد ہوا اور آپ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہوئے۔ اراکینِ مجلسِ انتخاب سے خطاب فرماتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"مَیں حتی الوسع تبلیغِ اسلام کے لیے کوشش کرتا رہوں گا اور آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا سلوک کروں گا۔ چونکہ آپ نے مجھ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالی ہے، اس لیے مَیں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ بھی اپنی دُعاؤں اور مشوروں سے میری مدد کرتے رہیں گے کہ خدا تعالیٰ میرے جیسے حقیر اور عاجز انسان سے وہ کام لے جو احمدیت کی تبلیغ، اسلام کی اشاعت اور توحیدِ الٰہی کے قیام کے لیے ضروری ہے اور اپنی رحمت فرماتے ہوئے میرے دل پر آسمانی نور نازل فرمائے۔"

اس کے بعد ۹ نومبر کی صُبح بعد نماز فجر آپ نے بیعتِ عام کے بعد احبابِ جماعت سے دُوسری مرتبہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر آپ لوگوں کو اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہوں کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھ، توفیق اور طاقت دی ہے آپ مجھے اپنا ہمدرد پائیں گے .... میں ہر لمحہ اور ہر لحظہ دُعاؤں اور ہر ممکن وسیلہ کے ساتھ آپ کا مددگار رہونگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی دُعاؤں، مشوروں ہمدردیوں اور کوششوں سے میرا ہاتھ بٹانے کی توفیق عطا فرماتے"

★ ۹ر نومبر کو بعد نمازِ عصر آپ نے سیدنا حضرت مصلح موعود کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جنازہ سے قبل ان ہزاروں احمدیوں کو جو نماز کے لیے صف بستہ کھڑے تھے۔ مخاطب کر کے فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے سے قبل ہم سب اپنے ربّ رؤف کو گواہ بنا کر اس مقدس مُنہ کی خاطر جو چند گھڑیوں میں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہونے والا ہے اپنے ایک عہد کی تجدید کریں اور وہ عہد یہ ہے کہ ہم دین اور دین کے مصالح کو دُنیا اور اس کے سب سامانوں اور اس کی ثروت اور وجاہت پر ہر حال میں مقدم رکھیں گے اور دُنیا میں دین کی سربلندی کے لیے مقدور بھر کوشش کرینگے"

(الفضل ۳۱ر مارچ ۱۹۶۶ئہ)

اس عہد کے بعد آپ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت مُصلح موعود کے جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کرنے کے بعد لمبی دُعا فرمائی۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تحریک

۷ر دسمبر ۱۹۶۵ئہ کو آپ نے اپنے خطبہ جمعہ میں تحریک اَطْعِمُوا الْجَائِعَ فرمائی اور فرمایا:

"کوئی احمدی رات کو بھوکا نہیں سونا چاہیے۔ سب سے پہلے یہ ذمہ داری افراد پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے بعد جماعتی تنظیم اور حکومت کی باری آتی ہے ...... اگر کسی وجہ سے آپ کا محلہ یا جماعت اس محتاج کی مدد کرنے کے قابل نہ ہو تو آپ کا فرض ہے کہ مجھے اطلاع دیں میں اپنے ربّ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے توفیق دے گا کہ میں ایسے ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کر دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ"

(الفضل ۱۰ر مارچ ۱۹۶۶ئہ)

فضلِ عمر فاؤنڈیشن

۲۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے دسمبر ۱۹۶۵ئہ میں آپ نے تحریک فضلِ عمر فاؤنڈیشن فرمائی۔ اور احبابِ جماعت کو اس میں زیادہ سے زیادہ حصّہ لینے کا ارشاد فرمایا تحریک کا اعلان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"فضلِ عمر فاؤنڈیشن تو دراصل اظہار ہے اس محبت کا جو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کے لیے پیدا کی اور یہ محبت اس لیے پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو جماعت پر بحیثیت جماعت اور لاکھوں افراد جماعت پر بحیثیت افراد بے شمار احسانات کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو خدا تعالیٰ کے حمد و شکر کے طور پر اور اس محبت کے نتیجہ میں جو ہمارے دلوں میں اس پاک وجود کے لیے ہے۔ ہم نے کلمۂ اسلام کی اشاعت کے لیے اس فاؤنڈیشن

کو جاری کیا ہے۔"

(الفضل 24/5/66)

اس تحریک میں احباب نے انتہائی قربانیوں کا مظاہرہ پیش کیا اور تقریباً 37½ لاکھ روپے کی وصولی ہوئی۔

زمانہ خلافتِ ثالثہ کے دوران فضل عمر فاؤنڈیشن کو

(۱) حضرت فضلِ عمر کے خطبات کی تین جلدیں شائع کرنے کی توفیق ملی۔

(۲) چار جلدوں کا مسوّدہ تیار کیا گیا۔

(۳) سوانح حضرت فضلِ عمر کی پہلی جلد شائع ہوئی

(۴) حضرت فضلِ عمر نے ۱۹۴۹ء کے جلسہ سالانہ پر جماعت کی تعلیمی ترقی کے لیے جو سکیم بیان فرمائی تھی۔ اس کے مطابق مقالہ جات کا انعامی مقابلہ شروع کیا گیا اور ۱۹۸۰ء تک انعام کے مستحق مقالہ نگاروں کو 3½ ہزار روپے کے انعامات دیئے گئے۔

(۵) ایک لٹریری کمیٹی قائم کی گئی جو جماعت کی علمی ترقی کے لیے تجاویز پیش کرتی ہے۔ اس کمیٹی کی ایک تجویز کے مطابق لندن کے انڈیا آفس کے مواد پر ریسرچ کروائی گئی۔

(۶) فضلِ عمر فاؤنڈیشن کی عمارت، خلافت لائبریری اور ایک جدید طرز کے گیسٹ ہاؤس کی تعمیر کی گئی۔

(۷) ایم بی بی ٹرسٹ قائم کیا گیا جو نویں اور دسویں جماعت کے ایک ایک مستحق امداد ذہین لڑکے یا لڑکی کو وظیفہ دیتا ہے۔

تعلیم القرآن

اوائل ۱۹۶۶ء میں ایک نئی نظارت اصلاح و ارشاد تعلیم القرآن قائم کی جس کی غرض یہ تھی کہ تعلیم القرآن کے سلسلہ میں تحریکات کو کامیاب بنائے۔

وقفِ عارضی

۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء کو آپؒ نے خطبہ جمعہ میں وقفِ عارضی کی تحریک فرمائی۔ جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"مَیں جماعت میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ دوست جنکو اللہ تعالیٰ توفیق دے، سال میں ہفتہ سے چھ ہفتہ تک کا عرصہ دین کی خدمت کے لیے وقف کریں۔"

(الفضل ۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء)

اب تک اس تحریک میں تقریباً چالیس ہزار افراد حصّہ لے چکے ہیں۔

دفتر سوئم تحریکِ جدید

۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو آپؒ نے خطبہ جمعہ میں تحریکِ جدید دفتر سوئم کے اجراء کا اعلان فرمایا:

"مَیں چاہتا ہوں کہ اب دفتر سوئم کا اجراء کر دیا جائے لیکن اِس کا اجراء یکم نومبر ۱۹۶۵ء سے شمار کیا جائے گا، کیونکہ تحریکِ جدید کا سال یکم نومبر سے شروع ہوتا ہے۔ اس طرح یکم نومبر ۶۵ء سے ۳۱ اکتوبر ۶۶ء تک ایک سال بنے گا۔ مَیں اس لیے ایسا کر رہا ہوں تاکہ دفتر سوئم بھی حضرت مُصلح موعود کی خلافت کی طرف منسوب ہو اور چونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے اعلان کی توفیق دے رہا ہے، اس لیے مَیں اپنے ربّ سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بھی اپنے فضل سے ثواب عطا کرے گا اور اپنی رضا کی راہیں مجھ پر کھولے گا۔"

انجمن ہائے موصیان

۵ راگست ۱۹۶۶ء میں آپ نے انجمن ہائے موصیان کی تحریک کی اور فرمایا:

"مَیں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تعلیم القرآن اور وقفِ عارضی کی تحریکوں کو موصی صاحبان کی تنظیم کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور یہ سارے کام ان کے سپرد کر دیئے جائیں اس لیے آج میں موصی صاحبان کی تنظیم کا خدا کے نام کے ساتھ اور اس کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے اجراء کرتا ہوں۔"

(الفضل اگست ۱۹ء)

وقفِ جدید دفتر اطفال

اکتوبر ۱۹۶۶ء میں آپ نے وقفِ جدید دفتر اطفال کا آغاز فرمایا اور فرمایا:۔

"مَیں آج احمدی بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا اور اس کے رسول کے بچو! اُٹھو اور آگے بڑھو اور تمہارے بڑوں کی غفلت کے نتیجہ میں وقفِ جدید کے کام میں جو رخنہ پڑ گیا ہے پُر کر دو اور اس کمزوری کو دور کر دو جو اس تحریک کے کام میں واقع ہو گئی ہے۔"

بدرسوم کے خلاف جہاد

دسمبر ۱۹۶۶ء میں بدرسوم کے خلاف جہاد کی تحریک کی اور فرمایا:۔

"میں نظارت اصلاح وارشاد کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ جتنی بدرسوم اور بدعات ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں ان کو اکٹھا کیا جائے اور اس کی نگرانی کی جائے کہ ہمارے احمدی بھائی ان تمام رسوم اور بدعات سے بچتے رہیں۔"

جنوری ۱۹۶۷ء میں حضرت مسیح الزمان کے مشہور معرکہ آراء لیکچر اسلامی اصول کی فلاسفی کے انگریزی ترجمہ کی ایک لاکھ کی تعداد میں اشاعت ہوئی۔

تسبیح وتحمید، درود شریف استغفار کی تحریک

۱۵ رمارچ ۱۹۶۸ء میں حضورؒ نے تسبیح وتحمید، درود شریف اور استغفار کی خاص تحریک فرمائی اس کا اعلان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ احباب جماعت سال بھر ان خاص دعاؤں کا ورد کریں نیز فرمایا کہ بڑی عمر کے مرد (۲۵ سال سے اوپر) روزانہ کم از کم ۲۰۰ مرتبہ ان دعاؤں کا ورد کریں جوان (۱۵ سے ۲۵ سال تک کے) ۱۰۰ مرتبہ بچے (سات تا ۱۵ سال) ۳۳ مرتبہ بہت چھوٹے بچے ۳ مرتبہ۔

پہلا دورہ ۱۹۶۷ء

۶ رجولائی ۱۹۶۷ء کو آپ اپنے پہلے بیرونِ پاکستان

دورہ پر ربوہ سے روانہ ہوئے۔ اس دوران آپ نے مغربی جرمنی، سوئٹیزرلینڈ، ہالینڈ، ڈنمارک، انگلستان و دیگر ممالک مغربی یورپ کا دورہ فرمایا۔ اسی طرح ۲۱ رجولائی ۱۹۶۷ء کو مستورات کے چندہ سے بننے والی مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن ڈنمارک کا افتتاح فرمایا۔ افتتاحی تقریر میں آپ فرماتے ہیں:۔

"اے ہمارے آقا اور ہمارے رب اپنے اس گھر کو امن اور حفاظت کا گھر بنا دے تیرا نور ہر دل میں چمکے اور سب دل تیرے محبوب اور انسانیت کے محسنِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے لبریز ہو جائیں۔"

یورپ کا ڈیڑھ ماہ کے قریب نہایت کامیاب تربیتی اور تبلیغی دورہ ختم کرکے ۲۱ راگست ۱۹۶۷ء کو آپ واپس پاکستان پہنچ گئے۔

تفسیرِ مسیح موعود

۱۹۶۹ء میں آپ نے اپنی براہ راست نگرانی میں حضرت مہدی علیہ السلام کی تفسیر اور آپ کے ارشادات کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق یکجا کروا کے شائع کرنے کا انتظام فرمایا چنانچہ اب تک سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ کہف تک یعنی ۱۵ پارہ سے زائد کی تفسیر پانچ جلدوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر شائع ہو چکی ہے۔

سورۃ بقرہ کی ۱۷ آیات یاد کرنے کی تحریک

ستمبر ۱۹۶۹ء میں حضورؒ نے سورہ بقرہ کی ابتدائی ۱۷ آیات کے حفظ کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے دل میں یہ خواہش شدت سے پیدا کی گئی ہے کہ سورہ بقرہ کی ابتدائی ۱۷ آیات ہر احمدی کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا زبانی یاد ہونی چاہئیں۔"

دوسرا دورہ ۱۹۷۰ء

وسط ۱۹۷۰ء میں حضورؒ نے مغربی افریقہ کے چھ ممالک نائیجیریا، غانا، سیرالیون، آئیوری کوسٹ، گیمبیا اور لائبیریا کا دورہ فرمایا اسی طرح حضورؒ نے بعض مغربی یورپ کے ممالک کا بھی دورہ فرمایا۔ اسی دوران ——

مجلس نصرت جہاں

۱۹۷۰ء میں حضورؒ نے نصرت جہاں آگے بڑھو سکیم نافذ کی اور مجلس نصرت جہاں کا قیام فرمایا اس کے بارہ میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"گیمبیا میں ایک دن اللہ تعالیٰ نے بڑی شدت سے میرے دل میں ڈالا کہ تم کم از کم ایک لاکھ پونڈ ان ملکوں میں خرچ کرو اور اس میں اللہ تعالیٰ بہت برکت ڈالے گا۔"

حضور نے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لیے ایک لاکھ پونڈز کی اپیل کی مگر مخلصینِ جماعت نے اس آسمانی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ۲½ لاکھ پونڈ سے زائد رقم اپنے پیارے امام کے قدموں میں ڈال دی اور اس الٰہی تحریک میں خدا تعالیٰ نے اتنی برکت ڈالی کہ ۲½ لاکھ پونڈ سے شروع ہونیوالے منصوبہ کا موجودہ سالانہ

بجٹ ۴ کروڑ ۶۹ لاکھ روپے ہے۔

مجلس کی مساعی کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل ہے۔

ھسپتال

غانا	:	۵
نائیجیریا	:	۶
سیرالیون	:	۴
گیمبیا	:	۴
میزان	:	۱۹

سکولز

غانا	:	۶
نائیجیریا	:	۱۰
سیرالیون	:	۷
لائیبریا	:	۱
میزان	:	۲۴

فلاح انسانیت کے عظیم منصوبہ کے تحت جون ۱۹۸۲ء تک ۱۹ ہسپتالوں میں ۲۷،۳۵،۴۴۴ مریضوں کا علاج کیا گیا۔ ۲،۹۷،۳۲۸ مریضوں کا مفت علاج کیا گیا اور ۴۴،۳۵۹ آپریشن کئے گئے نیز ۲۴ سکولز سے ۲۷۸۷۷ افراد فارغ التحصیل ہوئے۔

• تین اکتوبر ۱۹۷۱ء کو حضورؒ نے خلافت لائبریری کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔ یہ عمارت فضل فاؤنڈیشن نے تعمیر کروا کے صدر انجمن احمدیہ کے حوالے کی ہے۔

• ۹ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو حضورؒ نے گھوڑ دوڑ ٹورنامنٹ کا آغاز فرمایا۔

• جنوری ۱۹۷۳ء میں حضورؒ نے درخت وشجر کاری کی تحریک فرمائی۔

تیسرا دورہ ۱۹۷۳ء

• جولائی ۱۹۷۳ء میں حضورؒ تیسری مرتبہ مغربی یورپ کے دورہ پر روانہ ہوئے اور ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء تک وہاں قیام فرمایا۔ حضور کا یہ دورہ خالصتاً تربیتی وتبلیغی تھا۔ اس دوران حضورؒ نے مختلف پریس کانفرنسوں سے خطاب فرمایا اور لاکھوں افراد تک پیغام حق پہنچایا۔ فرینک فورٹ کے ایک اخبار نے اس کی خبر اس طرح دی۔

"محبت کی طاقت"

حضرت مرزا ناصر احمد نے بتایا کہ ہم اپنے مخالفین کو محبت کی طاقت کے ساتھ مغلوب کرینگے ہم اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں گے بغیر اس کے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچائیں"۔

• جولائی ۱۹۷۳ء میں ہی حضورؒ نے سائیکل سواری کی تحریک فرمائی۔

• اگست ۱۹۷۳ء میں حضور نے نشانہ غلیل کی مہارت کی تحریک فرمائی اور فرمایا تمام اطفال اور ۲۵ سال سے کم عمر کے خدام غلیل خریدیں اور اپنے پاس رکھیں۔

صد سالہ احمدیہ جوبلی منصوبہ

• ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر حضورؒ نے صد سالہ احمدیہ جوبلی منصوبہ کی عظیم الشان تحریک کا اعلان فرمایا اور احباب جماعت کو صد سالہ جوبلی فنڈ میں دل کھول کر عطیات دینے کی تحریک کی۔ حضورؒ نے احباب جماعت کو اڑھائی کروڑ روپے کی تحریک کی تھی لیکن اللہ کے فضل سے اب تک اس کا بجٹ دس کروڑ روپے سے تجاوز کر چکا ہے

منصوبہ کے شیریں ثمرات یہ ہیں ۔

۱۔ منارۃ المسیح قادیان پر سنگِ مرمر لگوایا گیا ۔

۲۔ بھارت میں اڑیسہ اور کیرالہ کی ریاستوں میں ایک ایک مسجد اور مشن ہاؤس تعمیر ہوئے ۔

۳۔ یورپ میں سویڈن، ناروے اور سپین میں مساجد کا قیام ہوا ۔

۴۔ جاپان میں ایک مشن ہاؤس خریدا گیا ۔

۵۔ لنڈن میں کسرِ صلیب کانفرنس کا انعقاد ہوا ۔

۶۔ قرآن کریم کا گورکھی، یوروبا (نائیجیریا کی ایک زبان) میں ترجمہ کی اشاعت ہوئی ۔

۷۔ فرانچ زبان میں حضرت مصلح موعود کے دیباچہ تفسیر القرآن کی اشاعت ہوئی ۔

۸۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے مختلف اقتباسات ESSENCE OF ISLAM کی صورت میں انگریزی میں شائع ہوئے ۔

۹۔ نیز اس کے علاوہ کئی مقالہ جات اور فولڈرز مختلف زبانوں میں شائع کئے گئے اور ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو حضورؒ نے صد سالہ جوبلی کے زیر تعمیر دفتر کا سنگِ بنیاد رکھا ۔

منصوبہ کا مقصد توحید خالص کے قیام کیلئے مختلف ممالک میں مساجد کی تعمیر، قرآنِ مجید کے تراجم اور ان کی اشاعت، دنیا کے کونے کونے میں اسلام سے متعلق لٹریچر کی مختلف زبانوں میں تقسیم کرنا اور جماعتِ احمدیہ کی روحانی تربیت ہے ۔

اس عالمگیر منصوبہ کے لیے حضورؒ نے احباب جماعت کو حمد اور عزم کا ماٹو دیا ۔

دَورِ آشوب

(۲۹ مئی تا ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء)

جماعتِ احمدیہ کڑی آزمائشوں کے ایک اور دور میں داخل ہوئی ۔ آنکھیں نفرت کے شعلے بن گئیں ۔ ذہن تعصب کی آگ، ہاتھ ظلم کی برچھی تو کشتیٔ احمد کا ملاح اللہ پر توکل رکھتا ہوا اپنے دن رات ایک کرکے خوف و دہشت کی چٹانوں سے اسے بچاتا ہوا ظلم کے شعلوں سے کتراتا ہوا تاریخ کے اوراق میں تحمل، عفو اور درگزر کے ایک شاندار باب کا اضافہ کرکے کم حوصلگی کو بلند حوصلگی میں مرجھائے ہیکروں کو مسکراہٹ سے دمکتے چہروں میں بدل کر خدائی نصرت کے ساتھ خوف کو امن میں بدلنے کا موجب ہوا ۔

اس دوران ۵۲ گھنٹے تک پاکستان کی قومی اسمبلی میں اور جسٹس صمدانی کی عدالت میں تشریف لے جاکر جماعتِ احمدیہ کے مؤقف کی وضاحت فرمائی ۔

وسع مکانک

۱۹۷۸ء میں آپ کو الہام ہوا

وسع مکانک انا کفینٰک المستھزءین

اس الہام کے ہوتے ہی اپنے نامساعد حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مہمانوں کی رہائش کے لیے متعدد گیسٹ ہاؤسز اور مہمانخانوں کی سکیم بنائی ۔ ۱۹۷۸ء کے بعد ربوہ میں تعمیر ہونیوالی مہمانوں کی قیام گاہوں کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

۱۔ سرائے محبت نمبر ۱

۲۔ سرائے محبت نمبر ۲

۳- سرائے فضل عمر

۴- سرائے خدمت

۵- سرائے انصاراللہ

۶- توسیع دارالضیافت

۷- زنانہ مہمان خانہ جلسہ سالانہ برائے مستورات

۸- مردانہ مہمان خانہ جلسہ سالانہ

۹- مہمان خانہ کراچی

چوتھا دورہ ۱۹۷۵ء

۱۹۷۵ء میں آپ کو بغرض علاج یورپ جانا پڑا - اور اس دوران آپ نے ۱۱ویں جلسہ سالانہ انگلستان سے خطاب بھی فرمایا۔

پانچواں دورہ

۱۹۷۶ء میں آپ نے امریکہ، کینیڈا اور یورپ کا دورہ فرمایا - اس دوران سویڈن کی سب سے پہلی مسجد کا شاندار افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

مسجد خدا کا گھر ہے اور وہی اس کا مالک ہے ہم جنکو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کی سعادت بخشی ہے صرف اس کے کسٹوڈین محافظ اور نگران ہیں۔

حقیقی مسجد ایک نشان اور علامت کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک نہایت اہم اور عظیم الشان پیغام کی حامل ہوتی ہے۔

وہ پیغام یہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں اور وہ خدا کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر کے اس کے افضال و انعامات کے مورد بن سکتے ہیں اور یہ دُعا فرمائی۔

"خدا تعالیٰ ہمیں ان مقاصد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مسجد کو غیر معمولی برکتوں سے نوازے۔"

حضورؒ کے اس دورہ کا تذکرہ مختلف ممالک کے ۱۸۴ اخبارات نے کیا اس دوران ۲۰ افراد نے پیغام حق قبول کیا۔

چھٹا دورہ ۱۹۷۸ء

۱۹۷۸ء میں آپ نے مغربی یورپ کا دورہ فرمایا اور لنڈن میں ہونے والی بین الاقوامی کسرِ صلیب کانفرنس میں شرکت فرمائی اور اپنے بصیرت افروز خطاب سے نوازا۔ ایک اندازے کے مطابق حضورؒ کے اس دورہ کے ذریعہ ۱۵ کروڑ افراد تک پیغام حق پہنچا۔

دس سالہ تحریک

۲۸ ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کو غلبہ اسلام کی صدی کیلئے حضورؒ نے دس سالہ تحریک فرمائی - اس تحریک کا اعلان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ آئندہ دس برس کے اندر اندر

۱- ہر بچہ قاعدہ یسرنا القرآن جانتا ہو۔

۲- قرآن مجید ناظرہ جاننے والے ترجمہ اور تفسیر سیکھیں۔

۳- ہر بچہ کم از کم میٹرک ہو۔

۴- ہر احمدی اسلام کی حسین تعلیم پر قائم ہو۔

تعلیمی منصوبہ

۷ مارچ ۱۹۸۰ء کو حضورؒ نے ایک عظیم الشان تعلیمی منصوبہ کا اعلان فرمایا جس کی تفصیل اس شمارہ میں عطاء الرحمن صاحب کے مضمون میں موجود ہے نیز حضور رحمہ اللہ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ تفسیر صغیر اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر قرآن پاک کی ساری جلدیں ہر احمدی گھرانہ میں ہونی چاہئیں۔

ساتواں دورہ ۱۹۸۰ء

۱۹۸۰ء میں حضور رحمہ اللہ نے بیرون پاکستان آخری دورہ کیا۔ اس دوران حضور رحمہ اللہ امریکہ، کینیڈا نائیجیریا، غانا اور مغربی یورپ کے ممالک میں تشریف لے گئے۔ حضورؒ نے اس دورہ میں ۱۴ پریس کانفرنسوں سے خطاب فرمایا اور متعدد سکولوں، ہسپتالوں، مساجد کے افتتاح فرمائے اور ان کی سنگ بنیاد رکھی۔

یکم اگست ۱۹۸۰ء میں ناروے میں پہلے مشن ہاؤس کا افتتاح کرتے ہوئے حضورؒ فرماتے ہیں:۔

"اے اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرما اور اپنے اس گھر کو اس خوبصورت زمین کے باشندوں کے لیے جائے پناہ اور عبادت کا مرکز بنا۔ اے خدا ان لوگوں کو اپنے اس گھر کا اہل بنا اور ان تمام لوگوں کے لیے جو اس کے اہل ہوں اس گھر کو امن اور حفاظت کی جگہ بنا۔"

سپین میں مسجد کا سنگ بنیاد

(۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

سپین جو سلطنتِ اسلامیہ کا ایک حسین اور دلکش ستون تھا جس کے گلی کوچے اللہ اکبر کی صداؤں سے گونجا کرتے تھے لیکن کم علمی اور کم عملی کے تھپیڑے سب کچھ بہا کر لے گئے امتِ مسلمہ پانچ صدیوں تک جس متاعِ صدناز کے لٹنے کا ماتم کرتی رہی دلِ مسلم ایک آہ بن گیا۔ نگاہِ مردِ مومن ایک حسرت۔ تو ظلمتوں کے بادل چیر کر برس ہا برس دعائے نیم شب میں پکارنے والے حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ایکبار پھر ان گلی کوچوں میں توحید کی تجلی اور دینِ مصطفیٰ کے نور سے اجالا کرنے کے لیے سرزمینِ سپین میں پہلی مسجد کا سنگ بنیاد ۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ان دعاؤں کیساتھ رکھا۔

دُعائیں ● ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء کو حضور رحمہ اللہ نے امنِ عالم کے لیے دُعاؤں اور صدقات کی تحریک فرمائی۔

● ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو حضورؒ نے ذہنی جسمانی اور اخلاقی استعدادوں کی ترقی کا منصوبہ جماعت کے سامنے رکھا اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کو ہر جگہ کھیلوں کے کلب بنانے کی تلقین فرمائی۔

حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کی وفات

تین دسمبر ۱۹۸۲ء کو آپ کی حرمِ اوّل حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ ایک مختصر علالت کے بعد ½۴۷ سال انتہائی وفا و محبّت اور انتہائی کمال سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتی ہوئی رخصت ہوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور آپ کو ایک ہلا دینے والا حادثہ برداشت کرنا پڑا، لیکن

خدا کا یہ پیارا بندہ صرف رضینا باللہ کہہ کر چُپ ہوگیا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو حضورؒ نے احمدیہ بکڈپو کا افتتاح فرمایا تا سلسلہ کی تمام کتب ایک جگہ سے فروخت ہوسکیں۔

ستارۂ احمدیت

دسمبر ۱۹۸۱ء میں حضورؒ نے جماعتِ احمدیہ کو ستارۂ احمدیت دیا اور فرمایا:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کے طفیل امتِ محمدیہ نے چودہ صدیوں کے اندر خدا تعالیٰ کے زندہ نشان ایک یا دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں دیکھے اور ہر صدی نے زبانِ حال سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اس لیے مَیں نے اس ستارے کے چودہ کونوں میں اللہ اکبر لکھوا دیا ہے۔"

حضورؒ نے احبابِ جماعت کو ستارۂ احمدیت دکھایا اور چودہ صدیوں کی طرف سے لاالہ الااللہ اور اللہ اکبر کا ورد کیا۔

نکاح ثانی

۱۱ اپریل ۱۹۸۲ء کو آپ نے اپنا نکاح ثانی حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ بنت محترم عبدالمجید خانصاحب سے خود پڑھا اپنے خطبہ نکاح میں آپ نے فرمایا:

"منصورہ بیگم کی وفات کے بعد مجھے یہ احساس پیدا ہوا کہ ایک ساتھی ایسا ہونا ضروری ہے جو اہم جماعتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں میرا ہاتھ بٹائے فکروں کو دور کرنیوالا ہو اور طمانیت پیدا کرنیوالا ہو۔۔۔۔ میری ایک حیثیت مرزا ناصر احمد کی ہے اگر مَیں صرف مرزا ناصر احمد ہی ہوتا تو ساری زندگی کسی اور شادی کی ضرورت نہیں تھی مگر میری دوسری حیثیت جماعتِ احمدیہ کا خلیفہ ہونے کی بھی ہے جس پر جماعت کے مردوں اور عورتوں کی تربیت کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے حضور نے فرمایا خلیفہ وقت کی بیوی کی حیثیت خلافت اور جماعت کے درمیان ایک رابطے اور تعلق کی ہوتی ہے۔"

اسی روز بعد نماز عصر تقریب رخصتانہ ہوئی اور ۱۲ اپریل ۱۹۸۲ء کو قصرِ خلافت کے لان میں دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔

وفات

۹ جون ۱۹۸۲ء کو خدا کے بزرگ و برتر کا وہ عاشق جانثار آنحضرت محمد مصطفیٰؐ کا وہ خادم حقیقی مسیح دوراں کے مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں نصرت جہاں کی گود کا پالا مصلح موعود کا فرزند دلبند ۱۷ سال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی قیادت کرنے والا ہر دور میں عزم و ہمت کا پیکر، ہر اندھیرے میں روشنی کا مینار، ہر طوفان کے سامنے سینہ سپر، دُکھ درد آفات و مصائب کے سمندروں کو چیر کر پار لگانے والا کشتی احمدیت کا ملاح سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

جب تاریخِ احمدیت ایک سائبان سے محروم ہوگئی ،
۱۴ ویں کے چاند کی طرح دمکنے والی چاندنی اندھیروں میں گم
ہوگئی ایک کروڑ انسانوں کے دل ، نگاہیں ہونٹ اور جبینیں
اس دُعا کے ساتھ سربسجود ہوگئیں کہ الٰہی ہمیں پھر ایک ہاتھ
پر اکٹھا کر اور اپنے وعدوں کے مطابق پھر قدرتِ ثانیہ کا
مظہر بھیج منصبِ قیادت پر پھر کسی کو بٹھا تا دینِ محمدؐ
کے یہ دیوانے دل و جان روح و ذہن اور عزت وقت
کے نذرانے لیکر توحید کی منزل کی طرف لبیک لبیک کہتے
ہوئے دوڑ سکیں ۔ تب خدا نے ان دعاؤں کو سنا اور
اندھیروں میں پھر ایکبار ۱۴ ویں کے چاند کو ابھارا اور
دنیا کے سب طول و عرض تجلی خداوند سے منوّر ہوگئے
زمین و آسمان وفائے محمد کی خوشبو سے معطر ہوگئے اور
اولی العزم باپ کا ایک اور جانثارِ دینِ مصطفےٰ مسندِ
خلافت پر بیٹھا ۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح
الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
مصلح موعود کا ایک اور فرزند جلیل
حالتِ بے چارگی میں بن کے چارا آگیا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے

مبارک و باسعادت دور میں

جماعت احمدیہ کی زبردست ترقی

ذیل میں سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے بابرکت و باسعادت دور میں جماعت احمدیہ کی زبردست ترقی کی محض ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری پوری کوشش کے باوجود اعداد و شمار نامکمل ہیں۔ کئی جگہ سے ریکارڈ دستیاب نہیں ہوسکا تاہم اللہ تعالیٰ کے زبردست فضلوں اور بارش کی طرح نازل ہونے والی رحمتوں کی ایک جھلک قارئین ضرور مشاہدہ کرسکتے ہیں۔

مساجد

پاکستان ضلعی جائزہ

۱۔ ضلع راجن پور ایک

۲۔ سکھر، شکارپور، جیکب آباد ۶

۳۔ بدین ۔ ۴ (ایک مربی ہاؤس)

۴۔ سیالکوٹ ۵

۵۔ گجرات ۔ ۱۱ (دو مربی ہاؤس ایک ہال)

۶۔ رحیم یار خاں ۴ (ایک مشن ہاؤس)

۷۔ بہاولپور ۔ ۱۰ (ایک مشن ہاؤس)

۹۔ مظفر گڑھ ۔ ۲ (ایک کوارٹر)

۱۰۔ اسلام آباد ۔ ۲ دکوٹھی صدر انجمن۔ تحریک جدید۔ بیت الفضل مشن ہاؤس ۔ مربی ہاؤس)

۱۱۔ سرگودھا ۔ ۶

۱۲۔ بہاولنگر ۔ ۴

۱۳۔ ڈیرہ غازی خان ۔ ۲

۱۴۔ لیہ ۔ ۲

۱۵۔ میانوالی ۔ ۱

۱۶۔ فیصل آباد ۔ ۳۰ (۵ کوارٹر مربی ۔ ۲ لائبریری، توسیع جامع مسجد)

۱۷۔ سانگھڑ ۔ ۴ (ایک مشن ہاؤس)

۱۸۔ پشاور ۔ ۴

۱۹۔ لاڑکانہ ۳ (۲ مربی ہاؤس)

۲۰۔ نواب شاہ ۔ ۱ (۲ ہال ایک مربی ہاؤس)

۲۱- حیدر آباد - ۱ (۵ کچی مساجد پختہ ہوئیں)
۲۲- جھنگ - ۱
۲۳- تھرپارکر - ۱۳
۲۴- قصور - ۲
۲۵- اوکاڑہ - ۲

میزان: مساجد ۱۲۲، دیگر عمارات ۲۶
کل میزان: ۱۴۸

بیرون پاکستان

۱- ہندوستان - ۱۴ مساجد (۵ مشن ہاؤسز)
۲- مقبوضہ کشمیر - ۳ مساجد
۳- کینیڈا - ۳ مشن ہاؤسز
۴- امریکہ - ۲ مشن ہاؤسز
۵- انگلینڈ - ۷ مشن ہاؤسز (اور لندن میں موجودہ مشن ہاؤس جس میں ہال بھی شامل ہے)
۶- سویڈن - ۱ مسجد
۷- ناروے - ۱ مسجد
۸- ڈنمارک - ۱ مسجد
۹- گیمبیا - ۴ مساجد
۱۰- نائیجیریا - ۱۰۰ مساجد
۱۱- سیرالیون - ۲۰ مساجد
۱۲- انڈونیشیا - ۱۰ مساجد (۳۱ دینی مدارس)
۱۳- تنزانیہ - ۹ مساجد

ان کے علاوہ بیرون از پاکستان تقریباً ۲۵۰ مساجد قائم ہوئیں۔

میزان: ۴۲۵ مساجد

بجٹ	سنہ ۱۹۶۵ء میں	سنہ ۱۹۸۲ء میں
صدر انجمن احمدیہ	۳۴,۲۴,۲۵۳	۱,۴۹,۳۶,۹۸۲ (تین گنا)
تحریک جدید - اندرون پاکستان	۱۳,۰۰,۲۴۰	۳۷,۲۵,۲۰۰ (تقریباً تین گنا)
بیرون پاکستان	۲۲,۸۲,۶۸۰	۵,۰۰,۴۴,۸۰۰ (بائیس گنا)
وقف جدید -	۱,۲۴,۳۲۴	۹,۰۰۱,۸۶۳ (نو گنا)
دفتر اطفال	—	۱,۲۶,۷۰۰

عظیم تعلیمی منصوبہ کے عملی اقدامات

مرتبہ: مکرم عطاء الرحمٰن صاحب محمود نائب ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ۔ ربوہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے جاری فرمودہ احمدیہ تعلیمی منصوبہ کے تحت نظارت تعلیم صدر انجمن احمدیہ نے جو عملی اقدامات کئے ہیں ان کا ایک خاکہ ذیل میں درج ہے۔

۱۔ حضور نے منصوبہ کا اعلان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ تمام احمدی طلباء و طالبات کے تعلیمی کوائف حاصل کر کے ریکارڈ رکھا جائے۔ نظارت تعلیم نے اس سلسلہ میں پاکستان بھر کے تمام احمدی طلباء و طالبات کے کوائف جمع کرنے کے لیے کوائف فارم طبع کروا کر بھجوائے۔ اب تک تقریباً ساٹھ ہزار خطوط کوائف کے سلسلہ میں نظارت تعلیم کی طرف سے لکھے جا چکے ہیں جب یہ کوائف فارم پُر ہو کر واپس نظارت تعلیم کو ملتا ہے تو ایک کارڈ پر (جو مستقل طور پر نظارت تعلیم میں موجود رہے گا) کوائف درج کر لیے جاتے ہیں۔

۲۔ منصوبے کا اعلان فرماتے ہوئے حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی بچہ جو ذہین ہو اسے ضائع نہیں ہونے دیا جائیگا اور جماعت اُس کی تعلیم کے تمام اخراجات برداشت کریگی۔ اس کے لیے حضور نے ایک فنڈ قائم فرمایا اور اس وظیفہ کا نام ادائیگی حقوقِ طلباء رکھا۔ اب تک ۱۲۶ طلباء و طالبات نے ۲،۹۷،۲۸۰ روپے کے وظائف حاصل کئے ہیں۔ ان میں غیر از جماعت ذہین طلباء و طالبات بھی شامل ہیں۔

۳۔ احمدیہ تعلیمی منصوبہ کا ایک اہم حصہ تمغہ جات کے متعلق ہے۔ حضور نے اعلان فرمایا تھا کہ سالانہ امتحانوں میں کسی

بھی بورڈ یا یونیورسٹی سے اوّل ۔ دوم ۔ سوم آنے والے طلباء و طالبات کو سونے کے تمغہ جات عطا کئے جائیں گے اس اعلان سے احمدی طلباء و طالبات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور امام وقت سے تمغہ حاصل کرنے کی خواہش پوری شدت کے ساتھ پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں اب تک ۴۸ تمغہ جات دیئے جا چکے ہیں ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی زندگی میں ۶ تقاریب منعقد ہوئی تھیں ۔ جن میں ۳۲ طلباء و طالبات کو تمغہ جات عطا کئے گئے تھے ۔ جبکہ باقی دو تقاریب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مبارک دورِ خلافت میں منعقد ہوئی ہیں ۔

اب تک جو تمغہ جات تقسیم ہوئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے ۔

اوّل		دوم		سوم	
طلباء	طالبات	طلباء	طالبات	طلباء	طالبات
۱۰	۱۲	۱۰	۷	۶	۳

۴ ۔ امتحانات میں اوّل ، دوم ، سوم آنے والوں کو تو تمغہ جات عطا کئے جاتے ہیں ۔ اس کے علاوہ امتحانات میں جو مختلف پوزیشن آتی ہیں ان کے لیے حضور نے اعلان فرمایا تھا کہ میں اپنے دستخطوں سے سلسلہ کی کوئی کتاب انہیں بھجواؤں گا ۔ اس سلسلہ میں بھی نظارت تعلیم متعدد طلباء و طالبات کو حضور کی دستخطی کتب بھجوا چکی ہے ۔

۵ ۔ احمدیہ تعلیمی منصوبہ کے تحت حضور نے سو یا یسے تھین کیپسول منگوائے تاکہ طلباء و طالبات میں تقسیم کئے جا سکیں ۔ چنانچہ نظارت تعلیم کی طرف سے ذہین طلباء و طالبات کو یہ کیپسول تحفۃً ارسال کئے جاتے ہیں ۔
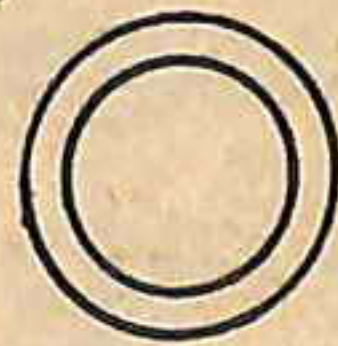
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے

زمانۂ طالب علمی کی پاکیزہ جھلکیاں

مکرم ڈاکٹر عبدالرشید تبسم صاحب ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لاہور

۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء کی بات ہے۔ میری عمر اس وقت قریباً ۱۵ سال تھی۔ حضرت مصلح موعود نے موسم گرما کے اختتام پر ڈلہوزی سے واپسی پر گورداسپور میں ملک مولا بخش صاحب کے مکان پر قیام فرمایا اور احمدیوں میں یہ بات خاص طور پر ہو رہی تھی کہ حضرت مصلح موعود کے فرزند اکبر حضرت مرزا ناصر احمد حضور کے ہمراہ ہیں۔ میں ان دنوں گورنمنٹ ہائی سکول گورداسپور میں طالب علم تھا۔ سکول سے چھٹی ہوتے ہی اُس دن میں ملک مولا بخش صاحب کے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ تقریباً میری عمر کے ایک صاحب بالکل خاموش کھڑے ہیں جبکہ ان کے قریب بیٹھے تین چار آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں سر پر ترکی ٹوپی جس کا پھندنا ٹوٹا ہوا تھا قمیص اور شلوار میں ملبوس۔ شلوار یا تو استری شدہ نہ تھی۔ اگر تھی تو زیادہ بار پہننے کی وجہ سے اس میں شکن پڑے ہوئے تھے۔ کپڑے صاف ضرور تھے مگر میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ ان کپڑوں کے پہننے والے کو اپنے لباس کی چنداں پرواہ نہیں ہے۔ میرے پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ صاحبزادہ (حضرت) مرزا ناصر احمد ہیں۔ میری اپنی طبیعت شرمیلی تھی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب سے میری بات نہ ہوئی لیکن ان سے یہ میری پہلی خاموش ملاقات تھی۔

میٹرک کا امتحان پاس کرتے ہی میں لاہور گیا اور حضرت مصلح موعود کے ایک ارشاد کی تعمیل کے لئے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ملنے ماڈل ٹاؤن پہنچا۔ اُس وقت حضرت چوہدری صاحب اپنی کوٹھی کے لان میں ٹہل رہے تھے۔ اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد بھی ان کے ساتھ چہل قدمی فرما رہے تھے۔ اور وہ دونوں آپس میں بڑی سنجیدگی سے گفتگو بھی کرتے جاتے تھے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مرزا ناصر احمد رخصت ہوئے تو میرے پاس سے گزرے ہماری دعا سلام ہوئی۔ اُس وقت حضرت صاحبزادہ صاحب

قمیص، کوٹ، سفید شلوار اور سیاہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔ لباس غیر معمولی طور پر صاف تھا۔ ترکی ٹوپی انہوں نے اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔ چہرے پر بڑی بشاشت اور رفتار میں وقار تھا۔ دعا سلام کے علاوہ ان سے میری کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

مَیں نے ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اس سے قبل دو سال سے مَیں اُس وقت کے روزانہ اخبار سیاست کا ایڈیٹر اور اس کی نائٹ شفٹ کا انچارج بھی تھا۔ بی۔ اے پاس کرنے کے دو سال بعد تک مَیں اس آسامی پر کام کرتا رہا۔

۱۹۳۲ء میں موسم گرما کی تعطیلات ختم ہوئیں اور کالج کھلے تو پہلے دن ہی کلاس شروع ہونے سے پہلے میری ملاقات حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے یوں ہوئی کہ کالج کی عمارت کے بڑے دروازے کے قریب تین چار احمدی طالب علم کھڑے تھے۔ چاند کے گرد ستاروں کا ہالہ۔ درمیان میں حضور تھے اور ارد گرد دوسرے احمدی طلبا تھے۔ غالباً میرے معروف صحافی ہونے کی وجہ سے یہ احمدی احباب مجھے پہچانتے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر مَیں ان کی طرف بڑھا اور السلام علیکم کہہ کر سب سے پہلے مَیں نے حضور سے ہاتھ ملایا۔ پھر دوسرے دوستوں سے۔ ابھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ کلاس لگنے کی گھنٹی بج گئی۔ ہمارا پہلا پیریڈ انگریزی کا تھا اور صرف میرا یہی پیریڈ حضور کے ساتھ مشترک تھا۔ حضور نے از راہِ شفقت میرا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے رکھا اور اسی طرح ہم کلاس روم میں داخل ہوئے اور ہم نشست ہو کر بنچ پر بیٹھ گئے۔ اُس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں یہ عام روایت تھی کہ عام طور پر اکثر طالب علم کلاس روم میں ایک بار جس سیٹ پر بیٹھ گئے آئندہ بھی اسی پر بیٹھتے رہے۔ چنانچہ ہم بھی اُس پہلے دن کلاس روم کی صف اوّل میں جن دو نشستوں پر بیٹھے آئندہ دو سال ان ہی نشستوں پر بیٹھتے رہے۔ اس طرح مجھے دو سال حضور کے ہم نشست ہونے کا شرف حاصل رہا۔

بہت جلد حضور کی تین خوبیاں کھل کر مجھ پر نمایاں ہوگئیں۔ پہلی خوبی حضور کی یہ تھی کہ بڑے سے بڑے حادثے کا روشن پہلو تلاش کر لیتے۔ حادثہ بہر حال حادثہ ہوتا ہے۔ لیکن منطقی طور پر اس کا کوئی روشن پہلو نظر آجائے تو انسان کو مایوسی کی ظلمت میں بھی روشنی کی کرن نظر آجاتی ہے۔ چنانچہ جس دوست پر بھی کوئی مصیبت آجاتی وہ حضور کی گفتگو سن کر کچھ نہ کچھ اطمینان پا لیتا۔ دوسری خوبی حضور میں یہ تھی کہ حضور کی طبیعت میں نہایت لطیف مزاح فراواں تھا۔ بے تکلف دوستوں میں حضور اکثر باتوں کو لطائف کا رنگ دے لیتے۔ کشادہ اور خندہ پیشانی، ہونٹوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں غیر معمولی اور پُرکشش چمک جادو کا اثر کرتی۔ جس کسی سے حضور مخاطب ہوتے وہ مسحور ہو جاتا۔ تیسری خوبی یہ تھی کہ حضور کسی کی غیبت کبھی نہ فرماتے۔ کسی دوست یا عزیز میں کوئی کمزوری دیکھ پاتے تو اسے ایک لطیفے کی شکل دے کر اکثر دوسروں کے سامنے اُس کا ذکر اُس کمزوری کے حوالہ سے اس لطیف انداز سے کرتے کہ وہ دوست خود بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکتا اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح بھی کر لیتا۔

کالج کھلے ابھی دس پندرہ روز ہوئے تھے کہ ایک دن کلاس شروع ہونے سے پہلے حضور نے فرمایا کہ مناسب ہے ہم احمدی طلباء مل کر ایک نئی تنظیم قائم کریں جس کا منشور اسلام اور احمدیت کی تبلیغ ہو۔ لیکن اس تنظیم کے ممبروں کی تعداد زیادہ نہ ہو۔ میں سمجھ گیا کہ حضور درحقیقت اپنے اس پروگرام کا نہ صرف ڈھانچہ تیار کر چکے ہیں بلکہ اس کی تفاصیل بھی ان کے ذہن میں ہیں۔ چنانچہ میں نے بے تکلفی سے گزارش کی کہ نہ صرف آپ اپنے ذہن میں تنظیم قائم کر چکے ہیں بلکہ غالباً ان طلباء کا انتخاب بھی اپنے ذہن میں فرما چکے ہیں جن کو اس تنظیم میں شامل کرنا ہے۔ اگر میرا قیاس صحیح ہے تو بسم اللہ کیجئے۔ چنانچہ حضور نے کچھ تفاصیل ارشاد فرمائیں۔ حضور کا قیام لاہور کی ایمپریس روڈ پر ایک کرائے کی عمارت میں واقع احمدیہ ہوسٹل میں تھا۔ ایک ہفتہ بعد حضور نے ہم چند احمدی طلباء کو احمدیہ ہوسٹل میں اکٹھا کیا اور اپنی سکیم رسمی طور پر ارشاد فرمادی۔ قرار پایا کہ اس تنظیم کا نام عشرہ کاملہ ہوگا اور لاہور کے مختلف کالجوں کے دس طلباء حضور سمیت اس کے ممبر ہوں گے۔ چنانچہ اُسی روز حضور کو متفقہ طور پر عشرہ کاملہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ اپنے علاوہ حضور نے جن طالب علموں کو اس کا رکن نامزد کیا ان میں سے جو نام مجھے اب تک یاد ہیں وہ حسب ذیل تھے۔ صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب ابن حضرت مرزا عزیز احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم۔ایم۔احمد)۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔ میاں محمد عمر صاحب (جو کچھ عرصہ ہوا ڈی ایس پی کے عہدے سے ریٹائر ہو کر اب ساہیوال میں آباد ہیں) اور خاکسار عبدالرشید تبسم۔

عشرہ کاملہ کا طریقِ کار حضور نے یہ تجویز فرمایا کہ نگارشاتِ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے ہر مہینے حضور ایک اقتباس منتخب فرمائیں گے جو آرٹ پیپر پر شائع کر کے لاہور کے تمام کالجوں کے طلباء میں تقسیم کیا جایا کرے گا چنانچہ عشرہ کاملہ کے ہر ممبر کے سپرد ایک یا دو کالج کر دیئے گئے۔ میرے ذمے لاہور کا لاء کالج ٹھہرا۔ ایک روزانہ اخبار کا ایڈیٹر ہونے کی وجہ سے میرا تعلق پریس سے تھا اس لئے ہر مہینے حضور اپنا منتخب کردہ اقتباس میرے سپرد کر دیتے جس کی کتابت کرا کر میں پانچ ہزار پمفلٹ کی صورت میں چھپواتا اور حضور کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ عشرہ کاملہ کی ماہوار رکنیت کا چندہ بھی تھا۔ اس رقم سے حضور بل ادا فرمادیتے عشرہ کاملہ نے جو پہلا پمفلٹ شائع کیا اس کا عنوان تھا "ہستی باری تعالیٰ"۔ وہ پمفلٹ زیادہ تر غیر مسلم طلباء میں تقسیم کیا گیا۔

دو ہی مہینے میں ان پمفلٹوں کا پورے لاہور میں بڑا شہرہ ہوگیا جس پر کچھ غیر مسلم عناصر سخت برہم ہوئے۔ اپنی برہمی کا ہدف انہوں نے حضور کو بنالیا۔ حضور کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور حضور پر حملے کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں۔ بعض دفعہ بڑا اشتعال پھیل جاتا۔ بعض دفعہ حضور کو کسی گہری سازش کا پتہ چلتا تو غصے سے حضور کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ بھرپور جوانی کا زمانہ۔ کوئی اور نوجوان ہوتا تو شاید سازشیوں کو غلیظ گالیاں دیتا لیکن ہر ایسے موقع پر حضور انتہائی ضبط سے کام لیتے اور صرف اتنا فرماتے:

"دیکھا! ان بے ایمانوں نے پھر میرے خلاف سازش کی"۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے دو سالہ زمانۂ طالب علمی کے دوران

حضور کا لباس ترکی ٹوپی، کوٹ، قمیص، سفید لٹھے کی شلوار اور سیاہ جوتا رہا۔

ایک خوبی حضور میں یہ تھی کہ آپ وقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آپ نے چند منٹ بھی کبھی ضائع نہ کئے۔ انتہا درجے کے محنتی تھے۔ سارا دن شدید محنت کرنے کے بعد رات کو سوتے تو بے حد گہری نیند آتی۔ اگر حضور کو کوئی شخص کچی نیند جگا دیتا تو حضور سخت تکلیف محسوس کرتے دن کو کلاس میں ہم بیٹھتے تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے:
"کیا آپ کو پتہ ہے گزشتہ رات مجھ پہ کیا گذری؟"
پھر خود ہی فرما دیتے:
"مجھے کچی نیند جگا دیا گیا"۔

میری رہائش بھاٹی گیٹ سے باہر ایک پرائیویٹ عمارت میں تھی۔ میرے ساتھ والے کمرے میں معروف شاعر حفیظ ہوشیار پوری رہتے تھے۔ وہ مجھ سے ایک سال سینئر تھے اور میرے جگری دوست تھے۔ اُس زمانے میں مولوی ظفر علی خان اپنے اخبار زمیندار میں احمدیوں کے خلاف بہت لکھا کرتے تھے۔ ایک چھٹی کے دن وہ اصرار کر کے مجھے اپنے ہمراہ زمیندار کے دفتر مولوی ظفر علی کے پاس لے گئے۔ مولوی صاحب کو پتہ نہیں تھا میں احمدی ہوں۔ ہم نے مولوی صاحب سے گزارش کی کہ وہ اپنا تازہ کلام سنائیں۔ مولوی صاحب نے اپنی نظم سنانا شروع کی تو اس کا مطلع ہی احمدیوں کے لئے ایک گالی تھا۔ حفیظ ہوشیار پوری نہ رہ سکے اور بول پڑے:
"مولانا! یہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں۔ تبسم صاحب احمدی ہیں"۔
مولانا نے معذرت کی اور خاموش ہو گئے۔ گہری سوچ کے بعد بولے:

"تبسم صاحب! میرے ایک سوال کا صاف جواب دیجئے۔ وہ سوال یہ ہے کہ (حضرت) مرزا غلام احمد بڑے تھے یا حضرت ابوبکر صدیق؟"

مَیں:۔ مولانا! آپ کے خیال میں حضرت ابوبکر کا کیا مقام تھا اور حضرت مرزا صاحب کا کیا دعویٰ تھا؟"

مولانا:۔ حضرت ابوبکر صدیق تھے اور (حضرت) مرزا صاحب نے کہا مَیں نبی ہوں۔

مَیں:۔ مولانا! آپ کا شکریہ۔ آپ نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا۔

میرے اس جواب پر مولوی ظفر علی خان پھڑک اٹھے اور حفیظ سے مخاطب ہو کر بولے: "حفیظ صاحب! کوئی احمدی شاعر نہیں ہو سکتا اور کوئی شاعر احمدی نہیں ہو سکتا۔ تبسم صاحب کو میرے پاس لاتے رہا کرو۔ یہ عظیم شاعر بن سکتے ہیں بشرطیکہ یہ احمدی نہ رہیں۔ ان کو احمدیت چھوڑنی ہی پڑے گی"۔

بات صرف اتنی ہوئی۔ ہم اٹھ کر آ گئے۔ دوسرے دن مولوی صاحب نے زمیندار اخبار کا پورا ایک صفحہ میرے خلاف لکھ مارا۔ اور ساتھ ہی دو دن بعد اسلامیہ کالج سے ملحق مسجد مبارک میں اس موضوع پر اپنا لیکچر رکھ دیا۔ مجھے اس کا پتہ نہیں تھا۔ لیکچر والے دن میرے تین چار غیر از جماعت دوست آئے اور کئی غلط بیانیاں کر کے مجھے اپنے ہمراہ اسلامیہ کالج لے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے مجھے زبردستی اٹھایا اور مسجد مبارک کے اندر لے گئے۔ اس وقت مولوی ظفر علی خان صحنِ مسجد کے درمیان کھڑے میرے خلاف تقریر کر رہے تھے۔ میرے دوستوں نے مجھے عین مولوی صاحب

کے پاس کھڑا کر دیا۔ مجھے دیکھ کر مولوی صاحب نے کہا:۔

"یہ ہے وہ مُنہ پھٹ اور دریدہ دہن آدمی۔ اب اسے یہاں سے زندہ نہیں جانے دینا چاہیئے۔ مسلمانو! تمہاری غیرت کا تقاضا ہے کہ اس کی ہڈی پسلی ایک کر دو"۔

اس پر سخت طیش اور اشتعال پھیل گیا۔ کئی لوگوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ مجھ پر پل پڑنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ شدید افراتفری پیدا ہو گئی۔ ابھی کوئی ہاتھ میرے جسم تک نہیں پہنچ پایا تھا کہ کچھ فاصلے سے ایک پُرجلال آواز گونجی۔

"مَیں عشرہ کاملہ کا صدر ہونے کی حیثیت سے عشرہ کاملہ کے رکن عبد الرشید تبسم کو حکم دیتا ہوں کہ وہ دس سیکنڈ کے اندر مجھ تک پہنچ جائیں۔ دس سیکنڈ کے اندر"۔

آواز میں بڑی دلیری اور بڑا جلال تھا۔ سب نے بوکھلا کر آواز دینے والے کی طرف گردنیں گھمائیں۔ مَیں نے آواز پہچان لی تھی۔ جو لوگ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے کھڑے ہو چکے تھے مَیں بڑی تیزی سے ان کو دھکیلتا اور بیٹھے ہوئے حاضرین جلسہ پر سے پھلانگتا ہوا سچ مچ دس سیکنڈ کے اندر آواز کے مرکز تک پہنچ گیا۔ مسجد کے عین کنارے پر صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد ہاکی بلند کئے کھڑے تھے۔ ساتھ پانچ چھ دوسرے احمدی طلباء ہاکیاں اٹھائے پوزیشن لئے اپنے لیڈر کے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ مَیں ان سے جا ملا تو پھر ایک آواز اُسی تہوّر، اُسی جلال سے بلند ہوئی۔

"ہم فساد کرنے یا کسی کی ہڈیاں توڑنے کے لئے نہیں آئے۔ ہم امن قائم رکھنے اور کسی مظلوم انسان کی ہڈیاں توڑنے کی کوشش کرنے والوں کو اس حرکت سے روکنے کے لئے آئے ہیں"۔

صاحبزادہ حضرت مرزا ناصر احمد کی آواز نے اچانک ہیبت طاری کر دی۔ مولوی ظفر علی صاحب اور حاضرین سب کے سب دم بخود ہو کر اُٹھی ہوئی ہاکیوں کی طرف تک رہے تھے کہ یہ مختصر سی فوج کہاں سے یکایک نازل ہو گئی۔

اب حضرت صاحبزادہ صاحب نے حرکت کی اور ان کی قیادت میں میرے سمیت دوسرے دوست "عظیم سٹریٹ" سے ہوتے ہوئے سرکلر روڈ پر آگئے۔ وہاں سے چند قدم آگے جا کر کراؤن ہوٹل کے قریب خالی جگہ پر پہنچے تو حضور کھڑے ہو گئے۔ سب نے ہاکیاں نیچی کر لی تھیں۔ اب حضور مجھ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ مَیں کیسے اس فساد کی جگہ پہنچ گیا۔ مَیں نے ساری صورت حال بیان کر دی۔

معلوم ہوا اُس دن حضور کشتی رانی کے لئے چند دوستوں سمیت دریائے راوی پر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ کشتی رانی سے فارغ ہو کر احمدیہ ہوسٹل واپس جانے کے لئے دریائے راوی سے روانہ ہوئے تو کسی نے ذکر کیا کہ آج اسی وقت مسجد مبارک میں مولوی ظفر علی خان کی تقریر ہے۔ مولوی صاحب ہمیشہ احمدیوں کے خلاف تقریر کیا کرتے تھے اس لئے حضور کو خیال آیا کہ واپس جاتے وقت راستے میں مولوی صاحب کی تقریر کا کچھ حصہ بھی سُن لیں۔ چنانچہ وہ عین اُس وقت مسجد مبارک کے کنارے پہنچے جب مولوی صاحب حاضرین کو مشتعل کر رہے تھے کہ وہ میری ہڈی پسلی ایک کر دیں۔ پمفلٹوں کی تقسیم کی وجہ سے چونکہ بعض عناصر حضور کے خلاف اشتعال پیدا

کرتے تھے اس لئے حضور اکثر ہاکی اپنے ہاتھ میں رکھتے اور چند دوستوں کی معیت میں ہوسٹل سے کسی دوسری جگہ جاتے تو ہر دوست کے ہاتھ میں ہاکی ہوا کرتی تھی۔

بی۔ اے کا یونیورسٹی کا امتحان ہو رہا تھا۔ ایک دن رات کے بارہ بجے ہمارے تین چار کلاس فیلو میرے پاس آئے۔ مَیں سو گیا تھا۔ مجھے جگا کر بتایا گیا کہ صبح کو جو امتحانی پرچہ آئے گا وہ پہلے سے آؤٹ ہو گیا ہے اور ہم نے اس کی نقل حاصل کر لی ہے جو اس وقت ہمارے پاس ہے۔ یہ وہ بغرازِ جماعت دوست تھے جو حضور کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس وقت ان کا اصل جذبہ تھا کہ صبح آنے والے سوالات وہ حضور کو قبل از وقت بتا دیں تا کہ ان کو فائدہ پہنچ جائے۔ ان کو پتہ تھا کہ حضور سے میرا گہرا ربط ہے اس لئے وہ سیدھے حضور کے پاس جانے کی بجائے میرے پاس چلے آئے کہ ہم سب مل کر حضور کے پاس چلیں۔ مَیں نے ان کو سمجھایا کہ حضور کو کچی نیند سے اٹھانا مناسب نہیں۔ مگر وہ میری ایک نہ مانے۔ ٹانگہ ساتھ لائے تھے۔ بڑے اصرار کے بعد مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھایا اور ہم سب رات کے ساڑھے بارہ بجے احمدیہ ہوسٹل پہنچ گئے۔ مَیں پیچھے ہو گیا۔ ان لوگوں نے حضور کو جگایا اور امتحانی پرچے کی نقل بڑے فخر سے اُن کے سامنے کر دی۔

حضور نے وہ نقل نہ پکڑی اور فرمایا:۔

"مَیں صرف اُس محنت کا صلہ لینے کا حقدار ہوں جو مَیں نے کی۔ جو نمبر مفت ملتے ہوں وہ مَیں کبھی نہیں لوں گا۔ تم نے اپنی سمجھ کے مطابق مجھے فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے لئے میری طرف سے شکریہ۔ مگر اب مجھے سونے دیجئے۔"

یہ کہہ کر حضور پیچھے ہٹ گئے۔ پرچہ بردار دوست شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے ابتدائی دورِ تعلیم میں حضور نے بعض تقریری مقابلہ جات میں بھی حصہ لیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت ان کی تقریر عمومی سطح پر ہی رہی۔ چنانچہ لمبا عرصہ پر جب حضور مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حضور کی فصاحت و بلاغت اور روانیٔ گفتار کا ایسا سکّہ بٹھایا کہ سُننے والے کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ جاتا۔

واقعات بے شمار ہیں۔ باتیں بے پناہ ہیں۔ یادوں کا کارواں ہے کہ بڑھتا چلا آتا ہے مگر قلم ساتھ نہیں دیتا۔ آنکھیں دھندلا جاتی ہیں۔ اے خدا ہمارے پیارے آقا کو اپنی بھرپور محبت سے نواز۔ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ دے اور ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر کرتا چلا جا۔ — آمین۔

تشنہ روحوں کو پلا دے
شربتِ وصل و لقا

قرب کی باتیں

مکرم مولانا
نسیم سیفی صاحب وکیل التصنیف تحریک جدید
:- ربوہ -:

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو خاکسار نے حضور انور کی خلافت سے پہلے بھی دیکھا اور خلافت کے دوران بھی اور اگرچہ بہت سے احباب نے حضور کو بہت قریب سے دیکھا ہوگا۔ لیکن خاکسار کو بھی اس بات کا شدت سے احساس ہے اور یہ بات دل میں عقیدت اور محبت کے جذبات کو بڑھاتی ہے کہ خاکسار نے بھی حضور کو نہایت قریب سے دیکھا۔ بات لمبی ہے اور دامنِ قرطاس کوتاہ - میں صرف چند باتیں اور وہ بھی نہایت اختصار سے پیش کر کے اپنے آپ کو ان خوش نصیب دوستوں میں شامل کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے خالد کے لیے حضور سے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے پہلی جھلک حضور کے چہرہ انور کی اس وقت دیکھی جب حضور حضرت بیگم صاحبہ کا رخصتانہ کرا کر قادیان پہنچے - میں بھی ریلوے سٹیشن پر حضور کی جھلک دیکھنے کے لیے پہنچا ہوا تھا۔

حضور نے سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا اور دوست باتیں یہ کر رہے تھے کہ چونکہ حضور کی طبیعت شرمیلی ہے اس لیے سیاہ چشمہ لگایا ہوا ہے وہ نظارہ ہمیشہ نظروں کے سامنے رہا اور حضور کی حیادار طبیعت نے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑا - اس کے بعد خاکسار دہلی میں حکومتِ ہند کے دفاتر میں ملازم تھا۔ خدام الاحمدیہ کی بہت گہما گہمی رہتی تھی - حضور رحمہ اللہ تعالیٰ دہلی تشریف لائے ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن ان ملاقاتوں میں سے ایک موقع دل پر خاص طور پر نقش چھوڑ گیا اور وہ تھی حضور کی واپسی کی شام - جب دہلی کے خدام اور دیگر احباب حضور کو ریلوے سٹیشن پر الوداع کہنے گئے تو وہاں کی ایک بات ذہن پر نقش ہو گئی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ حضور گاڑی کے ڈبے کے پائیدان پر پاؤں رکھ کر کھڑے تھے اور گفتگو قرآن مجید کے معانی و مطالب کے متعلق ہو رہی تھی۔ خود قرآن کریم کی تفسیر کے نکات بیان فرما رہے تھے۔ الوداع کے وقت باتیں تو اور قسم کی کی جاتی ہیں لیکن حضور نے اس وقت بھی قرآن مجید کے مطالب و معانی کی بات کی اور وہ بھی جماعت کی تربیت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے۔

وقت گزرتا گیا میں دہلی سے ملازمت ترک کر کے واقفِ زندگی ہو گیا اور نائیجیریا بھجوا دیا گیا۔

۱۹۴۵ء کے ابتدائی ایام میں گیا تھا اور ۱۹۶۴ء کے نصف میں واپس آیا۔ مرکز سے ایک لمبا عرصہ دوری کے باعث مرکز کے دوستوں سے ایک حجاب سا تھا اس لیے بھی میں نے کبھی خود آگے بڑھ کر یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا کہ "جی مجھے نسیم سیفی کہتے ہیں"۔ ہے تو یہ کمزوری لیکن بہرحال ہے اور

مجھے اس کا اعتراف بھی ہے۔

محترم قاضی نذیر احمد صاحب لائلپوری کے ساتھ ایک دورے پر دوالمیال گیا ہوا تھا وہاں کی جماعت نے جلسہ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ جلسہ ہو رہا تھا کہ پتہ چلا کہ حضرت صدر صاحب (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب) اور محترم مولانا ابوالعطاء صاحب تشریف لائے ہیں۔ جلسہ مسجد میں ہو رہا تھا محترم قاضی صاحب نے کرسی صدارت حضرت صدر صاحب کے لیے خالی کر دی۔ حضور وہاں تشریف فرما ہو گئے۔ خاکسار احباب کے ساتھ کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا۔ حضرت صدر صاحب نے مولانا ابوالعطاء صاحب سے آہستگی سے پوچھا کہ وہ کون ہے (غالباً یہی پوچھا ہو گا) حضرت مولوی صاحب نے کچھ کہا اور میں نے یہ حیران کن منظر دیکھا کہ حضرت صدر صاحب اپنی کرسی چھوڑ کر میرے پاس آ گئے مجھے گلے سے لگا لیا اور فرمانے لگے آپ ملے ہی نہیں۔ شرمندگی بھی ہوئی اور دل میں مسرت کی ایک لہر بھی دوڑ گئی اس کے بعد حضرت صدر صاحب کے ساتھ کئی دوروں کا شرف حاصل رہا۔ حضور کی ان دوروں میں شفقت تو سب پر تھی لیکن میں سمجھتا تھا کہ مجھ پر سب سے زیادہ ہے۔ بعض اوقات تو بات ایسی ہو جاتی کہ میں شرمندگی سے پانی پانی ہو جاتا۔ راستے میں ایک دفعہ نماز پڑھنے کا پروگرام بنا اور تمام دوست وضو کرنے لگے۔ حضور میرے پاس تشریف لائے اور جلدی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا "اچکن مجھے پکڑا دیں"۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔ لیکن اس نوازش نے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ ان دوروں کے دوران ایک خاص بات جس نے مجھے متاثر کیا وہ یہ تھی کہ جب بھی ہماری موٹر کسی ایسی جگہ سے گزرتی جہاں سے سکول کے بچے "چھٹی کے بعد گھر جا رہے ہوتے تو سارا وقت حضور ہاتھ ہلا کر بچوں کو سلام کرتے جاتے۔ جب حضور رحمہ اللہ تعالیٰ خلافت پر متمکن ہوئے تو حضور کی شفقت کئی گنا بڑھ گئی۔ کئی دفعہ شام کے وقت مجھے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب یا مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کا نوٹ ملا کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ اپنی بیاض لیتے آئیں اور اس طرح خاصہ وقت اکٹھے گزرتا۔

حضور انور کا ایک مصرع آپ کی خدمت میں ان جذبات کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ ایسی محبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند سے بلند درجات عطا فرمائے۔

ایک دفعہ میں نے گھر میں بنا ہوا ایک کیک حضور کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک تقریب میں حضور نے میرے کان کے پاس منہ کر کے فرمایا ؏

"کس سیف سے ہم کاٹیں اس کیک کے تحفہ کو"

حضور نے پگڑی کا ایک تحفہ عنایت فرمایا تھا اس عنایت کے چند روز بعد میں شدید گرمی کے باعث ایک دن ٹوپی پہن کر دفتر چلا گیا اور خیال تھا کہ اس روز دفتری طور پر حضور سے ملاقات کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن حضور نے یاد فرما لیا اور دیکھتے ہی مسکرا دیئے اور فرمایا کہ آپ کو تو پگڑی دی تھی آپ نے ٹوپی پہنی ہوئی ہے۔

میرا عام دستور تو یہ رہا ہے کہ اگر ٹوپی پہن کر کبھی دفتر جاتا تو حضور سے ملاقات کے لیے گھر سے پگڑی منگوا لیا کرتا تھا لیکن اس روز جلدی سے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی ضرورت پیش آ گئی تو ٹوپی پہنے ہی حضور کی خدمت میں جا پہنچا۔ حضور کی طبیعت علیل تھی Albania Speaks چھپوانے کے لیے مجھے دو تین دفعہ کراچی بھجوایا گیا جب یہ کام ختم ہو گیا اور اس کے معاً بعد عید الاضحی آئی تو حضور کا ارشاد ملا

(بقیہ صفحہ ۲۳۶ پر)
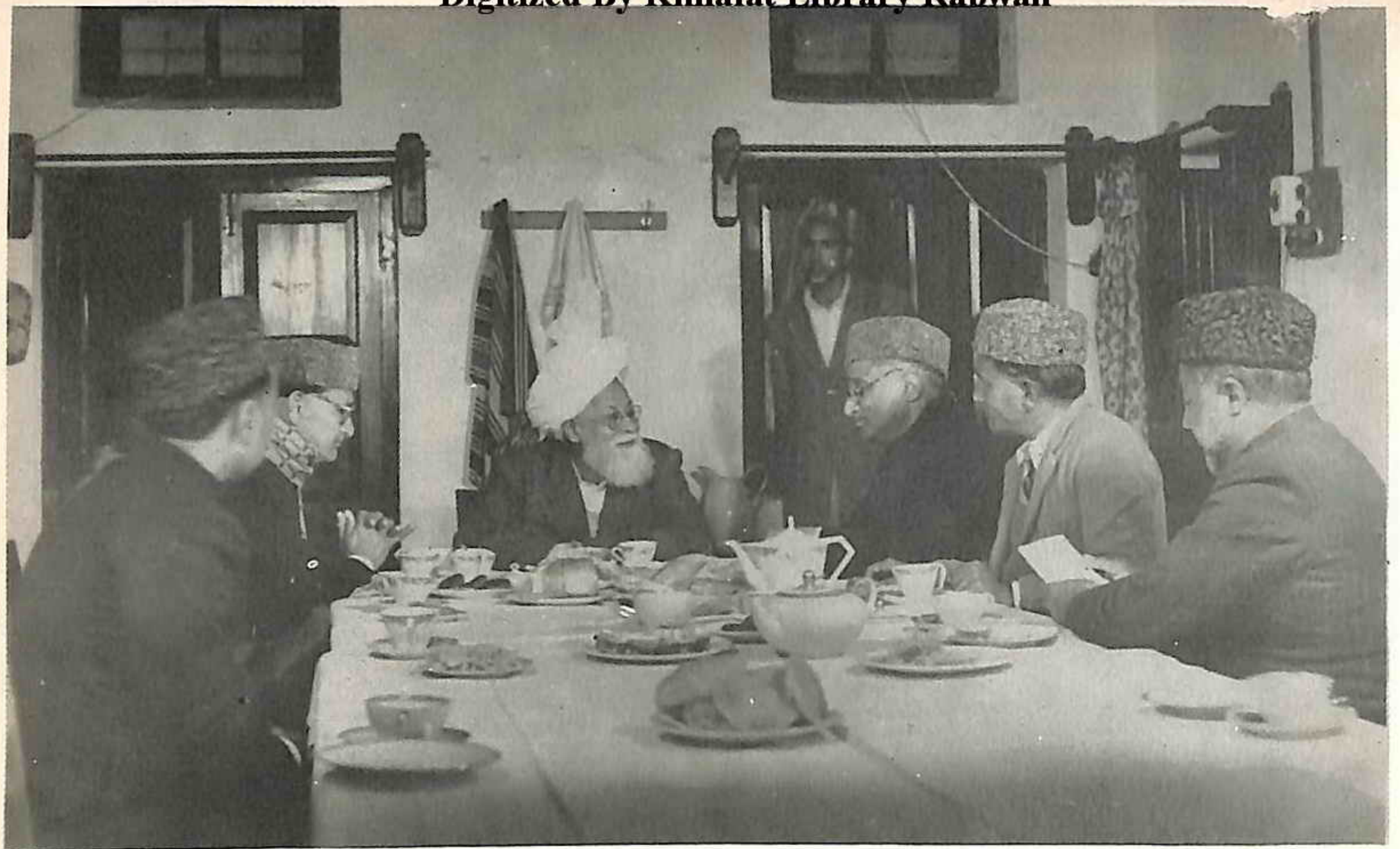
معروف صحافی، کالم نگار جناب عبدالمجید سالک اور دیگر دانشوروں کے ساتھ

ماہرین تعلیم کے ایک گروپ کے ساتھ

صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب کے کامیاب دورہ سے واپسی پر استقبالیہ تقریب کا منظر

اجتماع خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے موقعے پر حضورؒ کا استقبال

اپنے استاد جناب صوفی غلام مصطفےٰ تبسم مرحوم کے ساتھ

نامور شاعر احسان دانش (داشیں) اور ایک دوست کے ہمراہ

مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۷۹-۱۹۷۸ء کے ہمراہ

مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ ۸۲-۱۹۸۱ء کے ہمراہ

محسنؒ کی یاد میں

مکرم محبوب عالم صاحب خالد
ناظر بیت المال آمد

خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے طالب علمی کے زمانہ سے لے کر آخر تک حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ رفاقت و قربت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ پہلے مدرسہ احمدیہ قادیان میں پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں حضور کے ساتھ رہا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب حضور جامعہ احمدیہ میں استاد اور پھر پرنسپل مقرر ہوئے اور پھر تعلیم الاسلام کالج میں پرنسپل مقرر ہوئے تو خاکسار کو جامعہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام کالج میں حضور کے ماتحت لمبا عرصہ تک کام کرنے کی سعادت حاصل رہی۔ جب حضور صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے صدر مقرر ہوئے تو کچھ عرصہ کے بعد ہی حضور نے خاکسار کو اپنا سیکرٹری مقرر فرمالیا۔ جب حضور مجلس انصار اللہ کے صدر بنے تو حضور کے ساتھ ایک لمبا عرصہ خاکسار کو قائد عمومی کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ حضور کے عہدۂ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سالہا سال تک خاکسار کو نظارت بیت المال آمد کے علاوہ حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس تمام عرصہ میں جو کم و بیش نصف صدی سے زائد بنتا ہے خاکسار نے حضور کے بارہ میں بہت قریب سے جو کچھ دیکھا وہ ایک متحرک فلم کی طرح ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے ہے۔ مگر جب انہیں ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کرتا ہوں تو جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم کروں۔

خاکسار نے اس تمام عرصہ میں جو کچھ دیکھا سمجھا اور مشاہدہ کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور کا وجود مجسم شفقت مجسم پیار اور مجسم محبت تھا۔ مجسم رحیم و کریم۔ ایثار اور فدائیت کے پتلے اطاعت شعار دعاگو۔ نہایت درجہ فرض شناس۔ بے حد محنتی۔ انتھک خادم دین۔ متحمل مزاج۔ زندگی وقف کی تو والد والا تبار کی خواہش کے مطابق وقف کے عہد کو انتہائی عمدگی سے آخر تک نبھایا۔ سبھی نعمتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو نوازا عمر بھر خدا تعالےٰ کی رضا کے حصول کے لیے قربان کر دیں۔ یہ امر ہمیشہ ذہن میں مستحضر رہا کہ آپ واقف زندگی ہیں۔ تنگی ترشی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی عمر بھر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ جو کام سپرد ہوا خندہ پیشانی سے سر تسلیم خم کردیا۔ اور اس کی سرانجام دہی کے لیے تن من دھن رات دن وقف رکھا۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کے فضل سے حقیقی معنی میں دین کے لیے وقف رہا۔ نہ صبح دیکھی

نہ شام نہ رات دیکھی نہ دن۔ جب بھی حکم ہوا جو بھی حکم ہوا دعائیں کرتے ہوئے اللہ کے حضور عاجزانہ جھکتے ہوئے اس کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اپنے تئیں کبھی کچھ نہ سمجھا۔ زندگی بھر عجز وانکسار کا مجسمہ بنے رہے۔

خاکسار نے عمر بھر آپ کی زبان سے ایک فقرہ بھی ایسا نہیں سُنا جس میں اس امر کا شائبہ بھی ہو کہ مَیں نے کچھ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کام کرنے کی توفیق دی اسے محض اس کا فضل سمجھا اور اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ بنتے ہوئے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کی رضا کی راہوں کی تلاش میں گزارا۔ آپ کی زبان پر ہمیشہ ربّ انّی لما انزلت الیّ من خیر فقیر کا ورد رہا۔ عہدِ خلافت ثالثہ میں احبابِ جماعت کو بھی بار بار اس امر کی تلقین فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ طور پر جھکیں اور شکرگزار بندے بنیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر اس کی حمد کرتے ہوئے اپنے اوقات گزاریں۔ چند واقعات جو اس وقت ذہن میں آ رہے ہیں عرض کرتا ہوں:۔

آپ جن دنوں مدرسہ احمدیہ کے طالب علم تھے ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے پہلے دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے فرمایا کہ جلسہ گاہ تنگ ہے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت کے سامنے کے میدان میں سٹیج کے اردگرد ایک چھوٹی سی جگہ میں جلسہ گاہ تیار کی گئی تھی۔ جس کے چاروں طرف سیڑھیوں پر شہتیریاں رکھ کر گیلریاں بنا دی گئی تھی جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے فرمایا کہ جلسہ گاہ تنگ ہے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے چند ساتھیوں کو لیا اور رات بھر شدید سردی اور اندھیرے میں کم و بیش پون میل کے فاصلے سے شہتیریاں اپنے کندھوں پر اٹھا کر جلسہ گاہ میں لاتے رہے پھر خود سیڑھیاں بنائیں۔ اور ان پر شہتیریاں رکھ کر راتوں رات جلسہ گاہ میں توسیع کر دی۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے بے حد خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو تبلیغ کا بیحد شوق تھا۔ کالج کے زمانہ میں ہم احمدیہ ہوسٹل لاہور میں مقیم تھے۔ ان ایام میں مکرم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحوم نے احمدیہ فیلو شپ آف یوتھ کے نام سے ایک مجلس قائم کی جو تبلیغی ٹریکٹ شائع کرتی۔ انہی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے دس طلباء پر مشتمل عشرہ کاملہ کے نام سے ایک مجلس قائم فرمائی جو ہر ماہ آرٹ پیپر پر حضرت مسیح موعود (حضور پر ہزاروں سلام نازل ہوں) کے اقتباسات شائع کر کے طلباء میں تقسیم کرتی۔ ان دونوں مجالس کے کام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت برکت ڈالی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ حضور سے راضی ہو) جب لاہور تشریف لائے تو دہلی دروازہ کی مسجد میں اپنے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کے کام پر بے حد خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کالج سے گریجوایشن کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلستان تشریف لے گئے ۱۹۳۸ء کے آخر میں واپس تشریف لائے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو جامعہ احمدیہ میں استاد مقرر فرما دیا۔ اسی سال کے آغاز آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زیر ارشاد مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اسی زمانہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کی رکنیت طوعی تھی۔ لازمی نہیں تھی۔ خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بھی اس مجلس کے ممبر بن جائیں آپ نے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کی۔ لیکن جب خاکسار نے عرض کیا کہ مجلس خدام الاحمدیہ حضرت مصلح موعود کے منشاء کے

مطابق قائم ہوئی ہے تو آپ نے فوراً اس کی رکنیت اختیار کر لی اور پھر ایک لمبے عرصہ تک مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر کے طور پر کام کرتے رہے۔ خاکسار نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ آپ کے دل میں حضرت مصلح موعود کا غیر معمولی اور بیحد احترام تھا۔ کبھی بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے بھی آپ کی زبان سے کوئی ایسا فقرہ نہ نکلتا جو بعض اوقات ایک بیٹا اپنے والد ماجد کا پیار سے ذکر کرتے ہوئے بے تکلفی سے کہہ جاتا ہے۔ آپ نے ہمیشہ حضور کو خلیفۃ المسیح ہی سمجھا اور خلافت کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ اور ہمیشہ حضرت صاحب یا حضور کا لفظ استعمال کرتے۔ بچپن اور جوانی حضرت اماں جان (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) کے سایہ عاطفت میں گزارا۔ آپ حضرت اماں جان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے فٹ بال کھیلنے کا شوق تھا۔ حضرت اماں جان کا حکم تھا کہ مغرب کی نماز مسجد مبارک میں ادا کریں۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی گراؤنڈ میں جو مسجد مبارک قادیان سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھی آپ فٹ بال کھیلنے کے لیے تشریف لے جاتے مگر ہمیشہ ایسے وقت پر کھیل ختم کر دیتے کہ مغرب کی نماز مسجد مبارک میں باجماعت ادا کر سکیں۔

خلافت کے ایام میں رات دن ایک کر کے بڑی محنت سے کام کیا آپ رات کے دو اڑھائی بجے تک کام کرتے اور اس وقت نہ سوتے جب تک کام ختم نہ ہو جاتا۔ وفات سے قبل رمضان شریف میں ایک دن خاکسار سے فرمایا کہ گزشتہ ۳۶ گھنٹوں میں صرف دو گھنٹے آرام کیا۔ رات کام کرتے کرتے اڑھائی بج چکے تھے ۲ گھنٹے سویا پھر نماز فجر کے بعد لیٹا سو نہ سکا۔ کام شروع کر دیا۔ نماز عصر تک کام کرتا رہا مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد مبارک میں گیا تو ضعف کی وجہ سے سر نہ اٹھا سکتا تھا۔

۱۹۷۴ء میں بہت سی جماعتیں متاثر ہوئیں دوست کثرت کے ساتھ حضور کی ملاقات کے لیے آتے۔ حضور روزانہ صبح سات آٹھ بجے سے قریباً مغرب تک دوستوں کے گروپوں کی شکل میں اجتماعی ملاقات فرماتے۔ ہر گروہ میں آدھ پون گھنٹہ تقریر فرماتے۔ زخمی دلوں پر پھاہا رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے یاد دلاتے اکثر دوست روتے ہوئے آتے اور ہنستے مسکراتے چہروں کے ساتھ واپس جاتے۔

حضور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے نعمتیں بھیجتا ہے۔ میں وہ تقسیم کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور دے دیتا ہے چنانچہ ثاقب صاحب محترم اور ایک اور شاعر دوست مکرم کلیم عثمانی صاحب کو بھی حضور نے اپنے قلم مرحمت فرمائے تھے۔ اس ناچیز خادم کو بھی ایک پارکر قلم عنایت فرمایا تھا۔ اکثر اور بھی چیزیں دیتے رہتے تھے۔ بعض دوست حضور سے دستخط والی تصویر کی درخواست کرتے تو اپنی تصویر مرحمت فرما دیتے تھے۔ حضور بعض اوقات کام کرتے کرتے تھک جاتے تو اپنے اس ناچیز خادم سے کچھ مزاحیہ باتیں فرماتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر دفتر میں کام سے فارغ ہو کر اُٹھے تو مجھے میز پر حضور کی ایک رنگین تصویر نظر آئی۔ حضور سے عرض کیا۔ حضور دستخط فرما کر مجھے دیدیں تو مہربانی ہو گی۔ میز پر تصویر کے ساتھ ہی ایک لفافہ پڑا پڑا تھا۔ وہ اٹھا کر اس کی پُشت پر دستخط فرما دیئے اور لفافہ خاکسار کو دیدیا۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا تم نے اسی لفافے کی طرف اشارہ کیا تھا؟ ۔ خاکسار نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں کپڑے کے نمونے کی کترنیں تھیں۔

ایک دفعہ قادیان میں الفضل میں یہ بحث چل نکلی کہ ہمارا نصب العین اور ماٹو کیا ہے اس پر حضرت میر محمد اسماعیل صاحب اور بعض بزرگان نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ایک دن قادیان میں حضور کی قیام گاہ النصرت میں ہم دونوں بیٹھے تھے۔ مَیں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک ہمارا ماٹو کیا ہونا چاہیئے حضور نے اس بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ چند دن کے بعد الفضل میں میرا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں اُسی ماٹو کا ذکر تھا جو حضور نے فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضور اکثر اپنی وفات سے قبل تک اپنے دوستوں سے مسکراتے ہوئے بیان فرمایا کرتے تھے کہ خالد میرے مضمون چرا لیا کرتا ہے۔ اس کے بعد حضور اس سارے واقع کا ذکر فرماتے تھے۔

حضور اس عاجز کے بیوی بچوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ گزشتہ مشاورت کے ایام میں خاکسار کی اہلیہ علیل تھیں۔ خاکسار نے شام کے وقت حضور کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا کہ ازراہ کرم علاج کے لیے انہیں لاہور لے جانے کے لیے کار عطا فرما دی جائے۔

اگلی صبح مجلس مشاورت میں سٹیج پر تشریف فرما ہوئے تو فوراً خاکسار سے دریافت فرمایا کیا حال ہے۔ خاکسار نے عرض کیا ٹھیک ہے فرمایا مَیں تمہارا نہیں تمہاری بیوی کا حال پوچھ رہا ہوں۔ خاکسار نے گھر میں آکے اس کا ذکر کیا تو میری بیوی بہت خوش ہوئیں بار بار کہتیں کہ حضور نے ہزاروں لوگوں کے سامنے میرا حال پوچھا ہے۔ اپنے تئیں بہت خوش نصیب محسوس کرتیں۔

میرا ایک بچہ مسعود احمد خالد جرمنی تھا حضور وہاں تشریف لے گئے۔ قریباً اڑھائی صد نوجوان نصف دائرہ میں کھڑے تھے۔ حضور نے ایک طرف سے دیکھنا شروع کیا جب عزیز مسعود پر نظر پڑی تو بڑے غور سے دیکھ کر فرمانے لگے "ابن خالد تم یہاں کہاں؟" بچے نے ذکر کیا کہ دوسرے نوجوان اس پر رشک کرتے تھے کہ حضور تمہیں پہچانتے ہیں۔

پہلے اتوار کے روز اور پھر جمعرات کے روز دوست کثرت سے ملنے کے لیے تشریف لاتے ملاقوں کے درمیان وقفہ میں حضرت بیگم صاحبہ حضور کے لیے دودھ اور کیلے ناشتے کے لیے بھجوا دیتیں۔ حضور اس میں سے تبرکاً اس خاکسار کو بھی عنایت فرما دیتے۔ ایک دفعہ گلاس میں سے آدھا دودھ پیا اور باقی دودھ خاکسار کو عطا فر دیا۔ ایک دفعہ نصف کیلا کھایا اور باقی خاکسار کو تبرک دیدیا۔

حضور نے خاکسار کو اپنی گرم اچکن عطا فرمائی اسوقت خاکسار پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مسجد اقصیٰ سے نماز جمعہ کے بعد واپس آرہے تھے تو مَیں نے راستے میں عرض کی کہ حضور نے جو اچکن عطا فرمائی تھی۔ وہ اب پھٹ رہی ہے۔ فرمایا تم یونہی کہتے ہو کل مجھے لاکے دکھاؤ۔ جب گھر پہنچے۔ کار سے اترے فرمایا ٹھہرو میں تمہیں ایک اور اچکن دیتا ہوں۔ گھر میں تشریف لے گئے اور خاکسار کے لیے ایک اور گرم اچکن لے آئے اور مجھے دیدی۔

حضور خدا کے فضل سے زبردست قوتِ فیصلہ کے مالک تھے۔ ابھی آدھی بات کی ہوتی تو حضور اس کی تہہ تک پہنچ جاتے اور راہنمائی فرما دیتے۔ بعد کے حالات بتاتے کہ حضور کا فیصلہ ہی صحیح تھا۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل یقین تھا اور اللہ تعالیٰ پر حضور کو کامل توکل تھا۔ اسی لیے انتہائی مشکل اور نازک موقعوں پر بھی آپ کی بشاشت خدا کے فضل سے قائم رہی۔

ایک چٹان کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی حضور کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نہیں دیکھے گئے۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر آپ قادیان میں ٹھہرے رہے اور دیر سے پاکستان تشریف لائے۔ بعد میں اکثر دوستوں سے فرمایا کرتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں اسوقت جب کہ ہمارے سروں کے اوپر سے گولیاں گزر رہی ہوتی تھیں۔ ہم نے اپنے اوقات ہنسنے اور خوش رہنے میں گزارے اتنی ہنسی کے ایام بعد میں کم ہی آئے ہونگے

۱۹۷۴ء میں بھی حضور کی یہی کیفیت تھی۔ انتہائی مشکل حالات میں بھی بشاشت قائم تھی۔ کبھی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی آپ کے چہرہ پر گھبراہٹ کے آثار نہیں آئے۔ مجسّم کوہ وقار تھے اور دوستوں کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تخشوا الناس واخشونی۔ خدا کے سوا کسی نہ ڈرو۔ اس حکم ربّانی کو ہمیشہ سامنے رکھو۔

۱۹۷۴ء میں ایک روز جمعہ کی نماز کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے۔ کار میں بیٹھے تو خاکسار نے عرض کیا حضور کیسی طبیعت ہے فرمایا طبیعت اچھی ہے مگر کئی دن سے سویا نہیں۔ اور ۱۹۷۷ء کے انصاراللہ کے مرکزی اجتماع میں تقریر فرماتے ہوئے حضور نے فرمایا ۱۹۷۴ء میں میں تین مہینے سویا نہیں۔ کیسا محسن وجود تھا۔ ہم ناچیز خدام سوئے ہوتے اور حضور ہمارے لیے جاگ رہے ہوتے تھے

حضور کے ساتھ خاکسار کو گھنٹوں بیٹھنے کا موقع ملتا۔ حضور ڈاک دیکھ رہے ہوتے یا کسی اور کام میں مصروف ہوتے تو خاکسار سے فرماتے تم خاموش بیٹھے استغفار کرتے رہو۔ خاکسار خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر استغفار کرتا اور دعائیں کرتا رہتا اور جو حضور ارشاد فرماتے خاکسار اس کی تعمیل کر دیتا۔

حضور اپنے خدام کا کس درجہ خیال رکھتے اس کے لیے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ جلسہ سالانہ کے قریب حضور اکثر اس ناچیز خادم کو رات کے وقت یاد فرما لیتے رات گئے تک ساتھ رکھتے تھے اور کام میں مصروف رہتے۔

۱۹۸۱ء کے جلسہ سالانہ پر خاکسار کی صحت کی کمزوری کے پیشِ نظر حضور نے ایک دن فرمایا تم رات کو کتنے بجے سوتے ہو۔ عرض کیا خاکسار تو نماز عشاء کے بعد ہی لیٹ جاتا ہے۔ فرمایا اچھا چند دن تمہارے لیے نماز عشاء کے بعد کھانا نہیں کھاؤں گا تاکہ تمہیں زیادہ دیر نہ ہو جائے۔ نماز عشاء پڑھتے ہی تم آجایا کرو۔ ہم کام شروع کر دیا کریں گے۔ اور پھر کھانا اس وقت کھاؤں گا۔ جب رات کو کام سے فارغ ہوں گا۔ ان ایام میں حضور اکثر بارہ ۱۲ ساڑھے بارہ ۱/۲ ۱۲ بجے شب کے بعد تشریف لے جا کر شام کا کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ خود تکلیف اٹھاتے مگر اس عاجز خادم کو تکلیف نہ ہونے دیتے۔ اللہ اللہ آپ کس قدر خلقِ عظیم کے مالک تھے۔

حضور اکثر کسی تقریب یا کسی دعوت میں تشریف لاتے اور اس میں خاکسار بھی شریک ہوتا۔ تو حضور کا طریق یہ تھا کہ خاکسار کے بارہ میں کوئی نہ کوئی بات مزاحیہ انداز میں فرماتے تھے۔ حضور کی وفات سے تین ہفتہ قبل حضور ایک دعوت میں تشریف لائے۔ بیس پچیس دوست اور بھی موجود تھے۔ حضور وہاں ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب ٹھہرے مگر خاموش رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضور کے دل پر کوئی بوجھ ہے۔ خاکسار کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں خاکسار سے حضور ناراض نہ ہوں۔ اگلے دن حضور نے خاکسار کو یاد فرمالیا کام

(بقیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ

بحیثیت پرنسپل

تعلیم الاسلام کالج

از پروفیسر بشارت الرحمن ایم۔اے جامعہ احمدیہ ربوہ

خلافت راشدہ ایک انعامی تاج ہوتا ہے۔ جو جماعت مومنین کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے رکھا جاتا ہے۔ ہاں اس جماعت مومنین کے سر پر جو ایمان اور اعمالِ صالحہ اور بالخصوص ایمان بالخلافۃ اور خلافت کو قائم و دائم رکھنے والے ضروری اعمال وصالحہ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہوتی ہے۔ بفحوائے آیت کریمہ:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ ۔ (سورۂ نور)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ خلیفۂ وقت اور جماعت ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ انتخاب خلافت کے وقت اللہ تعالیٰ اُس وقت کے مومنوں میں سے اعلیٰ ترین اور اتقیٰ وجود کو ظاہر کر دیتا ہے۔ تاہم وہ وجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتا ہے تو اپنے پہلے وجود کی نسبت سے بہت زیادہ چمک اٹھتا ہے۔ اس کی وہ استعدادیں اور کمالات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست خلیفۃ اللہ ہونے کے متعلق کے بعد نمایاں طور پر جگمگا اٹھتے ہیں، پہلے بھی اس کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ مگر اپنی پوری شان اور آب و تاب بعد میں ہی ظاہر کرتے ہیں۔

اسی طرح کی نمایاں اور اچانک چمک خلافت کی مسند پر قدم رکھنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ میں بھی پیدا ہوئی۔ اگرچہ خلافت سے پہلے کے زمانے میں بھی وہ استعدادیں اور کمالات ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

حضورِ انور رحمہ اللہ تعالیٰ یکم مئی ۱۹۴۴ء سے لے کر ۸ رنومبر ۱۹۶۵ء تک پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان لاہور و ربوہ کے عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے۔ اس تمام عرصہ میں یہ عاجز بھی آپ کے قدموں میں اسی کالج کا پروفیسر رہا اور رات دن حضور کے زیر سایہ کام کرنے کی توفیق پائی۔ اس عرصہ میں بعض موقعوں (مواقع) پر حضور کا بلند روحانی مقام ہم پر ظاہر ہوتا رہا۔

اس مختصر سے زیر نظر مضمون میں ایسے ہی چند واقعات کا تذکرہ مدِ نظر ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ

۱۔ ۱۹۴۴ء میں دسمبر کا مہینہ تھا اور تعلیم الاسلام کالج قادیان

کی یونین کا افتتاحی اجلاس ہونا تھا۔ یونین کے عہدیداران نے جناب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج (حضور رحمہ اللہ تعالےٰ) سے خواہش کی کہ افتتاحی اجلاس سے آپ خطاب فرماویں۔ آپ نے فرمایا اچھا دس پندرہ منٹ کے لیے میں طلبہ سے کچھ خطاب کروں گا۔ طلبہ نے دریافت کیا کہ آپ کے خطاب کا عنوان کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا "حسن اور عشق" اس پر طلبہ (عہدیداران کالج یونین) ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور مسکرانے لگے کہ حضرت میاں صاحب نے (کالج کے زمانے میں حضور کو "میاں صاحب" کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا) یہ عجیب سا عنوان اپنی تقریر کے لیے چنا ہے۔ قادیان میں یہ خبر خوب پھیلی کہ آج شام کالج کے پرنسپل میاں صاحب اس عنوان پر تقریر کریں گے۔ وقتِ مقررہ پر کالج کا ہال طلبہ و دیگر سامعین سے کھچا کھچ بھر گیا۔ حضور نے تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی علم و عمل کا ایک نیا نکتہ واضح کر دیا۔ تعلیم و تعلّم کے طریق کار کی عجیب طریقے سے وضاحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا ہر طالب علم میں خدا تعالیٰ نے ایک مخفی حسن کسی نہ کسی کمال یا استعداد کے لحاظ سے ودیعت کیا ہوا ہوتا ہے حقیقی استاد وہ ہے جو اس حسن پر عاشق ہو کر ایک والہانہ جستجو اور سرگرمی کے ساتھ اس مخفی حسن کو اُجاگر کرے اور پھر اس کی نشوونما کا سامان کرے تعلیم الاسلام کالج میں طلبہ سے اس پہلے خطاب میں ایک طرف طلبہ کو ان کی قدر و قیمت سے روشناس کرا دیا گیا تو دوسری طرف اساتذہ کو اپنے فرائض یاد دلائے گئے تا دونوں اطراف کے تعاون سے صحیح اور شاندار نتائج پیدا ہوں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ ہر انسان میں ایک مخفی اور حسین جوہر ہوتا ہے اگر صحیح کوشش اور اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو تو وہ جوہر اجاگر ہو کر اپنے کمال کو پہنچتا ہے اور دنیا کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۔

(الانبیاء: ۵۲ پ۱۷)

یعنی "ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی (مخصوص) صلاحیت اور قابلیت عطا کی تھی اور ہم اس کے اندرونہ سے خوب واقف تھے" چنانچہ ہم نے اس کے مخفی جوہر کو اجاگر کیا اور اس کا حسن دنیا پر ظاہر کیا۔

اگر ہمارے طلبہ اپنی اس حقیقت کو نہ بھولیں اور اساتذہ والہانہ طور پر کوشش کریں تو قوم کے طلباء دنیا کے حسن میں کیسا عظیم الشان اضافہ کر دیں۔ افسوس کہ اجاگر ہونے کی بجائے بعض اوقات مخفی جوہر بالکل ہی کچل دیئے جاتے ہیں گویا ایک نفس زکیہ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

اس واقعہ اور حضور کے اس خطاب سے اس دور بین اور دُور رس نگاہ کا پتہ چلتا ہے جو ان فطرت کے کمالات کے سلسلہ میں حضور کو حاصل تھی۔ بعد میں زمانہ خلافت میں ایسی دور رس نگاہ کے طفیل حضور کی عظیم الشان تعلیمی سکیم کا اجرا ہوا جس کے شیریں پھلوں سے جماعت احمدیہ اس وقت لطف اندوز ہو رہی ہے۔

۲-۶-۱۹۴۶ء کا ذکر ہے کہ تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل

کے دفتر میں ایک دن حضور نے خاکسار سے فرمایا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں تو ہر احمدی تہجد کا عادی ہوتا تھا۔ مگر ہماری نئی نسل میں یہ مبارک عادت بہت کم نظر آتی ہے۔ فرمایا کہ میں نے بحیثیت صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں خدام کے تہجد کے وقت جمع ہونے کا انتظام کیا ہے تا با جماعت تہجد کا التزام بھی ہو اور کچھ لاٹھی فائٹنگ کی مشق بھی ہو۔ خاکسار سے فرمایا کہ آپ بھی ضرور اس میں شامل ہوا کریں۔ اور فضل عمر ہوسٹل کے طلبہ کی مدد سے ارد گرد کے اہلِ محلہ کے جگانے کا انتظام بھی کریں۔ خاکسار اس وقت مہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ مرکزیہ بھی تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح حضور کے دل میں یہ لگن اور فکر تھی کہ قوم کے نوجوان تہجد کی عادت ڈالیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بنیں۔ یہی وہ جذبات تھے جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایک وقت پر حضور کو اس جماعت کی روحانی امامت کے مسند جلیلہ پر فائز کر دیا

۳۔ دعاؤں اور صدقات کی اہمیت اور عظیم افادیت پر کامل ایمان کے سلسلہ میں کالج کا ہی ایک اور واقعہ ہے مگر یہ لاہور کے کالج کے زمانہ کا ہے۔ ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء کی بات ہے جبکہ کالج ڈی۔ اے وی کالج کی بلڈنگ میں تھا اور وہیں کالج کا ہوسٹل تھا۔ کہ ہمارے ایک طالبعلم عزیزم چوہدری الطاف حسین حال جو آج کل لاہور میں ہیں اپنڈے سائٹس میں مبتلا ہو گئے۔ درد سے تڑپ رہے تھے۔ رنگ نیلا پڑ گیا۔ حالت خطرناک ہو گئی ہم انہیں لے کر فوراً میو ہسپتال پہنچے تو وہاں سرجن آن ڈیوٹی مکرم پروفیسر قاضی مسعود احمد صاحب تھے جنہوں نے فوری آپریشن کرنے کو کہا۔ اس پر ہم نے جناب پرنسپل صاحب (حضور رحمہ اللہ تعالیٰ) سے رتن باغ لاہور میں آ کر (جہاں حضور مقیم تھے) آپریشن کروانے کی اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا۔ آپریشن فوراً کروا دیں۔ کالج کی طرف سے فوری طور پر ایک بکرا بطور صدقہ دیدیں۔ اور حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ربوہ دعا کے لیے فوری تار دیدیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپریشن ہوا اور چند دن کے بعد عزیزم الطاف صاحب تندرست ہو کر ہوسٹل میں آ گئے۔ اس موقعہ پر کالج کے ایک طالب علم کی جان کی خاطر حضور نے کالج کی طرف سے صدقہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ حضور نے اس وقت خلیفۂ وقت کی دعا کی تاثیر پر کامل ایمان کی وجہ سے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں دعائیہ تار دلوائی چنانچہ خلیفۂ وقت کی دعا اور صدقہ کی برکت سے ہمارا یہ خوف امن سے بدل گیا اور برکاتِ خلافت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جو فرمایا گیا تھا کہ

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔

اس کا نظارہ بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خوف امن سے بدل گیا۔

۴۔ لاہور کے کالج ہی زمانہ کا واقعہ ہے کہ دریائے راوی میں تعلیم الاسلام کالج اور غالباً اسلامیہ کالج لاہور کا بمپنگ بوٹ ریس (Bumping Boat Race) کا فیصلہ کن مقابلہ تھا اور جیتنے والی ٹیم نے اس سال کی چیمپئن شپ حاصل کرنی تھی۔ دریا پر اسلامیہ کالج کے طلباء بھی نعرے بلند کر رہے تھے۔ ہمارے طلبہ بھی اپنی ٹیم کو

جھنڈا کھینے کے لیے جمع تھے۔ مگر فضا میں کدورت TENSION تھی۔ پرنسپل صاحب اسلامیہ کالج نے مائک پر اعلان کیا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم نے ٹی۔ آئی کالج کی ٹیم کو بمپ کر دیا تو وہ اپنی ٹیم کو سو روپے انعام دیں گے۔ اس پر پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج یعنی حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً اپنی طرف سے مائک پر اعلان کروایا کہ اگر اسلامیہ کالج کی ٹیم نے تعلیم الاسلام کالج کی کشتی کو بمپ کر دیا تو پرنسپل ٹی۔ آئی کالج کی طرف سے بھی سو روپے اسلامیہ کالج کی ٹیم کو انعام دیا جائے گا۔ اس پر اسلامیہ کالج کی طرف سے پُرزور نعرہ بلند ہوا کہ

"پرنسپل ٹی۔ آئی کالج ـــــ زندہ باد"

جذبات کی سب کدورت (TETSION) دُور ہو گئی اور اخوت اور بھائی چارہ کے ماحول میں کشتی رانی کا فائنل مقابلہ شروع ہوا۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اعلان نے اپنے کالج کی ٹیم پر بھی عجیب نفسیاتی جادو کر دیا۔ ہماری ٹیم کو زبردست احساس ہوا کہ ہمارے پرنسپل صاحب کو ہماری فتح پر کس قدر یقین ہے۔ اس احساس نے ان کے اندر بجلی جیسی قوت اور جوش پیدا کر دیا۔ اور جب مقابلہ ہوا تو چیمپئن شپ ٹی۔ آئی کالج کے حصہ میں آئی۔

دیکھیے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی حُسنِ تدبیر کو ایک ہی تدبیر کے وار سے دو فوائد حاصل کر لیے۔ دونوں کی باہمی کدورت (TEHSION) کو بھی دُور کر دیا دوسری طرف اپنی ٹیم کے اراکین میں مجنونانہ جوشِ عمل پیدا کر دیا

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"

یہی ملکہ حسنِ تدبیر حضور کے اندر دن بدن نشوونما پاتا گیا کہ ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو خلافتِ راشدہ کے منصب جلیلہ پر رونق افروز کر دیا۔ زمانہ خلافت میں حضور کی روحانی تحریکات اور حُسنِ تدبیر نے جماعتِ احمدیہ کو ارفع منازل ترقی تک پہنچایا۔

۵۔ ہمارے کالج کے زمانہ لاہور کے آخری ایام کا واقعہ ہے کہ صوبہ کے گورنر صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ سابق ڈی۔ اے وی کالج کی عمارت۔ ٹی۔ آئی کالج سے واپس لے کر اسلامیہ کالج لاہور کو دیدی جائے گی کیونکہ اسلامیہ کالج کی ضرورت بہت ہی اہم ہے۔ ٹی۔ آئی کالج کے لیے کسی اور جگہ انتظام کیا جائے گا۔ خاکسار نے جب یہ خبر سُنی تو خاکسار پر سخت گھبراہٹ وارد ہوئی کہ اب کیا ہوگا؟ ہم کہاں جائیں۔ سائیکل لیا اور فوراً جناب پرنسپل کو یہ خبر سنانے مغرب سے ذرا قبل رتن باغ پہنچا اور حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کو اندر سے بلا کر نہایت ہی گھبراہٹ کے عالم میں بھرّائی ہوئی آواز میں یہ اندوھناک خبر سنائی۔ اس پر حضرت میاں صاحب یعنی جناب پرنسپل (حضور رحمہ اللہ تعالیٰ) مسکرا کر فرمانے لگے۔ صوفی صاحب کالج کا پرنسپل میں ہوں یا آپ ہیں۔ اگر گھبرانے کی بات ہے تو گھبرانا تو مجھے چاہیئے کیونکہ کالج کے انتظامات کا میں ذمہ دار ہوں نہ کہ آپ۔

آپ اس طرح کیوں گھبرا رہے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اچھا یہ تو بتائیں کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ ہمارے کالج کا لاہور میں ہی رہنا۔ جماعت احمدیہ کے مفاد میں ہے۔ شائد یہ امر ہمارے کالج کے ربوہ جانے کا سامان ہی ہو۔ اور شاید اللہ تعالےٰ

کے علم میں جماعت کا مفاد اسی میں ہو کہ ہمارا کالج اب ربوہ چلا جائے۔ مت گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ خاکسار بالکل ٹھنڈا ہو گیا اور شرمندگی کے عالم میں رتن باغ سے لوٹا۔ اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ ابتلاء کے سامنے حضور کس طرح پُرسکون رہتے تھے۔ گھبراہٹ کا نام و نشان بھی آپ کے اندر نہ پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر کامل یقین اور اس کے فیصلہ پر کامل طور پر راضی رہنے کے جذبات رکھتے تھے۔

زمانہ خلافت میں حضور کے انہی اوصاف نے ۱۹۷۴ء کے پُرآشوب زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر کامل ایمان رکھنے کی وجہ سے جماعت احمدیہ کو نہایت خوش اسلوبی سے اس ابتلاء کے منجدھار سے نکال لیا۔ انتہائی اندوہناک حالات میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ پُرسکون رہے اللہ تعالیٰ کی نصرت پر پُریقین رہے اور جو حضور کا اس زمانہ میں دیدار کرتا وہ بھی پُرسکون ہو جاتا۔ اور تمام تکالیف اور غموں کو بھول جاتا۔ اور حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ کی بشاشت کے ساتھ اپنے چہرہ کی بشاشت اور مسکراہٹ شامل کر دیتا۔

یہ تمام اوصافِ کریمہ اور شمائل عظیمہ حضور رحمہ اللہ کے اندر ابتلاء سے ہی ودیعت کیے گئے تھے ہاں مسندِ خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد ان میں بجلی جیسی اور چندھیا دینے والی چمک دمک پیدا ہو گئی کیونکہ اب آپ کا طاقتوں اور قدرتوں کے مرکز کے ساتھ براہ راست اور سب سے بڑھ کر تعلق پیدا ہو گیا تھا۔

۷۔ اب تعلیم الاسلام کالج کے زمانہ ربوہ کے ایک واقعہ پر اس مختصر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں آپ پر ہوں) نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو بحیثیت پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔ اس کالج کو ربوہ منتقل کرنے کا ارشاد فرمایا۔

حضور اطاعت امام میں فانی ہونے کا مقام رکھتے تھے۔ اس ارشاد کے ملنے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا سب سے اہم اور لذیذ کام بھی یہی ہے۔ تن تنہا ربوہ تشریف لے آئے۔ گرمیوں کی چل چلاتی ہوئی دھوپ میں جبکہ ربوہ سفید کلر کا ایک میدان تھا۔ اور یہاں کی لُو ان دنوں سبزی اور ہریاول کے کامل فقدان کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہوا کرتی تھی۔ آپ صبح سے لے کر شام تک ایک چھتری لے کر میدان میں کھڑے رہتے اور کالج کی ابتدائی تعمیر کا کام اپنی آنکھوں کے سامنے کرواتے۔ لنگر خانہ سے معمولی دال اور روٹی آپ کو دوپہر کے وقت وہیں پہنچ جاتی جس کی آپ قیمت ادا کرتے۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کے گھروں میں کھانا کھانے نہیں جاتے تھے تا وقت ضائع نہ ہو اور آپ زیادہ سے زیادہ وقت اس کام میں صرف کر سکیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں آپ پر ہوں) نے مجھے ایک لاکھ روپے کالج کی تعمیر کے لیے پچاس ہزار ہوسٹل کے لیے اور سولہ ہزار دیگر لواحقات کے لیے دیئے تھے۔ اور فرمایا کہ بس اس رقم میں اگر تم یہ تعمیر مکمل کروا سکتے ہو تو کرواؤ۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل

کر کے اس کام کی حامی بھر لی اور کام شروع کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ کہاں سے آتا گیا اور کس طرح آتا گیا اللہ تعالیٰ خود ہی سامان پیدا کرتا چلا گیا۔ اور قلیل سی عرصہ میں کئی لاکھ کی عمارت تیار ہو گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۴ء میں کالج لاہور سے ربوہ منتقل ہو گیا۔ یہ کام حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی اولوالعزمی کی ایک یادگار ہے۔ اس زمانہ میں ایک لطیفہ بھی ہوا۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں سارا دن خود تعمیر کی نگرانی کرتے تھے۔ اس لیے تعمیراتی فنڈ سے ہی تین چار روپے کی یا شائد صرف اڑھائی روپے کی ایک چھتری بھی آپ نے خرید لی۔ کیونکہ اسی کام کے لیے ہی اسے خریدا گیا تھا۔ اس لیے اخراجات کے بل میں اس چھتری کی قیمت کو بھی شامل کیا گیا۔

اس زمانہ کے صدر انجمن احمدیہ کے آڈیٹر ایک بہت ہی سخت بزرگ ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اس بل کو پاس کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ چھتری تعمیراتی سامان میں سے نہیں ہے۔

ادھر پرنسپل صاحب اپنی بات پر اڑ گئے کہ چھتری میری نہیں ہے۔ یہ کالج کی تعمیر کے لیے بطور ایک لازمی ضرورت کے لیے خریدی گئی ہے۔ اس چھتری کی مدد سے جو نگرانی کا کام کیا گیا ہے وہ ہزار ہا روپیہ کسی دوسرے کو دے کر بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے چھتری کی قیمت بہرحال تعمیر کے اخراجات میں ہی شامل ہو گی۔ طرفین اپنی اپنی بات اور موقف پر سختی سے قائم تھے اور مصالحت کی کوئی صورت نہ تھی۔ یہاں تک کہ صدر انجمن احمدیہ نے اپنے ریزولیوشن سے اس چھتری کو تعمیراتی سامان میں شامل کرنا منظور کر لیا اور اس طرح آڈیٹر صاحب کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

اب یہ بات ایک اصول کی تھی ورنہ اڑھائی روپے کی کیا بات تھی۔ اس اڑھائی روپے کی چھتری سے وہ کام ہوا جو کسی انجینئر کو ہزار روپے ماہوار تنخواہ دے کر بھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے کریکٹر کا ایک نمایاں وصف اطاعتِ امام میں فنا کا مقام تھا۔

۱۹۴۷ء کے پُرآشوب زمانہ میں خلیفہ وقت کی طرف سے حفاظت مرکز کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ آپ نے نہایت بہادری اور جواں مردی سے اپنی جان کو خطرات کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسے سرانجام دیا۔ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمان اکثریت والے ضلعوں اور تحصیلوں کے نقشے پیش کرنے کا کام تھا۔ کہ اپنے کالج کے پروفیسروں کو طلبہ کو رات دن اسی کام میں لگا دیا۔ خاکسار کو یاد ہے کہ کالج کے طلبہ کی ٹیمیں لے کر خاکسار قادیان سے لاہور سول سیکرٹریٹ میں آیا کرتا تھا۔ اور خواجہ عبدالرحیم صاحب جو شاید چیف سیکرٹری یا کمشنر تھے ان کی مدد سے ہم سیکرٹریٹ کے ریکارڈ سے قصبات اور دیہات کی مسلم اور غیر مسلم یعنی ہندو اور سکھ آبادی کو نوٹ کیا کرتے تھے اور پھر اس کے مطابق تھانہ وائز تحصیل وائز اور ضلع وائز مسلم اکثریت رکھنے والے علاقوں کے نقشے تیار کیا کرتے تھے۔ ہماری تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز ہوا کرتی تھیں۔ کہ قادیان کا علاقہ مسلم اکثریت میں ہونے کی بنا پر پاکستان میں شامل کیا جائے مگر تقدیرِ خداوندی

ہی پوری ہوئی۔

یہ تھیں حضور رحمہُ اللہ تعالیٰ کے بحیثیت پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان۔ لاہور اور ربوہ کے چند واقعات ۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۔

آپ کے اندر یہ باتیں بطور بیج کے تھیں جو بعد میں زمانہ خلافت میں خوب اجاگر ہوئیں اور ایک تن آور درخت اور اس کی شاخوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے ۔ آمین ثم آمین)

بقیہ از صفحہ ۲۲۹

کام کوئی ایسا نہ تھا کہ کوئی دوسرا شخص نہ کر سکتا ۔ حضور ہدایتیں کرتے رہے اور کبھی کہتے یہ کام کرو کبھی کہتے وہ کام کرو ۔ سوا گھنٹہ حضور کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل رہی مقصد دلجوئی تھا ۔ یہ حضور کے ساتھ خاکسار کی آخری ملاقات تھی ۔

آپ کی وفات اس قدر اچانک ہوئی کہ سب خدام دم بخود رہ گئے ۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ اچانک ہوا کیسے جسدِ اطہر بارہ بجے دوپہر کے قریب قصرِ خلافت میں پہنچا خدام جو حاضر تھے سبھی نڈھال تھے ۔ خاکسار ہوش میں آیا تو دیکھا کہ ساتھ کی کرسی پر جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع فیصل آباد تشریف فرما تھے ۔ فرمانے لگے حضور نے بہت تیز کام کیا ۔ سولہ سال میں ساٹھ سال کا کام کر گئے ۔ دنیا بھر کو احمدیت سے روشناس کیا ۔ دنیا بھر میں قرآن کریم اشاعت کے سامان پیدا کر دیئے ۔ دنیا بھر کی جماعتوں میں ایک عظیم بیداری پیدا کر دی ۔ اس طرح کہ جماعت کا اخلاص کہیں کا کہیں جا پہنچا ۔

اللہ تعالیٰ حضور کو مغفرت کی چادریں چھپالے اور اعلیٰ علیین اور سدرۃ المنتہیٰ میں ہر آن درجات بلند کرتا چلا جائے آمین

بقیہ از صفحہ ۲۲۴

کہ تم نے عید پڑھانی ہے ۔

خطبہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر ہوا اور خطبہ بیس منٹ کے قریب ہو ۔ کیا یہ وہی بات نہیں اسامہ کے ہاتھ میں فوجوں کا علم تھما دیا گیا من آنم کہ من دانم ۔ پھر مجھ پر یہ عنایت بس یہ حضور کی علو مرتبت کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔

حضور کی خلافت کے سترہ سال حضور کے قرب میں گزارے جب سیرالیون بھجوایا گیا ۔ تو خط و کتابت کے ذریعہ وہاں بھی قرب ہی محسوس ہوا ۔ اس دوران ایک دفعہ میری بیوی سے فرمایا لگتا ہے سیفی صاحب اداس ہو گئے ہیں بس اب واپس آنے ہی والے ہیں ۔

اداس تو میں تھا یا نہیں لیکن حضور کی شفقت کا ایک مظاہرہ تھا اور اس شفقت کا ایک ایسا ہی بھرپور مظاہرہ پہلے یوں فرما چکے تھے کہ جب ایک ماہ کے لیے سیرالیون گیا تھا ۔ تو واپسی پر حضور نے فرمایا ،، لگتا ہے ایک سال وہاں رہ کے آئے ہو،،

یہ حضور کے اپنے دل کی محبت تھی جس نے حضور سے یہ شفقت آمیز فقرہ کہلوایا ۔

اللہ تعالیٰ حضور انور کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے ۔ آمین ۔

معجزانہ اثر کرنیوالی دُعائیں

مکرم مولانا سلطان محمود صاحب انور
سیکرٹری بہشتی مقبرہ
ربوہ

خاکسار کو پہلی مرتبہ آپ سے براہ راست تعارف کی سعادت ۱۹۵۵ء میں اس وقت نصیب ہوئی جبکہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ یورپ سے علاج کے بعد وطن واپس تشریف لانے والے تھے۔ محترم چوہدری محمد صدیق انچارج خلافت لائبریری نے مجھے ایک دن بلا کر فرمایا کہ آپ کالج میں جاکر محترم میاں ناصر احمد صاحب سے مل آئیں۔ اس سے زائد موصوف نے مجھے سیاق سباق نہیں بتایا کہ کس کام کے سلسلہ میں جاکر ملوں۔ تاہم خاکسار جب کالج کے دفتر میں پہنچا جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا پرنسپل کی کرسی پر آپ رونق افروز تھے۔ اور دو تین پروفیسر بھی دفتر میں موجود تھے۔ خاکسار نے السلام علیکم کے بعد عرض کی کہ محترم مولوی محمد صدیق صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھجوایا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کرسی سے اٹھ کر باہر برآمدہ میں مجھے لے آئے۔ اور ایک جانب کھڑے ہو کر مجھ سے نام اور مختصر تعارف دریافت فرمایا۔ نیز پوچھا کہ آپ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میرا تعلق گوجر قوم سے ہے اس پر آپ نے فرمایا کون سے گوجر۔ دودھ بیچنے والے یا زمیندار گوجر۔ خاکسار نے عرض کیا۔ زمیندار۔ یہ ساری گفتگو دو تین منٹ سے زیادہ نہ تھی۔ مجھے واپس بھجواتے ہوئے فرمایا۔ کہ مولوی صدیق صاحب سے کہہ دیں "ٹھیک ہے"۔ چنانچہ خاکسار نے واپس پہنچکر جب محترم مولوی صاحب کو بتایا تو بات کھلی کہ خاکسار کو خدام کے ایک وفد کے ہمراہ روہڑی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس وقت سیدنا حضرت مصلح موعود یورپ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اور دورانِ سفر حضور کی خدمت کے لیے خدام بھجوائے جا رہے تھے۔ حضور نے یہ سفر کراچی سے ربوہ تک چناب ایکسپریس کے ذریعہ فرمایا تھا۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاکسار کا یہ ابتدائی تعارف تھا۔ جو بعد ازاں متعدد مواقع نصیب ہونے کے باعث بڑھتا رہا۔ اور حضور کا پیار اور دعائیں ہر لحظہ فزوں سے فزوں تر ہوتے رہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالِک۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کے تعلق میں بے شمار واقعات میں سے خاکسار اختصار سے صرف تین واقعات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے۔

۱۔ ۱۹۶۵ء میں جبکہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ مسندِ خلافت پہ متمکن ہو چکے تھے۔ خاکسار ان ایام میں منڈی بہاؤ الدین میں بطور مربی متعین تھا۔ مجھے ایک مرتبہ پیٹ میں دائیں جانب درد سی رہنے لگی۔ ایک ڈاکٹر کے پاس مشورہ کے لیے گیا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے پوری طرح معائنہ کے بعد دوبارہ آنے کے لیے کہا جب دوبارہ حاضر ہوا تو وہاں ایک اور ڈاکٹر بھی میرے معائنہ کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ اس مرتبہ دونوں ڈاکٹروں نے مل کر معائنہ کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ اس مرتبہ دونوں ڈاکٹروں

نے مل کر معائنہ کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اپنڈیکس بڑھنے کا کافی امکان ہے اور اس صورت میں اپریشن کی ضرورت ہو گی۔ خاکسار کو یہ سُن کر تشویش ہوئی اور اگلے ہی روز خاکسار نے ربوہ پہنچ کر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری دی۔ ساری کیفیت بیان کر کے اور ڈاکٹروں کی رائے بتا کر دعا کی عاجزانہ درخواست کی۔ حضور نے نہایت توجہ سے ساری باتیں سنکر خاکسار کو تسلی دی۔ کہ انشاء اللہ میں دعا کرونگا اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق اپنڈیکس کی تکلیف ہرگز نہ ہوگی آپ فکر نہ کریں۔ چنانچہ نہ صرف خاکسار کی ساری فکر جاتی رہی۔ بلکہ اگر کوئی تکلیف پردہ غیب میں مقدر بھی تھی۔ تو میرے پیارے آقا کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ڈاکٹروں کی رائے نے واقعاتی رنگ اختیار نہیں کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۲۔ ۱۹۶۸ء میں نظارت اصلاح وارشاد نے (اس وقت) مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں مکرم امیر صاحب صوبائی ڈھاکہ کے مشورہ سے تبلیغ کا ایک خاص پروگرام دس ہفتہ کے لیے بنا کر خاکسار کو مرکز سے اس کی نگرانی کے لیے بھجوایا۔ اس پروگرام میں مشرقی پاکستان کے جملہ مربیان و معلمین شامل تھے دیناج پور ڈسٹرکٹ میں احمد نگر کے مقام پر ہمارا تبلیغی مرکز تھا۔ اور علاقے میں تبلیغ کے لیے یومیہ وفود بھجوائے جاتے تھے تبلیغ کے نتیجہ میں بعض مخالف عناصر بھی میدان میں آ گئے اور فضا میں خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بلکہ ہمارے بعض وفود سے کئی جگہ سختی بھی کی گئی۔ خطرہ ہر لحہ بڑھتا رہا اور ایک مرحلہ ایسا آیا کہ سوائے دعا کے کوئی چارہ نہیں نظر آیا۔ خاکسار کے لیے وہ وقت نہایت کرب اور دکھ کا تھا کہ اگر کوئی نقصان وہ صورت پیدا ہو گئی تو اپنے پیارے آقا کو واپس جا کر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ ایسی کیفیت میں مسلسل دعا کرتے کرتے یہ الفاظ زبان پر آ گئے کہ "اے میرے پروردگار ہمارا مرکز سے ہزاروں میل دور اس جنگل میں ہم بالکل بے یار و مددگار ہیں۔ ہمارے گناہ معاف فرما اور اگر میری دعاؤں میں وہ تاثیر نہیں جو تیرے رحم کو حرکت میں لائے۔ تو پھر اتنا فضل کر کر میرے آقا کو میری پریشانی اور میری بے بسی سے باخبر کر تا کہ وہ تیری بارگاہ میں ہمارے لیے دعا کرے۔ کہ آخر اس کی دعائیں منظور کرنے کا تو نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے"۔ میں اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات کا کس طرح شکر بجالاؤں کہ میرے الفاظ ابھی اختتام کو نہیں پہنچے تھے۔ کہ میری آنکھوں کے سامنے زمین سے چار پانچ فٹ بلند فضا میں میرے پیارے میرے محبوب آقا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حسین شکل نہایت پیارے اور مسکراتے انداز میں ظاہر ہوئی۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "کیا ہے ؟ کچھ بھی نہیں ہوگا"۔ اور مجھے ان الفاظ میں تسلی دلا کر آنکھوں سے وہ صورت اوجھل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی دل کی ساری فکر دور ہو گئی۔ اور ایک گھنٹے کے اندر اندر ایسے سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیئے کہ خوف کو امن میں یکسر بدل دیا۔ اور فی الواقع "کچھ بھی نہ ہوا"۔

۳۔ ۱۹۷۲ء میں جب کہ خاکسار کراچی میں بطور مربی متعین تھا میرا چھوٹا بیٹا عزیزم سلمان محمود بعمر ۱½ سال سخت بیمار پڑ گیا۔ اور محترمہ ڈاکٹر محمودہ نذیر صاحبہ (اللہ تعالیٰ موصوفہ کی مغفرت فرمائے اور بے شمار اجر عطا کرے آمین) کے زیر علاج تھا۔ جب بیماری میں زیادہ شدت آ گئی تو موصوفہ نے اپنے گھر والے کلینک میں بچے کو ADMIT

کر لیا اور بڑی توجہ سے علاج جاری رکھا۔ مگر حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ ایک روز بعد نماز مغرب خاکسار کو ٹیلیفون پر ڈاکٹر صاحبہ موصوفہ نے بتایا کہ بچے کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں تو پوری کوشش کر چکی ہوں مگر صحت ہوتی نظر نہیں آتی اس طرح موصوفہ نے پوری مایوسی کا اظہار کر دیا۔ یہ سنکر خاکسار نے کراچی سے ربوہ اپنے پیارے آقا کی خدمت میں ٹیلیفون کال بک کرائی تاکہ دعا کے لیے درخواست کروں ان دنوں کال ملنے کے انتظار گھنٹوں کرنی پڑتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک پانچ منٹ میں کال مل گئی اور حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ اعلی اللہ مثواھا نے فون اٹھایا۔ اور بتایا کہ حضور تو اس وقت عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں ہیں۔ آپ پیغام دے دیں خاکسار نے بچے کی حالت کا ذکر کر کے دعا کی درخواست حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے عرض کیا اسی دوران حضور تشریف لے آئے۔ تو حضرت بیگم صاحبہ نے مجھے فرمایا آپ انتظار کریں میں ابھی حضور کی خدمت میں دعا کے لیے عرض کیے دیتی ہوں۔ چنانچہ آپ حضور کی خدمت میں عرض کرنے کے بعد مجھے فون پر بتا رہی تھیں۔ کہ اسی دوران پیارے آقا خود ٹیلیفون کے نزدیک تشریف لے آئے۔ اور خاکسار سے براہ راست بچے کی بیماری اور علاج کی ساری تفصیل سنکر فرمایا "میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا آپ فکر نہ کریں۔ بچہ صحتیاب ہو جائے گا گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں" اپنے محسن اور شفیق آقا سے تسلی پا کر خاکسار اسی وقت کلینک پہنچا۔ ڈاکٹر صاحبہ سے بچے کی حالت دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ اب بچہ ایسی حالت کو پہنچ چکا ہے کہ علاج جاری رکھنا ممکن نہیں رہا میں نے ڈاکٹر صاحبہ کو اپنے آقا کی دعا اور تسلی آمیز یقین دہانی کا ذکر کیا۔ تو موصوفہ جیسے خوشی سے اچھل ہی پڑیں۔ کیونکہ موصوفہ خود بھی نہایت دعا گو احمدی خاتون تھیں۔ جب کمرے میں جاکر بچہ کی حالت دیکھی تو وہ ایسی حالت میں تھا کہ بڑی ہی کمزور نبض کی معمولی حرکت جاری تھی۔ مگر جسم کی رطوبت ختم ہو کر جسم میں کوئی لوچ نہ تھی۔ بلکہ سارا جسم سخت اکڑ چکا تھا۔ اور بچہ چند لمحوں کا مہمان نظر آتا تھا۔ بہر حال سوائے دعا کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اور ایسی حالت میں دعاؤں میں سخت رقت تھی اچانک بچے کی آنکھوں میں ہلکی سی حرکت ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی تدریجاً امید کی صورت بڑھنے لگی۔ کچھ وقفہ کے بعد بچہ نے دودھ بھی پی لیا۔ اور ٹمپریچر نارمل کی جانب بڑھنے لگا اور چہرہ پر کچھ تازگی آ گئی۔ رات سکون سے گزری اور صبح جب ڈاکٹر صاحبہ نے بچہ کا معائنہ کیا تو ان کی رپورٹ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بچہ معجزانہ طور پر بیماری کی گرفت سے پوری طرح نکل کر نارمل حالت پر آ گیا ہے۔ اور سوائے کمزوری کے کوئی رمق بیماری کی باقی نہیں رہی۔ تب ڈاکٹر صاحبہ نے بیماری کی صحیح کیفیت بھی بتا دی کہ بچہ بیک وقت سرسام اور گردن توڑ بخار سے بیمار تھا اور DEHYDRATION سے رگیں تک سوکھ گئی تھیں۔ اور سوائے دعا کے اعجاز کے صحت کی کوئی صورت ہرگز ممکن نہ تھی۔

آخری ملاقات

۴۔ خاکسار کی آخری ملاقات پیارے آقا سے ۱۹ر مئی ۱۹۸۲ء کو ربوہ میں ہوئی۔ اور یہ ملاقات کئی پہلو سے میرے لیے تاریخی حیثیت کی حامل تھی۔ پیارے آقا نے نہایت پیار

شفقت اور احسان کا سلوک فرماتے ہوئے شرف ملاقات سے نوازا۔ اس کے بعد آپ اسلام آباد تشریف لے گئے تھے خاکسار کو آپ سے بات کرنے کی آخری سعادت اس کے بعد نصیب ہوئی۔ جبکہ کراچی سے خاکسار نے اسلام آباد فون کیا۔ مخدومی محترم صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب نے فون اٹھایا خاکسار پیدرو آباد (سپین) کی بابت بعض معلومات حاصل کرنا چاہیں تو محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے میرے آقا کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ جس پر حضور نے بنفسِ نفیس ٹیلیفون پر خاکسار سے جو گفتگو فرمائی اس کا ایک فقرہ محبت پیار اور انتہائی شفقت سے لبریز میری یادداشت میں نگینہ بن کر محفوظ رہے گا۔ خاکسار کے عرض کرنے پر کہ پیدرو آباد کی

[illegible] کی بابت معلومات درکار ہیں۔ تو جواباً نہایت گہرے اندازِ محبت سے فرمایا "کیوں! کیا پیدل جانے کا ارادہ ہے؟" اس فقرے کی لذت کا اندازہ میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ کے محبت کے سمندر کی یہی نوشان تھی کہ روئے زمین پہ پھیلے ہوئے ایک کروڑ احمدیوں میں سے ہر ایک یہی یقین رکھتا تھا۔ کہ جو شفقت اور پیار مجھے اپنے آقا سے مل رہا ہے۔ اس کی مثال کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ ہی دوسرا اس کی لذّت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ ٹیلیفون پہ آخری بات میں شاید یہ الٰہی اشارہ بھی تھا کہ اب اس محبت بھری آواز کی لذّت کانوں میں تو گونجتی رہے گی مگر اس حسین اور منوّر چہرہ کو آنکھوں سے دیکھ نہ پاؤ گے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ حضور رحمہ اللہ تعالےٰ کے مراتبِ عالیہ میں ہر آن اضافہ فرماتا رہے۔ اور آپ کی دعائیں ہم عاصیوں کے صدا شاملِ حال رہیں۔

آمین یا ربّ العالمین

گھبرانا نہیں ـ دُعا کرو

حضرت چچا ابّا رحمہ اللہ کی یادیں !

مکرّم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ایڈووکیٹ ابنِ مکرّم صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب ـ ربوہ

آٹھ جون کی رات کو مَیں خوش تھا کیونکہ تازہ اطلاع کے مطابق ہمارے پیچا ابّا (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کی طبیعت قدرے بہتر تھی ۔لیکن جب مجھے رات ڈھائی بجے سوتے ہوئے اٹھایا گیا تو دنیا ہی بدل چکی تھی ۔مسکراتا ہوا چہرہ آنسوؤں سے تر آنکھوں کے سامنے بھی تبسم بکھیر رہا تھا۔ اور کہتا رونا نہیں ۔ خدا پر بھروسہ رکھو ۔ مجھے دیکھو مجھ کو بھی غم ملتے تھے ۔مَیں بھی دکھی ہوتا تھا ۔ سارے جہان کے دکھ میرے لئے تھے ۔ ہر زبان دکھ دیتی تھی ۔ ہزاروں تیر میرے دل پر لگتے تھے ۔ گالیاں سنتا تھا ۔ پھر بھی مسکراتا رہا ہوں ۔ ہر وقت مسکراتا رہا ہوں ۔ گھبرانا نہیں ۔ دعا کرو ۔ خدا کی رضا کی خاطر صبر کرو ۔ لیکن جوں جوں زیادہ سوچتا حضور کا چہرہ مبارک اَور زیادہ یاد آتا ۔ حضور اَور زیادہ یاد آتے ۔ دل اَور زیادہ غمگین ہو جاتا ۔ آنکھیں دل کا ساتھ دیتیں ۔ آنسو نکل آتے اور اندھیرا سا چھا جاتا ۔ لیکن پھر حضور نمودار ہوتے مسکراتا چہرہ کہتا مسکراؤ ۔ اپنے آخری سفر پر اسلام آباد تشریف لے جا رہے تھے ۔ مَیں ایک دن پہلے ملنے گیا ۔ پاس بلا کر بٹھا لیا ۔ مَیں نے شلوار کے ساتھ بہت لمبا قمیص پہنے ہوئے تھا ۔ مسکراتے ہوئے فرمایا لگتا ہے کہ تمہاری بیوی نے خود سِیا ہے ۔

حضور کی بیماری کا سُن کر اسلام آباد گیا لیکن حضور کے کمرہ میں نہ جا سکا ۔ اجازت نہ تھی ۔ سوچا کہ آپ جب صحت یاب ہوں گے تو ملاقات ہو گی لیکن اللہ میاں کو کچھ اَور منظور تھا جو کبھی سوچا بھی نہ تھا ۔ جب کبھی ربوہ جا کر حضور سے ملنے کے لئے جاتا پاس بٹھا لیتے اور پوچھتے لاہور سے کیا خبر لائے ہو مجھے بھی سناؤ ۔ کبھی فرماتے کوئی لطیفہ ہی سناؤ ۔ اور پھر سن کر بہت لطف اندوز ہوتے ۔ کھانا کھا رہے ہوتے تو ضرور شریک کرتے ۔ حضور کا کھانا بہت سادہ اور بے مرچ ہوتا تھا ۔ اُبلی ہوئی سبزیاں بدمزہ لیکن حضور شوق سے کھا رہے ہوتے ۔ یاد آیا ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھاتے اور اگر کھانے کے دوران دائیں ہاتھ پر سالن لگ جاتا اور پانی پینا ہوتا تو گلاس بائیں ہاتھ سے پکڑتے اور دائیں ہاتھ کی کلائی سے ضرور سہارا دیتے ۔ تاکہ دایاں ہاتھ ضرور استعمال ہو ۔

ہم لوگوں کو جب عید پر عیدی دیتے اور اگر کوئی بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فرماتے نہیں دایاں ہاتھ کرو۔ میرے سے کبھی کبھی دلوا بھی لیتے تھے۔ بچے ملنے جاتے تو ان کو اپنے پاس بلا کر بہت پیار کرتے۔ ان سے گفتگو فرماتے۔ ان کو اتنا پیار دیتے تھے کہ بچے ان کو اپنا دوست کہتے۔ غرضیکہ پیار ہی پیار کرنے چند یادیں ہیں۔ کچھ ذاتی اور کچھ سنی ہوئی۔ اس چہرہ کو یاد رکھنے کے لئے لکھ رہا ہوں۔

مجھے ابھی تک یاد ہے۔ ۱۹۸۱ء میں منعقد ہونے والے لجنہ اماء اللہ کے اجتماع کے بعد آنے والے دوسرے جمعہ کا روز تھا۔ ہمارے محبوب آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جمعہ پڑھا کر آنے کے بعد اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ مَیں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس دوران حضورؒ نے فرمایا منصورہ بیگم مَیں نے اس دفعہ عورتوں کو اجتماع میں پردہ کے بارہ میں سختی سے تلقین کی ہے۔ اس پر حضرت خالہ امی نے فرمایا نہیں کوئی اتنی سخت تقریر نہ تھی۔ حضور نے جواباً فرمایا:۔

"منصورہ بیگم آپ کیوں چاہتے ہیں کہ جماعت کو میرے سے ڈانٹ پڑے۔"

مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کتنی شفقت تھی اس مبارک وجود میں۔ سراپا شفقت تھے۔

ہر ایک سے شفقت۔ اپنا ہو یا پرایا۔ بچوں سے شفقت، بڑوں سے شفقت، انسانوں سے شفقت، جانوروں سے شفقت، جانداروں سے شفقت، بے جان چیزوں سے شفقت، حضورؒ کی شفقت کا ایک پہلو حضورؒ کی ۱۹۸۱ء کی جلسہ سالانہ کی تقریر سے نمایاں ہے۔ حضور نے اپنی آخری تقریر کے آخر میں دعائیں کرواتے ہوئے فرمایا۔

"جب یہ کہا اللہ نے کہ ہر ایک سے پیار کرنا، کسی سے دشمنی نہ کرنا تو ہماری دعا کے دائرے میں ساری دنیا آجاتی ہے سارے انسان نہیں میں کہہ رہا ہوں ساری دنیا آجاتی ہے .....
مثلاً ایٹم کے ذرہ کا یہ حق ہے کہ جماعت احمدیہ خدا کے حضور عاجزانہ دعا کرے اور ایٹم کے ذرہ کا یہ ہم سے مطالبہ ہے کہ دعا کرو کہ اے خدا انسان کو ایٹم کی طاقت کے غلط استعمال سے بچا تاکہ ایٹم کے ذرہ کو دکھ نہ پہنچے کہ خدا نے مجھے پیدا خدمت کے لئے کیا تھا اور بنا دیا انسان کے ہاتھ نے انسان کا دشمن۔"

حضور کے یہ دعائیہ کلمات، حضور کے دل میں سب کے لئے محبت اور شفقت کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ ایک نہیں ہزاروں واقعات ہیں بلکہ لاکھوں واقعات ہیں جو ہمارے دلوں میں حضور کی یاد کے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی مجھے اب تک یاد ہے۔ ۱۹۷۱ء میں حضور اسلام آباد میں قیام پذیر تھے۔ مَیں بھی حضور کے گھر میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے ٹائیفائڈ ہو گیا اور بخار ۱۰۶/۱۰۷ تک پہنچ جاتا۔ حضور دفتر آتے جاتے میرا حال پوچھ کر جاتے۔ ایک دن میری طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ بخار کی شدت کے ساتھ شدید گھبراہٹ بھی تھی۔ مَیں نے خالہ امی سے کہا کہ حضور سے درخواست کر دیں کہ مجھے آکر دم کر دیں۔ چنانچہ حضور ازراہِ شفقت تشریف لائے اور میرے سینے پر ہاتھ

رکھ کر دعا کی اور مجھے ایک دم سکون محسوس ہوا اور تمام گھبراہٹ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ختم ہو گئی۔ اس واقعہ کے دو تین دن کے بعد حضور سے ملاقات کے لئے پاکستان کے ایک مشہور ڈاکٹر تشریف لائے۔ جب ملاقات کے بعد وہ واپس جانے لگے تو حضورؒ نے از راہِ شفقت میری بیماری کا ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا اور ان کو لے کر میرے کمرے میں آئے اور میرا معائنہ کروایا۔

یہ شفقت صرف اپنے عزیزوں کے لئے نہیں تھی سب کے لئے تھی۔ لاہور کے ایک ایڈووکیٹ چوہدری عبدالرحمن صاحب سابق امیر جماعت ضلع گوجرانوالہ کو دل کی تکلیف تھی۔ وہ جب حضور سے ملتے حضور ان کو فرماتے میرے لئے امریکہ سے دوائیاں آئی ہیں آپ کو بھی انشاء اللہ فائدہ دیں گی۔ اور دوائی عنایت فرماتے۔ یہ تھا سلوک اپنے خادموں سے، اپنے بچوں سے۔

لوگوں کی خوشیوں میں ضرور شریک ہوتے۔ خواہ کیسے تعلقات ہوں یا کیسے ہی حالات ہوں۔ اگر کسی وجہ سے شامل نہ ہو سکتے تو دعاؤں بھرا پیغام بھجوا دیتے۔ مجھ سے ایک احمدی خاتون نے ذکر کیا کہ حضور کسی وجہ سے مجھ سے کچھ ناراض تھے۔ میں ملنے کے لئے گئی تو فرمایا تم سے تو ناراض ہوں لیکن تمہارے بچوں کی خوشیوں میں انشاء اللہ ضرور شریک ہوں گا۔ چنانچہ نہ صرف ان کی بچی کی شادی میں شرکت کی بلکہ رشتہ کروانے میں بھی بہت زیادہ دلچسپی لی۔ یہ تھا حسنِ سلوک۔

جب حضور کی پہلی بیگم (حضرت خالہ امی) شدید بیمار تھیں۔ ان کی وفات سے چار دن قبل ہمارے چچا مرزا رفیع احمد صاحب کی بچی کی شادی تھی۔ شادی کے وقت خالہ امی نزع کی حالت میں تھیں۔ حضور ان کی بیماری کے دوران اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے لیکن چچا کو کہلوا بھیجا کہ رخصتی کے وقت دلہن دلہا کو قصرِ خلافت لے آنا۔ چنانچہ چچا دلہن دلہا کو قصرِ خلافت لائے۔ حضور از راہِ شفقت اپنے کمرہ سے ڈرائنگ روم میں تشریف لائے اور کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، دعا کروائی اور پھر دروازے تک (ڈرائنگ روم کے) چھوڑنے گئے۔

کیسے حالات تھے۔ وفا شعار، خدمت گزار، انتہائی درجہ تک پیار کرنے والی زوجہ شدید بیمار، بسترِ مرگ پر۔ ہر لمحہ الوداع کہہ رہا ہے۔ ہر سانس آخری سانس۔ بچے پریشان، سسکیاں ہی سسکیاں۔ لیکن کہا میں بھائی کی خوشی میں ضرور شامل ہوں گا۔ بچی کو خود رخصت کروں گا۔ خود دعائیں دوں گا۔ یہ میری بھی تو بچی ہے۔ غرضیکہ دوسروں کی خوشیوں میں اپنے غم، اپنے دکھ بھلا کر مسکراتے ہوئے شرکت فرماتے دوسروں کی غلطیوں کو فوراً معاف فرما دیتے اور کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے۔ خاص طور پر اگر کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور وہ اظہارِ ندامت کرتا تو ایک دم معاف فرما دیتے۔

ہمارے چچا خلیفہ صباح الدین صاحب مربی سلسلہ نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میرے سے ایک نہایت سنگین نوعیت کی غلطی ہو گئی۔ حضور تک بات پہنچی۔ حضور شدید ناراض ہوئے اور مجھے اسلام آباد سے طلب کیا۔ پیغام دینے والے نے کہا حضور شدید ناراض اور غصے میں ہیں۔ اب تمہاری خیر نہیں۔ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل میں دفتر پہنچ گیا۔ میری ملاقات کی باری آئی تو میں حضور کے ذاتی دفتر میں ڈرتے ڈرتے

داخل ہوا۔ حضورؒ نے غصے کی حالت میں فرمایا "صباح الدین"
پچا صباح بیان کرتے ہیں کہ ابھی حضور نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا اور صرف میرا نام ہی لیا تھا کہ میں ایک دم بول پڑا۔ حضور غلطی ہوگئی۔ حضور فوراً مسکرا دیئے اور اس کے بعد میری غلطی کی طرف اشارہ تک نہیں کیا حالانکہ میں حضور کے پاس کافی دیر تک بیٹھا رہا اور حضور دوسرے موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔

دوسروں کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو چھپاتے اور خوبیاں بیان فرماتے۔ جب شفقت ہی شفقت ہو تو بعض لوگ ناجائز فائدہ بھی اٹھانے لگتے ہیں۔ جماعت میں ہی سے ایک شخص حضور پر غلط الزامات لگاتا اور اعتراضات کیا کرتا تھا۔ لیکن حضور نے کبھی بھی ہمارے سامنے اس کی اس عادت کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی کبھی اس کے لئے اظہارِ ناراضگی کیا۔ لیکن ایک بار اس شخص نے کلمہ خیر بھی پڑھ دیا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے ۱۹۷۴ء کے ہنگاموں کے دنوں میں میں ڈیوٹی کی وجہ سے حضور کے گھر تھا۔ حضور برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور نے مجھے واقعہ سنایا اور اس شخص کی بہت تعریف کی۔

صبر انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔ خود بھی صبر کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے۔ حضرت خالہ امی کی وفات پر شدید صدمہ کے باوجود صبر کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ لوگ افسوس کرتے تو ان کو صبر کی تلقین کرتے۔ وفات کے معاً بعد فرمایا آنسو تو صدمہ کی حالت بس آ ہی جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی صدمہ کے موقع پر آنسو جاری ہو جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے صبر کے ساتھ صدمہ کو برداشت کرنا ہے۔

ساری زندگی عاجزی اختیار کی اور دوسروں کو بھی تلقین فرمائی۔ اپنی خلافت کے پہلے جلسہ سالانہ میں خطاب کرتے ہوئے جماعت کو کہا کہ تاریخ آپ کو ہمیشہ یاد رکھے گی اور آنے والی نسلیں آپ پر فخر کریں گی کہ آپ نے محض خدا کی توحید کی خاطر اس بندہ ضعیف اور ناکارہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بار بار اپنے خطابات میں اپنے آپ کو ناچیز، حقیر اور عاجز بندہ کہا۔ یہ عاجزانہ راہیں خدا تعالیٰ کی نظر میں ایسی مقبول ہوئیں کہ ربّ اشعث اغبر کے مصداق خدا تعالیٰ کی محبت آپ کے لئے جوش مارتی۔ چنانچہ لندن میں ایک احمدی دوست کے گھر بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ اس نے خواہش کی کہ نام تجویز کر دیں۔ حضور نے فرمایا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور لڑکے کا ہی نام تجویز کر دیا جبکہ تمام لیڈی ڈاکٹروں نے جدید آلات سے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ ضرور لڑکی ہی پیدا ہوگی کیونکہ ہمارے آلات جھوٹ نہیں بتا سکتے۔ لیکن خدا کے فضل سے لڑکے کی پیدائش ہوئی۔ حضور نے یہ واقعہ اپنے ایک خطاب میں بیان فرمایا کہ :۔

"غیب کی بات بتانا یا کسی عاجز انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دکھانا یہ اللہ کی قدرت کا کام ہے۔ انسان کا دخل تو ہے نہیں اس میں۔"

کبھی بھی اپنی بڑائی بیان نہ کرتے۔ ہر آن عاجزی۔ ہر بات پر عاجزی کا اظہار۔ حضور کی عاجزانہ طبیعت مبارک کا ایک اور واقعہ جو دلوں پر خاص اثر کرنے والا ہے مجھے ہمارے خالو بریگیڈیئر وقیع الزمان صاحب نے بتایا۔ ان کو

(بقیہ صفحہ ۲۵۶ پر)

نُصرت جہاں کی گود کے پالوں کو لے گئے

مکرّم محمّد بشیر صاحب زیروی - لاہور

۸ ر جون ۱۹۸۲ء کو رات ½ ۱ بجنے میں ابھی چند منٹ ہی باقی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی - جس پر دل پریشان سا ہوگیا - یا اللہ خیر! بہت رات گئے کی یہ دستک خیر کی ہو - لیکن الٰہی تقدیروں کو کون ٹال سکتا ہے - دروازہ کھولا تو ہمارے ہی حلقہ کا ایک خادم میرے سامنے تھا اور پھر اکی لرزتی اور روندھی ہوئی آواز میں سے یہ الفاظ میرے کانوں سے ٹکرائے - "حضور کا انتقال ہوگیا"۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

اس غیر متوقع خبر کو سن کر ایکا ایکی قلب و ذہن بلبلا اٹھے - اب میری کیفیت عجیب سی تھی - حضرت والدہ صاحبہ کئی مہینوں سے صاحبِ فراش ہیں - وہ صحن میں میرے ساتھ والی چارپائی پر دراز تھیں ان کی ابھی ابھی آنکھ لگی تھی - میں دل و دماغ پر ضبط کی سل رکھ کر اندر جا بیٹھا اور پھر کچھ دیر کے بعد حضور کی بابرکت صحبتوں کی یادیں میرے ذہن کی سکرین پر ایک فلم کی طرح چلنے لگیں - حضور سے ملاقات کی سعادت تو کوئی ۲۹-۱۹۲۸ء سے ہی حاصل تھی - جب حضور صدر مجلس خدام الاحمدیہ تھے - خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماعوں میں حاضر ہونے کی سعادت بھی حاصل ہوتی رہی اور حضور سے بقدرِ ظرف کسبِ فیض بھی کیا - اللہ تعالیٰ نے اس جماعتی تنظیم کے تحت بعض خدمات کی انجام دیہی کی توفیق بھی عطا فرمائی - مگر جن ناقابلِ فراموش ساعتوں کے نقوش آج تک میرے دل و دماغ پر ثبت ہیں وہ ۱۹۵۳ء میں مارشل لا کے تحت گرفتاری کی چند یادیں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

جس دن میری گرفتاری ہوئی اسی دن حضور انور اور حضرت میاں شریف احمد صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی - جس کے بعد چند دن ہم نے اکٹھے سنٹرل جیل میں گزارے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان پُرآشوب دِنوں کا ایک ایک لمحہ (جو آپ کے ساتھ گزرا) میرے لیے ہمیشہ ہی ازدیادِ ایمان کا باعث ہوا آج کی صحبت میں انہی یادوں کا دہرانا مقصود ہے۔

اَغلباً یہ اَواخر مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے جس دن جماعت کے بعض اکابر کے گھروں کی تلاشیاں اور گرفتاریاں ہوئیں - اسی دن بھائی جان (ثاقب صاحب زیروی) کے گھر اور دفتر کی بھی تلاشی ہوئی - ان میں اس عاجز کے علاوہ حضور پُرنور اور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب بھی تھے جب ہمیں میڈیکل ہوسٹل کے نیلا گنبد کے بڑے گیٹ پر کھلے کیمپ سے کر جیل

بھیجنے کے لیے اکٹھا کیا گیا تو وہاں اس عاجز کی ملاقات حضرت میاں صاحبان سے ہوئی۔ دیکھتے ہی زمین پیروں تلے سے نکل گئی اور ذہن پر بوجھ اور بڑھ گیا اور اپنا سارا دکھ بھول کر سارا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ حکام کی یہ کتنی بڑی جسارت ہے۔ لیکن جلد ہی دل نے یہ کہہ کر حوصلہ بڑھایا۔ کہ ان کا آنا ہم سب کے لیے بابرکت ثابت ہوگا کیونکہ ہم بھی اب اس زمرے میں شامل ہوں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل نازل ہوں گے۔ نیز اگر جیل میں ایک ہی جگہ ہوئے تو آپ کی مقبول دعاؤں سے حصہ پائیں گے اور ان کے طفیل اس مصیبت سے جلد چھٹکارا حاصل ہوگا۔ رفتہ رفتہ یہ احساس پختہ ہو گیا۔ کہ آپ کی گرفتاری ہماری رُستگاری کا باعث بنے گی لیکن اس کے باوجود بے چینی تھی کہ ہر لحظہ بڑھ رہی تھی۔ وہاں سے ہمیں ایک ٹرک میں بٹھا کر جیل کی طرف لے گئے۔ حضرت میاں ناصر احمد صاحب نے ٹرک میں بیٹھتے ہی بلند آواز میں قرآنی دعا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ
مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؕ

کا ورد شروع کر دیا جس سے دلوں میں سکینت و اطمینان کی لہر دوڑنا شروع ہو گئی۔ عمر کے لحاظ سے حضرت میاں شریف احمد صاحب ہم سب میں بڑے تھے اور صحت کے لحاظ سے بھی کمزور مگر حوصلہ کے اعتبار سے از حد مضبوط و مستحکم کہ جب ہمارے چہروں کو پریشان پاتے یا ہمیں اضطراب سے دعائیں کرتے دیکھتے تو فوراً ہماری دلی گھبراہٹ کو بھانپ جاتے اور حضرت میاں ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب سے فرماتے یہ بچے تو مجھے دل چھوڑتے معلوم ہوتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ چنانچہ حضرت میاں ہمیں اپنے مخصوص انداز میں ہر آنے والے وقت کے لیے تیار کرتے رہتے۔

مجھے ان کی یہ ادا کبھی نہیں بھولے گی کہ جب ہم میں سے ایک نوجوان نے اپنے بیان میں کسی قدر جھوٹ ملایا تو حضرت میاں شریف احمد صاحب بیتاب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ بار بار فرماتے کہ اب یہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے اپنا ثواب بھی ضائع کر لیا۔ اور پھر ہم میں سے ایک ایک سے مل کر فرماتے "بیٹا ہم خدا کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ یہ ہمارے ایمانوں کی آزمائش ہے۔ اگر ہم آزمائش میں پورے نہ اترے۔ تو جیسا بدنصیب کوئی نہ ہوگا۔ اور اگر اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے اگر ہم نے جھوٹ بولا تو اس کی نصرت سے محروم ہو جائیں۔ خواہ کتنی بڑی سزا مل جائے مگر سچ کا دامن کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑنا۔ اللہ اللہ کیسی صداقت شعار تھیں یہ ہستیاں کہ جہاں بڑے بڑے جبہ پوش اور دیندار سمجھے جانے والے لوگ بڑے بڑے جھوٹ گھڑتے ہیں اور حیلوں بہانوں کا ایک طومار باندھ کر اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں بھی یہ ہمیں ہر حالت میں اور ہر قیمت پر سچ بولنے کی تلقین فرماتی تھیں۔ آپ نے ہمیں اس تکرار سے اس بات کی تلقین کی کہ بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کو اس معاملہ میں کچھ وہم سا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میاں صاحب! آپ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں کیونکہ میرا کیس ہی ایسا ہے کہ بغیر سچ بولے میرا گزارہ ہی نہیں اور دوسرے مجھے جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں۔ آپ اطمینان رکھیں میں انشاء اللہ ہر حال میں سچ ہی بولوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تو اسی لمحہ میں ہمارے ساتھ ہو گئی تھی جب مارشل لاء حکام کے ذہن میں خیال بھی گزرا ہوگا کہ اب گرفتاریوں میں توازن قائم رکھنے کے لیے جماعت

احمدیہ کے افراد کو بھی پکڑا جائے۔ بلکہ یہ جسارت بھی کہ خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی ہاتھ ڈالا جائے۔ ہمارے گھر سے مارشل لاء والے دراصل بھائی جان (ثاقب زیروی) کو گرفتار کرنے کے لیے آئے تھے۔ مگر قدرت نے مجھ سے ایک ایسی غلطی کروائی جس سے ان کی ساری توجہ میری طرف منتقل ہو گئی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا اور باوجود ارادے اور پروگرام کے بھائی جان (ثاقب زیروی) پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ اس کے بعد مجھے ٹرک میں بٹھا کر میڈیکل ہوسٹل نیلا گنبد کے کیمپ میں لایا گیا وہاں ایک اور احمدی نوجوان مکرم محمد یحیٰ صاحب (جو غالباً حکیم محمد حسین صاحب "مرہم عیسیٰ والے") کے خاندان سے تھے۔ سے ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے مل کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کی اور خوب گریہ وزاری سے دعا کی توفیق ملی۔ جس سے ذہنی بوجھ قدرے ہلکا ہوا۔

عصر کے بعد ہمیں باہر لایا گیا۔ تو ان دو مقدس ہستیوں کی زیارت ہوئی تو انہیں دیکھ کر دلوں کو ایک گونہ تسلی ہوئی کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ ہمارے رُستگار بھی ہمارے ساتھ ہی ہیں۔ جیل کے سامنے گاڑی سے اترتے ہی میرے شہر کے ایک دوست میرے سامنے تھے جن کے ذریعہ بھائی جان کو فوری طور پر یہ اطلاع مل گئی۔ کہ ہم کہاں ہیں اور کرفیو کے باوجود انہوں نے فوراً ہی وہ اطلاع حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کو پہنچا دی جیل میں ہمیں ایسی کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا جن کے سامنے والی کوٹھڑیوں میں ایسے پابجولاں قیدی بند تھے جن کو عدالتوں کی طرف سے "سزائے موت" سنائی جا چکی تھی اور اب وہ اپنی اپیلوں کے فیصلوں کے انتظار میں تھے۔ لہٰذا وہ ساری رات وقفہ وقفہ سے مختلف قسم کے دعائیہ نعروں میں گزارتے اور اس طرح ہمیں بھی دعا کی طرف متوجہ کرتے رہتے۔

پہلی رات نہایت ہی کرب میں گزری صبح ہوئی ہمیں ان کوٹھڑیوں سے باہر نکالا گیا۔ ہم ضروری حاجات سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوئے۔ اور باہر اپنے کمبل بچھا کر بیٹھ گئے حضرت میاں ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے میری اداسی دیکھ کر فرمایا سورۃ ملک یاد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور یاد ہے فرمایا سناؤ چنانچہ اس عاجز نے سورۃ ملک سنائی۔ پھر فرمایا کوئی خواب آئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آئی ہے۔" فرمایا سناؤ" چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضور میں نے دیکھا ہے۔

"کہ ہمارے لیے ایک ریلوے لائن تیار ہوئی ہے جس کے بائیں پہلو سے ایک چھوٹی سی لائن تیار تیار ہوئی ہے جیسے کہ ٹرالی وغیرہ کے لیے ہوتی ہے وہ صرف میرے لیے ہے۔ ایکے آگے جو بڑی مین لائن ہے۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ پگھلا ہوا مزید لوہا دائیں جانب چمٹا رہے ہیں"

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ آپ تو انیٹروگیشن (INTEROGATION) میں ہی رہا ہو جائیں گے۔ مگر اس سے آگے آپ خاموش ہو گئے۔ اس طرح جیسے کہ کچھ حصہ تعبیر کا ان کے ذہن میں اپنے متعلق ہو جسکو آپ بیان نہیں فرمانا چاہتے۔ یہ محسوس کر کے میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کے لیے بھی تو اس میں رہائی کی خوشخبری ہے کیونکہ ریلوے لائن منزلِ مقصود کی طرف لے جاتی ہے اور ہماری منزل اس وقت "رہائی" ہی ہے۔ فرمایا درست ہے۔ مگر آپ نے پھر بھی آگے تعبیر بیان نہیں فرمائی۔ اصل میں میرے ذہن سے خواب میں لائن کے ساتھ جو مزید لوہا لگایا جا رہا تھا اس

کی تعبیر ادھل چکی - جو سزا کی طرف اشارہ تھا - یعنی باقیوں کو سزا تو ہوگی مگر وہ بھی جلد رہا ہو جائیں گے اور پوری سزا نہیں گزاریں گے - اتنے میں ناشتے کا وقت ہو گیا چنانچہ جیل سے ہمارا ناشتہ آگیا جو کالے اُبلے ہوئے چنوں (بالوں سے بھی زیادہ سیاہ) کا تھا - مَیں نے ان چنوں کی طرف کچھ ترچھی سی نگاہوں سے دیکھا کہ کیا اب ہمیں یہ کھانے ہوں گے - حضرت میاں صاحب فوراً میرے چہرے کے تاثرات ہی سے میرے دل کی کیفیت اور میرا تردد بھانپ گئے اور فوراً ان کو چادر پر ہاتھ سے بکھیرنے کے بعد انہیں خود مزے لے لے کر کھانا شروع کر دیا - آپ کھاتے بھی جاتے تھے - اور فرماتے بھی جاتے تھے - "بشیر صاحب" ! دیکھئے یہ تو بے حد لذیذ ہیں - اللہ اللہ! آپ نے ہمیں کس کس طرح تکلیف کے اِن دنوں کو حوصلہ اور بشاشت سے گزارنے کے بعد آداب سکھائے ان کا ہاتھ دسترخوان کی طرف بڑھ جانے کے بعد بھلا کس کی مجال تھی جو نہ کھائے - چنانچہ مَیں نے بھی کھانا شروع کر دیا - اپنے اس عمل سے گویا آپ نے بڑے لطیف انداز میں مجھے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ ہم جیل میں ہیں اور پھر مارشل لاء کی جیل میں - گھر پر نہیں ہیں - اس لیے ہمیں بشاشت کے ساتھ حالات کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جانا چاہیے - غالباً اسی دن کو دوپہر سے حضرت اقدس کے گھر سے کھانا شروع ہو گیا - جو اس قدر ہوتا تھا - کہ ہم سب سیر ہو کر کھا لیتے تھے - تو پھر بھی بچ جاتا تھا (گویا کہ جیل میں بھی ہم لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے لنگر سے ہی کھاتے تھے)

یہاں بھی ہماری دلجوئی مدنظر رہی کھانا آتا تو آپ سارا کھانا میرے سپرد فرما دیتے اور فرماتے "ساقی صاحب" اسے تقسیم کریں اور خود میرے گھر سے آیا ہوا کھانا لے بیٹھتے کریں تو یہ کھاؤں گا جو نہایت ہی سادہ سا ہوتا تھا اور جس میں بعض اوقات صرف ڈبل روٹی کے چند ٹکڑے ہوتے میرے اصرار کے باوجود میرا وہ سادہ سا کھانا حضور خود تناول فرماتے اور رتن باغ سے آیا ہوا کھانا ہم کھاتے (الحمدللہ چنوں کے اس ناشتے کے بعد جیل سے ہم نے کچھ نہیں کھایا -)

ممکن ہے کہ قارئین کے لیے یہ باتیں معمولی ہوں مگر مجھ ناچیز و حساس کے لیے جیل میں یہ اتنی بڑی تھی کہ میرے قلب و روح اس پر آج بھی اس روح پرفتوح کی عظمتوں کو دہراتے رہتے ہیں - یہ وہ وقت تھا جب ہر شخص ربِّ نفسی ربِّ نفسی کے عالم میں تھا - مگر حضور پُرنور ہمارے لیے شفقتوں کا پہاڑ بن گئے - اللہ تعالیٰ حضور کے درجات میں بیش بہا اضافہ فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے قرب میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ راحتیں نصیب کرے -

حضور پُرنور اور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب جب تک ہمارے پاس رہے - ایک لمحہ کے لیے بھی ہمیں اداس اور غمگین نہیں ہونے دیا اور ہمیں واقعات سنا سنا کر ہمارے حوصلے بلند فرماتے رہتے گویا جیل میں بھی ہر روز مجلس علم و عرفان جمتی رہی -

ایک دن مجھے پریشان سا دیکھ کر نہایت ہی بے تکلفی سے فرمانے لگے بشیر! "تمہیں پانچ سال قید ہوگی" یہ سن کر مَیں نے بھی اسی بے تکلفی سے عرض کیا کہ میاں صاحب! آپ خدا کے فضل سے خود بھی بزرگ ہیں پھر بزرگوں کی اولاد بھی ہیں - میرے حق میں اس پاکیزہ منہ سے تو کلمہ خیر ارشاد فرمائیں فرمانے لگے میرا مطلب ہے "THINK WORST" -

جیل میں مَیں نے آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی پریشان

نہیں پایا۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ جیل میں اس مردِ بحران کی صحت روز بروز بہتر ہو رہی ہے۔

مَیں نے ایک دن عرض کیا کہ چونکہ میری گرفتاری اچانک اور بالکل غیر متوقع تھی اور میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ کبھی میں بھی گرفتار ہو جاؤں گا اس لیے پہلے پہل میں بہت پریشان ہو گیا۔ اور میری بھوک پیاس بالکل ختم ہو گئی۔ لہٰذا ناشتہ بھی نہ کر پایا۔ مارشل لاء حکام نے کو کھانا دیا بھی مگر ماسوائے کپ چائے کے میں کچھ نہ کھا سکا۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا "جب مجھے گرفتار کیا گیا تو مَیں نے پہلے نہایت ہی اطمینان سے غسل کیا پھر سیر ہو کر ناشتہ کیا کیونکہ ایسے وقتوں میں مجھے خوب بھوک لگتی ہے۔ اس کے بعد کپڑے تبدیل کیے نیز فرمایا خدا کے فضل سے میرے جوہر بحران میں کھلتے ہیں۔ اور میری اندرونی طاقتیں نمایاں ہونا شروع ہو جاتی ہیں ہر وقت خوش رہتے اور ہمیں خوش رکھنے کی کوشش فرماتے اور ہمارے ذہنوں میں یہ احساس پیدا کرتے رہتے کہ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں کامیابی کے بعد ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بے شمار بارشیں ہوں گی۔ لہٰذا ہمیں استقلال کے ساتھ اور دعاؤں کے ساتھ ان لمحات کو مسکراتے ہوئے گزارنا چاہیئے۔ اللہ اللہ کیا ہی پاکیزہ اور پیارا دل تھا۔ جو ہر وقت سلسلہ پر ہر طرح قربان ہونے کے لیے مستعد رہتا تھا۔ ایسا بھی نہیں کہ حضور پُرنور جیل میں دعا ہی نہیں کرتے تھے۔ دعائیں کرتے تھے۔ دعائیں تو وہ ہر سانس کرتے تھے مگر اس طرح کہ ان کی کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہو کہ ان پر کسی قسم کی گھبراہٹ ہے دراصل آپ کے اپنے سے راز و نیاز تنہائی میں ہوتے تھے۔ مَیں نے بھی اسی غلط فہمی میں ایک دن آپ کو کرب سے دعا کی طرف راغب کرنے کے لیے عرض کیا "حضور اگر اجازت دیں تو یہ عاجز آپ کو دبائے فرمایا ہاں ہاں چنانچہ مَیں نے دبانا شروع کیا پھر مَیں نے عرض کیا کہ حضور کچھ سناؤں بھی فرمایا ضرور سنائیں چنانچہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دعائیہ اشعار (جو مجھے یاد تھے) سنانے شروع کیے۔ مَیں اشعار سناتا رہا۔ اور حضور بڑے انہماک سے سنتے رہے اور ان کا اثر اپنے دل و دماغ پر لیتے رہے اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی فرماتے رہے۔ (یاد رہے اس وقت ہمارے سوا ہمارے پاس اور کوئی نہ تھا) جب مَیں اشعار پڑھتے پڑھتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر پر پہنچا۔ ؎

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ مَیں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سُن مَیں ہو گیا زار و نزار

تو آپ کی کیفیت کچھ اور ہی ہو گئی اور مَیں چپکے سے باہر چلا گیا اور حضور دیر تک اپنے رب سے راز و نیاز فرماتے رہے اور یہی میرا مقصد تھا۔ اور انہی دعاؤں ہی کے طفیل ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن گئے۔

جمعہ کا دن تھا اس دن میری انیٹروگیشن (INTEROGATION) تھی اور حضرت میاں صاحبان کی ٹرایل تھی۔ اس عاجز کی پردہ پوشی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمایا کہ اسی کار میں جس میں آپ کو سنٹرل جیل سے بوسٹل جیل میں لایا گیا۔ اس عاجز کو بھی لایا گیا۔ راستے میں حضور ہدایات دیتے رہے۔ کہ کسی سے بھی فضول باتیں نہیں کرنی بلکہ کوشش کریں کہ کسی سے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نیز استغفار پر زور دیں۔ گویا اپنے سے زیادہ میری فکر تھی۔

بورسٹل جیل پہنچے تو بھائی جان (ثاقب زیروی) پہلے ہی پہنچ چکے تھے دن رات کی دوڑ دھوپ نے ان کی صحت پر بھی بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ویسے "لاہور"[1] کی بندش کے باعث بھی کچھ کبیدہ خاطر تھے۔ مگر خدا کے فضل سے حوصلہ بہت بلند تھا اور اپنے ربّ کے فضلوں پر یقین محکم چنانچہ دیر تک میرا بھی حوصلہ بڑھاتے رہے اور فرمایا بالکل فکر نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب ٹھیک ہو گا۔ نیز نصیحت کی کہ اگر کوئی سوال کرے تو ARTHODOX ہو کر اس کا جواب نہ دینا۔ ممکن ہے کوئی ماہر نفسیات آج تم پر سوال کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک تھانیدار صاحب میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے کہنے لگے کہ بھائی آپ کیوں گرفتار ہوئے ؟ میں نے عرض کیا کہ بس گرفتار کر لیا گیا۔ اور کیوں ہوئے یہ تو آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں۔ کہنے لگے کوئی تو وجہ ہو گی ؟ میں نے عرض کیا وہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ایک تحریر تھی جسے تم نے پھاڑ کر کھالیا چونکہ اس میں جھوٹ کی ملاوٹ تھی میں نے فوراً اسے اصل واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ یہ اصل بات ہے۔ مگر باقی آپ نے اپنی طرف سے ملایا ہے۔ آپ لوگ کیوں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر لوگوں کو سزائیں دلواتے ہیں۔ اگر مجھے سزا ہو گئی تو آپ کو کیا ملے گا ؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ کہنے لگے اگر آپ سے زیادتی ہوئی ہے تو وہ مارشل لاء کی طرف سے ہے۔ پولیس کی طرف سے نہیں چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ میری رہائی میں انکی رپورٹ کا بھی دخل تھا۔

"بریگیڈیر مرزا" انیٹروگیشن (INTEROGATION) پر مامور تھے وہ نہایت شریف انسان تھے۔ انہوں نے مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد مشورے کے طور پر کہا کہ اگر آپ کا ٹرائیل ہو تو وہاں یہ کہنا کہ میں نے یہ مضمون ایک اور مضمون لکھنے کے لیے نقل کیا تھا (غالباً وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں واقعات سے ہٹ کر بھی کچھ کہہ سکتا ہوں کہ نہیں) میں نے بہ عرض کیا کہ نہیں جناب ! یہ بات واقعات کے خلاف ہے۔ اصل بات اتنی ہی ہے۔ جو میں نے آپ سے پہلے عرض کر دی ہے کہ میں نے یہ مضمون اس لیے نقل کیا تھا کہ میرا ارادہ تھا کہ اسے "الفضل" کو بعینہٖ بھیج دونگا۔ کیونکہ اسی قسم کی ایک قسط پہلے بھی "الفضل" میں شائع ہو چکی تھی۔ مگر میں نے اسے نقل تو کر لیا مگر الفضل کو بھیج نہ سکا اور اسی طرح پچھلے چھ ماہ سے میرا پاس پڑا تھا۔ بار بار انہوں نے مختلف پیرا ؤں میں چکر دے کر اصل واقعہ کے خلاف مجھ سے کہلوانے کی کوشش کی مگر میں نے وہی کہا جو اصل بات تھی اور سچ کا دامن نہ چھوڑا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بریگیڈیر صاحب نے نہ صرف اس عاجز کی رہائی کی سفارش کر دی بلکہ اس انسپکٹر پولیس کو جو مجھے گرفتار کر کے لایا تھا بھائی جان کے سامنے ہی بہت سخت سست کہا بلکہ بہت بے عزتی کی۔ میرے اس کیس کی تفصیلات تو اور بھی ہیں مگر یہاں چونکہ مقصود اپنے کیس کی تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد حضرت میاں صاحبان کی زندگی کے ان پہلوؤں کے ذکرِ خیر سے روحوں کو سیراب کرنا ہے۔ جن کو میں نے جیل میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور جن کا میں عینی شاہد ہوں اس لیے میں اپنے کیس کی مزید تفصیلات یہیں چھوڑتا ہوں۔

---

[1] "ہفت روزہ لاہور"

اس عاجز کو حضرت میاں صاحبان کی معیت میں بہتر گھنٹے سے زیادہ ہی رہنے کا موقع ملا اور میں نے آپ کی بہت قریب سے خوب خوب ہی دیکھا ہر لمحہ اور ہر آن انکی رفاقت ہمارے ایمانوں میں اضافہ کا باعث بنی رہی۔ اور آج تک میرے دل و دماغ پر کالنقش فی الحجر ہے۔ اس کے بعد آپ بی (B) کلاس میں چلے گئے۔ جس سے ہم خوش تو تھے کیونکہ آپکا سی (C) کلاس میں ہونا ویسے بھی آپ کے مقام و منصب کے منافی تھا۔ لیکن ہم آپ کی رفاقتِ حسنہ سے محروم ہو گئے جس کے باعث ہم ملول بھی تھے۔ مگر اب ہمارے حوصلے اتنے بلند تھے کہ ہمارے لیے جو کچھ بھی ہونے والا تھا ہم اس کے لیے انشراحِ صدر سے پوری طرح تیار تھے۔

یہ بات کسے نہیں معلوم کہ جب کسی پر کیس بن جائے تو خواہ پیر ہو یا فقیر سیاست دان ہو یا عالم دین کوئی کاروباری انسان ہو یا ملازم وکیل صاحبان ان کو جیسے جیسے بیان پڑھاتے اور سکھاتے ہیں۔ ساتھ کے ساتھ ویسی ہی تبدیلیاں اُن کے بیانوں میں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کی غرض تو صرف سزا سے بچنا ہوتا ہے۔ خواہ اس سے بچنے کے لیے کتنا ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ مگر ہمارے کیس تو مارشل لاء کے کیس تھے۔ اور پھر ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے۔ جس میں سزا ایسی دیجاتی تھی کہ سُننے والوں کے سُن کر ہی دل دہل جاتے تھے۔ ایسے وقت میں ہمیں ان دونوں بزرگوں کی طرف سے ہمیشہ یہ تلقین کی جاتی کہ صرف سچ ہی بولنا ہے۔ خواہ کتنی بھی سزا کیوں نہ ہو جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندوں ہی کا شیوہ ہوتا ہے۔ جن کی نگاہوں میں اپنے رب کی رضا کے حصول کے سوا کوئی شے نہ ہو۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ آپ کے ارشادات کے مطابق اس عاجز کو سچ ہی بولنے کی توفیق ملی۔ اور جھوٹ بولنے والوں کا مُنہ سیاہ ہوا۔

یہ عاجز تین دن کے بعد ہی رہا ہو گیا اور حضرت میاں صاحبان کو سزائیں سُنا دی گئیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دن خواب میں ظاہر فرما دیا تھا۔ جیل اسی کے مطابق یہ عاجز تو انٹروگیشن (INTEROGATION) میں ہی رہائی پا گیا اور حضرت میاں صاحبان چند ماہ بعد رہا ہو گئے۔

مَیں نے ان تین دنوں میں ان پاک وجودوں سے یہ سیکھا کہ کس طرح استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور پھر یہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ حق کی حمایت کرتا ہے۔ یہ دن جماعت کے ہر ایک فرد کے لیے بے حد آزمائش کے دن تھے ہر دل بے چین اور ہر آنکھ خدا کے حضور گریاں تھی، مگر مومن کس طرح ان آزمائشوں سے گزرتے ہیں۔ اس کا صحیح نمونہ ان دو پاک وجودوں میں ہم نے پایا۔ ان دونوں وجودوں نے ایسے ایسے طریقوں سے سچ کی تلقین فرمائی کہ ہمیں سچ مچ ایک مضبوط اور مستحکم چٹان بنا دیا۔

جب حضور پُر نور رہا ہو کر آئے تو یہ عاجز رتن باغ میں آپ کی خدمت میں اظہار نیاز کے لیے حاضر ہوا۔ حضور نے از راہِ شفقت اس عاجز کو اُوپر بلوا لیا اور آپ اندر تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد ایک کاغذ لاکر میرے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ حضرت پھوپھی جان (حضرت نواب مبارکہ بیگم نور اللہ مرقدہا) فرماتی ہیں کہ یہ اشعار سناؤ یہ وہ اشعار تھے جو حضرت پھوپھی جان نے حضرت میاں صاحبان کی گرفتاری کے وقت بیقراری کی حالت میں فی البدیہہ کہے تھے چنانچہ اس عاجز نے

(بقیہ صفحہ پر)

سیرۃ طیبہ اوصافِ حمیدہ

(مکرم مولوی حکیم خورشید احمد صاحب ۔ صدر عمومی ۔ ربوہ)

مدرسہ احمدیہ قادیان کی ساتویں جماعت میں مَیں اوّل رہا اس کے بعد درجہ اولیٰ جامعہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے جامعہ احمدیہ کی تعلیم کے دوران آپ نے میری تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ رکھی۔ علماءِ سلسلہ قادیان سے باہر مختلف مناظروں اور جلسوں میں تشریف لے جایا کرتے آپ جب بھی کسی جلسہ میں شمولیت کے لیے تشریف لے جاتے مجھے ضرور ساتھ لے جاتے اور مجھے تقریر کرنے کا حکم دیتے جب مَیں تقریر سے فارغ ہوتا تو سب کے سامنے میری تعریف کر کے میری حوصلہ افزائی کرتے۔ آپ کو اپنے شاگردوں کی صحت کی بہت فکر رہتی ان کی صحت کے لیے جہاں اور تدابیر اختیار فرماتے وہاں اپنے شاگردوں کو پکنک کے لیے عموماً تتلہ نہر پر لے جاتے ایک دفعہ نہر پر پکنک کا پروگرام بنایا تمام اساتذہ اور طلبہ کو حکم دیا کہ سب تتلہ نہر پر پکنک کریں۔ نہر پر غسل اور تیراکی کے مقابلوں کے علاوہ آپ نے ہمارے کھانے اور پھلوں کا انتظام اپنی خاص نگرانی میں فرمایا۔ جب کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اب جامعہ احمدیہ کے طلباء کا تقریری مقابلہ ہوگا ہر مقرر کو تین منٹ قبل مضمون کا عنوان بتایا جائیگا اور تقریر بھی صرف تین منٹ کی ہوگی کچھ طلبا نے اپنے نام خود لکھوائے کچھ کے آپ نے اور اساتذہ کرام نے خود لکھوائے۔ آپ مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے خورشید تم نے نام نہیں لکھوایا میں نے عرض کی۔ مجھے سخت نزلہ زکام ہے گلا بیٹھا ہوا ہے مَیں کیا تقریر کروں گا؟ آپ نے فرمایا نہیں تم تقریر کرو گے۔ مَیں نے تمہارا نام لکھدیا ہے مَیں نے ادباً و احتراماً خاموش رہا۔ دوسری تقریر شروع ہوئی تو حضور اقدس نے مجھے فرمایا کہ اس کے بعد تمہاری تقریر ہوگی۔ عنوان ہے "آسمانی بادشاہت" عنوان سنتے ہی میں کچھ پریشان ہوا کہ مَیں اس وسیع و عریض مضمون کو تین منٹوں میں کیسے سمیٹوں ابھی اس اُدھیڑ بن میں تھا کہ آپ نے مجھے آواز دی کہ اب تم تقریر کرو مَیں تقریر کے لیے کھڑا تو ہو گیا لیکن تقریر کے ختم ہوتے تک مجھے یہ احساس نہ تھا کہ مَیں کیا بیان کر رہا ہوں بہرحال تقریر ختم ہوئی نتیجہ نکلا تو مَیں اوّل رہا اور حضور اقدس اور جملہ اساتذہ بھری مجلس میں میری تعریف کر رہے تھے مَیں نے حضور سے عرض کی یہ آپ کی نظر اور توجہ کی تاثیر سے ہوا ہے آپ نے جو اصرار کیا تھا کہ مَیں تقریر ضرور کروں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ سے آپ کے روحانی علوم کا کچھ اثر تو اس عرصہ میں خاکسار پر بھی ہو گیا ورنہ من آنم کہ من دانم

والد مرحوم کی وفات کے بعد مجھے تعلیم جاری رکھنے میں سخت

مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ کی شفقت اور سرپرستی کی وجہ سے تعلیمی عرصہ بے فکری سے گزر گیا آپ نے از خود مجھے بتائے بغیر صدر انجمن احمدیہ سے میرے لیے آٹھ روپے ماہوار تعلیمی وظیفہ منظور کروایا اس سے مجھے بہت سہارا ہوا ان دنوں آٹھ روپے ماہوار مجھ جیسے غریب اور بے سہارا طالب علم کے لیے بہت غنیمت تھے یہ نہ بھی ہوتے تو حضور نے جو میرے ساتھ محبت اور پیار کا سلوک کیا وہ بہت بڑی دولت تھی جو مجھے حاصل تھی۔

مولوی فاضل کا امتحان دینے کے بعد سب ہم جماعت دوستوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ اور سٹاف کے ساتھ فوٹو بنوائی جائے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کے لیے مجھے کہا گیا۔ چنانچہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی پر جا کر میں نے فوٹو کے لیے درخواست دی جسے آپ نے بخوشی منظور فرمایا۔

ٹی آئی ہائی سکول کے برآمدہ کے باہر عبدالرزاق صاحب مہتہ نے فوٹو لی جو ٹھیک نہ آئی پھر دوبارہ فوٹو کے لیے عرض کی گئی اس دفعہ بھی آپ ہماری دلداری کے لیے بخوشی تشریف لے آئے

۱۹۴۲ء میں میں درجہ ثانیہ میں داخل ہوا یہ سال مولوی فاضل کے امتحان کی تیاری کا سال تھا میں نے امتحان میں اعلیٰ کامیابی کے حصول کے لیے سخت محنت کی چنانچہ سخت محنت مالی مشکلات اور غذا کی کمی کی وجہ سے میری صحت کافی گر گئی بدن کی ہڈیاں باہر نکل آئیں بہرحال مئی ۱۹۴۳ء میں مولوی فاضل کا امتحان دے دیا جامعہ احمدیہ سے میں رخصت ہو گئی۔ نتیجہ نکلنے میں دو ماہ باقی تھے۔ مئی کے آخر میں ایک دن آپ نے مجھے اپنی کوٹھی النصرت بلایا فرمانے لگے "خورشید میں دیکھتا ہوں تمہاری صحت بہت گر گئی ہے ہم چند روز تک ڈلہوزی جا رہے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ جاؤ گے۔ تمہاری صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ جاؤ تیاری کرو"۔ ڈلہوزی میں ہم قریباً چار ماہ رہے اس عرصہ میں آپ نے جامعہ احمدیہ کے تین اساتذہ مولانا ارجمند خان صاحب مرحوم مولانا ابو العطاء صاحب مرحوم اور تیسرے مولانا ابوالحسن صاحب قدسی اور دو طلباء مولوی غلام باری صاحب سیف اور مولوی عبدالقدیر صاحب کو بھی سیر کے لیے بلایا۔ ان سب نے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے مہمان خانہ میں پندرہ روز سے ایک ماہ تک قیام کیا جی بھر کر سیر کی اور حضور نے بھی ان کی خاطر و مدارت خاص توجہ سے کی جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ اب ڈلہوزی ان سب کے چہروں پر نمایاں نظر آنے لگی ہے تو انہیں جانے کی اجازت دی ان سب کے قیام کے دوران میں نے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص مسرت اور شگفتگی دیکھی آپ اپنے مہمانوں کی خاطر داری صرف اپنے ملازموں پر نہ چھوڑتے بلکہ اکثر اوقات کئی دفعہ کھانے کا ڈونگہ یا پھلوں کی ڈش آپ خود اٹھا کر ہمارے پاس لے آتے اور فرماتے یہ بھی کھائیں پھر جب تینوں اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ کی مجلس ہوتی تو بہت شگفتہ مذاق اور گہری پھول دار چوٹیں ایک دوسرے پر کی جاتیں۔ سبحان اللہ کیسا وقت تھا جو گزر گیا اور پھر ہاتھ نہ آیا اور کیسے بابرکت اور اللہ والے بزرگ تھے جو اس دنیا سے سدھار گئے اب روح کو تسکین اور مضطرب دلوں کو ڈھارس دینے کے لیے ان کی سہانی یادیں ان کی پیاری باتیں اور ان کی دلآویز مسکراہٹیں ہی باقی ہیں جو ان یادوں کو شفیق و مہربان ماں کی طرح لوریاں دے کر سلا دیتی ہیں۔

ان سب کے چلے جانے کے بعد میں آپ کے ساتھ ہی رہا اور اس وقت واپس آیا جب آپ بمع بیگم صاحبہ و بچگان ڈلہوزی سے واپس تشریف لائے ڈلہوزی میں قیام کے دوران میں نے

اپنے ساتھ آپ کا اور بیگم صاحبہ کا سلوک بہت مشفقانہ دیکھا میرے لیے وہی کھانا بھجوایا جاتا جو آپ خود کھاتے بلکہ حضرت بیگم صاحبہ کے حکم پر دونوں وقت دودھ کی ایک پیالی اور کچھ پھل بھجوائے جاتے تاکہ اچھی غذا اور دودھ سے میری صحت اچھی ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت بیگم صاحبہ کی اپنے خادم پر خاص شفقت اور توجہ سے ڈلہوزی میں قیام کے دوران میری صحت کافی اچھی ہو گئی تھی۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ شفقت محض للہ فی اللہ اور حضور کے خیال میں ایک ذہین لائق اور شریف طالب علم کی دلداری کے لیے تھی حضور کا خیال تھا کہ یہ طالب علم تھوڑی سی توجہ کے ساتھ بہت کچھ بن سکتا ہے چنانچہ حضور نے اسی نظریہ سے مجھے نوازا۔ اور میرے ساتھ محبت اور شفقت کا وہی سلوک کیا جو ایک عظیم استاد اپنے لائق شاگرد سے یا ایک باپ اپنی اولاد سے کر سکتا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور شفقت نے مجھے باپ کی یاد بھلا دی اور میری آئندہ زندگی میں کامیابی کی وہ راہیں کھول دیں جنہیں کھولنا انکی سرپرستی کے بغیر میرے لیے مشکل تھا۔ میں تو ایک غریب بے سہارا اور بے وسیلہ طالب علم تھا۔ حضور کی شفقت اور سرپرستی ہی تھی جس نے مجھے سہارا دیا اندھیرے میں روشنی عطا کی اور جو اب تک میرے لیے مشعلِ راہ کا کام دے رہی ہے۔

ڈلہوزی میں قیام کے دوران بہت قریب سے میں نے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالےٰ اور حضرت بیگم صاحبہ مرحومہ کے اوصافِ حمیدہ و اخلاق عالیہ ملاحظہ کیے ان کی تفصیل یقیناً ایک کتاب پر محیط ہو گی جس کی خالد کے لیے اس مضمون میں گنجائش نہیں میں ذیل میں اس کا مختصراً ذکر کروں گا۔

میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے بعد ڈلہوزی آیا تھا نتیجہ کا انتظار تھا۔ ایک روز میں اور مولوی غلام باری صاحب سیف سیر کرنے کے بعد سرکلر روڈ پر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں مکرم مولوی عبدالقدیر صاحب بھاگم بھاگ آتے ملے ہمیں دیکھا تو زور سے مجھے مبارک باد دی اور کہا کہ آپ کو مبارک ہو مولوی فاضل کا نتیجہ نکل آیا ہے ۔ آپ پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے ہیں یہ سنتے ہی میں نے وہیں سجدہ شکر ادا کیا کوٹھی حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ہمارے انتظار میں تھے بہت مسرور تھے مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے میاں خورشید (یہ میاں کا لقب مجھے ڈلہوزی آکر ملا تھا) مبارک ہو آپ پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آئے ہیں میرا پہلے ہی خیال تھا کہ آپ اس دفعہ یونیورسٹی میں TOP پوزیشن حاصل کریں گے۔ میرے ساتھیوں نے کہا کہ اب ان پر مٹھائی واجب ہو گئی ہے اس پر حضور نے فرمایا کہ ان کی مٹھائی میں کھلاؤں گا چنانچہ حضور اقدس نے ایک دو روز بعد میری اعلیٰ کامیابی کی خوشی میں اپنی کوٹھی میں شاندار دعوت دی جس میں حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب مرحوم اور جملہ احمدی احباب جو اس وقت ڈلہوزی تشریف لائے ہوئے تھے بلائے اس موقع پر مجلس برخاست ہونے کے بعد حضور خلیفۃ المسیح الثانی کچھ وقت حضرت اقدس کے پاس ہی رہے اس وقت حضور نے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ خورشید کو اور ان کے ساتھیوں کو جنہوں نے مولوی فاضل میں میں اچھی پوزیشن لی ہے کہا جائے کہ وہ زندگی وقف کریں میرے کلاس فیلو ملک مبارک احمد صاحب نے تیسری پوزیشن اور مولوی محمد عثمان صاحب نے چوتھی حاصل کی تھی چنانچہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو حضور کا یہ پیغام پہنچایا

جس پر ہم نے اپنی زندگی وقف کر دی۔

ڈلہوزی میں قیام کے دوران میری ڈیوٹی حضور کے تینوں بچوں کو پڑھانا اور سیر کرانا تھی۔ چنانچہ باقاعدہ یہ ڈیوٹی ادا کرتا رہا اس کے علاوہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی خواہش تھی کہ میں بدایۃ المجتہد کا اردو ترجمہ کروں حضور نے فرمایا کہ اس کے متعلق جو سہولت تمہیں درکار ہوں مجھے بتاؤ لیکن افسوس ہے کہ مجھے اس علمی شغف کی طرف بہت کم فرصت ملتی تھی۔ جسے میں پورا نہ کر سکا صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب تو اس وقت پانچ چھ سال کی عمر میں تھے۔ اس لیے سیر کے وقت وہ سارا راستہ پیدل آتے جاتے لیکن دونوں صاحبزادیوں امۃ الشکور صاحبہ اور امۃ الحلیم صاحبہ ابھی چھوٹی تھی اس لیے میں کبھی انہیں چلاتا اور کبھی گود میں اٹھاتا اور کبھی کندھوں پر بٹھا لیتا اس لیے مجھے فخر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑپوتیوں حضرت خلیفہ ثانی کی پوتیوں اور حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیوں کو میں نے اپنی گود اور کندھوں پر سیر کرائی ہے اس طرح میں نے وہ برکت حاصل کی ہے۔ جو اس خاندان کے ساتھ اخلاص اور عقیدت کے ساتھ تعلق رکھنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔

ڈلہوزی قیام کے دوران ایک موقعہ ایسا آیا کہ حضور کے پاس کوئی خادم نہ رہا حضرت بیگم صاحبہ کی طبیعت کچھ ناساز رہتی تھی۔ صبح ناشتہ کے وقت میں نے حضور کو باورچی خانہ میں ناشتہ کی تیاری کرتے دیکھا میں فوراً باورچی خانہ گیا میں نے اصرار کے بعد برتن خود سنبھالے اور کھانا تیار کرنے لگا۔ ملازم ملنے تک دو چار دن ہم نے خود سب کچھ تیار کیا اس عرصہ میں حضور ناشتہ اور کھانے کی تیاری میں خود شریک ہوتے میرے بار بار عرض کرنے کے باوجود کھانا تیار ہونے تک باورچی خانہ نہ چھوڑتے اور مجھ سے زیادہ اپنے ہاتھ سے کھانے کی تیاری کرتے۔

انہیں دنوں چھوٹی صاحبزادی امۃ الحلیم صاحبہ نے کسی تکلیف کی وجہ سے بستر پر پاخانہ کر دیا۔ آپ نے مجھے آواز دی دیکھتا ہوں کہ حضور نے ایک لوٹے میں پانی پاس رکھا ہے اور پاخانہ لگا کپڑا اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے مجھے دیکھ کر فرمایا میاں خورشید آپ اس لوٹے سے پانی بہائیں میں کپڑا دھوتا ہوں میں نے بہت اصرار کیا کہ میں خادم اس کام کو خود کر دوں گا آپ چھوڑ دیں لیکن آپ نے میری ایک نہ سنی چنانچہ میں نے پانی بہایا اور آپ نے اپنے ہاتھوں سے کپڑا پاک کیا۔

یہ واقعات بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن ان میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق عالیہ کا اظہار ہوتا ہے اپنے شاگردوں کی عزت و تکریم اس حد تک کہ اس کی دلی آمادگی کے باوجود اپنے ذاتی کاموں کا بوجھ اس پر نہ ڈالنا چاہا۔

۲۔ اتنی بڑی عظمت و رفعت ذاتی و خاندانی وجاہت کے باوجود آپ کی عجز و انکساری کا یہ حال کہ باورچی خانہ میں بلا تکلف کھانا پکانے کا کام شروع کر دیا۔

۳۔ آپ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے صدر تھے ان کاموں سے وقار عمل کا عملی نمونہ جماعت کو پیش کیا۔

۴۔ اپنے بچوں کے ساتھ آپ کو اور حضرت بیگم صاحبہ مرحومہ رحمہا اللہ تعالیٰ کو جو محبت اور پیار تھا کپڑا دھونے کے واقعہ سے اس کا عملی ثبوت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

۵۔ عام گھروں میں بیوی پر جائز و ناجائز سب بار ڈال دیا جاتا ہے گھریلو کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹانے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور بیوی کو عزت و تکریم کا وہ مقام نہیں دیا جاتا جو اسے دیا جانا چاہیئے اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی مل جاتا ہے کہ ضرورت کے وقت بیوی کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹایا جائے۔

ڈلہوزی میں ہمارا سفر ۱۹۴۲ء میں ہوا قریباً چار ماہ وہاں رہے اگلے سال انہیں دنوں خاکسار کو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں شملہ قریباً چار ماہ رہنے کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت بیگم صاحبہ مرحومہ کے علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے وہاں بھی حضور کے ساتھ قریباً ایک ماہ رہا۔ ہوشیار پور کے جلسہ مصلح موعود میں مَیں بھی حضور کے ساتھ ہی شریک ہوا۔ ان تمام سفروں میں مجھے حضور اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت صحبت سے بہت کچھ حاصل ہوا۔ پہاڑی علاقوں کی سیر اور قیام سے میری صحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی اچھی ہوگئی۔ پھر حضور اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے انفاس طیبہ سے یہ برکت ایسی دائم ہوئی کہ جب بعد میں میرے ذاتی حالات کی وجہ سے میں حضور اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلسل رابطہ نہ رکھ سکا تو بھی مجھے ہر سال پہاڑ پر قیام کی توفیق ملتی رہی جو اب تک بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل رہی ہے الحمد للہ ورنہ میرے مالی حالات ایسے نہ تھے کہ گھر کے اخراجات بھی ہو سکتے پہاڑی علاقوں کی سیر تو بہت دور کی بات تھی یہ سب ان پاک لوگوں کی پاک مجلس اور نظرِ کرم کا فیض تھا۔

حضور کے قرب میں مَیں نے حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے واقعات دیکھے جو بیان کروں تو مضمون لمبا ہوتا ہے ڈلہوزی کے سفر کے پورے واقعات بیان نہیں کیے۔ شملہ اور دلی کے واقعات تو بہت طویل ہیں اور پھر وہ سفر جو ہوشیار پور کا مَیں نے حضور کے ساتھ کیا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اور حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی صاحبزادی امۃ اللہ خورشید صاحبہ سے میری شادی تو خاص طور پر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت بیگم صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا نتیجہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان بابرکت وجودوں کے وجود کو قائم و دائم رکھے۔ آمین

بقیہ از صفحہ ۲۴۴

بقیہ از صفحہ ۲۴۴

ایک کام کے سلسلہ میں کچھ پریشانی تھی۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ کام ہو گیا۔ چنانچہ خالد نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے دعا کی تھی میرا کام ہو گیا۔ حضور نے جواباً فرمایا۔ تمام کام اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کر دیتا ہے۔ غرضیکہ حضور کی زندگی میں ہمیں عاجزی انکساری کے اَن گنت نمونے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر بے حد توکل تھا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے اس سے ہی ہر چیز طلب کرتے اور دوسروں کو بھی توکل علی اللہ کی نصیحت فرماتے۔ جب مَیں نے ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان دیا۔ میرا ایک پرچہ بہت برا ہوا۔ واپس آکر حضور کی خدمت میں دعائیہ چھٹی لکھی۔ حضور نے از راہِ شفقت میرے خط پر بھی نوٹ دیا۔ "دعا کرو۔ توکل علی اللہ"۔ چنانچہ جب میرا رزلٹ آیا تو اس پرچہ میں میرے بہت اچھے نمبر تھے۔

اے میرے اللہ جس طرح اس وجود نے ہمیں پیار کیا اسی طرح تُو اس سے پیار فرما۔ جس طرح اس مبارک وجود نے اپنے قرب میں ہمیں رکھا اس طرح تو بھی اس کو اپنے قربِ خاص میں جگہ دے۔ وہ تجھ سے بہت پیار کرتا تھا وہ صرف تیرا تھا۔ ہم کو صبر کی توفیق دے۔ حضور کے اہل و عیال کا حامی و ناصر ہو اور ہم سب کو خلافت سے وابستہ رکھ۔ آمین

آخری تصویر :
اپنی دوسری شادی کی خوشی میں احمد نگر زمینوں پر حضورؒ کی طرف سے دعوت

آخری سنگِ بنیاد۔ صدسالہ جوبلی کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھ رہے ہیں

حضورؒ کی آخری پبلک تصویر۔ نظارت ضیافت کی طرف سے دعوت پر تشریف آوری

جامعہ احمدیہ کے تین پرنسپل
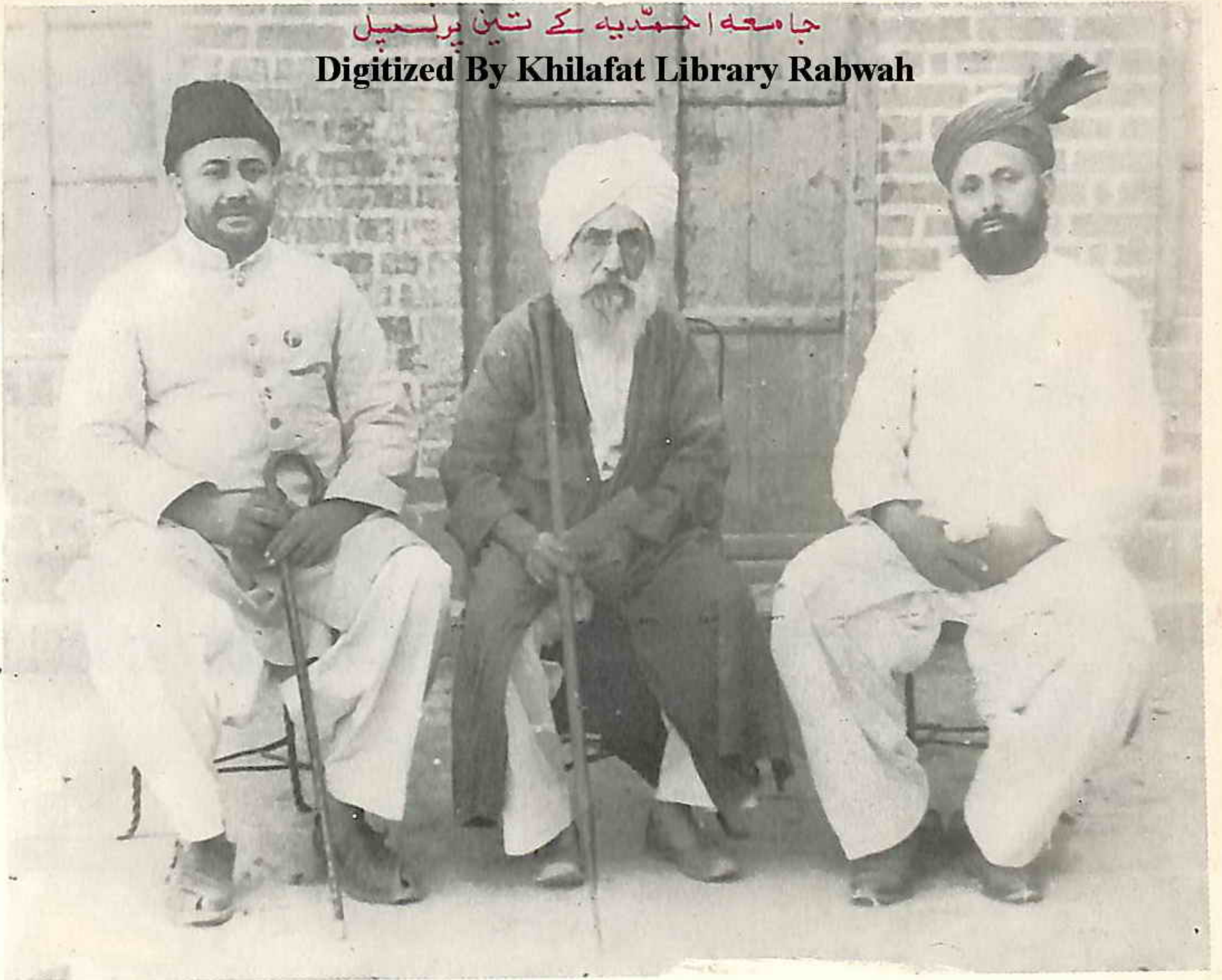
حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری۔ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ

محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور، سیدنا حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ
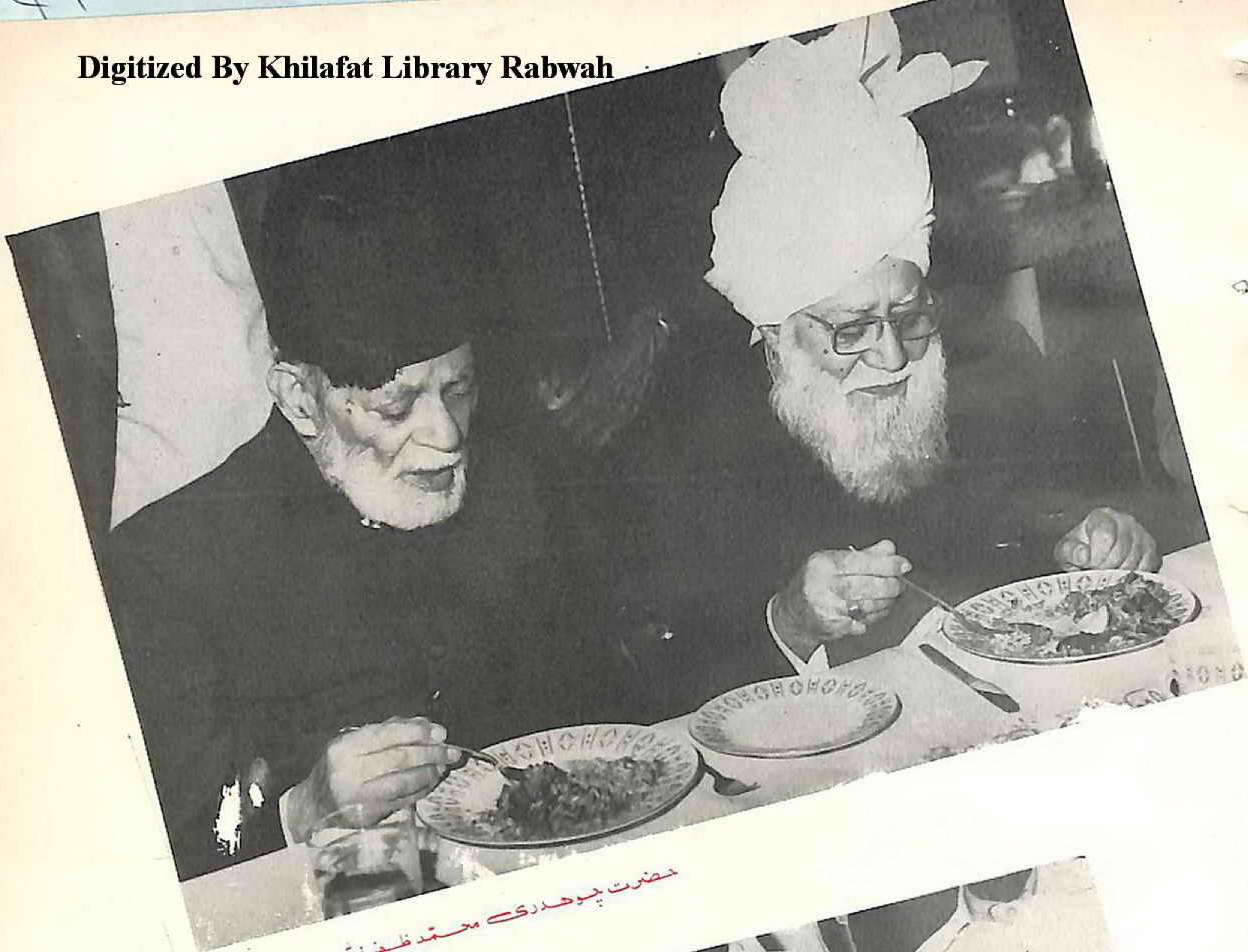
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان کے ہمراہ

نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبد السلام کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کا ایک منظر
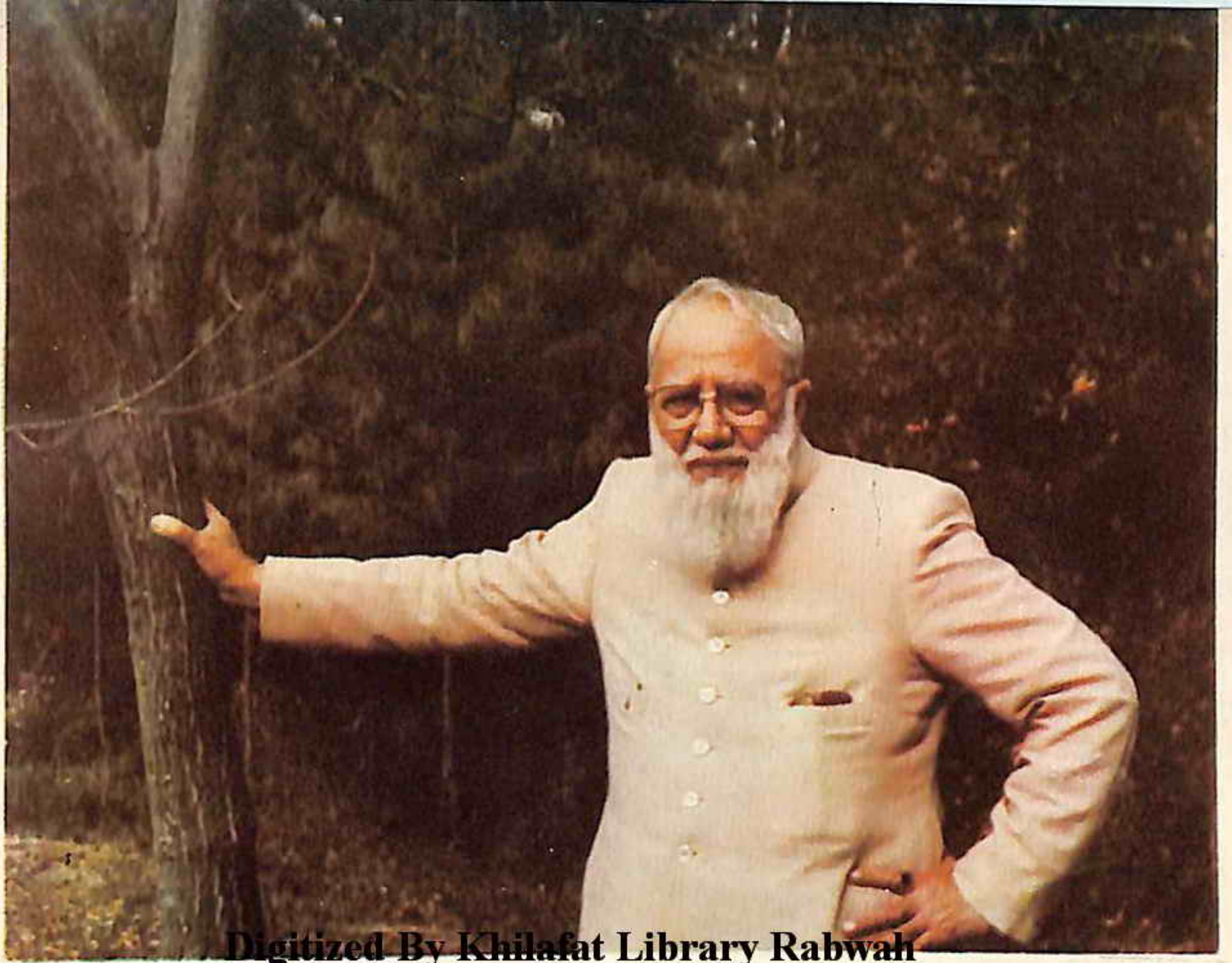
حضور رحمہ اللہ کی یہ نادر اور یادگار تصویر حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی نے کھینچی

تھا بہاروں کا پیامی اس کے چہرے کا گلاب
مشکلوں کے ریگزاروں میں بھی کملایا نہ تھا

ہم ہاتھ ملتے رہ گئے.........

جب فاتحِ دیں کا ملائک چل دیئے محمل لیئے
ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اپنا دلِ بسمل لیئے

تھے کس قدر وہ خوش بیاں تھی کتنی میٹھی وہ زباں
امن و سکوں دیتے رہے آسان ہر مشکل کیئے

بِالَّتِیْ اَحْسَنْ کا دے کر درس دیں کی راہ میں
دیں کا علم تھامے رہے وہ عِلم کی مشعل لیئے

جبر و اِستبداد پر اُس نے یہی ہم سے کہا
تم مسکراتے ہی رہو صبر و وفا کا دِل لیئے

مت کرو نفرت کسی سے پر محبّت سب سے ہو
دِل رہے عفو و خلوص و رحم کی محفل لیئے

شربتِ وصل و بقا ہم کو عطا کرتے ہوئے
سوئے کوثر چل دیئے فردوس کو منزل کیئے

کر دعا احمدؔ۔ خدا آغوشِ رحمت دے اُنہیں
جو گئے عشقِ محمدؐ زیست کا حاصل لیئے

(شیخ نصیر الدین احمد۔ ربوہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی

سیرت کی ایک جھلک

مکرم ڈاکٹر لطیف احمد قریشی - ربوہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۹۶۷ء میں انگلستان تشریف لائے تو یہ عاجز سمرسٹ میں مقیم تھا حضور کا خلافت کے بعد یہ پہلا دورۂ یورپ تھا اور انگلستان کی جماعت کے احباب میں حضور کی ملاقات کے تصور سے ہی مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ لندن کے ایئرپورٹ پر پہلی دفعہ ہماری نگاہیں اپنے پیارے امام پر پڑیں۔ حضور کا پیارا مسکراتا چہرہ۔ انتہائی شفقت سے بھرپور پیکر۔ نہایت سادہ اور دل کو موہ لینے والا انداز روح کی گہرائیوں تک اُترتا چلا گیا۔ اس کے بعد انگلستان میں خلافت ثالثہ کی پہلی بیعت ہوئی۔ جس میں یہ عاجز بھی شریک تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا وجود نے ایک نیا روحانی جنم لیا ہو اور اپنی جان۔ مال اور ہر وہ چیز جو اسے عزیز ہو وہ اپنے پیارے آقا کے قدموں میں لاکر نچھاور کردے۔

حضور نے اس عاجز کو میرے اہل وعیال کے ہمراہ کمال شفقت سے شرف ملاقات بخشا اور کافی دیر ہمارے بچوں کے متعلق اور خاندان کے بزرگوں سے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔ یوں لگتا تھا کہ یہ ہماری پہلی ملاقات نہیں تھی بلکہ ہم ہمیشہ سے ہی پیار کے ایک حسین رشتہ میں منسلک ہیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ "افراد جماعت اور خلیفۂ وقت ایک ہی وجود کے دو نام ہیں"۔ اور حقیقت میں یہی وہ احساس ہے جو حضور سے ملاقات کے بعد ہر شخص میں پوری شدت سے بیدار ہوجاتا تھا۔

چند ماہ کے بعد اس عاجز نے انگلستان میں ڈاکٹری کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرلی تو اس کی اطلاع اپنے آقا کو بھی دی اور ساتھ ہی اپنے کچھ جذبات کا اظہار بھی کیا۔ حضور نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور ایک مختصر سا فقرہ "جزاکم اللہ احسن الجزاء" لکھ کر ارسال فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک پیار بھرا مکتوب موصول ہوا۔ جس میں نہایت اپنائیت اور شفقت کا ایک یہ جملہ بھی تھا "ہمارے پاس کب آرہے ہیں" اللہ اللہ

کیا انداز تھا! کیسا پیار تھا اس جملہ میں! کیسی محبت تھی جو کبھی بھی دل سے محو نہیں ہوتی! ایک ادنیٰ درجہ کے خادم کی تمام ضروریات کا احساس۔ اس کے جذبات کا خیال اور اس کی مصروفیت کو مدنظر رکھنے کا انوکھا طریق حضور کے اعلیٰ درجہ کے خُلق کو ظاہر کرتا ہے اور یہی نمونہ جو پہلے دن اس عاجز کے سامنے آیا اس میں آخری دن تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اپنے خادموں کا ہمیشہ اسی طور پر خیال فرمایا اور اس طرح اُن پر احسان پر احسان کیا کہ اُن کے دلوں میں سوائے احساس ندامت اور شرمندگی کے کوئی اور جذبہ پیدا ہی نہ ہو سکے کبھی اپنی نالائقی پر نظر پڑتی اور حضور کے احسانات سامنے آتے اور پھر حضور کی مروت اور مزید دلداری دیکھتے تو شرمندگی بڑھتی ہی چلی جاتی۔ ۱۹۶۹ء میں یہ عاجز مرکزِ سلسلہ میں آیا تو حضور پُرنور نے شفقت سے فرمایا "مَیں نے آپ کے لیے سب انتظام کر دیا ہے"۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد سے آج تک کبھی کوئی ضرورت ایسی پیش نہیں آئی جو محض اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے پوری نہ کی ہو۔

علاج کے سلسلے میں حضور انور سے قریبی تعلق رہا اور اس دوران حضور کے اعلیٰ اخلاق کے بعض پہلو اجاگر ہو کر سامنے آئے۔ ۱۹۷۰ء میں حضور کو گھوڑے سے گرنے کا حادثہ پیش آیا اور اس کے نتیجے میں کمر کے ایک مہرے کو ضرب آئی جس کی وجہ سے شدید تکلیف تھی۔ کھانسنے اور سانس تک لینے سے درد ہوتی تھی اس بیماری میں مکمل آرام کا مشورہ دیا گیا اور باوجود اس کے کہ بیماری بہت تکلیف دہ تھی لیکن حضور کو بیماری سے زیادہ یہ کرب تھا کہ اپنی پیاری جماعت کے افراد سے بیماری کی وجہ سے اب آزادانہ طور پر ملاقات نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے تندرستی کی حالت میں کیا کرتے تھے اپنی تکلیف کو بھول کر احباب جماعت ہی کا خیال زیادہ ذہن میں رہتا تھا۔ ڈاک نہ دیکھ سکنے کا گلہ کرتے۔ غرض تمام وقت اپنے احباب کی ضروریات کا ہی خیال فرماتے۔ پھر محض قوت ارادی۔ عزم اور جوانمردی سے اس شدید بیماری کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید قسم کے درد کو برداشت کرتے ہوئے کمر کو مضبوط کرنے والی ورزشیں شروع کیں اور بہت جلد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی مصروفیات میں یوں محو ہو گئے کہ کبھی اشارۃً بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ کمر میں ایسی سخت ضرب آئی تھی کہ جس کے نشانات ایکسرے میں سالہا سال تک نظر آتے رہے۔

۱۹۷۴ء کے پُرآشوب ایام میں مصروفیت کا جو عالم تھا وہ وہی جانتے ہیں جو حضور کے قریب رہتے تھے۔ انسانی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اپنی طبیعت پر اُٹھایا۔ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات۔ یہ بھی احساس نہ ہونے دیا کہ ان ایام میں کب سورج طلوع ہوا اور کب غروب۔ کاموں کا ایک مسلسل سیلاب تھا۔ ملاقاتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا تانتا تھا مسکراتے چہرے کے ساتھ گھنٹوں ملنے والوں کو تسلی دیتے چلے جاتے تھے۔ نہ کھانے کے اوقات کی پابندی۔ نہ سونے اور جاگنے کے اوقات معین۔ نہ آرام کے لیے کوئی وقت مختص۔ چنانچہ اس مسلسل محنت اور انتہائی ذہنی اور دماغی بوجھ کو اُٹھانے کے بعد ایک شدید قسم کی بیماری سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کی وجہ سے کچھ عرصہ بڑی تشویش رہی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس تکلیف کو بھی دور کر دیا ایسے مواقع پر حضورؒ کی

سیرت کا ایک درخشندہ پہلو جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل رکھنا ہے واضح ہو کر ہمارے سامنے آیا۔ ادویات جو ڈاکٹر تجویز کرتے حضور ان کو استعمال فرماتے کیونکہ اسباب کو استعمال کرنے کا حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن ان دوائیوں کے علاوہ طب یونانی اور ہومیو پیتھک ادویات بھی استعمال میں رکھتے اور ہم جیسے لوگوں کو جوان علوم سے بالکل کورے ہیں اس کے متعلق تفصیلات سمجھاتے اور اس کا فلسفہ ذہن نشین کرواتے۔ طبی امور میں حضور کو بڑی دلچسپی تھی اور اس کے متعلق بڑا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ بہت سے ایسے رسائل زیر نظر رکھتے تھے جن میں طبی ریسرچ کے متعلق مضامین ہوا کرتے۔ پھر کوئی مضمون خصوصی دلچسپی کا حامل ہوتا تو اپنے خادموں کو پڑھنے کے لئے دیتے اور ان کی رائے حاصل کرتے لیکن ان تمام حقائق کے باوجود کبھی یہ احساس پیدا نہ ہونے دیا کہ امراض میں شفا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ کبھی کسی ڈاکٹر یا دوائی یا کسی اور سبب پر بھروسہ ظاہر نہیں کیا۔ صرف اور صرف اپنے خالق اور قادر مطلق خدا پر بھروسہ رکھا۔

اس لمبے عرصے میں ایسے مواقع بھی آئے جب انسان اپنی بے انتہا کوششوں کے باوجود ناکام ہو جاتا ہے اور خدائی فیصلے اور تقدیر کے سامنے اسے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقعوں پر غم و اندوہ اور حسرت و ناکامی سے انسان کا دل پھٹ کر رہ جاتا ہے لیکن اللہ کے پیارے بندے جن کی دنیا ہی دوسری ہوتی ہے وہ صبر و توکل اور راضی برضا رہنے کا عدیم المثال نمونہ دکھایا کرتے ہیں۔

ایسے ہی بعض اندوہناک مواقع پر حضورؒ نے صبر کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا اور خدا کی رضا پر رضامندی کی عملی تصویر دیکھنے والوں کے سامنے پیش کی اور اپنے خدام کو جو شدت غم سے دل برداشتہ تھے ان کے دلوں کو اپنے پیار سے تسلی دی اور باوجود اس کے کہ حضور کا غم ان خدام کے غم سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا اپنے خدام کی اس طور پر ڈھارس بندھاتے تھے کہ اُن کو بھی صبر جمیل کی توفیق ملتی۔

حضور کی سیرت میں ایثار کا بھی اعلیٰ درجہ کا نمونہ نظر آتا ہے حضور نے ہمیشہ اپنی جماعت کی ضروریات کو اور جماعت کے علاوہ بھی دوسرے ضرورت مندوں کو ہمیشہ اپنے نفس پر ترجیح دی اور وہ جو حضور کا حق تھا اسے دوسری مخلوق کے فائدے کے لیے قربان کر دیا۔ اس حیرت انگیز ایثار کا نمونہ آخری دم تک دکھایا۔

آخری بیماری میں ہمت، جوانمری، قوت مدافعت، صبر و تحمل توکل علی اللہ اور خدام پر شفقت کا سیل رواں تھا جو مسلسل دیکھنے میں آیا۔ شدید بیماری کے باوجود احساس ذمہ داری اس شدت کا تھا کہ احباب جماعت کی ڈاک ملاحظہ فرمانے کی تڑپ ہر وقت دل میں موجزن رہتی تھی۔ مستقبل میں جماعت پر پڑنے والی ذمہ داریوں کا خیال ہر وقت دل میں موجود رہتا۔ اس وقت بھی جبکہ بیماری کا حملہ اپنی انتہائی شدت کو پہنچ گیا تھا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شفایابی کی کامل امید رکھتے تھے پھر طبیعت آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگی۔ اس رات جب حضور کا وصال ہوا طبیعت بہت بہتر تھی۔ مزاج شگفتہ، چہرہ مسکراتا ہوا مہمانوں کا اور دوسرے خدام کے آرام اور دلجوئی کا خیال فرما رہے تھے۔ شام کا کھانا تناول کرنے کے بعد

(بقیہ صفحہ ۳۲۰ پر)

امامِ ہمام

(مکرم سید ادریس احمد عاجز کرمانی ۔ ربوہ)

اُس اللہ کے بندے پہ لاکھوں سلام ۔۔۔ جو خیر الرسلؐ کا تھا مخلص غلام
وہ سالارِ افواجِ خیر الانامؐ ۔۔۔ جو تھا ناصرِ دیں ، امامِ ہمام
خلافت کی تھی اس کے ہاتھوں زمام ۔۔۔ بصد شان و شوکت بصد احتشام
وہ جب تک رہا زیبِ بزمِ جہاں ۔۔۔ رہِ دینِ حق پر تھا ہر دم رواں
خدا ہی کے بس گُن وہ گاتا ہوا ۔۔۔ درودِ نبیؐ گنگناتا ہوا
کشوف صحیحہ بتاتا ہوا ۔۔۔ وہ الہام اپنا سُناتا ہوا
حقائق کے دریا بہاتا ہوا ۔۔۔ معارف کے موتی لُٹاتا ہوا
وہ فوجوں کو اپنی بڑھاتا ہوا ۔۔۔ سبھوں کو وہ ہمت دلاتا ہوا
بجلیاں کفر پر وہ گراتا ہوا ۔۔۔ مکرِ باطل پہ پانی پھراتا ہوا
دینِ برحق کے پرچم اڑاتا ہوا ۔۔۔ فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا
لگا تیر جب سنسناتا ہوا ۔۔۔ وہ لیکن رہا مُسکراتا ہوا
اسی طرح جاری تھے سب اس کے کام ۔۔۔ خدا کی طرف سے جب آیا پیام
اچانک وہ محبوب ربّ الانام ۔۔۔ رواں ہو گیا سوئے دارالسلام
پھر استخلاف کا وعدہ پورا ہوا ۔۔۔ اندھیرے سے تاباں سویرا ہوا
وہ مریم کا بیٹا کہ طاہر ہے نام ۔۔۔ بنا فضلِ حق سے ہمارا امام
چراغ خلافت فروزاں رہے ۔۔۔ خدا اس کا خود ہی نگہباں رہے
ہوا ہم پہ واجب بحکم خدا ۔۔۔ خلافت پہ کر دیں ہم جانیں فدا
خلافت کی طاعت وفائے نبی ۔۔۔ ہے قرآں میں لکھا بحرف جلی

پریس کانفرنس

فرنیکفرٹ • مغربی جرمنی

۲۳ اگست ۱۹۷۳ء

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دورہ ۱۹۷۳ء کے دوران مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۷۳ء کے دوران فرنیکفرٹ (مغربی جرمنی) میں جس پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ اسکی مکمل روداد ھدیہ قارئین کی جاتی ھے :

حضور: آج کا دن بہت خوبصورت ہے۔ گرمی کے باوجود بہت خوب دن ہے۔ اس موسم میں خاص طور سے اس سال موسم میں زیادہ ہی گرمی ہے جو یقیناً غیر معمولی ہے۔ اس سال کا موسم یہاں بھی اور پاکستان میں بھی غیر معمولی اور خلافِ معمول ہے۔ ہمارے ہاں تو ایسے سیلاب آئے ہیں کہ بس۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کا کوئی نمائندہ وہاں موجود ہے یا نہیں۔

خاتون رپورٹر: یور ایکسی لنسی! کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ یہاں کا موسم اس سال بہت ہی خلافِ معمول ہے۔ کیا آپ کو اس کا پہلے سے علم تھا کہ اس سال موسم میں اتنی شدت ہوگی اور اس کے اتنے عجیب وغریب نتائج نکلیں گے۔

حضور: جہاں تک اس ملک کا تعلق ہے میں یہاں چوتھی بار آیا ہوں۔

خاتون رپورٹر: مگر میں موسم کے بارہ میں پوچھ رہی ہوں۔

حضور: گرمیوں میں اس ملک میں اس قسم کے موسم سے کم ہی واسطہ پڑا ہے۔

خاتون	مگر ہمیں آپ کے بارہ میں جو معلوماتی لٹریچر دیا گیا ہے اس میں تو لکھا ہے کہ آپ کو بہت سی چیزیں پیش خبری کے طور پر بتا دی جاتی ہیں۔
حضور	مجھے تو کسی ایسی پیش خبری کا علم نہیں۔
خاتون	واقعی آپ کو علم نہیں تھا؟
حضور	نہیں۔

	پیشگوئی ایک بالکل ہی مختلف چیز ہے۔ یہ کوئی اندرونی واردات نہیں بلکہ یہ تو اوپر سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے بندے پر ظاہر کر دیتا ہے ورنہ انسان تو مستقبل کے بارہ میں بالکل لاعلم ہوتا ہے۔
ہدایت اللہ ہیوبش	خاتون! جس پیشگوئی کے بارہ میں آپ نے لٹریچر میں پڑھا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی ہے۔ حضور تو مسیح موعودؑ کے تیسرے خلیفہ ہیں۔
حضور	آپ نے کس پیشگوئی کے بارہ میں پڑھا ہے؟
خاتون	ہمیں جو کتابچہ دیا گیا تھا اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق آپ غالباً ہمیں غیب کی باتوں کے بارہ میں بھی بتا سکتے ہیں۔
ہدایت اللہ	نہیں! ہم نے یہ لکھا تھا کہ پیش گوئیاں.......
خاتون	بہت سی باتوں کے بارہ میں .... شاید اسی لئے میں نے یہ سوال کیا تھا۔
حضور	ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔
خاتون	جی میرا خیال ہے کہ آپ میرا مطلب جان گئے ہیں۔
حضور	میں نے آپ کو بتایا ہے کہ ایسی وارداتیں اندر سے نہیں آتیں بلکہ اوپر سے آتی ہیں۔ اسی وقت جب اللہ چاہتا ہے۔ ورنہ ہم تو محض اس کے فضلوں کی وجہ سے ہی آپ کی خدمت کر رہے ہیں۔
ہدایت اللہ	جی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ دنیا کو پیش آمدہ فلسفیانہ اور مادی مسائل کے علاوہ چوتھے روحانی انقلاب کے بارہ میں آپ کے سوالات کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔
خاتون	بہت خوب۔ کیا آپ جرمنی کے مستقبل کے بارہ میں کچھ ارشاد فرمائیں گے؟
ہدایت اللہ	جی ہاں۔ جرمنی کے مستقبل کے بارہ میں بھی۔
حضور	یہ سوال ہے یا آپ کے ذہن میں بہت سے سوالات ہیں اور آپ ان میں سے انتخاب کر کے سوال کریں گی؟

خاتون: مجھے خاص طور سے جرمنی کے مستقبل کے بارہ میں آپ کے خیالات جاننے سے دلچسپی ہے۔

حضور: یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

دوسرا سوال: ایک اَور صاحب آپ کی تحریک اور عیسائیت کے باہمی تعلق اور موازنہ میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ تحریکِ احمدیت اور عیسائیت میں کوئی باہمی تعلق ہے؟

حضور: تحریکِ احمدیت؛ میں اس سوال کا جواب دینے کے بعد دوسرے سوال کا جواب دوں گا۔

تحریکِ احمدیت اور عیسائیت میں وہی تعلق ہے جو اسلام اور عیسائیت میں ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے باہمی تعلق کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، ہم بھی ....

خاتون: کیا آپ بھی اب تک مسیح کی آمدِ ثانی کے منتظر ہیں؟

حضور: نہیں - نہیں - میں بتاتا ہوں۔ میں بتاتا ہوں۔ ہم حضرت عیسٰی اور ان سے پہلے آنے والے تمام انبیاء کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تو تسلسل کے ساتھ اس دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا جو دنیا کے اوّلین معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی رہنما تھے۔

ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت پر یقین نہیں رکھتے۔ ہمارا عقیدہ تو عہدنامہ کے مطابق یہ ہے کہ وہ آدمی کا بیٹا تھا۔ "آدمی کے بیٹے" کی اصطلاح عہدنامہ میں استعمال ہوتی ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ آدمی کا بیٹا، آدمی کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اَور کچھ نہیں ہوتا ...... ہاں۔ ہم ان کی روحانی سربلندی پر یقین رکھتے ہیں ـــــ!

حضرت مسیح اور ان کے حواری جس روحانی مرتبہ پر پہنچے، وہ مرتبہ اس مرتبہ سے کہیں کمتر تھا جس پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ روحانی دنیا میں ایک اعلیٰ مرتبہ دوسرے اعلیٰ مرتبہ کی بنیاد تو ہوتا ہے مگر اس کا محتاج نہیں ہوتا ـــ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مرتبہ پر ہیں وہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے اور جرمن قوم کا حق ہے کہ اس کو اس اعلیٰ ترین مرتبہ کی برکات سے متمتع ہونے کا موقع میسر آئے۔ ـــ

یہ جواب مختصر ہے۔ اگر آپ اس کی تفصیل میں جانا چاہتی ہیں تو مزید سوال کریں۔

خاتون: میں پورے طور سے سمجھ نہیں سکی۔ کیا آپ کا مطلب ہے کہ (حضرت) محمدؐ آخری نقطہ تھے اور اب ہم اس آخری نقطہ سے کسی اَور آخری نقطہ کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ کیا آپ حضرت محمدؐ کو سب سے بڑا

اور آخری نبی تسلیم کرتے ہیں ؟

حضور — میرا خیال ہے کہ ہمیں اس سوال کو ذرا سا دوسرے زاویہ سے دیکھنا پڑے گا۔ سوال حضرت محمدؐ کی ذات کا نہیں۔ اصل بنیاد تو قرآنی تعلیمات پر ہے — اگر آپ اپنی توجہ ذات سے ہٹا کر قرآن پر مرتکز کریں تو آپ کے لئے جواب سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

قرآنِ عظیم کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک کھلی کتاب ہے۔ اسی سانس میں قرآن کا دوسرا دعویٰ ہے کہ قرآن ایک بند کتاب ہے۔ یعنی ایک جگہ کتاب مبین کا دعویٰ ہے اور دوسری جگہ کتابِ مکنون کا۔ یہی آپ کے سوال کا جواب ہے کہ قرآن خدا کی آخری تعلیم ہے مگر بحیثیت مجموعی یہ انسانی ارتقا کا نقطۂ آخر نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل نبوت کے روحانی فیوض ایک نبی سے دوسرے نبی کو منتقل ہوتے رہے مگر حضور کی بعثت کے بعد یہ فیوض کسی اَور کو منتقل نہیں ہو سکتے۔ یعنی کتابِ مبین کتابِ مکنون ہو چکی پہلے یہ فیوض ایک نبی سے دوسرے نبی کو ملتے تھے اب ایک فرد سے دوسرے فرد کو ملتے ہیں۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ قرآنی معارف سے آگاہی حاصل کی جائے کیونکہ ارتقا کا یہ مرحلہ قرآنی معارف کی تفسیر سے ہی طے ہوا ہے۔

سوال — یہ روحانی فیوض اور مراتب درست مگر جرمنی کے حوالہ سے اس کا ٹھوس نتیجہ کیا ہے ؟

حضور — مَیں مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ ایک دریا ہے جو بڑے بڑے گلیشیئرز اور پہاڑوں سے گزرتا، بارش کا پانی سمیٹتا ایسے مرحلے پر پہنچتا ہے جہاں اس کی رفتار، سبک خرامی، ٹھنڈک اور تسکین کا پیغام بن جاتی ہے یہ مثال جرمن قوم پر منطبق ہوتی ہے۔ میرے نزدیک جرمن لوگ قومیت کے لحاظ سے اپنی علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔ وہ محض افراد کے مجموعے کے طور پر زندہ نہیں۔ ان کی ایک خاص روح ہے۔ یہ روح اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایک خاص منزل کی طرف لے جا رہا ہے جہاں پہنچ کر انہیں روشنی نظر آجائے گی۔ اس لئے مَیں تو جرمنی کے مستقبل کے بارہ میں بہت پُر امید ہوں۔

خاتون — یور ایکسی لنسی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جرمنوں کے لئے امید کا پیغام صرف اور صرف آپ کے مذہب کے پاس ہے۔

حضور — میرا خیال ہے کہ جرمنوں کے لئے اَور کوئی امید کی کرن نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

خاتون — مگر یہ حل صرف احمدیت تک تو محدود نہیں ہونا چاہیئے۔

حضور — مگر میرے خیال میں ایسا ہی ہے۔ ہمیں حقائق کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ جب تک آپ کی قوم اپنے مسائل کا

حل تلاش نہیں کرتی اس کے لئے امید کا کوئی پیغام نہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کے مسائل کا حل صرف اسلام میں پوشیدہ ہے۔ آپ مجھ سے متفق ہوں نہ ہوں مگر آپ کے مسائل کا حل صرف اسلام کے پاس ہے۔

سوال — کیا آپ کے خیال میں دنیا کی قومیں اندھیروں سے دور اور روشنی میں نہیں ہیں؟

حضور — ہاں دنیا کی کچھ قومیں ایسی ہیں جو سمجھتی ہیں کہ وہ اندھیروں سے دور ہیں اور ان کے پاس روشنی ہی روشنی ہے۔ میرا خیال ہے جس شخص نے یہ سوال کیا ہے وہ بھی یہی سمجھتا ہے ـــ یہی تو مسئلہ ہے۔ میں اس مرحلہ پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ میں تو آپ کے اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے مسائل کا حل اسلام کے علاوہ کسی اور تحریک کے پاس بھی ہے؟ کیا میں نے ٹھیک سمجھا ہے؟

رپورٹر — خیر! میں اتنے امید افزا تاثر پر بھی زور نہیں دینا چاہتا۔ آپ کے نزدیک روشنی کا یہی ایک رستہ ہے۔ مگر میرے لیے سراسر نا امیدی ہی امیدی ہے۔

حضور — ٹھیک! ٹھیک ہے۔ اگر دنیا میں اندھیرا ہے تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا کبھی روشنی بھی ہوگی؟ دوسرا یہ کہ کیا ہمیشہ اندھیرا ہی رہیگا؟ اگر اندھیرا نہیں ہے تو روشنی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ تمام مسائل حل ہو چکے ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ بہت سے بنیادی مسائل حل طلب پڑے ہیں جس سے آپ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ابھی ہمیں زندگی کے بہت سے بنیادی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں! جس حد تک مسائل موجود ہیں اس حد تک اندھیرا موجود ہے۔ اس لیے اگر اندھیرا موجود ہے تو یا ہم ہمیشہ ہمیش کے لیے اس اندھیرے میں رہنے کے لیے مجبور ہیں یا ہمارے لیے امید کی کوئی کرن باقی ہے آخر اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ میرے خیالات ایک خاص سمت میں جا رہے ہیں اور میں آپ کے خیالات کو بھی اسی سمت لیجانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہم کسی فیصلہ پر نہیں پہنچے ہم ابھی حرکت میں ہیں۔ اس نقطہ کی طرف حرکت کہ "امید کا پیغام کہاں ہے"؟ اور "ہمیں کہاں سے روشنی مل سکتی ہے"؟ میرا خیال ہے ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم پچھلی دو صدیوں پر طائرانہ نظر ڈال سکیں۔ پچھلی دو صدیوں میں انسان نے روشنی کے حصول کے لیے بہت کوششیں کی ہیں۔ مثال کے طور پر سرمایہ دارانہ انقلاب کو لیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابتدا میں یہ انقلاب ہی تھا ردِ عمل کا اظہار نہیں تھا۔ یہ عظیم سرمایہ دارانہ انقلاب تھا۔ اس عہد میں انسان نے جہاز بنائے، ذرائع ابلاغ کو ترقی دی۔ ان علاقوں میں صنعتی انقلاب آیا۔ جہاں صنعتی ترقی ہو رہی تھیں۔ انگلستان میں صنعتی ترقی نہیں ہوئی۔ یورپ میں نہیں ہوئی جرمنی میں بھی غالباً نہیں ہوئی۔

مگر انگلستان میں صنعتی انقلاب بھی آیا - زرعی انقلاب بھی آیا - پریس میں بھی ترقی ہوئی - ٹیلیفون اور دیگر ذرائع مواصلات میں ترقی ہوئی - یہ تمام چیزیں جن کے ہم دعویدار ہیں - اس عظیم انقلاب کے نتیجہ میں ظاہر ہوئیں - جسے ہم "سرمایہ داری" کہتے ہیں - مگر کچھ عرصہ کے بعد سرمایہ دار ذہنیت نے اپنے محاصل و منافع کو عوام کے ساتھ مشترک سمجھنے سے انکار کر دیا تو شدید ردِ عمل کا اظہار ہوا - انقلاب زندگی کی قدروں کو یکسر بدل دیا کرتا ہے - جب سرمایہ داری نظام ردِ عمل کا شکار ہوا تو یہ انقلابی تحریک کی بجائے اختلافی تحریک بن گئی - اس اختلافی تحریک کی کوکھ سے اشتراکی انقلاب نے جنم لیا - مدتوں کچھ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ ان کا مستقبل اس تحریک کی کامیابی سے وابستہ ہے - اس انقلاب کا بنیادی نعرہ یہ تھا دنیا بھر کے محنت کشو متحد ہو جاؤ - بظاہر یہ انقلاب ہر شخص کی بہتری کے لیے تھا - اس انقلاب نے انسان کی ذہنی استعدادوں پر زیادہ زور دیا جبکہ سرمایہ دارانہ انقلاب ظاہری منافع پر زیادہ زور دیتا رہا تھا - چنانچہ ذہنی اور مادی تفاوت سرمایہ داری کے انقلاب کو اس منزل تک لے آیا ہے جہاں وہ آج کھڑی ہے - کچھ عرصہ کے بعد دنیا کے محروموں کو متحد کرنے والوں سے بھی آدھے سے زیادہ محروم طبقہ، متنفر اور خوف زدہ ہو گیا ہے - یہ کتنی عجیب بات ہے - جس چیز کو وہ سب سے زیادہ فائدہ مند سمجھتے تھے اسی سے اب وہ خوف زدہ اور متنفر ہیں وہ سمجھنے لگے ہیں کہ روسی اشتراکیت ان کی بیخ کنی کے درپے ہے - اتنی بڑی اکثریت کے ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ خوف اس بات کا مظہر ہے کہ روسی انقلاب کی یہ تحریک بھی ناکام ہو چکی ہے -

سوال یور ایکسی لنسی! آپ نے ابتدا میں فرمایا تھا کہ اسلام اور قرآن ایک کھلی کتاب ہیں - ابھی آپ نے سرمایہ داری اور اشتراکی انقلابوں کا ذکر فرمایا ہے - اسلام ان دونوں انقلابوں کے بارہ میں کیا کہتا ہے؟

حضور میں اس سوال کا جواب ضرور دُونگا مگر ابھی میں نے اپنی بات ختم نہیں کی - میں تو ابھی دونوں نظاموں کا موازنہ کر رہا ہوں - تاریخ پر طائرانہ نظر ڈال رہا ہوں - اس وقت انسان کسی اور انقلاب کا منتظر ہے وہ روسی انقلاب سے مایوس ہو چکا ہے - ایک اور انقلاب رونما ہو چکا ہے مگر وہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے یہ انقلاب چین کا سوشلسٹ انقلاب ہے - روس کے اشتراکی انقلاب اور چین کے سوشلسٹ انقلاب میں بنیادی فرق ہے وہ یہ ہے کہ روس کے اشتراکی انقلاب نے اخلاقی قدروں کی یکسر نفی کی تھی مگر چین کے انقلاب میں اخلاقی قدروں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اگر آپ ماؤ کی کتابیں پڑھیں تو حیران رہ جائینگے - مثال کے طور پر ایک جگہ چیئرمین ماؤ نے لکھا ہے کہ ہمارے نوجوان جب تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں تو انہیں اخلاقی اقدار سے بھی پوری طرح لیس ہونا چاہیئے - جن اخلاقی اقدار کا ذکر ماؤ نے کیا ہے وہ بنیادی مذہبی اوصاف ہیں جنہیں عیسائیت نے، یہودیت نے اور سب سے ارفع طریق پر اسلام نے پیش کیا ہے -

مَیں تین مادی انقلابوں کا ذکر کر چکا ہوں - جو پیدا ہوئے، بڑھے اور جلد ہی انحطاط اور موت کا شکار ہو گئے - روس کتنا مضبوط ملک ہے مگر مَیں ایسے لاکھوں لوگوں سے واقف ہوں جو اس نظام سے مایوس ہو چکے ہیں - محروم، غریب، کمزور عوام - اب روس سے خوف کھاتے ہیں - تیسرا انقلاب ابھی اپنے بچپن میں ہے - یہ سب کچھ تسلسل کے ساتھ ہو رہا ہے - انجام آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہے - مگر میری نگاہوں کے سامنے ہے اور بالکل بے حجاب ہے اور وہ یہ کہ جب ان تینوں انقلابوں کا انحطاط اپنے عروج تک

پہنچ جائیگا تو چوتھا انقلاب آئیگا - یہ چوتھا انقلاب، اسلام کا انقلاب ہوگا - ذرا توقف کیجئے - مجھے اس موضوع پر تھوڑی سی روشنی اور ڈالنے دیجئے - یہ میرا تعصب یا کورانہ عقیدت مندی نہیں ہے - میں بصیرت کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں - یہ چوتھا انقلاب آرہا ہے وہ بھی دیکھ رہے ہیں جو اس تحریک سے وابستہ ہیں اس تحریک سے جو عالمگیر اخوت اور بھائی چارے اور ہمدردی کی تحریک ہے یعنی حقیقی اسلام! ہم ان کے لیے بھی پیار رکھتے ہیں جو خود کو ہمارا دشمن خیال کرتے ہیں مگر ہم ان کو دشمن خیال نہیں کرتے - بعض لوگ بعض اوقات احمدیوں کو قتل کرنے کے درپے بھی ہوتے ہیں مگر ہم ان کے لیے بھی ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھتے ہیں -
اس وقت انسانیت کی امیدیں اس تعلیم سے وابستہ ہیں جو انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھاتی ہے -

ایک چھوٹی سی بات اور - مَیں جرمنی میں ہوں اور فرینکفرٹ میں دو راتوں اور ایک دن سے مقیم ہوں - آج صبح ٹی وی والوں نے میرا انٹرویو لیا اور اب سہ پہر کو ہم سب یکجا ہیں - مَیں بلا خوفِ مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم ایک دوسرے کو مدتوں سے جانتے ہیں - یہاں کوئی تکلف نہیں کوئی رسمی تقریب نہیں جہاں تک میرا تعلق ہے میرے اور آپ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں .....

میں سمجھتا ہوں وقت ایک خاص سمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب سب لوگ ایک ہوں گے - ایک گھرانے کی طرح رہیں گے - کوئی لڑائی جھگڑا، دنگا فساد نہیں ہوگا - ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے ساتھ -

خاتون کیا آپ کے خیال میں تحریکِ احمدیت کسی نئے انقلاب کا نام ہے ؟ کیا آپ بھی کسی نئے انقلاب کے لیے اپنی قوتیں مجتمع کر رہے ہیں ؟

حضور ہاں! ہاں! مَیں سمجھ گیا - بہت دلچسپ بات آپ نے کی ہے (تین بار فرمایا) مَیں اس سوال کا جواب دو حصوں میں دُونگا - مَیں محسوس کرتا ہوں کہ تمام انقلابات، ارتقاء کے طویل مراحل سے گذرنے کے بعد کامیاب ہوتے ہیں -

ایک بار مجھے اسلام آباد میں یوگوسلاویہ کے سفیر نے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے دوران گفتگو ہوتی رہی۔ مَیں نے یہی نکتہ انہیں بتایا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ میں نے بتایا کہ اگر آپ کی حکومت اور آپ کا نظام ایک انقلاب کے ذریعہ برسرِ اقتدار آیا ہے تو اسے بہت سے ارتقائی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ آپ کے پہلے انقلابی دستور میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ یہ تبدیلیاں ارتقائی مراحل کی نشان دہی کرتی ہیں۔ کیا یہ ٹھیک نہیں؟ سو یہی آپ کے سوال کا پہلا جواب ہے کہ انقلاب، ارتقائی مراحل سے گذرے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے۔

چوتھا انقلاب جس کی مَیں نشان دہی کر رہا ہوں اور جو تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر ایک خاندان کی طرح متحد کر دیگا وہ انقلاب برپا ہو چکا ہے مَیں اسے بعد میں واضح کرونگا کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں فی الحال آپ کے لیے اسے سمجھنا مشکل ہوگا۔

خاتون: یہ ہمارے سوال کا جواب تو نہیں!

حضور: مگر یہی آپ کے سوال کا جواب بن جائے گا۔ یہ چوتھا انقلاب بھی ارتقائی مراحل سے گذر رہا ہے مگر اسے کسی مادی قوت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں کسی مادی قوت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ایٹم بم، ہائیڈروجن درکا نہیں۔ کوئی جنگ کوئی اپریشن، کوئی مہلک دوائیں ہمیں نہیں چاہئیں۔ ہمیں صرف ایک ہی طاقت درکار ہے اور وہ ہے محبت کی طاقت، خدمت کی طاقت!

خاتون: اور عقیدہ کی پختگی!

حضور: ہاں عقیدہ کی پختگی۔ وہ طاقت جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے — سو۔ نتیجہ یہ کہ:

انقلاب آتے رہتے ہیں۔ انقلاب بپا ہوتے رہتے ہیں۔ اصلی انقلاب وہ ہوتے ہیں جو آسمان سے آتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تعلق باللہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہی انقلاب لاتا اور انقلاب کو کامیاب بنایا کرتا ہے۔ ہمارا کام قربانی دینا ہے دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کرنا نہیں۔ ہمیں ہر ایک کو محبت اور اخوت کا پیغام دینا ہے۔ ہر ایک کی خدمت کرنا ہے۔

ہماری جماعت آج بہت چھوٹی سی جماعت ہے مگر یہ ارتقائی مراحل بڑی تیزی سے طے کر رہی ہے۔ یہ انقلاب، آسمانی انقلاب ہے۔ اس لیے انسان کو اس سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس انسان کو جسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہیں!

خاتون: معاف کیجیے! یور ایکسی لنسی! ... ..

حضور ٹھہریئے ٹھہریئے !! مجھے اپنی بات پوری کر لینے دیجئے۔ کیا آپ جانتے ہیں انسان نے اپنی ہلاکت کے سامانوں پہ کتنا کچھ خرچ کیا ہے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں پر؛ ایک لاکھ پچاس ہزار ملین ڈالر سے بھی زیادہ۔ محض اپنی تباہی کے لیے ! اتنی بڑی رقم۔

اب وہ اس مخمصہ میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر ان ہتھیاروں کو استعمال کرے تو انسانیت نیست و نابود ہو جائے گی، اگر نہ کرے تو اتنی رقم ضائع کرنے سے حاصل؟

رپورٹر کیا آپ مادی قوت کی نفی کرتے ہیں؟ عیسائیت بھی یہی کہتی ہے۔ مادی قوت کی نفی محبت اور ہمدردی کا اثبات۔

حضور درست۔ بالکل درست۔ مگر اس درست کے بعد ایک بہت بڑا "لیکن" بھی ہے۔ لیکن....

مَیں مغربی افریقہ گیا ۱۹۷۰ء میں اور مَیں نے وہاں جا کر بھی یہی محسوس کیا۔ ان کے بڑوں سے گفتگو میں اور اپنی تقریروں میں بھی مَیں نے یہی نکتہ بیان کیا کہ عیسائی اس ملک میں اس پیغام کے ساتھ داخل ہوئے کہ یسوع کی محبت ـــ محبت کا پیغام ہے۔ یہ ٹھیک ہے مگر محبت ان پیغامبروں کے عقب میں جو توپیں داخل ہوئیں ان سے پھول نہیں برسے۔ وہ قومیں اس حقیقت کو نہیں بھولیں۔ انہیں یہ سب کچھ یاد ہے۔ مَیں نائیجیریا گیا اور یہ پہلا افریقی ملک تھا جس کا مَیں نے دورہ کیا تھا۔ مَیں نے یعقوبو گون سے بھی ملاقات کی۔ مَیں نے انہیں نائیجیریا کے بارہ میں اپنا تاثر بتایا کہ آپ کے پاس سب کچھ تھا اور وہ سب کچھ آپ سے چھین لیا گیا ہے، کیا یہ اسی پیغام محبت کا نتیجہ ہے؟ ـــ اب ہماری محبت کے پیغام کی باری ہے۔ ابتدا بہت ہی معمولی ہے۔ ہم بلند بانگ دعوے بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم بہت چھوٹی سی جماعت ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کا علم ہے اور ہم اس سے آنکھیں نہیں چراتے۔ مگر اسی چھوٹی سی جماعت نے اپنے امام یعنی میرے ذریعہ ان قوموں سے سولہ کلینک یا ہسپتال کھولنے کا وعدہ کیا اور دو سال کے اندر اندر ہم نے سولہ کلینک کھول دیئے۔ ہم نے کام شروع کرنے کے لیے روپیہ باہر سے بھیجا۔ ہم نے غریبوں سے کوئی فیس وغیرہ نہیں لی۔ امیروں سے البتہ وصول کی اور وہ خوشی سے دیتے بھی رہے۔ اس طرح ہمارے کلینک کما بھی رہے ہیں۔ جو کچھ وہاں سے ملتا ہے ہم وہیں خرچ کر دیتے ہیں۔ ہمیں صرف ان کی خدمت میں دلچسپی ہے۔ وہ بہت پسماندہ لوگ ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے بھی اور طبی لحاظ سے بھی۔ ہم نے تقریباً اتنے ہی تعلیمی ادارے بھی اس دو سال کے عرصہ میں شروع کئے ہیں جو غیر منفعت بخش ہیں۔ ہم نے یہ کلینک صرف پانچ سو پاؤنڈ کے خرچ سے شروع کئے تھے جو بہت ہی معمولی رقم ہے۔

خاتون آپ نے ابھی روپیہ کا ذکر کیا ہے یور ایکسی لنسی۔ جماعت احمدیہ کے پاس یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ کیسے آتا

ہے ؟ کیا آپ کے اراکین ادا کرتے ہیں یا کوئی اور کفالت کرتا ہے۔ آخر کون یہ روپیہ ادا کرتا ہے ؟

حضور ہاں ! ہمارے ہاں چندہ کی وصولی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو مستقل صورت ہے یعنی بعض رکن اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصہ ادا کرتے ہیں اور بعض ۱/۱۰ ۔ اس کے علاوہ جب بھی جماعت کو ضرورت پڑتی ہے تحریک کرنے پر لوگ رضاکارانہ طور پر ہنگامی چندے بھی دیتے ہیں۔ مگر ہمارے روپے میں بڑی برکت ہے اس کی قوت خرید دوسروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ہم انسانی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت امیر ہیں۔ ہماری انسانی صلاحیتوں کا سرچشمہ ہی ہماری دولت کا نعم البدل ہے مثلاً اس مہم میں ہمیں ڈاکٹروں کی ضرورت تھی۔ ہمارے اچھے اچھے ہنر مند اور قابل ڈاکٹر جو نہایت ہی اعلیٰ عہدوں پر فائز اور معقول مشاہروں پر کام کر رہے تھے۔ اپنی ملازمتیں چھوڑ چھاڑ کر، نہایت قلیل گذاروں پر یعنی ساٹھ ساٹھ پاؤنڈ ماہوار یا پندرہ پندرہ پاؤنڈ ہفتہ کے گذاروں پر وہاں چلے گئے۔ یہ ہے ہماری دولت ! ہاں یہی ہے ہماری دولت !!

خاتون کیا آپ کی جماعت کی طرف ان قوموں کا رجحان زیادہ نہیں جو زیادہ غریب اور زیادہ ضرورت مند ہیں۔

حضور زیادہ تر !

خاتون یعنی افریقہ اور جنوبی امریکہ کے ممالک ؟

حضور افریقہ ، انڈونیشیا اور جزائر فجی میں ہماری مضبوط جماعتیں قائم ہیں۔

خاتون جنوبی امریکہ کے ممالک سے آپ کا رابطہ نہیں ہے ؟

حضور ہے ! مگر ہماری جماعت جگہ جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ شمالی امریکہ میں جو ریاست ہائے متحدہ کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں ہمارے مشن ہیں اور کینیڈا میں بھی۔

خاتون اس کا مطلب یہ ہے کہ ان نام نہاد سرمایہ دار اور طاقتور ممالک میں آپ کے لیے قدم جمانا خاصا مشکل کام ہے ۔ یعنی ایسے ملک جو فلاحی ملک ہیں۔ اچھے خاصے فلاحی ملک ؟

حضور نہیں ! نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! میرے لیے تو یہ مشکل کام نہیں۔ کیونکہ انسان کو صرف مادی دولت ہی کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

خاتون مگر اپنے نظریات کی تبلیغ ؟

حضور ہاں ۔ وہ جو محبت سے محروم ہیں اور ہمدردی کے مستحق ہیں وہ ہمارے بھائی ہیں۔ وہ جو پڑھا لکھا ہو کر ان پڑھ جاہلوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اتنا ہی بُرا ہے جتنا کہ کروڑوں مارک کمانے والا جرمن ، صرف ۱۰۰ مارک کمانے والے جرمن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والا ! ۔

کوئی فرق ہے ؟

خاتون غیر ترقی یافتہ ممالک میں آپ کو زیادہ مواقع میسر آسکتے ہیں یا حکومت کا تعاون مل سکتا ہے۔ مگر ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک میں شاید ایسا کم ہی ممکن ہو۔۔۔۔

حضور وہ جو سب کا مالک ہے، وہی مدد بھی کرتا ہے ان نام نہاد ترقی یافتہ امیر اور طاقتور ممالک کے بعض افراد ایسے بھی ہیں جن کی ضرورتیں صرف ہم پوری کر سکتے ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر گلی میں بھوک سے بلکتا ہوا بچہ، جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ ان ترقی یافتہ امیر ملکوں میں صرف مسرتیں ہی مسرتیں نہیں ہیں۔ کچھ اور زاویے بھی ہیں کچھ اور نظارے بھی ہیں۔

رپورٹر ہم تین انقلابوں کا تذکرہ سن چکے ہیں جو انسان کو مطمئن نہیں کر سکے۔ اب ہم چوتھے انقلاب کا ذکر کر رہے ہیں۔ یعنی احمدیہ انقلاب کا ان کے پاس روپیہ کہاں سے آرہا ہے ؟ ہمیں یہ بتائیے کہ وہ کون سے بنیادی نکات ہیں جن کی بنا پر آپ مادہ پرستی کے اس دور میں، انسان کی ضروریات پوری کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں ؟

حضور آپ کا سوال سننے کے بعد میرے ذہن میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی ضرورت کیا ہے ؟ میں پھر روسی انقلاب کے حوالہ سے بات کرونگا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ "ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے پیش نظر اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق"۔ مَیں نے تمام بڑے بڑے اشتراکی رہنماؤں اور مفکروں، کارل مارکس، اینجلز، لینن، سٹالن سب کا لٹریچر پڑھا ہے مگر مجھے کہیں بھی "ضرورت" کی تعریف نہیں ملی۔ کتنی عجیب بات ہے۔ اتنا بڑا دعویٰ مگر ضرورت کی تعریف ندارد۔ مجھے ایک مرتبہ ہیگ میں عالمی عدالتِ انصاف کے ایک روسی جج سے ملاقات کا موقع ملا۔ مَیں نے ان سے بھی یہی کہا کہ اگر آپ "ضرورت" کی تعریف فرماسکیں تو بہت مہربانی ہوگی وہ شرما گئے مگر ضرورت کی تعریف نہیں کر سکے۔ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ اگر ہم لفظ ضرورت کی تعریف متعین کر سکیں یا انسانی زندگی کی تعریف متعین کر سکیں تو ذہنوں میں پیدا ہونے والی بہت سی الجھنیں دور ہو سکتی ہیں۔ مَیں نے اس مقصد کے لیے قرآن حکیم سے روشنی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ قرآن میں زندگی کی دو تعریفیں ہیں۔ انسانیت بطور نسل اور انسانیت بطور فرد۔ میں فرد کے بارہ میں بات کرونگا۔ ہر فرد کو مختلف صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ بچہ صحیح اور صاف ستھرا دماغ لیکر پیدا ہوتا ہے بعض حساب میں ذہن رسا رکھتے ہیں بعض طبیعیات میں۔ بعض میں نت نئی ایجادات کی صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ یہ سب صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کی مکمل نشوونما کی جائے۔ اس لیے ہر بچے کا حق ہے کہ اس کی صلاحیتوں کو مکمل طور پر پہنچنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ہم جو چوتھے انقلاب کے داعی ہیں یہ چاہتے ہیں کہ کوئی صلاحیت ضائع نہ ہو۔ یورپ کے

بعض ممالک اور انگلستان میں حکومتوں کی معاشرتی بہبود کی سکیمیں ہیں۔ مغربی جرمنی میں بھی ایسی ہی سکیم جاری ہے مگر میرے خیال میں یہ معاشرتی سکیمیں، فرد کو وہ سب کچھ نہیں دے سکتیں جس کا وہ مستحق ہے۔

ہمارے چوتھے انقلاب میں ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق جتنا چاہتا ہے کمائے مگر وہ خرچ کرنے کے لیے آزاد نہیں ہوگا۔ بعض ذہن ایسے ہوتے ہیں جو صنعتی کاموں کے لیے بہت موزوں ہوتے ہیں۔ آکسفورڈ میں میرا ایک ہم جماعت تھا جو کسی کروڑ پتی کا بیٹا تھا اور پولینڈ کا رہنے والا تھا۔ اس کا سب سے چھوٹا بھائی کاروبار میں ذرہ بھر بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ جنگ میں کروڑ پتی باپ اور اس کے علاوہ باقی لواحقین مارے گئے تو اس نے وہ دولت صنعت و حرفت میں لگا دی اور اس میں بے انتہا ترقی حاصل کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے اندر صنعتی ترقی کا رجحان موجود تھا۔ اب وہ کروڑوں کما رہا ہے۔ مگر چوتھے انقلاب میں ہم اسے کمانے سے نہیں روکیں گے۔ مگر جہاں دوسرے افراد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوگی ہم اس سے پیسے لے لیں گے۔ یہ فرق ہے جو چوتھے اور دوسرے انقلاب میں ہوگا۔

اور مَیں آپ کو بتا چکا ہوں کہ چوتھا انقلاب آ رہا ہے۔ مستقبل قریب میں دوسرے انقلاب والے اشتراکی کوششوں میں سر کھپاتے رہے مگر انہوں نے فرد کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے مواقع بہم نہیں پہنچائے۔ اسی لیے ان اشتراکی کوششوں میں زیاں زیادہ ہے اور سُود کم!

خاتون آپ نے ابھی ایک کروڑ پتی کا ذکر فرمایا ہے جب آپ اس سے اس کی دولت چھینیں گے تو کیا وہ آپ کا مقابلہ نہیں کرے گا! کہ یہ تو میری اپنی صلاحیتوں کی کمائی ہے میں جیسے چاہوں گا خرچ کرونگا۔

حضور میں آپ کا سوال سمجھ گیا ہوں۔ وہ لڑائی یا مقابلہ تو اس صورت میں کرے گا نا جب ہم اس کا دل جیتنے میں ناکام ہو جائیں گے؟ ہم انشاء اللہ سب کے دل جیتیں گے۔

سوال ایک آخری سوال — یہ چوتھا انقلاب کب وقوع پذیر ہوگا؟

حضور چوتھے انقلاب کے بارے میں میرے پاس کوئی الہامی جواب تو نہیں مگر میرا اپنا خیال ہے

کہ اس میں تیس سال سے ایک صدی تک کا عرصہ لگے گا۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں یہ انقلاب پھیلے گا۔ اس کی ابتدا ہو چکی ہے۔ اس کا آخری نقطہ ہو گا۔ مکمل امن! مکمل پیار! دل جیت لیے جائینگے اور کوئی سوال، کسی قسم کا سوال باقی نہیں رہے گا! کیونکہ سوال باقی رہنے کا مطلب ہو گا کہ جدوجہد جاری ہے۔

خاتون: آپ کی جدوجہد یہ ہے کہ آپ دل جیتنا چاہتے ہیں؟

حضور: یقیناً میری اور ہماری جدوجہد صرف یہی ہے کہ ہم دلوں کو جیتنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ آخری سوال تھا۔

خاتون: کیا کوئی صاحب مجھے بتا سکیں گے کہ اس وقت فیڈرل ری پبلک آف جرمنی میں آپ کی جماعت کی کیا تعداد ہے؟

حضور: اس وقت میرا خیال ہے شاید ایک سو یا دو سو۔ بہت تھوڑی، بہت کم!

خاتون: یہ جماعت صرف فرینکفرٹ تک محدود ہے؟

حضور: ہمبرگ میں ہمارا مشن ہے مگر آپ جانتی ہیں کہ آپ ایک ہلہ میں دلوں کو نہیں جیت سکتے۔ یہ کام آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ ہم بیس سال پہلے کی نسبت آجکل جرمن لوگوں کے دلوں کے بہت زیادہ قریب ہیں میں نے ایک خواب دیکھا تھا بہت پہلے جب میں آکسفورڈ میں تعلیم ختم کر چکا تھا اور جرمنی جنگ ہار چکا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ جرمن قوم کے دل پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس وقت مجھے بھی بہت عجیب لگا تھا مگر مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا تھا!

آپ کی قوم کے ساتھ یہ پہلا تعارف (آپ کی پیدائش سے بھی شاید پہلے) ۱۹۳۴ء میں ہوا تھا جب میں جرمنی آیا تھا۔ اس وقت ہٹلر ابھی برسر اقتدار آیا ہی تھا۔ میں ۱۹۳۸ء تک آکسفورڈ میں زیر تعلیم رہا اس دوران پانچ چھ مرتبہ مجھے جرمنی آنے کا موقع ملا اور میں نے اپنی آنکھوں سے جرمنی میں اچھے اور برے انقلاب آتے دیکھے۔

میں بڑا سیدھا سادہ منکسر سا آدمی ہوں میں نے بچوں سے بڑوں سے، یونیورسٹی کے پروفیسرں

سے، طلباء سے، حکومت کے افسروں سے اور بڑے بڑے لوگوں سے دوستیاں پیدا کیں۔ وہ دن اور وہ لوگ اب تک میری یاد داشت میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں میں اپنے وطن واپس گیا تو آپ لوگوں کے لیے بہت اچھے جذبات و احساسات لیکر گیا۔ آپ کے ساتھ بہت سے نظریاتی اختلافات کے باوجود مجھے آپ لوگوں کی پیاری فطرت بہت اچھی لگی ——— میں فطرتاً بہت سادہ اور صاف گو آدمی ہوں میں منٹوں میں دوست بنا لیتا ہوں۔ میرا خیال ہے آپ نے بھی یہ ضرور محسوس کیا ہوگا۔

خاتون: یور ایکسیلنسی! میرا آخری سوال۔ آپ کی جماعت حقیقی اسلام کو پھر سے رائج کرنا چاہتی ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل نہیں ہیں؟

حضور: آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے! حقیقی اسلام مرد اور عورت کی مساوات کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ میں نے ابھی انسان کی فطری صلاحیتوں کے مکمل احیاء اور ان کی تکمیل کا ذکر کیا ہے اور انسان میں ——— مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ اسلام سے بہتر مساوات کسی مذہب نے آج تک پیش نہیں کی۔ عورت اور مرد کے حقوق برابر ہیں کہ ان کی صلاحیتوں کی تکمیل اور نشوونما میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

ہمارا مذہب بڑا پیارا مذہب ہے۔

نور کی ندّی چڑھی ہوئی

محترم پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پروازی ایم اے پی۔ایچ۔ڈی۔ سابق صدر شعبہ اردو اوساکا یونیورسٹی جاپان نے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں چند شعر کہے جن میں سے اب انہیں دو یاد ہیں۔ دونوں ہی باکمال ہیں۔ پُر لطف ہیں۔ پُر مغز ہیں اور بے خود کر دینے والے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیوں فکر مجھ کو روزِ جزا کے حساب کا
ہمنام ہوں میں اس شہ عالی جناب کا
آنکھیں کہ جیسے نور کی ندی چڑھی ہوئی
چہرہ کہ جیسے پھول کھلا ہو گلاب کا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا ایک خط

شفقت محبت اور قیمتی نصائح سے بھرپور

محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کے نام

مکرم محترم ایڈیٹر صاحب "خالد"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اپنے آپ کو اس قابل تو نہیں پاتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے بارہ میں کچھ ضبط تحریر میں لاؤں۔ جب بھی لکھنے بیٹھتا ہوں تو آنسوؤں کے ساتھ ساتھ یادوں کا ایسا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا کہ یہ نہ سمجھ پاتا کہ کہاں سے اِن یادوں کی کلیوں کو یکجا کروں کہ گلدستہ کی شکل ہوجاتے۔ بچپن کے ان دھندلے خاکوں سے جب حضور رحمہ اللہ تعالیٰ قادیان میں النصرت میں قیام پذیر تھے اور میں وہاں کھیلنے جاتا تھا یا لاہور کے دوران قیام پیار کا وہ اظہار جس کو صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔ تعلیم الاسلام کالج کا وہ زمانہ جب حضورؒ پرنسپل تھے اور میں گرمی کی شدت سے پیاس بجھانے حضورؒ کے گھر جاتا اور حضورؒ کا پوچھنا کہ کالج کا حرج کر کے تو نہیں آئے اور ہدایات دینا یا اجتماع خدام الاحمدیہ کے وہ ایام جب حضورؒ صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے اور تھک کر آرام کرتے تھے اور میں چپکے سے حضورؒ کو دبانے لگتا تو بغیر الفاظ حضورؒ کا آنکھوں ہی آنکھوں سے پیار کا اظہار۔

پھر سوچا کہ مجھے جو حضورؒ سے انتہائی پیار تھا اور جس کے نتیجہ میں حضورؒ مجھے جس طرح دیکھنا چاہتے تھے وہ میں حضورؒ کے ہی الفاظ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں :-

میں جب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے خدا تعالیٰ کے فضل سے انگلستان روانہ ہوا تو حضورؒ کی خدمت میں دُعا کی درخواست کی نیز یہ بھی درخواست کی کہ حضورؒ نصائح فرمائیں جس کو حضورؒ نے از راہِ شفقت قبول فرمایا اور انتہائی قیمتی نصائح اپنے دست مبارک سے لکھ کر دیں یہ خط بھیج رہا ہوں کہ یہی نصائح ہر احمدی نوجوان طالبعلم کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

والسلام

خاکسار ڈاکٹر مرزا مبشر احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھو الناصر

پیارے [illegible]!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی رحمت نے آپ کے لئے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جانے کے سامان پیدا کئے ہیں۔ ہمارا دل اللہ کی حمد اور اس کے شکر سے لبریز ہے۔ آپ کا دل بھی ہمیشہ اس کی حمد اور شکر سے لبریز رہے۔ اور دل اور روح کی سب کھڑکیاں ہمیشہ اس کی طرف کھلی رہیں۔ شیطان کی طرف کھلنے والی نفس امارہ کی سب کھڑکیوں پر ہمیشہ کے لئے تالے پڑ جائیں۔ خدائے رحمٰن ملائکہ کے پہرہ میں اور حفاظت میں رکھے

جو نور۔ جو محبت الٰہی۔ جو عشق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل پایا ہے۔ خدا کرے کہ وہ نور آپ کے سینہ اور روح کو اور آپ کے ماحول کو منور رکھے اور منور کرے۔ اور وہ محبت الٰہی اور عشق رسول آپ کی حقیقی زندگی کی حرارت کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ھو الناصر خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

آپ ایک طالب علم کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ
ایک مبلغ کی حیثیت سے بھی وہاں جا رہے ہیں۔ اور بہترین
تبلیغ عملی نمونہ سے ہی ہوتی ہے۔ بہترین عملی نمونہ وہ ہے
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں رنگین
ہو کر انسان دکھاتا ہے۔ پس وہ پاک اسوہ اور نمونہ ہمیشہ
اپنے سامنے رکھیں تا انگلستان میں بسنے والے اس پاک معلم
کی پاکیزگی کی جھلک آپکی زندگی میں بھی دیکھیں۔ عملی دلیل
سے بہتر اور زیادہ موثر کوئی اور دلیل نہیں۔

خط لکھنے میں باقاعدگی اختیار کریں۔ خواہ
مختصر ہو مگر باقاعدہ اور وقت پر لکھا جائے۔

انگلستان کی جماعتی تنظیم سے پختہ تعلق رکھیں
اور سب احمدیوں سے محبت اور شفقت سے پیش آئیں۔ اور
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ سے جو محبت ہے آپ اُسے
پائیں خود کو اسکا اہل بنائیں۔

دعاؤں پر بہت زور دیتے رہیں اور اپنے زندہ رب
سے زندہ تعلق کو مضبوط رکھیں۔

اللہ کی حفاظت و امان میں رہیں آپ۔ آمین [illegible]

ایک تبرک
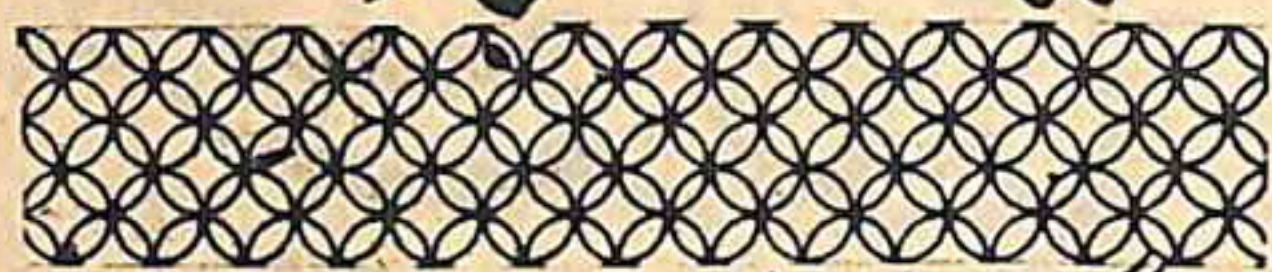
حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا حرمِ اوّل سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت سیدہ نور اللہ مرقدھا کی قبر کا تعین فرمایا جائے۔ اس مقصد کے لیے حضور کی خدمت میں ایک کاغذ پیش کیا گیا جس پر بہشتی مقبرہ کے اندر واقعہ چار دیواری میں شمالی سمت کی قطار کی قبروں اور خالی جگہ کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ اس میں مشرقی سمت دو قبروں کی جگہ جو ساتھ ساتھ تھیں خالی پڑی تھی۔ حضور ایدہ اللہ نے ان دو قبروں میں سے مشرقی قبر پر حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کا نام لکھا اور ساتھ والی قبر پر تحریر فرمایا "ریزرو" بعد میں فرمایا یہ جگہ مَیں نے اپنے لیے رکھی ہے۔ اس تاریخی کاغذ کا عکس تبرک کے طور پر قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ اس تبرک کی فراہمی پر ہم محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کے شکر گذار ہیں۔

(ادارہ)

اس کاغذ کا عکس مندرجہ ذیل ہے:۔
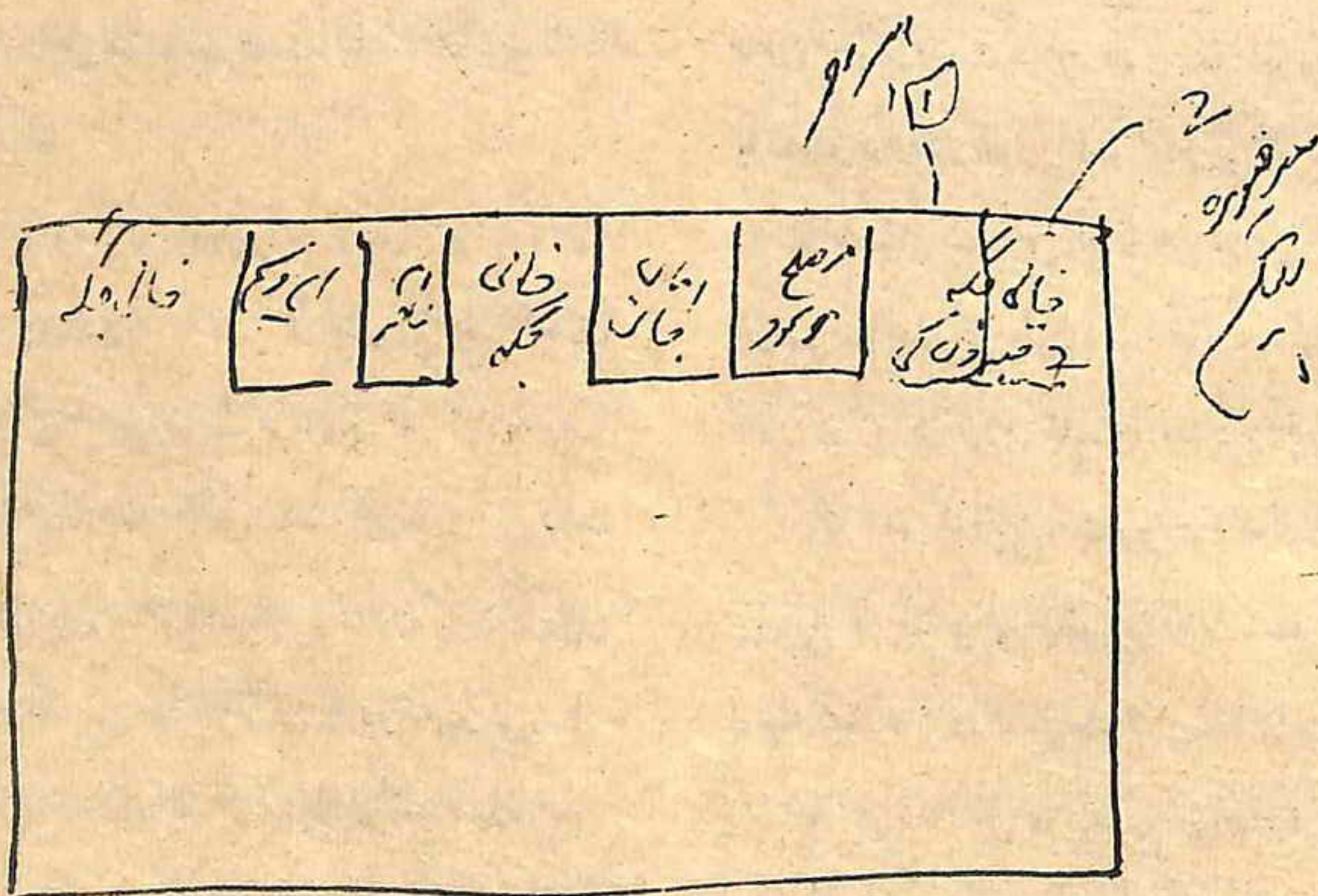
آئینہ شش جہات

مکرم مجیب الرحمن صاحب ایڈووکیٹ — امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی

چند سال پہلے کی بات ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں چند دوستوں کے ساتھ حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ پڑھے لکھے لوگوں کا حلقہ تھا۔ گفتگو موضوع بدلتی رہی اور حضور ڈیڑھ دو گھنٹے تک مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔ جب ہم لوگ ملاقات کے بعد باہر آئے تو تمام دوست حضور کی شخصیت، حضور کے تبحر علمی اور عمیق مشاہدے سے اتنا متاثر تھے کہ ایک دوست نے بے ساختہ کہا

HE IS A SIX DIMENSIONAL PERSONALITY. — کہ حضور ایسی شخصیت ہیں کہ زندگی کی شش جہات پر ان کی نظر ہے۔ سوچتا ہوں حضور واقعی آئینہ شش جہات تھے۔ اور شش جہات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ہم جیسے عام انسانوں کی زندگی میں حقائق کے ادراک کے لئے شش جہات ہی تصور میں آتی ہیں ورنہ مقربانِ الٰہی کی نظر شش جہات تک محدود نہیں ہوتی۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے جس منصب پر سرفراز فرمایا تھا اس کے تقاضے سے حضور کی زندگی اور سیرت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا۔ علمی اور تاریخی حوالوں سے مضامین لکھے جائیں گے۔ حضور کے ہم عصر اور وہ خوش نصیب بزرگ جنہیں حضور کا قرب حاصل رہا اور ساتھ کام کرنے اور خدمت بجا لانے کا موقع ملا وہ ذاتی تجربات اور مشاہدات بھی قلمبند کریں گے اور پڑھنے والوں کے لئے تسکینِ ذوق کا سامان مہیا کریں گے مگر جن لوگوں نے حضور کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضور کے سراپا اور حضور کی شخصیت کے بیان کے لئے نہ زبان کے پاس الفاظ ہیں نہ کسی کیمرے کی آنکھ میں وہ صلاحیت کہ حضور کا پورا نقشہ دکھا دے۔ تحریر و تصویر دونوں مل کر بھی شاید حق ادا نہ کرسکیں۔

مجھے حضور کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ بہت زیادہ میسر نہیں آیا۔ مگر جتنا کچھ بھی حضور کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے بخت کو اسی پر ناز ہے کہ ذرہ آفتاب کے حضور بار پا گیا اور اس کے طفیل مجھ ناچیز سے یہ تقاضا ہے کہ میں حضور کے بارے میں کچھ لکھوں۔ مجھ جیسے نالائق اور بے عمل کو حضور

کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ کیسے ملا یہ امر خود حضور کی دل نواز شخصیت و کردار اور اندازِ تربیت پر گہری روشنی ڈالتا ہے۔ مجھے حضور کو مختصر عرصہ کے لئے کالج کے زمانے میں اور پھر کچھ عرصہ خلافت کے نصف آخر میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

حضور اپنے خدام سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور طبیعت میں حلم بہت تھا۔ ایک مرتبہ کسی قانونی مسئلہ پر غور ہو رہا تھا۔ حضور اسلام آباد میں تھے۔ مجھے طلب فرمایا اور رات گئے تک مختلف حوالہ جات ملاحظہ فرما کر بعض باتیں مسودہ کے رنگ میں لکھواتے گئے۔ آئندہ روز لاہور سے برادرم بشیر لطیف احمد صاحب اور برادرم مرزا نصیر احمد صاحب جو معاملہ کی پیروی کر رہے تھے حاضر ہونے والے تھے اور ان کے آنے پر دوبارہ مسودہ پر غور ہونا تھا۔ اگلے روز دونوں دوست آ گئے۔ حضور نے نماز عصر کے بعد ملاقات کا وقت مقرر فرمایا۔ جب حضور کی خدمت میں حاضری کا وقت قریب آیا تو مجھے دفعتاً خیال آیا کہ رات کو جو کچھ حضور نے مسودہ کے رنگ میں لکھوایا تھا وہ کاغذات کہیں رکھ کر بھول چکا تھا۔ سخت پریشانی ہوئی کہ آج نجانے کیا ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں حضور نے طلب فرمایا اور ہم تینوں حاضر ہو گئے۔ کام شروع ہوا تو حضور نے فرمایا "ہاں، کہاں ہیں وہ کاغذات جو رات کو لکھوائے تھے"۔ مَیں نے عرض کیا حضور وہ تو مَیں کہیں بھول گیا۔ ہم سب سہمے ہوئے تھے کہ نہ جانے اب کیا ہو اور کیسی ڈانٹ پڑے اور میرا یہ عالم کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ مگر حضور نے صرف اس قدر فرمایا لا حول ولا قوۃ۔ تین گھنٹے کی محنت ضائع کر دی۔ اور پھر اسی بشاشت اور خندہ پیشانی سے دوبارہ لکھوانا شروع کر دیا۔ کسی غصے اور رنج کا اظہار حضور کی طرف سے نہیں ہوا۔ اس رات مَیں نے حضور کے اخلاقِ عالیہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاقِ عالیہ کا نقشہ دیکھا۔

حضور اپنے خدام کی تربیت بھی بڑے خوبصورت انداز میں فرماتے تھے اور کبھی ذاتی زندگی کے بارے میں بھی مفید مشورے عنایت فرماتے۔ ایک مرتبہ کسی مقدمہ کے بارے میں مجھے حضور کی خواہش یہ معلوم ہوئی کہ اس مقدمہ کی پیروی کرنا میرے لئے مناسب نہیں اور جماعتی مفاد کے بھی منافی ہے۔ چنانچہ جب فریقِ مقدمہ میرے پاس آئے تو میرے انکار پر انہوں نے اس قدر اصرار کیا کہ مَیں نے یہ کہہ دیا کہ حضور نے منع فرمایا ہے۔ وہ حضور کے پاس چلے گئے کہ مجھے مقدمہ کی پیروی کی اجازت فرماویں۔ مَیں اپنی بے وقوفی پر دل ہی دل میں سخت شرمندہ تھا کہ مَیں نے خواہ مخواہ حضور کو الجھن میں ڈال دیا۔ حضور نے تو فریق مقدمہ کو سمجھا دیا اور وہ مطمئن ہو کر چلے گئے مگر مَیں سخت نادم تھا۔ ایسے میں اگلے ہی روز حضور کے پاس حاضری کا موقع ہوا۔ حضور نے بغیر اس بات کا ذکر کئے اپنی زندگی کے مختلف واقعات بیان کرنے شروع کر دیئے کہ کس طرح حضرت مصلح موعود کی زندگی میں ان کے ارشادات کو حضور بجا لاتے تھے۔ وہ پوری نشست گویا میری تربیت کے لئے وقف ہو گئی۔ مَیں خوب سمجھ رہا تھا کہ روئے سخن میری طرف ہے اور مجھے گویا زندگی کا نچوڑ سمجھایا جا رہا ہے مگر حاضرین میں سے کسی کو اندازہ نہ تھا کہ اس کے پسِ منظر میں میری غلطی پوشیدہ تھی۔ مَیں ایک

طرف تو اپنی خام ذہنی پر شرمندہ تھا اور دوسری طرف دل اس بات پر خوش تھا کہ ایک غفلت کی بدولت آئندہ کے لئے نصائح کا بیش قیمت خزانہ ہاتھ آگیا۔ حضور کے انداز تربیت میں کوئی دوسرا حضور سا نہیں دیکھا۔ ہنستے کھیلتے ہلکے پھلکے انداز میں خدام کی تربیت فرماتے تھے ناصحانہ انداز نہیں ہوتا تھا۔ بالواسطہ طریق پر نہایت دلنشین انداز میں بات سمجھا دینے کا حضور کو خاص ملکہ تھا۔ اندازِ گو بالواسطہ ہوتا مگر کوئی شخص گفتگو کا مفہوم سمجھنے میں چوک نہیں سکتا تھا۔ جس سال میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوا حضور ان دنوں پرنسپل تھے۔ کالجوں میں سالِ اول کے طلبہ کو بے وقوف بنانے اور ان کا الو کھینچنے کا رواج عام تھا اور لاہور کے دوسرے کالجوں میں یہ رسم بڑھتے بڑھتے اذیت ناک صورت اختیار کر چکی تھی۔ حضور نے داخلہ کے بعد پہلے ہی دن ہال میں طلبہ کو جمع کر کے ایک خطاب فرمایا۔ دیگر باتوں کے علاوہ فرمایا کہ ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ ہم اس کالج میں بے وقوفوں کو داخلہ نہیں دیتے لہذا کسی کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کریں۔ پھر ایک نہایت پُر مغز تقریر فرمائی کہ جو گندی رسمیں انگریز ہمارے [illegible] میں چھوڑ گئے ہیں ان کی اپنی درسگاہوں میں ان کا نا[illegible] [illegible] کے بعد نہایت ہی شفقت سے بعض [illegible] فرماتے رہے جو [illegible]

[illegible]

ایک غیر از جماعت دوست کے تاثرات

مکرم مہر سکندر حیات صاحب لالی

چیئرمین مارکیٹ کمیٹی لالیاں کی

ناصر احمد ظفر سے گفتگو

میری دلی خواہش تھی کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب جنہوں نے ایک لمبا عرصہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بطور پرنسپل خدماتِ جلیلہ سرانجام دی ہیں جس کی بدولت اس کالج نے باوجود انتہائی نامساعد حالات کے ملک بھر میں ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے بارہ میں ان کے شاگردوں کے تاثرات قلمبند کئے جائیں۔ چنانچہ ایک دن سر راہ مہر سکندر حیات صاحب لالی چیئرمین مارکیٹ کمیٹی بلدیہ لالیاں سے ملاقات ہوئی جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے شاگردوں میں سے ہونے کے علاوہ اس علاقہ کے انتہائی معزز اور با اثر خاندان کے چشم و چراغ بھی ہیں۔ میں نے اُن سے انٹرویو کی خواہش کا اظہار کیا کہ اس سلسلہ میں میں لالیاں کب حاضر ہوں؟ لالی صاحب بلا توقف فرمانے لگے میں تو اپنے آپ کو اس قابل قطعاً نہیں سمجھتا کہ اس محسن اور شفیق استاد کی عظیم تعلیمی خدمات کے بارہ میں کچھ عرض کروں لیکن اگر آپ مجھے یہ عزت بخشنا چاہیں تو اس سے بڑی سعادت میرے لئے اور کیا ہو سکتی ہے لیکن ایک شرط کی آپ کو پابندی کرنی ہوگی۔ میں نے دریافت کیا وہ کون سی۔ فرمانے لگے وہ یہ کہ اس سلسلہ میں آپ لالیاں نہ آئیں بلکہ میں خود ربوہ حاضر ہوں گا کیونکہ میرے ساتھ میرے عظیم استاد محترم کی جو خصوصی شفقت تھی اس کا حق یہ ہے کہ میں خود چل کر آپ کے پاس ربوہ آؤں جہاں سے میں نے اپنے پیارے استاد کا پیار اور شفقت پائی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھے اس سلسلہ میں سینکڑوں مرتبہ بھی ربوہ آنا پڑے تو پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ ؎

حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ان کا خلوص اور اصرار میری درخواست پر غالب آیا۔ چنانچہ وہ اس سلسلہ میں ایک بار نہیں متعدد مرتبہ غریب خانہ پر ربوہ تشریف لائے لیکن حسنِ اتفاق سے ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ آج چونکہ جمعۃ المبارک کی تعطیل ہے۔ جناب لالی صاحب نے صبح سویرے ہی آ پکڑا اور فرمانے لگے کہ

آج میرا چھاپہ کامیاب رہا ہے ..... آیئے ہم اپنے شفیق استاد کا ذکرِ خیر کریں جنہوں نے اس پس ماندہ علاقہ میں نہ صرف علم کی شمع روشن کی بلکہ یہاں کے لوگوں کی لاتعداد سماجی خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔ فرمانے لگے

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را۔

وہ یہ باتیں بڑے خلوص، محبت اور پرانی یادوں میں ڈوب کر کہہ رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا فرض اور خواہش یہ تھی کہ لالی صاحب کا انٹرویو کیا جائے لیکن ادھر لالی صاحب نے اپنے خلوص کے باعث معاملہ بالکل برعکس کر رکھا ہے۔ میں نے ان کے خلوص، عالی ظرفی اور وسیع النظری کی داد دینی چاہی تو فرمانے لگے یہ سب کچھ میرے استادِ محترم کی مقناطیسی شخصیت اور پیار کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد خاکسار نے ان سے اپنے تاثرات ریکارڈ کرانے کے بارہ میں عرض کیا تو فرمانے لگے مجھے تو ان کی ہمہ صفت اور انتہائی ارفع و اعلیٰ شخصیت کی وجہ سے یہ سمجھ ہی نہیں آرہی کہ میں ان کا ذکرِ خیر کہاں سے شروع کروں۔ لہذا آپ سوالوں کی صورت میں میری اعانت کریں تاکہ میں اس کے مطابق اپنا مافی الضمیر کماحقہٗ ادا کر سکوں چنانچہ میں نے سلسلۂ گفتگو کا آغاز یوں کیا:۔

ظفر:۔ آپ تعلیم الاسلام کالج میں زیرِ تعلیم رہے ہیں اور آپ کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی شاگردی کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ آپ بطور پرنسپل کیسے تھے؟

لالی صاحب:۔ میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ مجھے محترم صاحبزادہ صاحب کے وقت میں کالج میں زیرِ تعلیم رہنے کا اعزاز حاصل رہا بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ مجھے تو مزید یہ شرف بھی حاصل رہا کہ میں آپ کے منظورِ نظر شاگردوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ (نہایت بے انصافی ہو گی اگر میں اس وقت اپنے قابلِ صد احترام ماموں جان مہر محمد اسماعیل صاحب لالی کا ذکر نہ کروں کہ جن کے باعث حضرت صاحبزادہ صاحب کی شفقت میں مزید اضافہ ہوا)۔ جہاں تک آپ کا بطور پرنسپل تعلق ہے اس سوال کو اگر ہم علاقہ میں ربوہ کے نئے قیام اور خصوصاً ۵۳ء کے حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ان حالات میں آپ کی کامیابی معجزہ سے کم نہیں۔ یہ محض آپ کی خداداد صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ چند سال میں اس کالج کا مقام پاکستان میں نمایاں ہو گیا نہ صرف تعلیم بلکہ میدانِ کھیل میں بھی نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں۔ مثلاً کشتی رانی میں پاکستان ونر۔ کبڈی، فٹ بال میں زونل چیمپئن اور باسکٹ بال میں تو اس کی کارکردگی ہمیشہ منفرد رہی۔ لیکن ان تمام باتوں سے بڑھ کر آپ کی بطور پرنسپل یہ نمایاں خوبی تھی جو کسی اَور میں دیکھنے میں نہیں آئی کہ آپ اپنے آپ کو صرف کالج اوقات میں پرنسپل نہیں سمجھتے تھے بلکہ چوبیس گھنٹے ہر طالب علم کی تعلیمی، اخلاقی اور روحانی ترقی کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ کالج میں دینیات کا مضمون لازمی تھا جبکہ بورڈ میں یہ مضمون تھا ہی نہیں اور ایسے ہی آپ اس امر کی طرف خصوصی توجہ دیتے کہ ہر طالب علم باقاعدگی سے اپنے اپنے عقائد کے مطابق نماز ادا کرے۔ اس سے ان کی اسلام سے عقیدت اور طلبہ کی روحانی ترقی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ ایک امر

جس سے مَیں نے بے حد اثر لیا وہ یہ کہ کالج میں آپ کی ہر جہت سے ہر چیز پر مضبوط گرفت تھی لیکن کسی بھی طالب علم کو گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے حسنِ انتظام ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ طلبہ اور اساتذہ میں مکمل ہم آہنگی تھی۔

ظفر :۔ جیسا کہ آجکل کالجوں میں دھڑا بندی، بدمزگی دیکھنے میں نظر آتی ہے۔ کیا آپ کے دَور میں بھی ایسا ہی تھا؟

لالی صاحب :۔ ہمارے وقت میں کبھی بھی کسی قسم کی مذہبی، سیاسی، لِسانی، گروہی کوئی بھی بدمزگی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ حتّٰی کہ یونین کے انتخابات کے دوران بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آتا تھا حالانکہ طلباء مختلف مذہبی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن انتخابی مہم کبھی بھی مذہبی بنیادوں کے گرد نہیں چلتی تھی۔ نہ ہی کالج کے اساتذہ کرام کے رویہ سے کبھی اس کا اظہار ہوتا تھا۔ ان تمام کامیابیوں کا مکمل سہرا اس مقتدر، بارعب لیکن ہر دلعزیز نورانی شخصیت حضرت صاحبزادہ صاحب کے سر تھا۔

ظفر :۔ لالی صاحب آپ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے بارہ میں مقتدر اور بارعب کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیا یہ رعب اور اقتدار پرنسپل صاحب اور طلباء کے درمیان حائل تو نہیں تھا؟

لالی صاحب :۔ ظفر صاحب آپ شاید بھول گئے ہیں کہ مَیں نے اس کے ساتھ ہر دلعزیز کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور اب بھی مَیں یہ کہوں گا کہ وہ انتہائی بارعب ہونے کے باوجود انتہائی ہر دلعزیز بھی تھے۔ آپ طلباء میں ہمیشہ گھل مل کر رہنے کو پسند فرماتے تھے بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ کی محبت اور شفقت کے نتیجہ میں طلباء آپ سے ادب کے دائرہ میں رہتے ہوئے مزاح بھی کر لیتے تھے جسے آپ بُرا محسوس نہیں فرماتے تھے ایک واقعہ مجھے آج تک یاد ہے کہ محترم میاں صاحب کی ایک پرانے ماڈل کی موریس کار ہوا کرتی تھی۔ ہمارے کالج میں ایک مشاعرہ ہوا۔ اس مشاعرہ میں آپ بنفسِ نفیس رونق افروز تھے۔ ایک طالب علم نے ایک نظم پڑھی جس کا عنوان تھا "ہمارے میاں صاحب کی پھٹ پھٹ پھٹ"۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :

چلتی ہے ایک میل کھاتی ہے دو من پٹرول
ہمارے میاں صاحب کی پھٹ پھٹ پھٹ

جب یہ اشعار پڑھے جا رہے تھے اس وقت میاں صاحب کے چہرے پر پھولوں کی سی مہک اور حقیقی مسکراہٹ جو ہم نے دیکھی وہ ہمیں تا زندگی نہیں بھولے گی۔

ظفر :۔ لالی صاحب آپ اپنے کالج کے دوران کا کوئی ناقابلِ فراموش واقعہ سُنا سکتے ہیں؟

لالی :۔ کالج کے دوران بے شمار واقعات ایسے ہیں جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن ایک واقعہ ایسا ہے جسے مَیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا اور وہ یہ ہے کہ کالج میں چنیوٹ کی والی بال ٹیم اور ٹی۔ آئی کالج کی ٹیم کا میچ ہو رہا تھا۔ محترم میاں صاحب کھلاڑیوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ میاں صاحب میچ دیکھنے کے لئے پہنچ گئے۔ سوئے اتفاق سے دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں

کے درمیان تلخی پیدا ہوگئی اور اچانک نوبت لڑائی تک پہنچ گئی جس سے ٹی آئی کالج کے لڑکے زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ محترم میاں صاحب نے باآوازِ بلند اپنے لڑکوں سے کہا کہ لڑنا نہیں۔ میاں صاحب کی فوری مداخلت پر لڑائی ختم ہوگئی۔ اس لڑائی میں زیادتی ربوہ کے کھلاڑیوں کی بجائے چنیوٹ کے دو تین نوجوانوں کی تھی جو تماشائی تھے۔ محترم میاں صاحب چنیوٹ کے کھلاڑیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی اور ان کی ہر طرح سے دلجوئی فرمائی۔ اس اثناء میں ایک غیر ذمہ دار نوجوان نے کہا کہ ہم پرچہ دیں گے اور قانونی کارروائی کریں گے۔ محترم میاں صاحب نے کمال شفقت اور بردباری کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو قانونی کارروائی کا حق حاصل ہے۔ آپ بے شک کریں لیکن ٹی آئی کالج آپ کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کرے گا کیونکہ آپ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ میاں صاحب کے ان الفاظ کے بعد چنیوٹ کے کھلاڑیوں کا تمام غصہ کافور ہوگیا اور کشیدگی محبت کی فضا میں بدل گئی۔

ظفر:۔ لالی صاحب آپ اس علاقہ کے معروف اور با اثر لالی خاندان کے فرد ہیں۔ کیا آپ اس امر پر بھی روشنی ڈالنے کی پوزیشن میں ہیں کہ محترم صاحبزادہ صاحب کالج کے علاوہ اس علاقہ کے عوام و خواص سے بھی ربط و تعلق رکھتے تھے؟

لالی:۔ محترم میاں صاحب کی کالج میں لامتناہی مصروفیات کے باوجود آپ کے اس علاقہ کے خاص و عام سے ذاتی مراسم تھے اور وہ ہمیشہ اس علاقہ کی فلاح و بہبود، اقتصادی و سماجی ترقی میں کوشاں رہتے تھے۔ اس ضمن میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اُن کے سماجی روابط کسی ایک شخص کے گرد نہیں گھومتے تھے بلکہ وہ تمام طبقوں اور گروپوں سے مساوی رابطہ رکھتے تھے۔ اُن کے روابط اتنے مخلصانہ اور روادارانہ ہوتے تھے جس کے باعث علاقہ بھر میں ایک ایسا غیر متعصبانہ ماحول پیدا ہوا جس نے نفرت اور تعصب کی سوچ کو مکمل طور پر ختم کر دیا جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ کبھی بھی فرقہ وارانہ کشیدگی کا مرکز ربوہ کا گردو نواح نہیں بنا۔ بلکہ اگر کبھی بدقسمتی سے ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی بھی تو ربوہ کے نواح کے لوگوں نے مجموعی طور پر شر پسندی کی بجائے امن پسندی اور مثبت ردعمل کا اظہار کیا جس کی اصل وجہ صاحبزادہ صاحب کے ہر طبقہ کے لوگوں سے ذاتی روابط تھے۔

ظفر:۔ لالی صاحب میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے کافی وقت دیا ہے۔ اب جمعہ کی نماز کا وقت ہے اس لئے مجبوراً یہ گفتگو ختم کرنی پڑ رہی ہے۔ اگر زندگی ہوئی تو پھر مزید باتیں ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

لالی صاحب:۔ آپ میرا شکریہ ادا کر رہے ہیں حالانکہ شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیئے تھا جنہوں نے مجھے اپنے محسن استاد (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کا ذکرِ خیر کرنے کا موقعہ فراہم کیا۔ شکریہ۔

"نافلةً لک" کی تابندہ بشارت کا ثبوت

حضور رحمہ اللہ کے چہرہ مبارک کا آخری دیدار کرنے کیلئے مسجد مبارک کے باہر پلاٹوں میں دفاتر صدر انجمن احمدیہ کے کونے سے شروع ہو کر قصر خلافت تک جانیوالی قریباً دو فرلانگ لمبی لائن۔ شدید گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں پروانوں کا شمع کے حضور آخری نذرانہ ——

نماز جنازہ کا وہ حصّہ
جواحاطہ بہشتی مقبرہ
کے اندر تھا

نماز جنازہ ادا کرنے
والے احاطہ
بہشتی مقبرہ
سے باہر

تابوت بہشتی مقبرہ میں
داخل ہو رہا ہے

نماز جنازہ
کے بعد قبر کی
طرف تابوت لے
جایا جا رہا ہے

چاند اِک رُخصت ہوا اِک ماہ پارا آگیا

دورۂ ۱۹۸۰ء سے واپسی پر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ کو سپین کا سکّہ عطا فرمارہے ہیں

کرم فرمائی اور شفقت

مکرم رشید احمد صاحب چغتائی (سابق مبلغ بلادِ عربیہ)
مربی سلسلہ احمدیہ ربوہ
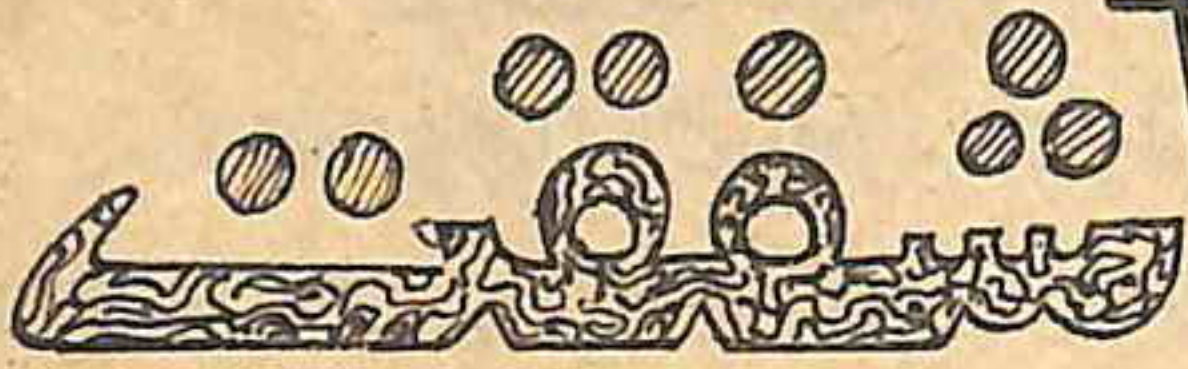
اس صدی کی چوتھی دہائی کا کتنا ہی خوشگوار متفادہ زمانہ کہ جس میں اس عاجز و کمترین و نالائق کو ایک عظیم المرتبت شخصیت سے براہ راست شرفِ تلمذ نصیب ہوا۔ ان دنوں یہ خاکسار مولوی فاضل کلاس جامعہ احمدیہ قادیان میں زیر تعلیم تھا کہ جب حضرت صاحبزادہ (سیدنا) مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر مقرر ہوئے اور ہماری کلاس کو آپ نے پڑھانا شروع فرمایا۔ اور پھر جلد ہی بعد آپ کو استاذنا المحترم حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی پرنسپل کے عہدہ سے ریٹائرمنٹ پر پرنسپل جامعہ احمدیہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ریٹائر ہونے والے (ہمارے استاد) اور نئے پرنسپل ہر دو کی معیت میں ہماری مولوی فاضل کلاس (درجہ ثانیہ جامعہ احمدیہ قادیان) کی تاریخی فوٹو، تاریخِ احمدیت کے صفحات میں محفوظ ہو چکی ہے۔

اس زمانہ کی ناقابلِ فراموش ساعتوں اور قیمتی لمحات کی یاد آج بھی میرے لیے سرمایہ سعادت مندی و صد افتخار ہیں کہ جن میں حضرت سیدنا مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ احقر شاگرد رشید آپ کی غیر معمولی شفقتوں اور کرم نوازیوں کا مورد بنا۔ چنانچہ ایک دن سردیوں کے موسم میں جبکہ کلاسیں باہر دھوپ میں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف ہمیں پڑھا رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے ڈیکسوں میں اپنی سیٹوں پر بیٹھے طلباء پر ایک خصوصی نظر ڈالتے ہوئے اپنے اس حقیر شاگرد رشید کو اپنے پاس بلایا اور سب طلباء کے سامنے مجھے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں واپس آؤں (میرے پیریڈ میں) تم یہاں کرسی پر بیٹھو اور طلباء کی نگرانی رکھو کہ وہ مطالعہ میں مشغول رہیں اور اِدھر اُدھر کہیں اٹھ کر نہ جائیں اور منتشر نہ ہوں۔ (آپ نے باہر کسی ضرورت کے سلسلہ میں کہیں جانا تھا) ہر چند کہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے دل ہی دل میں شرم بھی محسوس کر رہا تھا کہ کلاس کے مانیٹر وغیرہ کسی دوسرے مجھ سے بہتر طالب علم کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ اس عاجز کو اپنے ارشاد سے نواز رہے تھے۔ مگر شاید کہ مجھے کمزور و خاکسار پا کر ہی میرے شفیق و عظیم محسن استاذ کی حکیمانہ نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی تھی۔

بہر حال حضور مجھے کرسی پر بٹھا کر تشریف لے گئے۔ اور میں حسب حکم کرسی پر بیٹھا مفوضہ ڈیوٹی ادا کر رہا تھا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قریب ہی لگی ہوئی ایک کلاس کو ہمارے محترم استاذ مولینا

ارجمند خان صاحب پڑھا رہے تھے۔ وہ تھے بھی پٹھان اور طلبہ ان کے رعب سے مرعوب اور خاص ان سے خوف بھی کھاتے تھے۔

ان کی جو اچانک نظر ہماری کلاس پر پڑی۔ اور وہ جانتے تھے کہ اس کلاس میں یہ پیریڈ حضرت صاحبزادہ صاحب کا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ میں محض ایک استاذ ہی کی کرسی پر بلکہ حضرت میاں صاحب محترم کے پیریڈ میں ان کی اس کرسی پر بیٹھا ہوا انہیں دکھائی دیا۔ پھر کیا تھا، یہ دیکھتے ہی فوراً بڑے غصہ اور رعب دار آواز کے ساتھ مجھے دور سے ہی او رشید! اِدھر آؤ! ! پکارتے ہوئے اپنے پاس طلب کر لیا! ! خاکسار ان کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری کلاس میں یہ پیریڈ حضرت میاں صاحب کا ہے؟ جی ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ تو پھر ان کے پیچھے ان کی کرسی پر کیوں بیٹھے ہو؟ خاکسار جواباً عرض کیا محترم خان صاحب! مجھے خوب معلوم ہے کہ اپنے کسی بھی استاذ کی کرسی پر بیٹھنا ادب کے خلاف ہے۔ کجا یہ کہ کوئی طالب علم حضرت میاں صاحب ایسے عظیم المرتبہ استاذ کی کرسی پر بیٹھے! یہ عاجز تو ایسی جرأت بلکہ جسارت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ چہ جائیکہ عملاً اس کا مرتکب ہوتا ہے۔ سو خاکسار جو اس کرسی پر بیٹھا ہے تو حضرت صاحبزادہ صاحب کی ہدایت پر بیٹھا ہوں اور آپ ہی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

جب محترم خانصاحب نے یہ حقیقتِ حال سُنی۔ تو بہت خوش ہوئے اور ہنستے ہوئے اس اعزاز پر مبارک باد دی اور واہ واہ کہی اور فرمایا یہ بات تھی تو رشید! جاؤ فوراً جا کر کرسی پر بیٹھو! !

چنانچہ واپس آکر خاکسار کرسی پر بیٹھ گیا اور پیریڈ کے اختتام تک حضور کی شفقت اور اس اعزاز سے مشرف رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضور کا تعلق بحیثیت استاذ اپنے شاگردوں سے دیگر اساتذہ سے بڑھ کر تھا چنانچہ آپ نہ صرف ہمیں جامعہ میں کلاس میں پڑھاتے بلکہ مزید برآں ہماری کلاس کو اپنی کوٹھی "النُّصْـرَۃ" واقعہ دارالانوار قادیان میں عصر کے بعد بُلا کر پڑھایا کرتے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ چائے وغیرہ خور و نوش کا بھی اہتمام رکھتے۔

مجھے یاد ہے بعض دفعہ محترمی صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب اپنی بچپن کی معصومیت میں ہی پدرانہ آداب کو قابلِ تحسین صورت میں ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے پاس آ بیٹھتے۔ جس سے ہمیں آپ کی عمدہ تربیت اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت شدہ عظیم صلاحیتوں کے آغاز کو مشاہدہ کرنے کا موقع میسر آجاتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و عمر میں برکت بخشے آمین۔

اس مختصر سے نوٹ میں دیگر واقعات اور تفصیلات کے ذکر کی نہ گنجائش ہے نہ موقع میسّر ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضور کی دعائیں شفقتیں اور ذرہ نوازیاں ہمیشہ اس عاجز کے شاملِ حال رہیں۔ اور وہ قیمتی ساعتیں ناقابلِ فراموش ہیں اور میری زندگی کا اہم سرمایۂ سعادت۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کی جنتوں میں حضورِ انور کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر ہمیشہ چلنے اور مقبول خدمتِ دین کی توفیق بخشتا رہے۔ اور اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین

محبوب آقا کی حسین اور پیار بھری یادیں

متعدد افراد جماعت کے ارسال کردہ حسین پھولوں کا گلدستہ

• میری بہو جو آجکل جرمنی میں ہے اس کو پیٹ میں درد ہوتا تھا چنانچہ وہاں کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپریشن کراؤ۔ مَیں نے یہ خط حضور کو پیش کیا اور عرض کی کہ حضور دُعا فرما دیں کہ میری بہو بغیر اپریشن کے ٹھیک ہو جائے تو آپؒ نے فرمایا:

"اس کو لکھ دو کہ اپریشن نہ کرائے میں دعا کرونگا وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

چنانچہ مَیں نے حضورؒ کے الفاظ اس کو لکھ دیئے اور وہ بغیر اپریشن کے ٹھیک ہو گئی۔ اور اب تک ٹھیک ہے۔ الحمد للہ۔ (چوہدری محمد سعید کلیم دار العلوم غربی ربوہ)

• خاکسار نے جماعتی مفاد کو متاثر کرنے والے ایک واقعہ پر حضور کی خدمت بابرکت میں مورخہ ۱۷ر جون ۱۹۸۱ء کو خط لکھا کہ اگر حضورؒ اجازت فرمائیں تو احباب بذریعہ خطوط اور ٹیلیگرام متعلقہ حکام کو توجہ دلائیں اس کے جواب میں مورخہ ۱۶ر جون ۱۹۸۱ء کو مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے حضور کا مندرجہ ذیل ارشاد تحریر فرمایا کہ:۔

"کچھ نہ کریں صرف دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں اور اس کو کافی سمجھیں۔ شرک نہ کریں۔"

• ۱۹۷۴ء کے پُر آشوب دورِ ابتلاء اور قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ایک روز خاکسار کو دیگر احباب کے ہمراہ حضور کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضور کوئی پون گھنٹہ تک مختلف اُمور پر ارشادات فرماتے رہے آپ کا چہرہ مبارک بے حد منوّر اور ہشاش بشاش تھا گفتگو کے آخر میں فرمایا کہ

"ان لوگوں کے لیے بد دُعا نہیں کرنی۔"

خاکسار نے عرض کیا حضور اب تو حد ہو گئی فرمایا:

"میں اور جماعت ایک وجود ہیں۔" (جو میرا عمل ہے جماعت کا بھی وہی عمل ہونا چاہیئے)

(نذیر احمد خادم۔ بہاولنگر)

• جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جب ملاقات ہو رہی تھی تو ایک بچے نے ان نوٹوں کی طرف دیکھا جو نذرانہ کی صورت میں آپ کے قدموں میں ادھر اُدھر بکھرے پڑے تھے حضور نے اپنے دستِ مبارک سے کافی سارے نوٹ اٹھائے اور اس

بچے کو ہاتھ میں تھما دیئے۔

ایک اور بچہ اپنے والدین کے ساتھ ملاقات کیلئے آیا تھا آپ اپنے دفتر میں تھے بچے نے ایک خوبصورت ماڈل جو دیکھا تو والدین سے ضد کرنے لگا۔ والدین بچے کو اشاروں سے سمجھا رہے تھے حضور نے بھانپ لیا اور فوراً وہ ماڈل اُٹھا کرلے آئے تو بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ:

"دیکھو کتنا اچھا ہے"

(نصراللہ خاں ناصر۔ ایم اے مربی سلسلہ احمدیہ سیالکوٹ)

● حضرت مصلح موعود کی وفات پر خاکسار مجبوراً ربوہ نہ جا سکا۔ پتہ چلا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہوگئے ہیں، مگر میرے دل میں حضرت مصلح موعود سے جو انس و محبت تھی وہ کسی اور کیلئے فوراً کیسے پیدا ہوسکتی تھی تاہم تعزیت اور بیعت کا خط لکھتے ہوئے ناسمجھی اور بیوقوفی میں یہ لکھ دیا کہ میں آپ کو خلیفۃ المسیح الثالث تو تسلیم کرتا ہوں لیکن آپکو حضور نہیں کہوں گا۔ میرے حضور وہی تھے جن کے مجھ پر بیشمار احسانات ہیں ؎

میرے حضور میری آنکھوں کا نور تھے
وہ زندگی کا لطف تھے دل کا سرور تھے

یہ شعر لکھکر سپرد ڈاک کیا۔ چند دنوں کے بعد جو جواب آیا اسکو پڑھ کر شرمندگی اور پشیمانی سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا وہ جواب کیا تھا۔ عجز و انکسار اور خلوص و محبت کا دلوں کو ہلا دینے والا نمونہ۔ حضور نے لکھا۔

"آپ مجھے اپنا نوکر کہہ کر بھی پکار سکتے ہیں۔ میں تو اس جماعت کا ایک ادنیٰ خادم ہوں"۔

(سید بابر علی اکبر مولوی فاضل موضع ستیاں ضلع سیالکوٹ)

● خاکسار ۱۹۵۷ء تا ۱۹۵۹ء تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں زیر تعلیم رہا ہے ان دونوں خاکسار کو اعصابی دورے پڑتے تھے بعض لوگ اس کو مرگی کا دورہ بھی کہتے تھے۔ مہینہ میں کئی بار دورہ پڑتا تھا اور اکثر اوقات کئی کئی گھنٹے بیہوشی رہتی تھی۔ حضورؒ اس وقت کالج کے پرنسپل تھے۔ ایک دن خاکسار کو بہت ہی سخت قسم کا دورہ پڑا۔ کافی دیر تک ہوش نہیں آ رہا تھا۔ سارا فضل عمر ہوسٹل پریشان تھا آخر کار حضور کو کوٹھی پر اطلاع دی گئی کہ سعید احمد سعید ہوسٹل میں دورہ پڑنے سے بے ہوش ہوگیا ہے۔ حضور اسی وقت ہوسٹل میں تشریف لائے اور میری چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر کھڑے ہو کر اجتماعی لمبی دعا کی۔ جونہی حضورؒ نے دعا ختم کی خاکسار کو ہوش آ گیا۔ آنکھیں کھولیں تو عجیب نظارہ دیکھا کہ حضور محبت اور شفقت سے میرے پاؤں اور ٹانگیں دبا رہے تھے۔ میں نے حضورؒ سے درخواست کی کہ حضور مجھے شرمندہ نہ کریں آپ آرام فرمائیں اور گھر تشریف لے جائیں۔ حضور فوری طور پر مسکرائے اور فرمایا "میں نہیں جاتا" آج تم سگریٹ پی لو اجازت ہے۔ تم نے سگریٹ پینی ہوگی۔ خاکسار بہت شرمندہ ہوا اور حضورؒ کی دعاؤں کے طفیل سگریٹ نوشی ترک کردی اور اب اللہ کے فضل سے وہ بیماری ختم ہوگئی ہے اور اب میں روبصحت ہوں۔

(سعید احمد سعید چاہ بوہڑ والا ملتان چھاؤنی)

● خاکسار ۱۱ نومبر ۱۹۶۳ء کو احمدی ہوا اور ۹ اپریل ۱۹۶۵ء کو خاکسار کی شادی ہوئی۔ بارہ سال تک خاکسار کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تمام رشتہ دار غیر احمدی تھے اور مخالفت کرتے تھے۔ وہ تمام اور گاؤں والے بھی یہی کہتے کہ چونکہ یہ قادیانی ہوگیا

ہے لہٰذا یہ ابتر رہے گا۔ (نعوذ باللہ) خاکسار نے اس تمام عرصہ میں ہر قسم کا علاج کروایا لیکن اولاد نہ ہوئی، دوسری طرف میری بیوی بھی رشتہ داروں کے طعنے سنکر میری دوسری شادی کرنے پر رضامند ہو گئی۔

اس اثناء میں خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر درخواست دعا کی کہ خدا تعالیٰ اولاد سے نوازے۔ حضورؒ نے خط کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کریگا اور ضرور نرینہ اولاد سے نوازے گا۔ حضور کی اس دُعا کی برکت سے اب میرے چار لڑکے ہیں۔ تمام لوگ حیران ہیں کہ یہ اولاد کس طرح ہو گئی حالانکہ لیڈی ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ اس عورت سے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خاکسار اس کے جواب میں اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کو یہی کہتا ہے کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا زندہ نشان ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی دُعا کی برکت سے دیا۔

(میاں محمد اسلم آف کماس پتوکی۔ ضلع قصور)

● بہت سالوں کی بات ہے حضور لندن تشریف لائے۔ مَیں مکرم کمال صاحب نیشنل قائد خدام الاحمدیہ ڈنمارک کے ساتھ تھا تمام لوگ ملاقات کر رہے تھے حضور کرسی پر تشریف فرما تھے سامنے میز تھا۔ چائے کا بھی انتظام تھا اچانک ایک پاکستانی احمدی نے کمال صاحب سے کہا کہ آیئے حضور کے ساتھ بیٹھ کر چائے پئیں۔ اس دعوت پر مَیں بھی ساتھ ہی ہو لیا اور حضور کے پہلو میں جگہ مل گئی اس وقت میرا عجیب تاثر تھا اپنی شان و شوکت کو دیکھ کر کہ خلیفۂ وقت کے ساتھ بیٹھا ہوں اور سینکڑوں لوگ سامنے بیٹھے ہیں اسی اثناء میں حضورؒ نے کمال صاحب کے لیے چائے بنائی اور فرمایا کہ کتنی شوگر ڈالیں گے۔ دو ٹکڑے یا تین۔ ان کے منہ سے نکلا۔ یس سر! فرمایا۔ پانچ ڈالو گے؟ اس لمحے مَیں نے حضور کے چہرے کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے اس مسکراہٹ میں بہت پیار کا انداز تھا محبت تھی اور مَیں نے فوراً یہ سمجھ لیا کہ میں حضور کے بہت قریب ہوں اور کوئی دوری نہیں، کوئی حجاب نہیں۔ یہ تعلق افسر اور ماتحت جیسا نہیں بلکہ آقا اور غلام کا ہے جو محبت کی بنیادوں پر استوار ہے الحمد للہ وہ آنکھیں اور ان کی گہرائی سے پھوٹتا ہوا محبت کا سمندر مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ (منصور احمد مبشر مبلغ ڈنمارک)

● فروری ۱۹۸۲ء کا ایک حسین دن تھا جس کی پیاری یاد ساری زندگی میرے دل پر نقش رہے گی جسکو یاد کر کے عمر بھر ایک ناقابل بیان لذت، راحت اور سرور حاصل کرتا رہونگا۔

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ربوہ سے باہر تشریف لے جانے والے تھے خاکسار اپنی اہلیہ اور بچوں کے ہمراہ حضور کے دائیں جانب دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا۔ میری بچی قرۃ العین اس وقت میری گود میں تھی اور پسرم احمد بلال جس نے اس وقت بمشکل چلنا شروع کیا تھا حضورؒ کے قریب آیا اور آپ کے پیارے ہاتھوں کو چھونے لگا۔

حضور نے حضرت مسیح موعودؑ کی الیس اللہ بکاف عبدہ والی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی عزیزم کی اس طفلانہ حرکت پر پیارے آقا نے کمال شفقت و محبت سے اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف دلجوئی کی خاطر اور نیچے کر دیا اور تین مرتبہ فرمایا:

"برکت حاصل کر لو، برکت حاصل کر لو، برکت حاصل کر لو۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی انگوٹھی ہے۔"

مجھے یقینِ کامل ہے کہ ربِ دو جہاں اپنے پیارے بندے کے

منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے گا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی برکت سے اس بچہ کو بھی بہت سی برکات سے نوازے گا۔ انشاء اللہ۔ جس پیار اور شفقت سے حضور نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے وہ مجھے اپنی ساری زندگی کے سرمایہ سے زیادہ عزیز اور افضل ہیں اور میرے دل کی دولت ہیں جنکی یاد مجھے ہمیشہ کیف و سرور کی لذت سے ہمکنار کرتی رہے گی۔ (حیدر علی ظفر مبلغ مغربی جرمنی)

● ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ مجھے اسلام آباد سے ایک خط موصول ہوا کھولا تو دیکھا کہ حضور کا ہی خط ہے عبارت یوں تھی:

"امید ہے آپ بخیر ہونگے۔ کتاب "منہاج الطالبین" کے انگریزی ترجمے کو اشاعت کے لیے ٹائپ کرنا ہے آپ اس کام کے لیے کچھ وقت نکالیں اور ثواب میں شامل ہوں۔ مسودہ مکرم میاں محمد ابراہیم صاحب کے پاس ہے وہ آپ سے رابطہ کریں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کو فضلوں سے نوازے۔" آمین

والسلام

مرزا ناصر احمد

اس خط پر ۸۰/۲/۲۴ کی تاریخ ہے حضور کو علم تھا کہ میں اچھا ٹائپ کرتا ہوں اس لیے مجھ حقیر کو یاد فرمایا میں نے یہ مسودہ دو دن میں ٹائپ کر کے حضور کی خدمت میں پیش کر دیا اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضور نے اسے پسند فرمایا اور میری بڑی حوصلہ افزائی کی اسی طرح ۱۹۷۸ء میں حضور کے پاس امریکہ سے ایک کتاب آئی تو اسے پڑھ کر مجھے بلوایا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا یہ کتاب لے جاؤ اس کا فلاں باب ٹائپ کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا میں باہر جا رہا تھا تو پھر بلایا کہ کتنی دیر تک یہ مضمون مجھے مل جائیگا میں نے عرض کیا کہ جب حضور فرمائیں تو ارشاد فرمایا آج شام ۵ بجے تک۔ میں نے عرض کیا کہ ۵ بجے حضور کی خدمت میں یہ پیش کر دیا جائیگا۔ میں یہ مسودہ ۴ بجے کے قریب ٹائپ کر کے حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لے گیا۔ حضور خود باہر تشریف لائے اور فرمایا کیسے آئے ہو میں نے عرض کیا مضمون لایا ہوں۔ حضور بہت خوش ہوئے اور بڑی محبت سے فرمایا:

"جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اتنی جلدی تو مجھے امید نہیں تھی لیکن ضرورت بہت جلدی تھی۔"

غریب سے غریب دوست سے ملنا کبھی عار نہ سمجھا۔ ہمیشہ چہرہ پر مسکراہٹ ہی دیکھی۔ بعض اوقات محسوس کیا کہ کوئی غلطی ہو گئی ہے اور شاید اب حضور ناراض ہونگے لیکن ہمیشہ جب بھی خدمت عالی میں حاضر ہوا ہمیشہ محبت سے پیش آئے اور غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ اور ناراضگی کی بجائے محبت سے سمجھایا محبت سے اصلاح کی۔ میں نے محبت کے سوا کچھ نہ پایا۔ (احسن محمد خاں عارف کینیڈا)

● جب میرا نواں بیٹا پیدا ہوا (یعنی زندوں میں ساتواں) تو حسب سابق میرے والد محترم نے حضور کی خدمتِ اقدس میں اپنے پوتے کا نام تجویز کرنے اور دعا کے لیے خط لکھا تو بوجہ ڈاک کی خرابی یا کسی اور وجہ سے جب جواب میں زیادہ ہی تاخیر ہوئی تو خاکسار نے بھی ایک چٹھی حضور کی خدمت میں تحریر کر دی کہ حضور بچہ کا نام تجویز فرما دیں۔ میں نے یہی سمجھا کہ پہلی چٹھی جو میرے والد محترم نے تحریر کی تھی کہیں ضائع ہو گئی ہوگی۔ مگر خاکسار راقم الحروف کے چٹھی

تحریر کرنے کے بعد پہلی چٹھی کا جواب حضور کی طرف سے موصول ہوا کہ بچے کا نام حضور نے "شفقت احمد" رکھا ہے۔ اس کے بعد جو چٹھی میں نے لکھی تھی اس کا بھی جواب موصول ہوگیا کہ بچے کا نام "محمد ہارون" تجویز کیا گیا ہے (شائد حضور نے سمجھا ہوگا کہ الگ الگ بچے ہیں) خیر ہم لوگوں نے دونوں ناموں میں پہلا نام شفقت احمد رکھ لیا۔ کرنا خدا تعالیٰ کا ایسا ہوا کہ خلافتِ ثالثہ کے آخری زمانہ میں ہمارے ہاں ایک اور بچے کی امید ہوتی ہے تو حضورؒ وفات پا جاتے ہیں اور خلیفۃ المسیح الرابع کا عہد شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خاکسار کو ایک اور یعنی زندوں میں آٹھواں بیٹا عطا فرماتا ہے تو حسب معمول میرے والد محترم پوتے کا نام رکھنے کے لیے خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں تحریر کرتے ہیں اور ساتھ ہی عرض کرتے ہیں کہ حضور میرے تمام پوتوں کے نام "احمد" کے وزن پر ہیں۔ اس لیے آپ بچے کا نام "احمد" کے وزن پر تجویز فرمادیں۔ مگر حضور کی طرف سے جواب موصول ہوتا ہے کہ بچے کا نام "محمد ہارون" تجویز ہوا ہے۔ اللہ اللہ! یہ کیا واقعہ ہے کہ ایک زائد نام حضور خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کی بات پوری کرنے کے لیے ایک اور بچہ دیتا ہے اور پھر خلیفۂ وقت کی خدمت اقدس میں "احمد" کے وزن پر نام کے لیے عرض کیا جاتا ہے مگر حضور خود بخود "محمد ہارون" نام تجویز فرماتے ہیں۔ گویا کہ ایک بچے کا نام دو خلفاء نے رکھا بچے کے ناموں کے دونوں خطوط جو خلافتِ ثالثہ اور خلافتِ رابعہ کی طرف سے موصول ہوئے محفوظ ہیں۔ یہ تھا ایک واقعہ کہ حضورؒ کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پورا کیا۔

(چوہدری محمد سلمان اختر چک نمبر ۳۵ جنوبی ضلع سرگودھا)

میرے محبوب آقا سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ بہت ہی شفیق اور رحم دل تھے۔ ۱۹۶۵ء میں خاکسار بہت شدید بیمار ہوا۔ میرے دوست اور کلاس فیلو مکرم شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی نے حضور کی خدمت اقدس میں خاکسار کے لیے درخواستِ دعا کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ محمود کو کہیں ربوہ فوراً آجائیں دعا بھی ہوگی اور دوا بھی ہوگی۔ رہائش کا بندوبست بھی یہاں ہی ہوگا۔ مکرم شیخ مبارک محمود صاحب نے مجھے اطلاع دی تو خاکسار نے انہیں اطلاع دی کہ بھئی میں تو چلنے پھرنے سے بھی عاری ہوں پتہ نہیں انتخاب خلافت کے وقت کیسے پہنچا تھا۔ مکرم مبارک محمود صاحب نے حضور کی خدمت میں میری لاچاری کی اطلاع دی۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز اور عاجز انسان کو فوراً بذریعہ ڈاک دوا بھجوائی اور حضور نے دعا بھی کی۔

محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور دعاؤں کے طفیل میں صحت یاب ہوگیا حقیقتاً خاکسار کو تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اب زندگی ختم ہوا چاہتی ہے

(محمود احمد بشیر۔ چوک فوارہ شہید روڈ جھنگ صدر)

خاکسار کو ۲۵/۳/۸ سے ۱۰/۱۲/۷۹ تک صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں بطور نگران تعمیرات کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس عرصہ میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقاتوں کے چند واقعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ قصر خلافت گیسٹ ہاؤس کے سامنے والے حصہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو حضور نے میری ڈیوٹی لگائی کہ ہر روز نماز عصر کے بعد مجھے رپورٹ دیا کرو۔ اس عرصہ میں خاکسار تعمیر کے کام کی رپورٹ دیتا رہا۔ حضور خود بھی آکر تعمیر کے کام کو دیکھتے تھے اور ہدایات دیتے رہتے تھے۔ نقشہ میں پہلے ڈرائنگ روم کے آگے ایک برآمدہ تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بھی ڈرائنگ روم میں شامل کرلیں اور درمیانی دیوار کی جگہ پر محرابیں بنا دیں محراب بنانے کے لیے حضور نے چوہدری عبداللطیف صاحب اور سیئر مسجد نبوی کی فوٹو دی اور ارشاد فرمایا کہ اس طرح کی محرابیں بنائیں محراب کی گولائی فرش سے تقریباً ۴ فٹ اونچائی سے شروع ہوتی تھی چوہدری صاحب کہنے لگے کہ حضور یہ اونچائی تو تھوڑی ہو گی۔ حضور نے نے جواب میں فرمایا کہ اب کون سے مولانا احمد خاں نسیم صاحب ہیں جس کا سر اسے لگے گا۔

۲۔ اسی عمارت کے کچن کی فٹنگ کے بارے میں میں اور چوہدری صاحب حضور کے پاس ہدایات کے لیے گئے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ کل بیگم صاحبہ موقع پر آکر بتائیں گی۔ اس کا تعلق ان ہی سے ہے۔ اگلے روز حضور اور حضرت بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب تشریف لائے۔ بیگم صاحبہ کی ہدایات کے مطابق میں نے اور چوہدری صاحب نے نشانات لگوائے اور اس کے مطابق فٹنگ کروائی۔

عمارت کے معائنہ کے بعد جب حضور باہر تشریف لائے تو مرزا منصور احمد صاحب فرمانے لگے کہ میں اپنی پھوپھی جان کے گھر گیا تو میں نے کوٹھی کے باہر بنے ہوئے پورچ کو دیکھا۔ وہ تین انچ نیچے جھک گیا تھا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے اس کے نیچے سپورٹ دے دی ہے اب مزید نہیں جھکا۔ اس پر حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا "ان کا مطلب ہے کہ ابھی اس نے رکوع کیا ہے سجدہ نہیں کیا"

۳۔ حضور نے اپنی زمینوں پر موروں کے بچوں کا ایک جوڑا رکھنے کے لیے خاکسار کو ہدایت کی کہ ایک کمرہ بنائیں اور اس کے آگے صحن بھی جس کے گرد جالی لگی ہوئی ہو۔ جالی کے جوڑ پر مضبوطی کے لیے میں نے وائرنگ والے لکڑی کے بچے ہوئے چند ٹکڑے سٹور سے لے کر لگوا دیئے۔ حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ ناظم جائیداد سے کہو کہ وہ مجھ سے ان ٹکڑوں کے پیسے لے لیں (حالانکہ یہ ٹکڑے صرف جلانے کے ہی کام آسکتے تھے اور نہایت معمولی قیمت بنتی تھی) لیکن حضور نے یہ ٹکڑے بھی بغیر قیمت کے لینے سے انکار کر دیا۔

(محمود احمد انسٹرکٹر۔ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی۔ رسول)

راقم الحروف حضور کے ادنیٰ غلام کو حضور سے واقفیت اور شرف راہ و رسم ۱۹۲۷ء سے تھا جب یہ عاجز مدرسہ احمدیہ قادیان کا ایک طالب علم تھا اور حضور مولوی فاضل کلاس میں تھے اسی سال سیدنا حضرت مصلح موعود رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مدرسہ احمدیہ میں مکرم چوہدری عبدالواحد احمد صاحب سکاوٹ ماسٹر سابق ایڈیٹر ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر کشمیر نے بوائے سکاوٹ موومنٹ جاری فرمایا جس میں مدرسہ احمدیہ کے تمام طلبہ کی شرکت لازمی تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذہانت اور قابلیت اچھی صحت اور جاذب و ہر دلعزیز شخصیت اور ان میں نوجوانوں کی قیادت وتنظیم کی نمایاں صلاحیت کی وجہ سے آپ مکرم سکاوٹ ماسٹر صاحب کی تجویز پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی طرف سے مدرسہ کے تمام سکاؤٹس کے ٹروپ لیڈر بنا دیئے گئے جس کے بعد تین چار نائبین بھی ان کے منتخب ہو گئے اور مدرسہ کے تمام سکاوٹس چار سیکشنوں میں تقسیم کر

دیئے گئے جن کے نگرانِ اعلیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب تھے۔

بوائے سکاؤٹ موومنٹ کی قیادت

ظاہر ہے کہ سکاؤٹس موومنٹ ایک یورپین موومنٹ ہے۔ جس کا مقصد ہے نوجوانوں میں ذہانت محنت جفاکشی صحت کی حفاظت و ترقی اور خدمتِ خلق کا بے لوث جذبہ پیدا کرنا ہے اور اس کے اصول و قواعد مذہب سے نہیں ٹکراتے۔ چنانچہ مکرم چوہدری عبدالواحد صاحب مرحوم کی راہنمائی اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی قیادت میں مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس نے جلد ہی اس حد تک ترقی کر لی کہ اس موومنٹ کے بعض یورپین افسران بھی معائنہ کے لیے وقتاً فوقتاً قادیان آکر احمدی سکاؤٹس کو خراجِ تحسین ادا کرتے رہے۔ تاہم اڑھائی تین سال کے بعد غالباً حضرت صاحبزادہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مدرسہ احمدیہ اور جامعہ سے فراغت اور قادیان سے باہر اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ میں یہ موومنٹ جاری نہ رہ سکا۔ لیکن جتنا عرصہ جاری رہا قادیان کے احمدی نوجوانوں میں بیداری، چستی اور خدمتِ خلق کے جذبہ کو نمایاں کر گیا چنانچہ مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس کی کامیاب مصروفیات اور افادیت اور نمایاں ترقی کے پیشِ نظر تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بھی اسے جاری کر دیا گیا تھا مگر بعد میں جب مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تو ظاہر ہے کہ خدام الاحمدیہ جیسی ہمہ گیر اور اعلیٰ تنظیم کی موجودگی میں نوجوانوں کے لیے کسی اور تنظیم کی ضرورت ہی نہ رہ گئی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس مختلف اوقات میں قادیان سے پیدل سٹھیالی اور ننگلے وغیرہ کی نہروں اور دریائے بیاس پر جا کر کئی کئی روز کیمپ لگاتے رہے جس کے دوران تیراکی کے مظاہروں اور مشق کے علاوہ ارد گرد کے جنگلوں میں اور بھی کئی قسم کے ذہنی اور ورزشی مقابلے اور دینی اور تربیتی پروگراموں پر عمل کیا جاتا رہا۔ ایسے مواقع پر ہر سکاؤٹ کے لیے اپنی یونیفارم میں ہونا ضروری ہونے کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اکثر اوقات یونیفارم پہنے رکھتے تھے لیکن لباس کے بارے میں آپکو اسلامی روایات، حیاداری اور مردانہ ستر کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ آپ کی یونیفارم کی نیکر ہمیشہ اتنی لمبی ہوتی تھی کہ آپ کے گھٹنے نظر نہیں آتے تھے حالانکہ عام طور پر نیکر گھٹنوں سے ایک دو انچ اوپر ہی رکھنے کا رواج تھا اور آپ اس امر کو محض اس لیے ملحوظ خاطر رکھتے تھے کہ اسلام میں ناف سے گھٹنوں تک مرد کے جسم کو ستر قرار دیا گیا ہے جس کا دوسروں کے سامنے ننگا کرنا یا ننگا رکھنا جائز نہیں۔

ایک رات میں جلسہ گاہ وسیع کردی گئی

اگرچہ مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے احمدی بوائے سکاؤٹس کو اس محدود زمانہ میں رفاہِ عامہ اور خدمتِ خلق کے سلسلہ میں قادیان میں لاتعداد خدمات بجا لانے کی توفیق ملی۔ مگر ان سب سے اہم ترین کارنامہ اور نمایاں خدمت ۱۹۲۷ء کے جلسہ سالانہ کی جلسہ گاہ کو ایک رات کے اندر صبح ہونے سے پہلے پہلے فوری ضرورت کے پیشِ نظر تین اطراف سے وسیع کرنا تھا۔ یہ نہایت اہم کام اور عظیم اجتماعی وقارِ عمل مدرسہ احمدیہ کے تمام بوائے سکاؤٹس نے سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں اس جوش و جذبہ اور جانفشانی اور اخلاص سے انجام دیا کہ جلسہ کے دوسرے روز کی تقریر میں سیدنا حضرت مصلح موعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے خوشنودی

کا اظہار فرماتے ہوئے مدرسہ احمدیہ کے تمام بوائے سکاؤٹس اور دیگر سب منتظمین کے لیے خاص دعا فرمائی اور جلسہ سالانہ کے اختتام پر حضور مصلح موعود ہی کے ارشاد پر افسر جلسہ سالانہ حضرت سید میر محمد اسحاق صاحب کی طرف سے یادگار کے طور پر ہر ایک کو نقرئی تمغات سے نوازا گیا۔

مجھے اب بھی یاد ہے اور وہ نظارہ میرے سامنے ہے جبکہ گیس لیمپوں کی روشنی میں ہمارے ٹروپ لیڈر اور قائد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑی تیزی اور تندھی سے اپنے جملہ ساتھی سکاؤٹس کے ساتھ شہتیریاں اٹھا اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ رہے تھے اور کبھی گارا اپنے کندھے پر اٹھا کر لاتے اور خالی کر کے دوبارہ لانے کے لیے لے جاتے تھے۔ اور یوں یہ سلسلہ تمام رات جاری رہا یہاں تک کہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے صبح کی اذان تک جلسہ گاہ ہر طرف سے سیدنا حضرت مصلح موعود کی خواہش کے مطابق وسیع کر کے سب گیلریاں دوبارہ صحیح طور پر بنا دی گئیں۔

چنانچہ "الفضل" میں مندرجہ بالا وقائع کی خبر مندرجہ ذیل کے الفاظ میں دی گئی۔

"مہمانوں کی غیر معمولی کثرت اور اژدحام اس سال جلسہ کی ایک خاص خصوصیت تھی۔ حاضرین کا ہجوم اس قدر تھا کہ تیار کردہ جلسہ گاہ ناکافی ثابت ہوئی اور خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کے وقت اس قدر کثرت تھی کہ لوگ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے جلسہ گاہ سے باہر کھڑے رہے۔ اس پر حضور نے اظہارِ افسوس فرماتے ہوئے ذمہ دار کارکنوں کو توجہ دلائی اور منتظمین نے اس قدر ہمت اور کوشش سے کام لیا کہ ۲۷ دسمبر کی کارروائی ختم ہوتے ہی راتوں رات جلسہ گاہ کو پہلے سے بہت وسیع کر دیا اور صبح جلسہ گاہ میں جانے والوں کو وہ بہت فراخ نظر آئی اور اس پر حضرت اقدس نے نہایت خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے دعا فرمائی۔ جلسہ گاہ کی تیاری میں ساری رات مدرسہ احمدیہ کے طلباء اور دیگر اصحاب مصروف رہے۔ طلبہ نے شہتیریاں اٹھا اٹھا کر لانے میں اور گارا بہم پہنچانے میں بڑی تندھی اور توجہ اور محنت سے کام کیا ان کام کرنے والوں میں صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ابن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی تھے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی عمر میں برکت دے" (الفضل ۳ جنوری ۱۹۲۷ء)

اسی طرح الفضل مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۲۷ء میں لکھا ہے :-

"۲۲ جنوری کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ٹورنامنٹ کے اختتام پر بھی جلسہ تقسیم انعامات میں شامل ہوئے اور اس جلسہ میں حضور نے مدرسہ احمدیہ کے سکاؤٹس کو اپنے ہاتھ سے میڈل لگائے جو ناظر صاحب ضیافت اور افسر جلسہ سالانہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی طرف سے سالانہ جلسہ کے موقع پر راتوں رات جلسہ گاہ کو وسیع بنانے کی وجہ سے دیئے گئے تھے :-

(محمد صدیق امرتسری سابق مبلغ مغربی افریقہ)

شفقت کے دو نمونے

امداد غرباء: جماعت راولپنڈی کے ساتھ دو شفقت کے نمونے فرمائے:۔

(ا) غرباء کی امداد اپنوں میں فرمایا ہی کرتے تھے۔ غیر از جماعت غرباء کا بھی بہت خیال رکھتے تھے ایک مرتبہ مجھے فرمایا چند غیر از جماعت خاندان چن لو ہر ہفتہ انکو سامان خورد نی اشیاء مثلاً: آٹا دال، مصالحہ جات، سبزی کے دام پہنچایا کرو۔ ہاں صابن ضرور دینا تا وہ اپنے کپڑے دھو کر صاف ستھرے نظر آویں۔ تلاش پر ہم کو آٹھ دس گھر ایسے مل گئے تعمیلِ ارشاد میں ہم ان لوگوں کو ہفتہ واری راشن وغیرہ پہنچاتے رہے۔ حضور وقتاً فوقتاً مجھ سے اس کام کی رپورٹ بھی طلب فرمالیا کرتے تھے۔ فرمایا اس کا نام "عوامی کلب" رکھ لو۔ اور ایک روز مجھے اپنی جیب خاص سے ۵۰/۰ R عنایت فرمائے کہ یہ میرا چندہ اس مد میں ڈال لو۔ یہ انتظام کوئی پونے دو سال جاری رہا۔ جو بہت مفید ثابت ہوا۔

(اا)۔ ایک مرتبہ اسلام آباد میں حضور سے احبابِ جماعت کی ملاقات تھی خاکسار بھی حاضرِ خدمت تھا۔ جب فارغ ہو گئے تو جو رقم نذرانہ کی پیش ہوئی وہ سب کی سب مجھ کو دیکر فرمایا راولپنڈی اور اسلام آباد آپس میں نصف نصف بانٹ لے اور اپنے غرباء کو تقسیم کر دے

اشاعتِ قرآن حضور کی توجہ اشاعتِ قرآن کی طرف خاص طور پر تھی چنانچہ پنڈی کے ساتھ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور نے ۳ مربیان دو ہفتہ کے لئے عطا فرما دیئے اور ان کے سپرد کام یہ مقرر کیا گیا کہ وہ ضلع کے گاؤں گاؤں میں جاویں اور کم از کم ایک ایک نسخہ قرآن مجید کا وہاں کسی نیک آدمی کے سپرد کرتے رہیں۔ ان مربیان نے نہایت عمدگی سے اس حکم کی تعمیل کی۔

علاوہ ازیں بڑے بڑے ہوٹلوں کے ہر کمرہ میں قرآن مجید رکھوانے کا منصوبہ بھی بہت کامیابی کے ساتھ مختلف جماعتوں نے سرانجام دیا۔

بے تکلّفی حضور اکثر فرمایا کرتے تھے مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْن اور واقعی حضور کی زندگی تکلف سے پاک تھی، اور اس ارشاد کا عملی نمونہ اکثر دیکھنے میں آتا۔ گرمیوں کے موسم میں حضور مری یا ایبٹ آباد تشریف لایا کرتے تھے پورچن ریسٹ ہاؤس حضور کو بہت پسند تھا۔ اس میں وسیع لان بھی تھا۔ لوگوں آمد و رفت بھی کم ہوا کرتی تھی۔ میں اور چوہدری منور احمد صاحب قریباً روزانہ ہی پنڈی وہاں حاضرِ خدمت ہوا کرتے تھے وہاں پنڈی کی مجلس عاملہ کا اجلاس بھی بلایا جماعتی کاموں کا جائزہ لیا اور ہدایات سے نوازا۔

ایک روز خاکسار وہاں ایسے وقت حاضر ہوا کہ کھانے کا وقت جلد ہو گیا۔ میں اپنا پرہیزی کھانا ہمراہ لے گیا تھا۔ حضور کو اسکا علم ہوا فرمایا آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ میں حاضر ہوا حضور نے نہایت شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا صاحبزادگان میز کے اردگرد کھڑے تھے اپنا کھانا نہایت محبت سے مجھے کھلایا اور فرمایا لاؤ تمہارا کھانا کدھر ہے اسے بھی چکھا اور شفقت سے محو گفتگو بھی رہے۔

پھر ایک دفعہ کسی دورے سے واپسی ربوہ تھی مجھے بھی کسی میٹنگ میں شمولیت کے لیے آنا تھا۔ فرمایا ہمارے ساتھ ہی کار میں چلے چلو۔ لیکن ساتھ "دوپڑ" اور اچار لیتے چلنا تعمیلِ ارشاد کی گئی راستہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب کے ساتھ اچار کے ساتھ ناشتہ کیا۔ حضور کو اچار پسند تھا۔ آپ بے تکلفی کا عجیب منظر تھا۔

جب مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے صدر تھے ۔ حضور کے پنڈی آنے پر آپ کے اعزاز میں جماعت نے دعوت دی جو مسجد نور کی چھت پر تھی تقریباً تین سو افراد شمولیت کی سعادت حاصل کر رہے تھے ۔ تنظیم نے اپنے اخلاص کے ماتحت دیگ کے اوپر والا عمدہ سالن پیش گیا جس میں مرچ کسی قدر زیادہ ہی تھی ۔ آپ نے ایک ہی لقمہ کے بعد روٹی روکھی کھالی ۔ پشاور جاتے ہوئے خاکسار بھی ساتھ تھا اور زیادتی مرچ کی غلطی کی وجہ سے راستہ میں حضور کے مزاح کا نشانہ بنا رہا ۔ دراصل ہمارے منتظم کو معلوم ہی نہ تھا کہ حضور مرچ کا استعمال کم کرتے ہیں مَیں نے یہ احتیاط کی کہ پشاور کی جماعتوں کے ہر میزبان کو پہلے سے ہی بتا دیا تھا اور وہ ایسا سالن آپ کے لیے تیار کروا دیتے جس میں مرچ کم ہو ۔ چنانچہ پشاور سے واپسی پر ایک الوداعی دعوت مسجد نور کی گیلری میں ہوئی تو علیحدہ ڈش جس میں کم مرچ والا سالن تھا میز کے ایک کونے میں رکھا تھا تو مَیں نے خاموشی سے عرض کی کہ فلاں ڈش آپ کے لیے ہے حضور نے اسے استعمال فرمایا ۔ اور ہم نے آئندہ اس بات کو مدنظر رکھا ۔ بہرصورت یہ ایک بے تکلفی کی بات تھی ۔

غرض کہ کچھ واقعات تو حضور کو جماعت احمدیہ کی قیادت کے اور رفیع الشان منصب پر فائز ہونے کے بعد کے ہیں اور کچھ پہلے کے آپ دین کے ناصر اور اسلام کی خدمت پر ہمیشہ کمربستہ رہے دعا ہے اللہ تعالیٰ حضور کو اپنے خاص فضل سے اپنے بلند ترین درجات سے نوازے اور آپ کی پاک روح پر تا ابد اپنی رحمتیں نازل کرتا رہے اور ہر آن آپ کے درجات میں اضافہ کرتا چلا جائے ۔

اللّٰھم آمین ۔

(احمد جان ۔ امیر ضلع راولپنڈی)

"حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فروری مارچ ۱۹۸۰ء میں کراچی تشریف لائے اور تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا اس دوران کراچی ریس کورس میں ایک نمائشی پولو میچ بھی منعقد ہوا جس میں غالباً کراچی پولو کلب اور پولیس کی ٹیموں نے حصہ لیا ۔ حضور پُرنور اس میچ میں مہمانِ خصوصی تھے ۔ میچ کے اختتام پر چائے نوش فرماتے ہوئے حضور احباب سے گفتگو بھی فرماتے جا رہے تھے ۔ مکرم کرنل نصر اللہ خان صاحب جو کہ پولو کے ایک اچھے کھلاڑی ہیں مختلف کھلاڑیوں اور دیگر غیر از جماعت دوستوں کو حضور سے تعارف کے لیے لائے تھے ۔ تاکہ وہ حضور کے پُر معارف کلمات سے مستفید ہوں دورانِ گفتگو کسی بات کے ضمن میں حضور نے فرمایا ۔

"مَیں نے زندگی میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہیں مانگا"

یہ جملہ اس طرح سے میرے دل میں پیوست ہو گیا کہ آج بھی دماغ میں بالکل تازہ ہے ۔

(محمود احمد اشرف گارڈن ایسٹ نیو ٹاؤن کراچی)

یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا ہے کہ ہم کئی عورتیں حویلی مرزا سلطان احمد صاحب میں محصور تھیں پردہ کا کوئی خیال نہیں تھا ۔ بہت سی عورتیں دیہات کی تھیں ۔ بعض بالکل بوسیدہ کپڑوں میں تھیں ۔ مَیں نے دیکھا کہ حضرت صاحب آئے اور ایک میز پر دو تین بڑے بڑے لوہے کے سیاہ رنگ کے ٹرنک رکھ دیئے اور قفل توڑ کر سب عورتوں میں نہایت قیمتی اور گوٹے والے کپڑے تقسیم کرنے لگ پڑے مَیں بھی پاس ہی گھونگٹ نکالے بیٹھی ہوئی تھی ۔ ایک عورت نے مجھ کو کہا تم بھی

میاں صاحب سے کپڑے لے لو۔ چنانچہ مجھ کو ایک ساڑھی اور ایک تکیہ کا غلاف جو سُرخ رنگ کا تھا حاشیہ زرد رنگ کا تھا اور نیچے گوٹے کا کام کیا ہوا ملا۔ ساڑھی کو تو مَیں دوپٹہ بنا کر اپنے استعمال میں لے آئی تکیہ کا غلاف مَیں نے اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے رکھ لیا۔ کیونکہ اس پر گوٹے کے کام کے نہایت نفیس پھول بنے ہوئے تھے۔ افسوس کہ ۱۹۵۳ء میں ہی میرے مکان کو جب نقصان پہنچا گیا تو جس طرح باقی کپڑے جلائے گئے یہ قیمتی تحفہ بھی ساتھ جلا دیا گیا۔ اپنے کپڑوں کا اتنا افسوس نہ تھا جتنا ان کپڑوں کا افسوس ہوا۔

(اہلیہ ہدایت اللہ کارکن ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

---

۱۹ رجون ۱۹۷۶ء کا واقعہ ہے کہ مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خانصاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے خاکسار کو ایک خط حضور کے نام کا دے کر ربوہ بھجوایا۔ حضور سے ملاقات ہوئی اس کے بعد عرض کیا کہ حضور خاکسار کے ہاں بچہ کی پیدائش متوقع ہے آپ یورپ، امریکہ کے سفر پر جا رہے ہیں خاکسار کو نام رکھ دیں۔ جس پر حضور نے فرمایا' لکھ کر لائے ہو عرض کی جی حضور فرمایا مجھے دو جب خاکسار نے کاغذ دیا تو آنکھ جھپکتے ہی حضور نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا۔

"عطاء القدوس مبارک ہو ناصر احمد"

اس کے بعد خاکسار واپس لاہور آ گیا۔ حضور دورہ پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ٹھیک ۳ ماہ ۱۹ دن کے بعد ۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے لڑکا عطا فرمایا اور پھر نام کے لحاظ سے وہ پیدا بھی جمعہ کو ہی ہوا۔ یہ حضور کی قوتِ قدسی تھی اور ہمارے گھر میں ایک نشان ملا۔ یہ بچہ اس وقت دوسری کلاس میں پڑھتا ہے اور ماشاء اللہ ۶½ سال کا ہو گیا ہے۔ الحمد للہ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسکو علم معرفت سے نوازے اور خادم دین بنائے آمین۔

خاکسار کی منگنی ستمبر ۱۹۷۱ء میں ہوئی حضور رحمہ اللہ تعالیٰ ان دنوں اسلام آباد میں تشریف فرما تھے خاکسار وہاں گیا عرض کی کہ حضور میری منگنی ہو گئی ہے فرمایا کہاں ہوئی عرض کیا مکرم عبدالحق صاحب کی بیٹی سے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور شادی کیلئے روپے وغیرہ کی ضرورت ہے دعا کی التجا ہے فرمایا تمہیں روپے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر فرمایا:۔

" اللہ تعالیٰ فضل کرے گا "

یہ مبارک الفاظ اس قدر شان سے پورے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ ہوا یوں کہ ہم نے ۵ ر دسمبر ۱۹۷۱ء شادی کی تاریخ مقرر کی اور اس کی اطلاع تمام عزیز و اقارب کو کر دی مگر ۳ ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاک و ہند کی جنگ شروع ہو گئی جس کی وجہ سے ہمارے ہاں کوئی عزیز رشتہ دار نہ آیا۔ ہم نے شادی ملتوی کرنے کا پروگرام بنایا مگر سسرال والے نہ مانے اور اس طرح سے سادگی سے بہت کامیابی کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے شادی ہو گئی۔ اخراجات کی ضرورت نہ صرف ختم ہوئی بلکہ ہر قسم کی مشکل، پریشانی سے بھی نجات حاصل ہو گئی۔ جو سراسر حضور کی دعاؤں کا ثمرہ تھا ورنہ

؎ من آنم کہ من دانم

والا معاملہ ہے اس کے بعد جنوری ۱۹۷۲ء میں حضور سے ملنے گیا تو فرمایا۔ تمہاری شادی ہو گئی عرض کی جی حضور اور پھر کثیر رقم خاکسار کو بطور تحفہ شادی دی جو کہ اپنے خادم کے ساتھ پیار اور شفقت کا سلوک تھا۔ نیز اپنی تیار کروائی ہوئی ہوئی دوائی MOB 16 مابل کی شیشی بھی عطا فرمائی۔

(عبدالمالک نمائندہ خالد، تشحیذ لاہور)

"ترے حسن کے جلوے بے پایاں اِک حسن کا جلوہ روز دکھا"

(اوپر والا مصرعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما کر اس پر طبع آزمائی کی ہدایت فرمائی)

(مکرم آفتاب احمد بسمل کراچی)

اے منبعِ فیض و جُود و عطا تو لطف و کرم میں ہے یکتا
سُنتا ہے تو ہر مضطر کی دعا کر فضل تو ہم پر اے مولا
ہم عاجز و بیکس بندے ہیں تو قادر و طاقتور آقا
گرتوں کو سہارا دے مولا۔ جُز تیرے بھلا ہے کون اپنا
خورشید و قمر میں تیری ضیا تو برگ و ثمر میں جلوہ نما
ہر پھول میں تیری خوشبو ہے ہر حسن میں پنہاں تیری ادا
ہر نور میں تیرا نور نہاں۔ ہر حسن سے تیرا حسن عیاں
"ترے حسن کے جلوے بے پایاں اِک حسن کا جلوہ روز دکھا"
ہر دل میں تمنا ہے تیری۔ ہر روح کی تیری یاد غذا
نس نس میں ہے مثلِ خون رواں نظروں سے ہے گرچہ پوشیدہ
ہے نام ترا ہی وردِ زباں کرتے ہیں تری ہی حمد و ثنا
"ترے حسن کے جلوے بے پایاں اِک حسن کا جلوہ روز دکھا"
قدموں میں ترے ہم آ بیٹھے در پر ہیں دھونی رما بیٹھے
اب چھوڑ کے یہ در جائیں کہاں ہم تو ہی بتا دے اے آقا
منظور ہے ہم کو تیری خوشی مرضی نہیں کوئی اب اپنی
بندے ہیں ترے۔ ہر حالت میں راضی برضا ہیں اے مولا
وعدہ ہے ترا۔ سب دینوں پر اسلام ہی غالب آئے گا
اے سچے وعدوں والے خدا اسلام کا غلبہ ہم کو دکھا
توفیق دے ہم کو چار طرف اسلام کا پرچم لہرائیں
توحید ہو قائم دنیا میں ہر لب پہ ہو جاری صلِّ علیٰ

مرضیٔ مولا بہرحال ہے اولیٰ یارو

مکرم آفتاب احمد بسمل کراچی

میرا محبوب مری جان سے پیارا آقا　　میرا محسن ۔ میرا ملجا ۔ مرا ماویٰ آقا
اپنے مولا کا بڑا پیارا تھا میرا آقا　　اس لیے ہو گیا اللہ کو پیارا آقا

دل گرفتہ ہیں جگر سوختہ رنجور ہیں ہم
اِنّا للہ مگر کہنے پہ مجبور ہیں ہم

رحلتِ آقا کی جیسے ہی خبر مَیں نے سنی　　دم بخود رہ گیا مَیں ۔ ہو گیا سکتہ طاری
کیا غضب ہو گیا ! یہ کیسی قیامت ٹوٹی　　سوچ بھی سکتے نہ تھے ایسی گھڑی آئے گی

یا الٰہی ہمیں برداشت کی طاقت دے دے
آزمائش ہے کڑی ۔ صبر کی ہمت دے دے

کس قدر روئے ہیں ہم ۔ مانگیں دعائیں کتنی　　اپنے آقا کے لیے ہر دنیوی تدبیر بھی کی
پر خدا کی تھی مشیت ۔ نہ کوئی بات بنی　　کام آئی نہ دعا اور نہ دوا راس آئی

مرضیٔ مولا بہرحال ہے اولیٰ یارو
بات سچی ہے یہی ۔ ہے وہی مولا پیارو

عاشقِ ختمِ رُسلؐ ۔ نافلۂ مہدیؑ پاک　　تھی غذا جس کی ثنا خوانیٔ شاہِ لولاکؐ
وہ کہ یکتائے زمانہ تھا جو زیرِ افلاک　　آہ وہ گردوں مقام آج ہے سویا تہ خاک

ہم غریبوں کو نہیں بات کا یارا کوئی
اور تقدیر کے آگے نہیں چارا کوئی

قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثالث ! رخصت　　آپ کی روح پہ نازل ہو خدا کی رحمت
نقش دل پر رہے گی آپ کی پیاری صورت　　وہ دل آویز تبسم ۔ وہ نگاہِ شفقت

ہو گئے آپ تو آرام سے فردوس مکیں
ہم مگر جائیں کہاں ؟ تنگ ہوئی ہم پہ زمیں

(مندرجہ بالا اشعار ۹ رجون ۱۹۸۲ء کو حضور کے وصال کی خبر سنکر ارتجالاً کہے گئے)

فِی ذِکْرٰی اِمَامِنَا الْفَقِیْدِ وَتَجْدِیْدِ الْعَهْدِ لِلْاِمَامِ الْجَدِیْدِ

قَضَی النَّحْبَ نَاصِرُ فَوَلّٰی حَبِیْبُنَا — فَجُعِنَا بِهٖ بَعِیْدُنَا وَ قَرِیْبُنَا

ہمارے پیارے امام ناصر اپنا مشن پورا کر کے وفات پا گئے — ہم قریب اور دُور و دراز رہنے والوں سب کو شدید دُکھ ہُوا

فَتَبْکِیْ عُیُوْنُنَا وَ لٰکِنْ نَّقُوْلُ مَا — بِهٖ اللّٰهُ یَرْضٰی کَهْفُنَا وَ حَفِیْظُنَا

پس ہماری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں لیکن ہم مُنہ سے وہی بولیں گے — جس سے ہمارا خدا خوش ہو جو کہ ہمارا ملجاء و محافظ ہے

فَکَانَ لِدِیْنِ اللّٰهِ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا — فَسَمَّاهُ نَاصِرَ الدِّیْنِ حَسِیْبُنَا

آپ دینِ اسلام کے لئے زبردست نصرت کا باعث تھے — اسی لئے ہمارے نگہبان خدا نے آپ کا نام "ناصرِ دین" رکھا

فَکَمْ مَرَّةً فِی الشَّرْقِ وَ الْغَرْبِ سَافَرَا — لِاِعْلَاءِ دِیْنِ الْمُصْطَفٰیؐ ذَا حَبِیْبُنَا

ہمارے اِس حبیب نے مشرق و مغرب کے متعدد سفر کئے — تاکہ دینِ محمد مصطفےٰؐ کو سربلندی حاصل ہو

تَعَدّٰی اَمَامَ الْکُفْرِ وَ الشِّرْکِ بِالْقُرْاٰ — نِ حَتّٰی تَبَدَّدَا فَفَازَ لَبِیْبُنَا

آپ نے کفر و شرک کو قرآن کریم کے ذریعہ چیلنج کیا — لیکن وہ دونوں مُنتشر ہو گئے اور میدان ہمارے زیرک امام کے ہاتھ رہا

بِنِعْمَةِ رَبِّنَا اَقَامَ بِاَنْدُلُسْ — وَ شَیَّدَ مَسْجِدًا جَدِیْدًا نَقِیْبُنَا

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سپین میں — اِسلام کے اِس منادی نے عظیم الشان مسجد نئے سرے سے تعمیر کی

فَنَدْعُوْ لَهٗ خَیْرَ الْجَزَاءِ مِنَ اللّٰهِ — فَیُدْخَلَ فِیْ اَعْلٰی مَقَامٍ نَجِیْبُنَا

ہم آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بہترین جزاء کی دعا کرتے ہیں — کہ ہمارے نجیب الطرفین امام کو اعلیٰ علیین میں داخل کیا جائے

وَنَسْأَلُ لِلْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ رَحْمَةً وَحِفْظًا مِنَ الْاٰفَاتِ فِيْمَا يُرِيْبُنَا

ہم آپ کے اہل وعیال کے لئے رحمت طلب کرتے ہیں اور سب پریشان کُن آفات سے حفاظتِ الٰہی کے طلبگار ہیں

وَنَحْمَدُ رَبَّنَا عَلٰى نِعْمَةٍ اَعْطٰى بِصُوْرَةِ طَاهِرٍ فَنِعْمَ نَصِيْبُنَا

اور ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اُس نعمت پر ثنا خواں ہیں جو اُس نے طاہر (ایدہ اللہ) کی صورت میں دی پس ہم کس قدر خوش نصیب ہیں!

سُرِرْنَا وَبِالنَّشَاطِ وَالْاِرْتِيَاحِ قَدْ وَثَبْنَا وَبِالْهُتَافِ سُرَّ كَئِيْبُنَا

ہم خوش ہو گئے اور مسرت و شادمانی سے ہم اُچھل پڑے اور ہم میں سے ہر افسردہ شخص خوشی سے نعرے لگانے لگا

فَبَدَّلَ خَوْفَنَا بِاَمْنٍ خِلَافَةٌ مِنَ اللّٰهِ، فَاللّٰهُ الرَّءُوْفُ مُجِيْبُنَا

اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ خلافت نے ہمارے خوف کو امن سے بدل دیا۔ وہ مہربان خدا ہماری دعائیں قبول کرنیوالا ہے

فَيَا رَبِّ اَيِّدْ طَاهِرًا ابْنَ مَرْيَمًا[1] بِنَصْرٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْتَ تُجِيْبُنَا

اے رب! تُو "ابنِ مریم" طاہر (ایدہ اللہ) کی آسمان سے تائید و نصرت فرما۔ تُو ہی ہماری تضرعات کا جواب دیتا ہے

وَكُنْ مَعَهٗ فِيْ كُلِّ شَاْنٍ بِرَحْمَةٍ وَصِرْ حِرْزَنَا فِيْ كُلِّ هَمٍّ يُصِيْبُنَا

آپ کے ہر کام میں تیری رحمت شاملِ حال رہے اور ہمارے ہر ابتلاء میں تو ہماری ڈھال بن جا

(محمد سلطان اکبر اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج بہاولنگر)

[1] كَانَ اِسْمُ اُمِّ طَاهِرٍ "مریم بیگم"

حضرت سیدہ اُمِّ طاہر کا نام مریم بیگم تھا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی

آخری بیماری

اور

جسدِ اطہر ربوہ لانے کی تفصیلات

انٹرویو: محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اعلیٰ و ناظر خدمت درویشاں

مکرم سلطان احمد مبشر صاحب ربوہ

س : مکرم صاحبزادہ صاحب! آپ حضور کی بیماری کے وقت یہاں سے بھجوائے گئے تھے۔ آپ کب اور کس حیثیت سے اسلام آباد تشریف لے گئے؟

ج : حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی تشویشناک بیماری کے پیشِ نظر صدر انجمن احمدیہ نے مجھے اور مرزا غلام احمد صاحب کو بطور نمائندہ صدر انجمن احمدیہ حضور کے علاج وغیرہ کے سلسلہ میں اسلام آباد بھیجا۔ میں اور میاں احمد صاحب یکم جون ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد پہنچے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے بعد مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ بھی اسلام آباد تشریف لے آئے لیکن جب حضور کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو محترم مرزا منصور احمد صاحب اور مرزا غلام احمد صاحب واپس ربوہ آ گئے اور مجھے وہاں بطور نمائندہ چھوڑ آئے۔

س : میاں صاحب! حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بیماری کب شروع ہوئی؟

ج : ۲۸ مئی ۱۹۸۲ء کو حضور اسلام آباد میں مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور کو ٹانگوں میں کپکپاہٹ اور شدید کمزوری کا احساس ہوا۔ بقیہ نماز حضورؒ نے بیٹھ کر پڑھائی۔ اس کے بعد ڈاکٹروں نے معائنہ کیا، لیکن کسی ایسی رائے کا اظہار نہ کیا جس سے کوئی تشویش پیدا ہوتی۔

اس کے بعد حضور نے آرام کیا اور پھر معمول کے مطابق دفتر تشریف لاتے رہے۔

س: کن کن ڈاکٹروں نے حضور کا علاج کیا؟

ج: ڈاکٹر شوکت سید صاحب کراچی۔ کرنل ذوالفقار علی صاحب راولپنڈی۔ میجر مسعود الحسن نوری صاحب راولپنڈی۔ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب ربوہ۔ ڈاکٹر لطیف احمد قریشی ربوہ۔ ڈاکٹر شاہد احمد صاحب نیویارک امریکہ اور ڈاکٹر سٹیفن جینکنز Dr STEVEN JENKINS جو انگلستان کے مشہور ہسپتال SAINT THOMAS HOSPITAL میں کام کرتے ہیں۔

ان میں سے ڈاکٹر شاہد احمد صاحب نیویارک امریکہ۔ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب، ڈاکٹر لطیف احمد قریشی صاحب اور میجر مسعود الحسن نوری صاحب حضور کی وفات تک حضور کا علاج کرتے رہے۔ باقی ڈاکٹرز وقتاً فوقتاً پینل میں شامل ہوتے رہے۔

س: میاں صاحب! حضور کی آخری بیماری اور ڈاکٹرز کی تشخیص اور حضور کے علاج وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی مزید تفصیلات؟

ج: ۳۱ مئی کو صبح دس بجے حضور کو سانس کی شدید تکلیف ہوئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ دل حسب معمول کام نہیں کر رہا تھا۔ خون کا دباؤ بھی زیادہ تھا۔ اُسی وقت ماہر امراضِ قلب میجر ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب نے معائنہ کیا اور حضور کا معائنہ کیا اور حضور کا علاج شروع کیا۔ خون ٹیسٹ کیا گیا تو اس میں شکر کی مقدار زیادہ پائی گئی۔ یکم جون ۱۹۸۲ء کو مندرجہ ذیل ماہرین امراض قلب کی ٹیم نے حضور کا معائنہ کیا۔

ڈاکٹر شوکت سید صاحب کراچی، کرنل ذوالفقار علی صاحب راولپنڈی، میجر ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب راولپنڈی ٹیم نے دل کی حرکت کا معائنہ کیا اور ای سی جی وغیرہ لیا۔ خون میں شکر کی مقدار زیادہ پائی گئی۔ ای سی جی سے یہ ظاہر ہوا کہ حضور کے دل کے ایک حصّہ کو نقصان پہنچا ہے، جس کی وجہ سے سانس کی تکلیف ہوئی۔

انگلستان کے مشہور ماہر امراضِ قلب ڈاکٹر سٹیفن جینکنز Dr STEVEN JENKINS جو وہاں کے مشہور ہسپتال SAINT THOMAS HOSPITAL میں کام کرتے ہیں۔ کو حضور کے علاج کے سلسلہ میں بلوایا گیا؛ چنانچہ ۳ جون کو وہ اسلام آباد آگئے۔ صبح ۹½ سے ۱۰½ بجے تک انہوں نے معائنہ کیا۔ اُن کی رائے مقامی ڈاکٹروں کے مطابق تھی کہ حضور کو ۳۱ مئی کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ دل کی کارکردگی کمزور اور سانس کی تکلیف ہو گئی۔ چونکہ حضور ذیابیطس کے بھی مریض تھے اس لیے بیماری تشویشناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ ۴ جون کی شام کو ڈاکٹر جینکنز کے علاوہ نیویارک کے ایک احمدی ماہر امراضِ قلب ڈاکٹر شاہد احمد صاحب بھی تشریف لے آئے۔ اور ۴ جون سے وہ بھی حضور کے ڈاکٹروں کے پینل میں شامل ہو گئے۔

ڈاکٹر جینکنز JENKINS ۶ جون کو واپس چلے گئے۔ حضور کی طبیعت آہستہ آہستہ رُو بصحت تھی۔ بہتری پیدا ہو رہی تھی۔ ۸ جون کی شام کو حضور کی طبیعت اچھی تھی۔ بیماری کے پیشِ نظر میں خود بھی اور دوسرے لوگ زیادہ نہیں جاتے تھے لیکن اُس دن رات کو چند منٹ کیلئے میں حضور کے کمرہ میں گیا۔ حضور کرسی پر تشریف فرما تھے اور طبیعت خاصی بہتر تھی۔ میں چند منٹ حاضری کے بعد واپس آگیا۔

۸ جون کو ہی ایکسرے اور ای سی جی ہوئے جس سے یہ حوصلہ ہوا کہ مزید اثر نہیں ہے۔

س : حضورؒ کی صحت کے متعلق جماعت کو اطلاع پہنچانے کا کیا انتظام کیا گیا تھا ؟

ج : مَیں یکم جون کو اسلام آباد پہنچا تھا۔ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ مَیں نے ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کو بحیثیت نمائندہ صدر انجمن ہدایت کی کہ جو میڈیکل ٹیم، حضورؒ کے علاج کے سلسلہ میں مصروف ہے، وہ اُس کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیں۔ اور علاوہ اپنے طبّی فرائض کے مندرجہ ذیل اُمور بھی سرانجام دیں گے :

(۱) حضور کی بیماری کا مکمل ریکارڈ رکھیں۔

(۲) جن جن ڈاکٹروں کو دکھایا جائے، اُن کا نام۔ تشخیص مجوزہ ادویہ اور بیماری کی پراگرس سے متعلق اُمور کا تفصیلی ریکارڈ رکھیں۔

(۳) حضورؒ کی صحت کے بارہ میں صبح شام دن میں دو مرتبہ اپنے دستخطوں سے بلیٹن جاری کر کے مجھے دیں، تاکہ جماعتوں کو صحیح اطلاع مل سکے۔

چنانچہ اس کے مطابق عمل شروع ہوا۔ ڈاکٹر مبشر صاحب بحیثیت سیکرٹری رپورٹ دیتے جو اسلام آباد سے ڈائریکٹ ڈائلنگ کے ذریعے مختلف جماعتوں کو پہنچائی جاتی تھی۔

مکرم محمود احمد صاحب۔ صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو خاکسار ڈاکٹری رپورٹ دیتا کہ وہ پاکستان میں اطلاع کر دیں۔ ربوہ میں بھی اور باقی جماعتوں کو بھی۔

طریق یہ تھا کہ مختلف سینٹرز بنائے ہوتے تھے جہاں ڈائریکٹ ڈائلنگ کے ذریعہ اطلاع دی جاتی۔ پھر ان سینٹرز کے ذمہ بعض اور علاقے تھے جہاں ڈائریکٹ ڈائلنگ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سینٹر اطلاع کو اپنے اپنے علاقہ میں بذریعہ فون، خدام وغیرہ جماعتوں کو پہنچاتے تھے۔

اسی طرح بیرونی ممالک میں ہم نے دو مرکز بنائے۔ ہم یہاں سے لندن (انگلستان) اور فرنیکفرٹ (مغربی جرمنی) میں مکرم جناب شیخ مبارک احمد صاحب اور مکرم نواب منصور احمد خان صاحب کو بلیٹن نوٹ کرواتے۔ آگے انہوں نے مختلف ممالک کو اپنی اپنی آسانی کے مطابق تقسیم کیا ہوا تھا ؛ چنانچہ اطلاع ہر ایک مُلک تک ان ہر دو ممالک کے ذریعے پہنچتی رہی۔

علاوہ ازیں لوگ خود بھی فون کرتے تھے اور خیریت دریافت کرتے۔ انہیں بھی صحیح معلومات فراہم کی جاتی رہیں۔

س : دوائیوں وغیرہ کے بارہ میں کیا انتظام تھا؟

ج : زیادہ تر ادویہ انگلستان سے آتی تھیں۔ وہاں دوائیوں کی اطلاع کر دی جاتی تھی اور پھر دوائیاں اسلام آباد پہنچ جاتی تھیں۔

س : حضورؒ کی وفات کب ہوئی ؟ آپ کو وفات کی اطلاع کیسے ملی ؟

ج : ۸ جون کو حضور کی خدمت میں حاضری کے بعد مَیں نیچے سونے کے لیے آ گیا۔ حضورؒ بالائی منزل پر تشریف فرما تھے۔ مَیں اور حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب بیت الفضل کی نچلی منزل کے ڈرائنگ روم میں فرش پر سوتے تھے۔ مَیں سویا ہوا تھا کہ میری ممانی محترمہ بیگم صاحبہ نواب مسعود احمد صاحب مجھے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو جگانے کے لیے آئیں کہ حضورؒ کی طبیعت ایک دم بگڑ گئی ہے۔ ہم فوراً اُٹھے اور اوپر گئے، تو ڈاکٹر مبشر، ڈاکٹر نوری، ڈاکٹر لطیف صاحبان حضور کے کمرہ میں تھے۔ ڈاکٹر شاہد صاحب رات کو

سونے کے لیے ایک عزیز کے پاس چلے گئے تھے۔ اطلاع ملنے پر وفات سے پہلے وہ بھی پہنچ گئے اور علاج میں شامل ہو گئے۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق حضورؒ کو رات بارہ بجکر پانچ منٹ پر دل کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی اور سانس رُک گیا۔ فوری طبی امداد کے نتیجہ میں عارضی طور پر حرکتِ قلب اور سانس جاری ہوا لیکن بارہ بجکر پینتالیس منٹ پر وہ ساعت آگئی جس کے لیے ہم ہرگز تیار نہ تھے جس کا تصوّر بھی ہمارے لیے ناممکن تھا یعنی ہمارے محبوب امام ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنے پیارے آقا کے حضور حاضر ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

س: حضورؒ کی کوئی خاص وصیّت؟

ج: میرے علم میں کوئی نہیں۔

س: حضورؒ کا آخری فقرہ اگر آپ کو معلوم ہو؟

ج: میرے خیال میں تو حضورؒ نے آخری وقت میں کچھ نہیں فرمایا۔ ڈاکٹرز سے کوئی کنفرم کرسکتا ہے!

س: وفات کے وقت حضورؒ کے پاس کون کون موجود تھا؟

ج: وفات کے وقت کمرے میں چاروں ڈاکٹر۔ مرزا مبشر صاحب۔ میجر نوری صاحب۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اور ڈاکٹر شاہد صاحب اور حضورؒ کی حرم ثانی حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ بیگم صاحبہ تھے جبکہ کمرے کے سامنے والے برآمدہ میں جس میں حضور کا سامان وغیرہ پڑا ہوا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب۔ خاکسار، حضورؒ کے بیٹے اور حضورؒ کی بیٹیاں اور دیگر عزیز موجود تھے۔

س: حضورؒ کی وفات کی اطلاع بیرونی ممالک اور دیگر پاکستانی جماعتوں کو کس نے دی؟

ج: حضورؒ کی طبیعت بگڑنے کی اطلاع ربوہ میں بھی اور انگلستان میں بھی دی گئی۔ راولپنڈی اسلام آباد کے لوگ بھی پہنچنا شروع ہو گئے۔ وفات کے وقت وہ لوگ بھی موجود تھے۔

ربوہ میں مَیں نے خود مکرم و محترم مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کو حضورؒ کی وفات کی اطلاع بالائی منزل سے دی۔ جبکہ انگلستان اور جرمنی اور پاکستان کے دیگر بڑے شہروں میں مکرم و محترم مرزا فرید احمد صاحب نے دی۔

باقی جماعتوں کو اطلاع مکرم و محترم محمود احمد صاحب۔ صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ مکرم چوہدری انور حسین صاحب۔ امیر ضلع شیخوپورہ چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر ضلع لاہور مکرم شیخ عبد الوہاب صاحب امیر اسلام آباد۔ چوہدری احمد جان صاحب امیر ضلع راولپنڈی نے دی۔

س: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی "الیس اللہ بکافٍ عبدہ" والی انگوٹھی خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے پہنی ہوئی تھی وفات کے بعد کس نے اُتاری اور کیسے محفوظ کی گئی؟

ج: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی "الیس اللہ" والی انگوٹھی حضور خلیفہ ثالثؒ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ اس کے متعلق خاکسار نے بحیثیت نمائندہ صدر انجمن احمدیہ مکرم مرزا مبشر احمد صاحب کو اُسے اُتارنے کی ہدایت کی؛ چنانچہ انہوں نے یہ انگوٹھی اُتاری اور مجھے دی۔ مَیں نے احتیاط کے طور پر یہ انگوٹھی ایک رومال میں باندھ لی۔ مَیں نے اُس وقت کُرتہ پہنا ہوا تھا۔ اس کی بالائی جیب میں مَیں نے

رومال رکھا اور محترمہ ممانی صاحبہ (بیگم صاحبہ مکرم و محترم نواب مسعود احمد صاحب) سے کہا کہ جیب اوپر سے سی دیں تاکہ انگوٹھی نکلنے کا خدشہ نہ رہے

س: محترم میاں صاحب کیا آپ یہ بتائیں گے کہ یہ انگوٹھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کو کس نے پہنائی؟

ج: جی میں بتاتا ہوں۔ جب ہم ربوہ پہنچے تو میں نے کُرتہ اُتار کر اپنے کمرے میں ایک بکس میں بند کر دیا اور اُسے تالا لگا دیا۔ جب خلافتِ رابعہ کا انتخاب ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع پہلی بیعتِ عام کے بعد قصرِ خلافت (جو اُس وقت سرائے محبت ۲ میں منتقل ہو چکا تھا) کے اندر عزیزوں کے پاس تشریف لائے، تو میں اپنے گھر گیا اور وہ کُرتا اٹھا لایا۔ سرائے محبت ۲ میں میں نے اس کی جیب اُدھیڑی اور انگوٹھی حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کو دی کہ وہ اسے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ کے ہاتھ میں پہنائیں، چنانچہ یہ انگوٹھی انہوں نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ کے ہاتھ میں پہنائی۔

س: میاں صاحب! میں پھر واپس حضور کی وفات کی طرف آتا ہوں۔ انگوٹھی کے ذکر پر بات دُور چلی گئی۔ آپ نے بحیثیت نمائندہ صدر انجمن احمدیہ حضورؒ کی وفات پر میت کو ربوہ لانے کے سلسلہ میں کیا انتظام کیا؟

ج: سب سے پہلے تو میں نے مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر لاہور کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ موٹروں کی فہرست بنائیں کس نے کس موٹر میں جانا ہے۔ اس طریق پر قافلہ ترتیب دیں۔

مکرم شیخ عبدالوہاب صاحب امیر اسلام آباد سے کہا کہ وہ کفن اور لکڑی کے عارضی تابوت کا انتظام کریں۔ مکرم صدر صاحب خدام الاحمدیہ اور چوہدری انور حسین صاحب کے ساتھ مل کر رستے کا فیصلہ کیا۔ برف کا انتظام کیا گیا۔ گجرات کے امیر ضلع مکرم و محترم چوہدری منیر احمد خاں صاحب کو بذریعہ فون یہ اطلاع دی گئی کہ وہ برف لیکر گجرات شہر سے باہر آجائیں، تاکہ برف بدلی جا سکے۔ اسی قسم کی اطلاع مکرم چوہدری انور حسین صاحب نے اپنی جماعت کو بھی دی کہ وہ شیخوپورہ شہر سے باہر برف لے کر آجائیں۔

دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی جس گاڑی میں حضورؒ کی میت لانا تھی۔ اس کی سیٹیں نکلوا دی گئیں۔ ربوہ میں فون کیا گیا کہ فلاں راستے سے ہم آئیں گے۔ تابوت بنوائیں اور گرمی کے پیشِ نظر دو کمروں کو ٹھنڈا رکھنے کا انتظام کریں، تاکہ ضرورت کے وقت انہیں استعمال کیا جا سکے۔

س: کفن کہاں سے خریدا گیا؟

ج: اسلام آباد کی ایک دکان کھلوا کر کپڑا لیا گیا۔ مکرم شیخ عبدالوہاب صاحب نے ایک احمدی دوست جو کفن بنانا جانتے تھے کو بیت الفضل کی نچلی منزل میں بٹھا کر کفن سلوایا اور وہی کفن حضورؒ کو پہنایا گیا۔

س: محترم! کیا تابوت بھی اسلام آباد سے ہی بنوایا گیا؟

ج: عارضی طور پر ایک تابوت لکڑی کا جس میں روئی لگی ہوئی تھی، اسلام آباد سے بنوایا گیا اور اسی میں حضورؒ کا جسدِ اطہر ربوہ لایا گیا۔ یہاں ایک اور تابوت میں حضور کا جسدِ اطہر رکھا گیا اور پھر اُس میں ہی حضورؒ کو دفنایا گیا۔ اس دُوسرے کفن کے متعلق مکرم مرزا غلام احمد صاحب بہتر بتا سکیں گے۔

میں نے اس موقع پر محترم مرزا غلام احمد صاحب ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ سے اس تابوت کے متعلق پوچھا

جی محترم میاں صاحب!

ج: بکس میری زیر نگرانی مکرم ملک عبدالرب صاحب نے مندرجہ ذیل مستریوں سے بنوایا:
احسان احمد صاحب، یعقوب احمد صاحب، عبدالغنی صاحب۔ قدیر احمد صاحب۔

ایسبسٹوس (ASBESTOS) کی شیٹیں سرگودہا سے نظارت اصلاح وارشاد مقامی کی وین پر لائی گئیں لکڑی کے اندر ایسبسٹوس کی شیٹیں۔ پھر اسکے اندر روئی اور سفید ململ، لکڑی کے باہر سفید رنگ کی ہوئی جستی چادر سے تابوت تیار کیا گیا۔

س: مکرم جناب مرزا خورشید احمد صاحب! حضورؒ کو کس کس نے اور کب غسل دیا؟

ج: حضورؒ کو غسل اسلام آباد میں ہی دیا گیا۔ اس فیصلہ کے پس منظر میں یہ بات تھی کہ جب حضرت مسیح موعودؑ لاہور میں فوت ہوئے تو حضرت مسیح موعودؑ کو لاہور سے نہلا کرا ور کفنا کر قادیان لایا گیا تھا، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ حضورؒ کو بھی غسل اسلام آباد میں ہی دیا جائے؛ چنانچہ حضورؒ کی وفات کے اندازاً ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد حضورؒ کا جسم مقدس دوسرے کمرے میں لائے۔ جلدی اس لیے کی کہ گرمی زیادہ ہے اور پھر ربوہ بھی جلدی پہنچنا ہے۔

میں نے مکرم ڈاکٹر لطیف صاحب، مکرم ڈاکٹر میجر نوری صاحب، اور مکرم مرزا مبشر احمد صاحب کو غسل کے لیے کہا۔ اس طرح خاکسار نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے بھی کہا کہ وہ بھی حضورؒ کو غسل دینے میں شریک ہوں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بیحد غمگین تھے۔ کہنے لگے، مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ میں نے اصرار کیا کہ آپ ساتھ ہوں؛ چنانچہ آپ حضورؒ کے سرہانے کھڑے ہوتے دعائیں کرتے رہے اور ہمیں غسل میت کا مسنون طریقہ بتاتے رہے۔ میں نے اور تینوں ڈاکٹر حضرات نے حضورؒ کو غسل دیا۔ اس دوران حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ہمیں ہدایات دیتے رہے۔ نہلا کر حضورؒ کو کفن پہنایا گیا اور پھر لکڑی کے عارضی بکس میں حضورؒ کا جسد خاکی منتقل کر دیا گیا۔

س: جو کپڑے غسل کے وقت ستر پوشی اور جسم خشک کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے، وہ اب کہاں ہیں؟

ج: بطور یادگار وہ کپڑے میں نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوتے ہیں۔

س: حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی وفات کے وقت کون سے کپڑے حضورؒ کے زیب تن تھے؟

ج: وفات کے وقت حضورؒ کے جسم پر سفید کرتہ، سفید پاجامہ اور بازوؤں والی سفید بنیان تھی۔

س: یہ کپڑے اب کہاں ہیں؟

ج: ربوہ آنے کے بعد میں نے یہ کپڑے حضورؒ کی حرم ثانی حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ مدظلہا العالی کو دے دیئے تھے۔

س: اسلام آباد سے ربوہ آتے وقت دعا کس نے کروائی؟

ج: محترمہ بیگم صاحبہ کی اجازت سے حضورؒ کا تابوت جب گاڑی میں رکھا جا چکا تو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

نے بآوازِ بلند یہ اعلان فرمایا کہ چلنے سے پہلے محترم مرزا خورشید احمد صاحب نمائندہ صدر انجمن احمدیہ دُعا کرائیں گے۔ احباب دُعا کریں۔ چنانچہ خاکسار نے دُعا کروائی۔

س: قافلہ کس وقت اسلام آباد سے رُخصت ہوا؟

ج: دُعا کے بعد صبح پانچ بجکر دو منٹ پر قافلہ کوٹھی "بیت الفضل" اسلام آباد سے چلا۔

س: کس گاڑی پر حضورؒ کی میت لائی گئی؟

ج: حضورؒ کی میت دفتر پرائیویٹ کی مملوکہ زرد رنگ کی ٹیوٹا HIACE نمبر ۱۸۸-۱۲۳ / ۸۲ کراچی ۸۱ پر ربوہ لائی گئی (یہ نمبر اب تبدیل ہو چکا ہے اب اس گاڑی کا نمبر LOC ۶۴۹۵ ہو چکا ہے۔ یہ وہی گاڑی ہے جس پر حضرت نواب منصورہ بیگم صاحبہ حرم اوّل حضرت خلیفۃ ثالثؒ کا جنازہ قصرِ خلافت سے بہشتی مقبرہ ربوہ لایا گیا تھا۔

س: اس گاڑی کو کس نے ڈرائیو کیا؟

ج: مکرم عبدالشکور صاحب نے اس گاڑی کو ڈرائیو کیا۔

س: حضورؒ کی میت کے ساتھ کون کون تھا؟

ج: جس گاڑی میں حضورؒ کی میت لائی گئی تھی اُس کی اگلی سیٹوں پر خاکسار مرزا خورشید احمد، مکرم مرزا مبشر احمد صاحب اور عبدالشکور صاحب ڈرائیور اور پیچھے میت کے ساتھ مکرم لطف الرحمٰن صاحب شاکر آف فضل عمر ہسپتال، حضورؒ کے دیرینہ خادم مکرم محمد سلیم احمد صاحب، کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری اور حضورؒ کے باڈی گارڈ مکرم ناصر احمد صاحب شیر بہادر کو بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

س: کس رُوٹ سے جنازہ لایا گیا؟

ج: پہلے سے فیصلہ کے مطابق اسلام آباد سے گجرات بذریعہ جی ٹی روڈ، گجرات سے شیخوپورہ اور پھر شیخوپورہ سے لاہور سرگودہا روڈ پر جنازہ ربوہ لایا گیا۔

س: سفر کے دوران برف کا انتظام کیا تھا؟

ج: اسلام آباد میں میت کے اردگرد۔ چارپائی کے نیچے برف کی سلیں سالم اور توڑ کر رکھی گئیں۔ پھر گجرات کے باہر اور پھر شیخوپورہ سے باہر پگھلی ہوئی برف کو تبدیل کر کے تازہ برف رکھی گئی۔ اس طرح سفر کے دوران برف وافر مقدار میں حاصل رہی۔

س: ربوہ جنازہ کس وقت پہنچا؟

ج: پونے بارہ بجے قبل از دوپہر۔

س: ربوہ میں میت سے متعلق کیا انتظام تھا؟

ج: مَیں تو جنازے کے ساتھ تھا۔ میاں احمد صاحب ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔

مکرم و محترم مرزا غلام احمد صاحب سے پُوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

اطلاع ملنے پر فوری طور پر دفتر پرائیویٹ سیکرٹری اور قصرِ خلافت کی نو زیر تعمیر عمارت سے ملبہ مکرم سید قربان حسین شاہ صاحب نگران تعمیرات نے اُٹھوایا۔ پانی کا انتظام بھی انہوں نے کیا، تاکہ زیارت کرنے والے احباب کو تکلیف نہ ہو۔ علاوہ ازیں برف کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ ہر تین گھنٹے بعد ربوہ برف پہنچتی رہے۔ برف ربوہ، لالیاں، چنیوٹ اور فیصل آباد سے لائی گئی۔ سرائے محبت ۲ کے دو کمروں میں مزید ایئر کنڈیشنز اور برف وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ شامیانے لگوائے گئے۔ برف وغیرہ کے سلسلہ میں مکرم مرزا محمد الدین صاحب ناز اور مکرم سمیع اللہ صاحب سیال کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔

س: زیارت اور حفاظت سے متعلق کیا خاص انتظام کیا گیا تھا؟

مکرم و محترم مرزا غلام احمد صاحب: حفاظت کے لیے علاوہ پہریداروں کے خدام کو بھی مقرر کیا گیا۔ مکرم کرنل مرزا داؤد احمد صاحب اور بریگیڈیئر وقیع الزمان صاحب نے خصوصی طور پر اس انتظام میں حصہ لیا۔ جنازہ آنے کے تھوڑی دیر بعد زیارت کے لیے حضورؒ کا جسدِ اطہر رکھ دیا گیا جہاں احباب حضورؒ کی زیارت انتہائی نظم و ضبط سے کرتے رہے۔

س: حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے آخری ایام کی کوئی خاص بات؟

ج: حضور اپنی بیماری کے باوجود تمام قافلے والوں کے بارہ میں پوچھتے رہتے تھے کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کی بیوی بچے کس حال میں ہیں۔ فلاں کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ ہدایت فرماتے کہ ہر ایک کے ساتھ بہترین سلوک کریں اور کوئی تکلیف نہ ہونے دیں۔

س: اب میاں صاحب! آخری سوال یہ ہے کہ ان ایام میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کا کیا طرزِ عمل رہا۔

ج: ان ایام میں آپ نے میری ہر طرح سے اطاعت کی باوجود اس کے کہ آپ مجھ سے مرتبہ میں، علم میں، عمر میں غرضیکہ ہر لحاظ سے بڑے تھے۔ لیکن چونکہ مَیں صدر انجمن احمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت میں وہاں تھا اس لیے ہر بات کا فیصلہ مجھ پر چھوڑا حتیٰ کہ اسلام آباد سے چلتے وقت دُعا کے متعلق بھی انہوں نے مجھے ہی ارشاد فرمایا۔

★

مکرم و محترم مرزا خورشید احمد صاحب اور مکرم و محترم مرزا غلام احمد صاحب!

آپکا بہت شکریہ

دیکھتے ہی دیکھتے

(محمد ابراہیم شاد چک نمبر ۱۱۷ چھور ضلع شیخوپورہ)

ہو گیا رخصت پیارا دیکھتے ہی دیکھتے
چھپ گیا آنکھوں کا تارا دیکھتے ہی دیکھتے

کاتبِ تقدیر کی تقدیر پوری ہو گئی
وہ ہے جنّت کو سدھارا دیکھتے ہی دیکھتے

دے کے ہم کو قلبِ مضطر سوزِ پنہاں چشمِ تر
کر گیا ہے وہ کنارا دیکھتے ہی دیکھتے

اِنّا لِلّٰہ ہو گیا اوجھل ہمیشہ کے لیئے
ناگہاں آقا ہمارا دیکھتے ہی دیکھتے

ہو گیا رُوپوش خود دے کر محبّت کا پیام
قومِ احمد کا دُلارا دیکھتے ہی دیکھتے

"عاجزانہ راہیں" اُس کے پیار کی آئیں پسند
ہو گیا اللہ کو پیارا دیکھتے ہی دیکھتے

ہو گیا ہے بالیقیں اُس کی مساعی سے بُلند
"احمدیّت" کا منارا دیکھتے ہی دیکھتے

خوف کی حالت بدل دی ہے خدا نے امن سے
ہاتھ خود پکڑا ہمارا دیکھتے ہی دیکھتے

اپنے بندوں کی دُعا سُن کر خدا نے عرش سے
ہے سکونِ دل اُتارا دیکھتے ہی دیکھتے

آرزوئے دل صدا بن کر زباں پر آ گئی
ہو گیا حق آشکارا دیکھتے ہی دیکھتے

پھر خلافت کے اُفق پر ہو چکا ہے رُونما
نُورِ حق کا اِک ستارا دیکھتے ہی دیکھتے

ابرِ رحمت سے ہوا ہے لاجرم شاداب پھر
گلستاں سارے کا سارا دیکھتے ہی دیکھتے

کر دیا ہے دستِ قدرت نے بوقتِ انتخاب
جانب "طاہر" اشارا دیکھتے ہی دیکھتے

عہدِ بیعت کر کے ہم نے پھر امامِ وقت سے
اپنا سب کچھ ہے سنوارا دیکھتے ہی دیکھتے

چشمِ ما روشن دلِ ما شاد از فضلِ خدا
تمکنت شد دینِ مارا دیکھتے ہی دیکھتے

جانے والے تیرے قدموں سے لپٹ کر رو لوں

محترم محمد عطاء اللہ صاحب ایم اے۔ قائد مجلس خدام الاحمدیہ
کیلے ضلع شیخوپورہ

مَیں ایک گاؤں کیلے کا رہنے والا ہوں جو شیخوپورہ سے چند میل دور ہے۔ یکم جون کو اذانِ فجر سے پہلے اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے شیخوپورہ سے رائے عبدالقدیر صاحب کھڑے تھے دل میں کئی خدشات پیدا ہوئے کہ اس وقت ان کے یہاں آنے کا مقصد؟ پہلے تو کبھی اتنا ضروری کام نہ ہوا کرتا تھا۔ الٰہی خیر ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اسلام آباد میں تشویش ناک حد تک اچانک بیمار ہو گئے ہیں۔ دعاؤں کا اور صدقات کا سلسلہ شروع کر دیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضور کی صحت کی بحالی کی خوشکن خبریں آنے لگی تھیں۔ دل خدا کے شکر سے معمور تھے۔ حالتِ خوف ختم ہونے کے آثار پیدا ہو رہے تھے لیکن پھر بھی ہر قسم کی تسلی کے باوجود دل میں ایک چبھن اور دھڑکا ضرور تھا کہ دل کی بیماری تو ایک خطرناک بیماری ہے اس کے حملہ کا کیا پتہ؟ پھر بھی بظاہر اس دھڑکے پر تازہ ترین اطلاعات غلبہ پائے ہوئے تھیں۔ گھر میں ہر وقت حضور کی صحت کے متعلق ہی تذکرے رہتے

بڑوں کے علاوہ بچے بھی اپنے محبوب آقا کے لیے دست بدعا تھے اور بچوں میں یہ فقرہ عام تھا "حضور جلد ٹھیک ہو جائینگے پھر وہ دعا کریں گے اور ہم اس جماعت سے پاس ہو کر اگلی جماعت میں چلے جائیں گے۔"

میرے بھائی کی چھوٹی بچی کو جب یہ بتایا گیا کہ حضور اب ٹھیک ہو رہے ہیں تو اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا "جلسہ پر حضور کی پگ دور سے دیکھیں گے تو پتہ چلے گا۔" سوچتا ہوں خدا بچوں کے منہ سے بعض اوقات کیسی کیسی ذومعنی باتیں نکلوا دیتا ہے۔

...... اور پھر جون کی نو تاریخ کا آغاز ہوا۔ حسب معمول دن کا آغاز ہوا کہ دفعتہً دروازے پر دستک ہوئی ایسے انداز میں جیسے کوئی شدید جلدی اور اضطراب میں ہے میں نے دروازہ کھولا۔ سامنے شیخوپورہ سے آئے ہوئے مکرم رشید ناصر صاحب کھڑے تھے۔ چپ جس نے ساری بات سمجھا دی تھی جس بات کا خوف تھا وہ ہو گئی تھی۔ شیخوپورہ سے علی الصبح کوئی اچھی اطلاع نہیں آسکتی تھی چند دن بیشتر بھی

اسی انداز میں حضور کی بیماری کی اطلاع ملی تھی۔ ناصر صاحب
میرے سامنے اور میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔ نہ ان کو خبر
بتانے کی ہمت نہ مجھے پوچھنے کا حوصلہ۔ بہرحال چند لمحوں کے
توقف کے بعد انھوں نے کمال ہمت سے اتنا کہہ دیا۔

"حضور رات انتقال کر گئے"۔

میرے منہ سے بے اختیار انا للہ وانا الیہ راجعون
نکلا یا الٰہی یہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگا۔

وہ تو یہ اطلاعی فقرہ بول کر چلدیئے۔ اب اپنے گھر
میں اطلاع دینے کا مشکل مرحلہ میرے ذمہ تھا اور مجھ میں
اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے محبوب مطاع کے بچھڑنے کا اعلان
کر سکوں کبھی کمرے میں جاتا کبھی باہر آتا۔ آخر کمرہ میں بیٹھ
گیا اور چھوٹی ہمشیرہ سے اتنا کہہ سکا۔

"حضور فوت ہو گئے"۔

وہ بھی حیرت سے مجھے دیکھنے لگی کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا
میں نے کہا گھر والوں کو بتا دو اور یہ انتہائی مشکل کام بھی اس
طرح تمام ہوا۔ جو خدا کو منظور تھا وہ ہو چکا تھا ہمارا محبوب
و مطاع اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گیا تھا۔

ربوہ جانے کے لیے بس میں بیٹھا تو ساتھ ہی ایک
عمر رسیدہ بزرگ چھوٹی سی گٹھری اٹھائے میرے پاس آ بیٹھے
بس میں خواہ مخواہ باتیں کرنا مجھے پسند نہیں اور آج تو ویسے
ہی کسی سے بولنے کو جی نہ چاہتا تھا مگر جب بس کنڈکٹر نے
ان کی منزل دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ "ربوہ" ۔ ربوہ کا
لفظ سن کر میں چونکا۔ پھر ذرا ہمت کر کے پوچھا "باباجی! ربوہ تو
ٹھیک ہے آپ جا رہے ہیں مگر اس گٹھری کا کیا کام" جواب
ملا چوہڑ کانہ اپنی لڑکی کے پاس آیا ہوا تھا کیونکہ وہ بیمار تھی
آج واپس گھر جانے کا ارادہ تھا مگر راستہ ہی میں معلوم ہوا کہ
حضور فوت ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سنکر کسی طرف جانے کو جی نہیں
چاہتا۔ لہٰذا گٹھڑی سمیت ربوہ جا رہا ہوں۔ باقی سفر خاموشی
سے کٹا۔ البتہ راستہ میں احباب جماعت کو سوگوار چہروں
کے ساتھ بس میں سوار ہوتے ضرور دیکھا۔

اور پھر ربوہ آ پہنچا۔ گرمی زوروں پر ہے۔ مگر آج اس
طرف کسی کا دھیان نہیں۔ آج ہر کوئی اپنے محبوب آقا
کی جدائی کے کرب ناک خیال کے علاوہ کسی خیال کو قریب
بھی نہیں آنے دیتا۔ لوگ غم و الم کی تصویریں بنے ربوہ آ
رہے ہیں۔ کچھ دیر اڈا پر کھڑا ہو کر لوگوں کا جائزہ لیتا
ہوں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر ایک شخص سے پوچھتا
ہوں۔ "حضور کا قافلہ ابھی آیا ہے کہ نہیں"۔ مختصر سا جواب
ملتا ہے "اطلاع ملی ہے ایک گھنٹہ تک ربوہ پہنچ جائیگا"۔
یہاں سے مسجد مبارک چلا جاتا ہوں جہاں ربوہ بلکہ ساری جماعت
کی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لوگ غم و درد کی تصویر
بنے بیٹھے ہیں کچھ انتہائی اضطراب کی حالت میں ادھر ادھر
چل رہے ہیں نہ کسی نماز کا وقت ہے نہ نفل کا کسی سے
بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ جماعت کا ہر فرد جو ایک دوسرے
مل کر ان کو خیریت پوچھنا اپنا شیوہ خاص اور طرہ امتیاز سمجھتا
تھا اس وصف کو بھول چکا ہے کیونکہ خیریت پوچھے بھی تو
کیا۔ کونسی خیریت ہے؟ اور کیسی خیریت؟ چند منٹ مسجد
میں بیٹھا ہوں تو خیال آتا ہے کہ کہیں قافلہ نہ آ جائے اور میں
یہیں بیٹھا رہوں۔ حضور کا آخری مرتبہ استقبال بھی نہ کر سکوں
چنانچہ اس راستہ کا رخ کرتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بس
آیا ہی چاہتا ہے۔ متوقع راستہ پر احباب میلوں تک سڑک

کے دونوں طرف کمال ضبط سے کھڑے منتظر ہیں ایسے معلوم ہوتا کہ حضور کسی بیرونی دورے سے واپس تشریف لا رہے ہیں اور چند منٹوں کے بعد حسب معمول ہنستے ہوئے چہرہ سے خوش آمدید کا جواب ہاتھ ہلا ہلا کر دیں گے لیکن یہ تو صرف چشم تصور کی خوش فہمیاں تھیں۔ چند منٹ کے بعد قافلہ نظر آتا ہے ...... اور پھر وہ ویگن نما کار سامنے سے گزرتی ہے جس پر حضور ہمارے استقبال سے بے نیاز ابدی نیند سو رہے ہیں۔ جہاں جہاں سے یہ ویگن گزرتی ہے قیامت کا سماں طاری کرتی جاتی ہے۔ اکثر احباب کو میری طرح حضور کی دائمی جدائی کا احساس اب ہوتا ہے۔ طوفان گریہ تمام بند توڑ کر بہہ نکلتا ہے۔ حضور کی ویگن کے بعد پتہ نہیں قافلہ کتنا لمبا تھا کیونکہ قوت بصارت پر تو طوفانِ گریہ قبضہ کر چکا تھا اور قوت سماعت کرب ناک چیخوں سسکیوں اور آہوں کے سوا کسی کو محسوس نہ کر رہی تھی۔ طوفان گریہ ذرا تھما تو اردگرد کا جائزہ لیا اکثر احباب رومالوں میں چہرے چھپائے سسکیاں لے رہے تھے۔

دل کو یقین ہو چلا ہے کہ حضور واقعی ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو چکے ہیں اور اب صرف آخری ملاقات زیارت کی صورت میں ہونا ہی ممکن ہے۔

زیارت کے لیے قطار بنی ہے۔ اس کے آغاز کا تو پتہ نہیں چلتا البتہ اس کا آخری سرا دارالضیافت کا بیرونی دروازہ ہے۔ وہاں کھڑا ہو جاتا ہوں مگر دو گھنٹہ تک ایک قدم کی بھی پیش رفت نہیں ہو پاتی مغرب کی اذان ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اب زیارت مغرب کی نماز کے بعد شروع ہو گی چنانچہ مسجد مبارک میں نماز کے لیے چلا جاتا ہوں۔ اب کے نماز کے بعد قطار میں مسجد سے قریب ہی جگہ مل جاتی ہے۔

اندھیرا چھا رہا ہے۔ مدہم سی روشنی میں ایک شخص پر نظر پڑتی ہے جو قطار کے الٹ سمت میں چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر ایسے لگتا ہے کہ اِدھر گرا اُدھر گرا چال اس حد تک غیر متوازن ہے۔ قریب آنے پر مجھے ملک خالد محمود صاحب قائد ضلع کا گماں گزرتا ہے۔ قطار سے ذرا سا نکل کر قریب جاتا ہوں تو گمان یقین میں بدل جاتا ہے پوچھتا ہوں" زیارت کر لی" جواب ملتا ہے" ہمت ہی نہیں تیسری دفعہ قطار میں لگا ہوں جب قریب جاتا ہوں تو قطار سے نکل کر واپس آ جاتا ہوں جس چہرہ کو ابھی کل ہنستے مسکراتے دیکھا آج اس حالت میں کیسے دیکھوں۔ آج معلوم ہوا ہے کہ حالتِ یتیمی کیا ہوتی ہے۔" اچھا دل کو یہ یقین دلانا ہی پڑیگا اب تمہارے ساتھ جانے کی کوشش کرتا ہوں۔ حضور کی طرف قطار میں سفر جاری رہتا ہے اور پھر وہ مکان ...... وہ کمرہ .... آتا ہے ایک کونے میں حضور ابدی نیند سو رہے ہیں چہرے پر وہی مسکراہٹ ہے جیسے احباب جماعت کو کہہ رہے ہوں۔

"دیکھو میں نے تمہیں کہا تھا ہمیشہ مسکراتے رہو
اس پر عمل کرنے سے کبھی نہیں چوکنا۔"

زیارت ہو چکی رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ جماعت پر یہ رات قیامت سے کم نہیں۔ آج تجربہ ہوتا ہے کہ خلیفہ کس طرح جماعت کے لیے ڈھال ہوتا ہے۔ خلیفہ نہ ہو تو حفاظتی سایہ نہیں رہتا۔ رات جہاں کسی کے جی میں آئی گزاری۔ سڑکوں کے ساتھ خاک آلودہ پلاٹوں میں لوگ ایسے پڑے ہیں جیسے کسی نے ان کا سب کچھ لوٹ لیا ہو۔ چل پھر کر

مسجد مبارک میں آتا ہوں یہاں عجیب طرح کا سماں طاری ہے اکثر احباب سجدوں میں گرے ہیں دعاؤں کا تو پتہ نہیں کہ البتہ ان کی سسکیوں کی آوازوں سے مسجد آباد ہے نمازِ فجر کے بعد اعلان ہوتا ہے آج بعد نمازِ ظہر خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوگا۔

مسجد سے باہر نکل کر خیال کرتا ہوں کیوں نہ ایک دفعہ پھر اپنے محبوب آقا کا دیدار کر لوں کیونکہ پھر تو یہ محبوب چہرہ نظر نہ آسکے گا۔ قطار کے پیچھے جا کر کھڑا ہوتا ہوں کہ وہاں پر موجود ایک خادم پوچھتا ہے کیا پہلے زیارت نہیں کی ؟ دل میں آتا ہے کہہ دوں نہیں مگر پھر یہ سوچ کر کہ جس محبوب آقا کا دیدار کرنا ہے اس کی تو دعا یہ تھی کہ اے خدا ہمیں ان لوگوں میں نہ بنا جو کہتے ہیں جھوٹ کے بدوں گذارا مشکل ہے ۔ بَیں اثبات میں جواب دیتا ہوں وہ خادم کمال ہمدردی وشفقت سے کہتا ہے "تو پھر کسی اور کا حق نہ چھینو"

چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ہٹ جاتا ہوں نماز ظہر ادا ہو چکی ہے ۔حسب اعلان خلافت کمیٹی کا اجلاس ہونے والا ہے ۔مسجد خالی کروائی جا رہی ہے احباب جماعت باہر فیصلہ کے منتظر ہیں ۔ایک ایک لمحہ گزارنا دوبھر ہو رہا ہے ۔انتظار کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا سلسلہ جاری ہے ۔ایک صبر آزما انتظار کے بعد مسجد کے سپیکر کھولے جاتے ہیں اور اعلان ہوتا ہے .... انتخابِ خلافت کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق حضرت مرزا طاہر احمد ...... باقی کا اعلان لبیک لبیک کی آوازوں میں دب جاتا ہے جماعت کو خلافت کی قبا مل گئی ہے اس جوش و خروش کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت ہر چند لمحے پیشتر جو غم واندوہ کے بادل چھائے تھے اب چھٹ چکے ہیں ۔مگر یہ مستقل خوشی بھی اس وقت وقتی معلوم ہوتی ہے ۔جب نئے منتخب ہونے والے خلیفہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب آقا کے لیے دعاؤں کی تحریک کرتے ہیں تو حضور کے ذکر سے احباب کی چیخیں نکل نکل جاتی ہیں ۔گزشتہ دن سے یہی کیفیت طاری ہے کہ جب بھی حضور رحمہ اللہ کا ذکر آتا ہے کسی میں صبر وضبط کی طاقت نہیں رہتی ۔ انہی آہوں اور سسکیوں میں خلافتِ رابعہ کی پہلی بیعت ہوتی ہے ۔جنازہ کا اعلان ہوتا ہے ۔احباب ہزاروں کی تعداد میں اپنے محبوب آقا کو الوداع کہنے کے لیے بہشتی مقبرہ میں تشریف لے جاتے ہیں ۔ نماز جنازہ ہوتی ہے اور غروب آفتاب کے ساتھ احباب جماعت اپنے محبوب آقا کو آہوں سسکیوں اور دعاؤں کے نذرانوں کے ساتھ الوداع کہتے ہیں

اگلے دن گھر کو واپسی ہوتی ہے ۔آتے ہی بھائی جان کی چھوٹی بچی معصومیت سے پوچھتی ہے "۔حضور کیا کہتے تھے" انھیں کیا معلوم کہ جب حضور فوت ہو جائیں پھر کچھ نہیں کہتے ۔مَیں سوچتا ہوں کیا جواب دوں ۔حضور کے ذکر کی تو ابھی تک ہمت نہیں۔ مجھ سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا مگر بھائی جان فوراً کہتے ہیں ۔

وہ کہہ گئے ہیں میرے ۔بچو! تم پڑھو اور بہت پڑھو دنیا میں نام پیدا کرو ۔مَیں خدا کے پاس جا کر تمہاری آئندہ آخرت کی زندگی کا انتظام کرتا ہوں"۔

بقیہ از صفحہ ۲۶۱

اپنا آخری تبرک ہمارے کھانے کے لیے ارسال فرمایا اور پھر اچانک وہ وقت ٹوٹ پڑا جس کا پہلے دن سے دھڑکا لگا ہوا تھا خدا کی تقدیر پوری ہوئی اور ہمارے آقا ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضور کی سیرت تو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے ان چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس عاجز نے اس پیارے وجود کا ذکر کیا ہے جو حضرت امام مہدی کے ظہور کے بعد قدرت ثانیہ کا تیسرا مظہر بنا اور جس نے ۱۷ سال عالم اسلام کو اپنی "تابانیوں سے روشن رکھا، حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے سر ان کے احسانوں کے بوجھ تلے جھکے ہوئے ہیں اور قیامت تک دنیا کے عظیم مفکر اور تاریخ دان ان کی سیرت کے حسین پہلوؤں اور ان کے عظیم احسانات کا تذکرہ کرتے رہیں گے۔

(بقیہ نصرت جہاں کی گود کے ... صفحہ ۲۵۱ سے آگے)

وہ اشعار سنائے جن میں پہلا شعر یہ تھا۔

چلائے کوئی جا کے مزار مسیح پر
نصرت جہاں کی گود کے پالوں کو لے گئے

یہ وہ پیاری اور خوشگوار یادیں ہیں جو کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں اور جو تادم آخر یاد رہیں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقدس روحوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

(خادم خیر الانام محمد بشیر زیروی ریٹائرڈ اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز لاہور مکان ۳۔۳ مہتہ سٹریٹ ٹمپل روڈ لاہور)

تعداد پلاٹس	سائز	تفصیل	
33	100 × 55	ایک کنال کے پلاٹس	1
170	70 × 40	10 مرلہ کے پلاٹس	2
24	55 × 35	10 مرلہ کمرشل رہائشی پلاٹس	3
34	50 × 20	7 مرلہ کے پلاٹس	4
32	45 × 22	5 مرلہ کے پلاٹس	5
8	20 × 12	3-5 مرلہ کے پلاٹس	6
6		محلہ شاپس	7
1		کمرشل سینٹر	8
3		پبلک بلڈنگ	9
1		بنک	10
299		رہائشی پلاٹس	
310		کل تعداد	

کل رقبہ 127 ایکڑ 7 کنال 15 مرلہ — رقبہ برائے رہائشی پلاٹس 17 ایکڑ 7 کنال 4 مرلے

ڈیپارٹمنٹ ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب سے منظور شدہ
MEMO NO - DG, H... / TPS 81/1987

حدود کمیٹی میں ساہیوال روڈ پر سب سے اونچی جگہ اور پُرفضا مقام پر واقع ضروریات زندگی کی تمام سہولتوں کے ساتھ
مسجد اقصیٰ سے چار فرلانگ مغرب کی جانب اپنی طرز کی واحد ہاؤسنگ سکیم

کہکشاں ہاؤسنگ سکیم ربوہ

خوبصورت پلاننگ کا احساس آبادکاری کا حسین امتزاج صرف کہکشاں میں ہی آپ کمال درجہ پر محسوس کریں گے۔

تحفظ ڈیولپمنٹ
ڈیولپمنٹ کے تحفظ کے لئے سکیم کے 20 فیصد پلاٹس گورنمنٹ کی تحویل میں

سہولتیں :- 1. تارکول کی پختہ سڑکیں 2. ڈرینج سسٹم 3. بجلی کی سپلائی 4. پبلک ٹیلیفون بوتھ 5. سڑکوں پر سایہ دار درخت 6. مسجد 7. سکول 8. ڈسپنسری 9. بنک 10. کمرشل سنٹر 11. محلہ شاپس 12. کھیل کا میدان اور پارک 13. کمرشل پلاٹس 14. 2، 5، 7، 10 مرلہ - 1 کنال کے رہائشی پلاٹس 15. نقد اور آسان اقساط 16. حق شفعہ سے مبرا 17. پانی نہایت میٹھا اور صحت بخش 18. گورنمنٹ سے تعمیر کیلئے قرضہ حاصل کر سکتے ہیں۔ 19. خوبصورت اور جدید مکانوں کے لئے نقشے مفت حاصل کریں۔ 20. عنقریب کہکشاں میں متعلقہ محکموں سے معاہدہ طے ہونے کے بعد مزید سہولتیں مہیا کی جا رہی ہیں۔

ہم اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سکیم کو ہر طرح سے خوبصورت بنا رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے پیارے شہر ربوہ کی حدود ایک خوبصورت پلاننگ کے ساتھ بڑھیں اور احمدی احباب ربوہ جیسا ماحول پائیں۔ گورنمنٹ سے معاہدہ کے مطابق ڈیولپمنٹ تیزی سے جاری ہے اور سڑکیں تکمیل کے مراحل میں ہیں۔ ڈیولپمنٹ مکمل ہونے پر پلاٹس کی بکنگ ایک محدود عرصہ کیلئے بند کر دی جائے گی اس لئے پہلے آئیں اور پہلے آپکے پسند کے پلاٹس حاصل کر کے باذوق افراد کے حلقہ میں شامل ہوں۔ ساہیوال روڈ مسجد اقصیٰ سے شروع ہو کر وایا جھنگ روڈ تک تیزی سے تکمیل کے مراحل میں۔ اس طرح سے آپ کہکشاں سے مسجد اقصیٰ و پورے ربوہ کے ساتھ بہتر راستہ حاصل کریں گے۔

مزید تفصیلات کیلئے

العارف اسٹیٹس ڈیولپرز گولبازار ربوہ

فون دفتر 498
فون رہائش 478

ساہیوال چنیوٹ روڈ

اظہارِ تشکر

رسالہ خالد کے سیدنا ناصرؒ نمبر کے سلسلہ میں ادارہ خالد ان تمام لوگوں کا انتہائی شکر گزار ہے جنہوں نے دن رات ایک کر کے رسالہ کی تیاری میں ہماری مدد فرمائی۔ خاص طور پر مکرم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ محترم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب، مکرم یوسف سہیل شوق صاحب، مکرم مرزا خلیل احمد صاحب قمر، مکرم قاضی منیر احمد صاحب، مکرم الیاس منیر صاحب کے ہم انتہائی ممنون ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔